بہروپ

محمود احمد مودی





میں جب کراچی کے کینٹ اسٹیشن پر اترا تو میری کیفیت کچھ ایسی تھی جیسی شاید امریکہ دریافت کرنے پر کولمبس کی ہوئی ہو گی۔ میں کئی لمحے تک پرہجوم پلیٹ فارم پر دم بخود کھڑا رہا' حالانکہ میں پہلی بار کراچی نہیں آیا تھا' اس سے پہلے بھی میں کراچی آتا رہا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس وقت میں صرف گھومنے پھرنے یا پھرچھوٹے موٹے کاموں سے آیا کرتا تھا' اور اس وقت مجھے یہ فکر ہوتی تھی کہ جلد از جلد اسٹیشن سے نکل کر شہر پہنچوں اور محدود وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ سیرو تفریح میں بسر کروں' لیکن اب مجھے کوئی جلدی نہیں تھی' میں مستقل طور پر کراچی میں رہنے کیلئے آیا تھا۔ اس شہر میں جس کے متعلق کہا جاتا ہے' کہ یہ کسی کو مایوس نہیں لوٹاتا۔ قسمت آزمائی کے جیسے مواقع اس شہر بیکراں میں میسر ہیں ایسے دنیا کے کسی گوشے میں نہیں۔

میں بھی قسمت آزمائی کیلئے اس شہر میں آیا تھا۔ اچھے مستقبل کی تلاش میں' بے روزگاری کی اس لعنت سے چھٹکارہ پانے کے لئے جس نے گزشتہ ڈیڑھ سال سے مجھے لوگوں کی تحقیر آمیز نظروں کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ میرے ذہن میں طرح طرح کے اندیشے اور تفکرات جنم لے رہے تھے۔ کیا میں خود کو کراچی جیسے بڑے شہر کے ماحول سے ہم آہنگ کر پاؤں گا؟ میری تعلیمی لیاقت اور ذہانت جو مجھے ہر امتحان میں امتیازی کامیابی دلاتی رہی ہے کیا نوکری حاصل کرنے میں بھی میری مدد کر سکے گی؟ میری وہ خود اعتمادی جس پر میرے دوست ہمیشہ رشک کیا کرتے تھے' کہیں عین موقع پر مجھے دھوکا تو نہیں دے جائے گی؟ ان میں سے کسی سوال کا جواب اس وقت میرے پاس نہیں تھا' لیکن رفتہ رفتہ ہر سوال نے اپنا جواب خود ہی تلاش کر لیا۔ اس مہربان شہر نے دھیرے دھیرے مجھے اپنی فراخ آغوش میں سمو لیا۔ بہتر ہو گا میں آپ کو اپنے بارے میں تھوڑا سا پس منظر بتاتا چلوں۔

میرے ابو ریٹائر پولیس افسر اقبال احمد خان کی خواہش تھی' کہ میں پولیس میں اعلیٰ مقام حاصل کروں' لیکن میری امی اپنے اکلوتے بیٹے کو کسی قسم کے خطرے میں ڈالنے کو تیار نہ تھیں۔ ان کا کہنا تھا' کہ ہم روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کر لیں گے' لیکن اندیشوں اور تشویش کا وہ طویل دور ایک بار پھر واپس نہیں آنے دیں گی' جو وہ میرے ابو کی سروس کے دوران میں گزار چکی ہیں۔ میرے ابو کو مجبوراً ان کی بات ماننا پڑی تھی۔ ویسے بھی انہیں

معلوم تھا کہ جسمانی طور پر پولیس کے لئے موزوں ترین ہونے کے باوجود میں ذہنی طور پر یہ پیشہ اختیار کرنے کیلئے تیار نہیں تھا' لیکن مسئلہ یہ تھا کہ مجھے اب کیا کرنا چاہئے' کہ گھر کا چولہا جلتا رہے؟ ابو کے چند ایکڑ بنجر زمین کے ٹکڑے اور معمولی پنشن پر ہم کب تک انحصار کر سکتے تھے' جبکہ میری تعلیم کے سلسلے میں وہ اچھی خاصی رقم بطور قرض بھی لے چکے تھے' چنانچہ میں نے وہی کیا جو میرے بس میں تھا- یعنی نوکری کے لئے دربدر پھرنا' میں نے اپنے چھوٹے سے شہر میں دفتری قسم کی نوکری کی توقع نہ ہونے کے باوجود بھرپور کوشش کی' اور پھر حیدر آباد کا رخ کیا لیکن اس شہر کے مانوس گلی کوچے بھی مایوسی کے علاوہ مجھے کچھ نہ دے سکے' بالآخر مجھے وہی کرنا پڑا جو پاکستان کے ہر شہر' قصبے اور گاؤں کا بے روزگار نوجوان کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے یعنی روشنیوں کے شہر کراچی کی جانب ہجرت-

مجھے آج تک علم نہیں ہو سکا' کہ ابو جی نے میرے لئے دس ہزار روپے کی خطیر رقم کا بندوبست کیسے کیا تھا؟ مجھے کراچی کیلئے رخصت کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا "دانش بیٹے ! تمہارے باپ نے شرافت اور عزت کے علاوہ کوئی سرمایہ اکٹھا نہیں کیا ہے' میری خواہش ہے کہ میرے اس ورثے کی تم بھی حفاظت کرو' کراچی بہت بڑا شہر ہے' تمہیں اچھے اور برے دونوں طرح کے لوگ ملیں گے' ایمانداری سے روزی کمانے میں دشواری پیش آنے کے بعد بے ایمانی سے دولت کمانے میں تمہیں بے حد کشش نظر آئے گی' میری استدعا ہے کہ تم اس آزمائش پر پورے اترنا' اگر کراچی تمہیں قبول نہ کرے تو چپ چاپ گھر لوٹ آنا ہم دونوں مل کر اپنی بنجر زمین کا سینہ چیر کر روزی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے-"

صدر کے ایک غلیظ لیکن سستے سے ہوٹل میں ایک ہفتہ گزارنے کے بعد میں اجمیر نگری کی کچی بستی میں ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا- اس دوران نوکری کی تلاش کا سلسلہ جاری رہا' یہ الگ بات ہے کہ مسلسل ناکامی ہر جگہ میرا استقبال کرتی رہی- اس روز بھی میں نوکری کی جستجو میں سائٹ جانے والی منی بس میں سوار ہوا تھا' میری خوش قسمتی کہ میرے منی بس میں سوار ہوتے ہی ایک سیٹ خالی ہو گئی جس پر میں نے فوراً قبضہ کر لیا' نیو کراچی کا طویل چکر کاٹ کر منی بس ناگن چورنگی پہنچی' جہاں سے درجن بھر لوگوں کا گروپ منی بس پر سوار ہوا' اس کے ساتھ ہی منی بس میں تل دھرنے کی جگہ باقی نہ رہی- منی بس کے چلنے کے بعد میں ایک بار پھر اپنے خیالوں میں گم ہونے والا تھا' کہ اچانک ایک عجیب و غریب منظر نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا-

منی بس کے پچھلے گیٹ کے قریب کھڑا ایک خوش شکل سا نوجوان نہایت صفائی اور مہارت سے اپنے پہلو میں موجود شخص کی بغلی جیب میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا' زبردست بھیڑ کے باعث اس کی یہ حرکت کسی کی نظر میں آنے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا- میں وہ واحد فرد تھا جس کے لئے کسی حد تک یہ کارروائی دیکھنا ممکن تھا- میری سمجھ میں نہیں آرہا

تھا کہ میں کس قسم کے ردعمل کا اظہار کروں- تبھی اس نوجوان کا ہاتھ اپنے شکار کی جیب سے برآمد ہوا- میں نے سرخ نوٹوں کی جھلک دیکھی' کارروائی مکمل کرتے ہی جیب کترے نے منی بس سے اترنے کے لئے عقبی دروازے کی سمت قدم بڑھا دیئے- اچانک مجھے ہوش سا آ گیا-

"ارے---- پکڑو اسے' جیب کاٹ کر بھاگ رہا ہے یہ----" میں نے زور سے آواز لگائی- منی بس میں یک لخت بے چینی اور اضطراب کی لہر دوڑ گئی-

"کون ہے---- پکڑو---- جانے نہ پائے- کس کی جیب کاٹی ہے----" کئی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں- جیب کترے کا چہرہ فق ہو گیا' تب تک وہ منی بس کے پچھلے گیٹ کے قریب پہنچ چکا تھا' اور منتظر تھا کہ منی بس کی رفتار کم ہوتے ہی چھلانگ لگا دے- اسے ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر میں اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا- اس نے خونخوار نظروں سے گھور کر مجھے ڈرانے کی کوشش کی- اس کے گھورنے کی پروا کئے بغیر میں نے اس کا کالر اپنی گرفت میں لے لیا- صورت حال بگڑتی دیکھ کر اس نے پوری قوت سے میرے پیٹ میں کہنی مارنے کی کوشش کی' اگر میں ہوشیار نہ ہوتا تو کہنی کی ضرب مجھے شدید نقصان پہنچا سکتی تھی' لیکن پہلے سے تیار ہونے کے باعث میں نے باآسانی خود کو بچا لیا- اس کا اگلا وار زیادہ وحشیانہ قوت کا حامل تھا- بچتے بچتے بھی گھونسا میرے شانے سے ٹکرا گیا' اگر وہ گھونسا اپنے ہدف یعنی میرے منہ کو پوری قوت سے نشانہ بنانے میں کامیاب ہو جاتا تو میری شکل ناقابل شناخت ہو کر رہ جاتی-

اب جوابی حملہ ناگزیر ہو چکا تھا' میں نے بائیں ہاتھ کے دو گھونسے لگاتار اس کی پسلیوں پر دے مارے- اس کے حلق سے دبی دبی سی چیخیں نکلیں' اور وہ مزاحمت ترک کر کے اچانک منی بس کے فرش پر بیٹھ گیا- تب تک مسافروں نے شور مچا کر منی بس رکوا لی تھی' اور جیب کترے کا شکار بھی واردات سے واقف ہو چکا تھا- وہ موٹی موٹی گالیاں بکتا جیب کترے کی طرف لپکا' اور اس پر گھونسوں اور لاتوں کی بارش کر دی- جیب کترا کچھ دیر تو چپ چاپ پٹتا رہا' پھر اچانک اپنے شکار کے پیروں سے لپٹ گیا- پہلوان جی معاف کر دو---- بڑی غلطی ہو گئی---- معاف کر دو---- آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا---- میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں----"

پہلوان جی کے ہاتھوں اور پیروں کی حرکت تو تھم گئی' البتہ گالیوں کی بوچھاڑ بدستور جاری تھی- اس کا غصہ کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا' اگر جیب کترے کی ناک اور منہ سے خون نہ بہتا' تو شاید وہ اس کی مزید خاطر مدارات کرتا- اس دوران وہ جیب کترے کی قمیض کی اندرونی جیب سے اپنی رقم برآمد کر چکا تھا-

"اس خبیث کو فوراً پولیس کے حوالے کر دیں جناب!" قریباً ساٹھ برس کی عمر کے

ایک صاحب نے مشورہ دیا۔ "یہ خبیث نہ جانے کس کس کو برباد کر چکا ہے۔" یہ سن کر جیب کترے کی آہ و بکا اور واویلے میں مزید اضافہ ہو گیا۔ پہلوان جی نے مشورہ طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "دفع کرو جی اسے' پولیس کیا کرے گی اس کا' ان کی مدد کے بغیر یہ بدبخت اس طرح دن دہاڑے واردات نہیں کر سکتا۔"

اتنے سستے میں جان چھوٹتے دیکھ کر جیب کترے کی جان میں جان آئی۔ وہ تیزی سے گیٹ کی جانب بڑھا۔ جونہی وہ گیٹ پر پہنچا۔ پہلوان جی نے اس کی پشت پر ایک زوردار کک لگائی۔ وہ دھڑام سے منہ کے بل گر پڑا' لیکن اگلے ہی لمحے وہ اٹھا' اور اندھا دھند ایک طرف دوڑ لگا دی۔ اس کی بدحواسی پر تمام لوگوں نے زبردست قہقہہ لگایا۔

منی بس حرکت میں آتے ہی میں اپنی سیٹ پر آ گیا۔ پہلوان جی اپنی جگہ واپس جانے کی بجائے میرے پاس ہی کھڑے ہو گئے۔ "میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں نوجوان' تم نے مجھے بہت بڑے نقصان سے بچا لیا۔"

"اس میں شکریے کی کوئی بات نہیں ہے بھائی صاحب بس اتفاق کی بات ہے' کہ میری اس پر نظر پڑ گئی ورنہ وہ تو اپنا کام کر گزرا تھا۔" میں نے انکسار سے کہا۔

"کچھ بھی ہو بھائی' اگر تم نہ ہوتے آج میں کئی مہینوں کی کمائی سے محروم ہو جاتا۔"

پہلوان جی کا اصل نام صلاح الدین تھا' اس کا کہنا تھا کہ وہ مستقل تو نہیں البتہ عارضی نوعیت کا کام مجھے ضرور دلا سکتا ہے۔ "ہاتھ پاؤں کے مضبوط ہو' قد بھی اچھا ہے' میں سفارش کروں گا تو کرامت صاحب تمہیں اپنی فلم میں کوئی چھوٹا موٹا رول ضرور دے دیں گے۔ میری کوشش ہو گی کہ تمہیں کسی اور فلم میں بھی کام دلا سکوں۔ ابتداء میں تو تمہیں زیادہ پیسے نہیں ملیں گے البتہ ڈائریکٹر کو تمہارا کام پسند آ گیا تو وہ بڑا رول بھی دے سکتا ہے۔"

صلاح الدین کے اصرار پر مجھے حامی بھرنا پڑی۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ بے کاری سے بے گار بھلی۔ فلموں میں اداکاری سے لگاؤ نہ سہی نفرت بھی نہ تھی۔ حیدر آباد میں قیام کے دوران ہر ہفتے نہ سہی مہینے ڈیڑھ مہینے میں کلاس فیلوز کے ساتھ فلم دیکھنے کا پروگرام بنتا رہتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ میرا پہلا انتخاب انگلش فلمیں ہوا کرتی تھیں۔ پاکستانی فلمیں مجھے بے حد سطحی اور غیر معیاری محسوس ہوا کرتی تھیں' اور اب میں ایک ایسی ہی سطحی اور غیر معیاری فلم میں کام کرنے والا تھا جس کے ڈائریکٹر کا نام بھی میرے لئے اجنبی تھا۔ جب کہ میرا کردار بھی ہیرو کا نہیں بلکہ اس کے چمچے یا پھر شاید ویلن کی ٹولی میں شامل' پٹنے کے ماہر معمولی کارندے کا ہوتا۔

ایسٹرن سٹوڈیوز کے قریب پہنچ کر میں صلاح الدین کے ہمراہ منی بس سے اتر آیا۔ سٹوڈیو میں خلاف توقع خاصی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ صلاح الدین نے بتایا کہ گزشتہ

سال بھر کے دوران' چھوٹے بجٹ کی تین فلمیں لگاتار کامیاب ہونے کے بعد کراچی کی اجڑتی ہوئی فلم انڈسٹری میں ایک بار پھر زندگی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اس وقت صرف ایسٹرن سٹوڈیو میں چھ فلمیں زیر تکمیل ہیں جبکہ درجن بھر فلموں کا بہت جلد آغاز ہونے والا ہے۔

"کرامت صاحب مزاج کے ذرا تیز ہیں' لیکن دل کے بہت اچھے ہیں۔ فلم انڈسٹری کے اچھے دور میں ریاض شاہد اور حسن طارق جیسے بڑے ڈائریکٹروں کے ساتھ کام کر چکے ہیں۔ کئی سال کی گوشہ نشینی ترک کر کے کچھ ہی دن پہلے فلمی دنیا کی طرف واپس لوٹے ہیں۔" صلاح الدین نہایت جوش و خروش سے یہ سب کچھ بتا رہا تھا۔ میں نے کوشش کی' کہ میرے انداز سے عدم دلچسپی ظاہر نہ ہو' اور میں اپنی اس کوشش میں خاصی حد تک کامیاب رہا۔

کرامت علی خان میری توقع کے برعکس خاصی صاف ستھری اور نفیس شخصیت کا مالک ثابت ہوا۔ صلاح الدین نے میرا تعارف کرایا۔ تب تک کرامت علی میرا سر سے پیر تک بغور جائزہ لے چکا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے صلاح الدین کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ چند لمحوں تک کچھ سوچا اور پھر کاغذ کے ایک ٹکڑے پر چند الفاظ لکھ کر میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ "ذرا بلند آواز میں یہ مکالمے بول کر دکھاؤ۔"

ان دونوں مکالموں میں سے ایک رومانوی تھا' جب کہ دوسرے میں غصے کا اظہار کیا گیا تھا۔ چند بار ذہن میں دہرانے کے بعد میں نے دونوں مکالمے بلند آواز میں ادا کر ڈالے۔ کسی قسم کا تجربہ نہ ہونے کے باوجود میں نے کوشش کی تھی' کہ مکالمے بولتے ہوئے میرا لہجہ مکالمے کے مزاج کے مطابق ہو۔

کرامت علی نے میری زبان سے نکلنے والا ایک ایک لفظ غور سے سنا تھا۔ "اچھا ہے' پریکٹس کرنے سے اور اچھا ہو جائے گا۔" اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔ صلاح الدین نے پرجوش انداز میں میرا شانہ تھپک کر مبارکباد دینے کی کوشش کی' لیکن کرامت علی نے ایک بار پھر ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی۔

قدرے توقف کے بعد کرامت علی نے براہ راست مجھے مخاطب کیا۔ "میری یہ فلم مشہور رومانوی داستان پر مبنی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس فلم میں قدیم کے بجائے جدید دور دکھایا جائے گا۔ میں جانتا ہوں کہ اس آئیڈیا پر پہلے بھی فلمیں بن چکی ہیں' لیکن میری یہ فلم ہر لحاظ سے منفرد ہو گی۔ فلم کے مرکزی کرداروں یعنی ہیرو' ہیروئن کے طور پر شرجیل خان اور رخشی کا انتخاب ہو چکا ہے۔ میرے خیال میں ہیر اور رانجھا کے روپ میں یہ دونوں خوب جچیں گے۔ میرا ارادہ تھا' کہ سائیڈ ہیرو یعنی مراد بلوچ کے کردار کے لئے روشن نصیر کو سائن کر لوں گا' لیکن اب میرا یہ خیال ہے کہ تم اس کردار کے لئے زیادہ موزوں رہو گے کیونکہ تم کردار کی ڈیمانڈ کے عین مطابق خوش شکل اور ورزشی جسم کے مالک بھی

ہو، جبکہ تمہاری عمر بھی زیادہ نہیں ہے۔ عمر تو روشن کی بھی زیادہ نہیں ہے، لیکن اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کی کرختگی ہے جو اسے ایکشن فلموں میں تو کامیابی دلا سکتی ہے تاہم رومانٹک کرداروں کے لئے میں اسے موزوں نہیں سمجھتا۔ میں اسے کوئی اور رول دے دوں گا۔ اس کردار کے لئے تمہیں پندرہ ہزار روپے معاوضہ ملے گا۔ بولو منظور ہے؟"

میرے جواب دینے سے پہلے ہی صلاح الدین نے مبارکباد کا شور مچا دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کرامت علی خان کا دفتر لوگوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔ وہ سب مجھے مبارکباد دینے کے ساتھ ساتھ کرامت علی خان کی نگاہ انتخاب کی داد بھی دے رہے تھے۔ اچانک وہ لوگ مجھے بھول کر کمرے میں داخل ہونے والی حسین لڑکی کی جانب متوجہ ہو گئے۔ وہ چہرہ میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ چند ہی ماہ پہلے زیبی نامی اس نووارد ہیروئن کی پہلی فلم ریلیز ہوئی تھی جسے خاصی بڑی کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ فلم میں زیبی کی پرفارمنس بھی پسند کی گئی تھی۔ اس کے بعد زیبی دوبارہ خبروں میں نہیں آئی تھی۔ اس کی آمد سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بدستور فلموں میں کام کر رہی تھی۔

"اکرم، مس زیبی کے لئے کرسی مہیا کرو اور فالتو لوگوں سے آفس خالی کراؤ، دانش اقبال کی فلم میں انٹری کی مٹھائی کے لئے کل تک انتظار کرو۔ اب جاؤ اپنا اپنا کام کرو۔" کرامت کے سخت لہجے اور کڑی نظروں کے باعث بھیڑ چھٹنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ اس دوران زیبی تمام صورتحال سے بے نیازی کے عالم میں آفس کی دیوار پر چسپاں مختلف تصاویر کا جائزہ لیتی رہی۔ کرامت علی کی مداخلت نے اسے بری طرح چونکا دیا۔

"مس زیبی، میں نے دانش اقبال کو مراد بلوچ کے کردار کے لئے سائن کر لیا ہے اور دانش میاں، مس زیبی میری فلم میں سہتی یعنی مراد بلوچ کی محبوبہ کا کردار ادا کر رہی ہیں۔ مجھے امید ہے تم دونوں کی جوڑی پسند کی جائے گی۔"

"لیکن مراد بلوچ کے کردار کے لئے تو آپ روشن نصیر کو لینے والے تھے؟" زیبی نے جلدی سے پوچھا، کرامت علی نے انکار میں گردن ہلا دی۔ "روشن کو میں کوئی اور رول دے دوں گا۔ رانجھے کے بڑے بھائی اور شیدے کھیڑے کے رول میں بھی ابھی تک کسی کو سائن نہیں کیا ہے۔۔۔"

کرامت علی کے آخری الفاظ ابھی ہونٹوں پر ہی تھے، کہ اچانک کمرے کے دروازے پر بھاری بھرکم قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ کمرے میں داخل ہونے والے نوجوان کا قد تو میرے برابر ہی رہا ہو گا، البتہ وقت کے خاردار پنجوں نے اس کے چہرے پر وقت سے پہلے خراشیں ڈال دی تھیں۔ اس کے گٹھے ہوئے جسم سے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا، کہ ورزش اس کی زندگی کے معمولات میں اہم مقام رکھتی تھی۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا سیدھا کرامت علی کے روبرو کھڑا ہوا۔ "کرامت استاد میں نے سنا ہے تم نے مراد بلوچ کے رول کے لئے

کسی نئے بندے کو منتخب کر لیا ہے۔"

"تم نے صحیح سنا ہے روشن، یہ ہے وہ نوجوان جو میری فلم میں مراد بلوچ کا کردار کرے گا۔" روشن نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں چمکتی نفرت اور حقارت مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکی، تاہم اس نے اپنے جذبات ظاہر نہیں ہونے دیئے۔ "مبارک ہو جوان، کرامت استاد نے تمہاری زندگی کی پہلی ہی فلم میں تمہیں سائیڈ ہیرو کا کردار دے دیا ہے۔" مجھے اس کا مصافحے کے لئے بڑھا ہوا ہاتھ تھامنا پڑا۔ "ہمیں تو چھوٹے چھوٹے رول حاصل کرنے کے لئے سینکڑوں چکر لگانا پڑتے تھے۔" روشن کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، تاہم اس کے ہاتھ کی گرفت میرے ہاتھ پر مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی تھی۔ پہلے میں سمجھا کہ شاید وہ اپنی جسمانی قوت سے مجھے مرعوب کرنا چاہتا ہے، لیکن جلد ہی واضح ہو گیا کہ اس کے ارادے کچھ اور ہیں۔ وہ مجھے درد سے بے حال کر کے سب کے سامنے رونے چلانے پر مجبور کر دینا چاہتا تھا۔ بلاشبہ اس صورت حال میں مجھ پر برتری ثابت کرنے کی اس سے عمدہ کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ واقعی اتنا طاقتور تھا، کہ کسی بھی عام انسان کے ہاتھ کی ہڈیاں چکنا چور کر سکتا تھا، لیکن مسئلہ صرف یہ تھا کہ وہ اپنی یہ طاقت کسی عام آدمی پر نہیں، بلکہ مجھ پر آزما رہا تھا، مجھے تو صحیح یاد بھی نہیں کہ اسی قسم کی زور آزمائی میں کتنے مقابلے جیت چکا تھا۔

زور لگاتے لگاتے روشن کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اچھے خاصے ٹھنڈے موسم میں پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک اٹھے، لیکن رونا چیخنا تو درکنار میرے چہرے سے مسکراہٹ بھی دور نہ ہو سکی، حالانکہ وہ کھڑا ہونے کے ناتے مجھ سے زیادہ عمدہ پوزیشن میں تھا، جبکہ کرسی پر بیٹھا ہونے کے باعث پوری قوت استعمال کرنا میرے لئے ممکن نہ تھا۔ کچھ دیر بعد میرے ہاتھ پر نصیر کی گرفت نرم پڑنے لگی۔ اب میری باری تھی۔ میرے ہاتھ کی انگلیوں نے یک لخت گویا آہنی شکنجے کی شکل اختیار کر لی۔ روشن کی آنکھوں میں بے یقینی اور حیرانی کے تاثرات ابھرے، لیکن پھر فوراً ہی تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھیں دھندلانے لگیں۔ میں جانتا تھا کہ بہت جلد اس کے حلق سے کرب ناک چیخیں برآمد ہونے لگیں گی، لیکن میں نے اس حد تک جانے کی ضرورت نہ سمجھی اور ہلکا سا جھٹکا دے کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ لڑکھڑانے کے سے انداز میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ ایک منٹ سے کم عرصے جاری رہنے والے اس ڈرامے کی شاید کسی کو بھی خبر نہ ہو سکی تھی۔ روشن کی آنکھوں میں نفرت اور حقارت کے علاوہ حیرت کا رنگ بھی شامل ہو چکا تھا۔ اسے شاید خاصے عرصے بعد اس طرح کی ہزیمت برداشت کرنا پڑی تھی۔ وہ زیادہ دیر نہ رک سکا۔ البتہ جاتے جاتے اس نے ایک ترچھی نظر مجھ پر ضرور ڈالی تھی۔ میری طنزیہ مسکراہٹ نے یقیناً اس کے تن بدن میں آگ لگا دی ہو گی۔

روشن کے جانے کے بعد میں نے خود کو ایک بار پھر کمرے کے ماحول کی جانب متوجہ کرنا چاہا- یکدم مجھ پر ایک عجیب و غریب انکشاف ہوا- زیبی اس تمام قصے سے بھرپور انداز میں لطف اندوز ہوتی رہی تھی- روشن کے اتنی جلدی رخصت ہونے کی وجہ بھی زیبی کی تمسخر آمیز نظریں رہی ہوں گی- البتہ میرے لئے اس کی نظروں میں کچھ اور ہی رنگ جھلک رہے تھے- حیرت' ستائش اور--- شاید اپنائیت---

کرامت علی فون پر کسی سے کاروباری قسم کی گفتگو میں مصروف تھا- بات ختم ہوتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا- "بھئی تم دونوں آپس میں گپ شپ کرو' مجھے رستم سیٹھ کے پاس کھارادر جانا ہے- مجھے واپسی میں کچھ دیر ہو سکتی ہے- تم لوگ اپنے گھروں کو جانا چاہو تو جا سکتے ہو- کل صبح اکبر تم دونوں کو سکرپٹ دے گا- تم فوراً ہی ڈائیلاگ کی پریکٹس شروع کر دینا-"

کرامت علی کے جانے کے بعد کمرے میں کچھ دیر مکمل خاموشی رہی- بالآخر مجھے ہی' گفتگو کی ابتداء کرنا پڑی- "آپ اپنی پہلی ہٹ فلم کے بعد غالباً پہلی بار کسی فلم میں کام کر رہی ہیں- جب کہ فلم انڈسٹری کی روایت کے مطابق تو آپ کو پہلی فلم کی کامیابی کے بعد کم از کم درجن بھر فلمیں سائن کر لینی چاہئیں- کیا آپ کو نئی فلموں کی آفرز نہیں ہوئی ہیں؟"

"آفرز تو درجن بھر سے بھی زائد ہو چکی ہیں- کراچی کے علاوہ لاہور کے فلم میکرز بھی مجھے اپنی فلموں میں سائن کرنا چاہتے ہیں' لیکن میں پیسوں کی خاطر اس فیلڈ میں نہیں آئی ہوں' بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ میں اس فیلڈ میں محض اتفاقاً" آن پھنسی ہوں' اور مناسب موقع ملتے ہی یہاں سے رخصت ہو جاؤں گی- یہی وجہ ہے میں نے اندھا دھند فلمیں سائن نہیں کیں- کرامت علی خان کی فلم اس لئے قبول کی ہے کہ اس کا موضوع مجھے بے حد پسند آیا- ویسے آپ نے روشن کی طبیعت جس انداز میں صاف کی ہے وہ میرے لئے سخت حیران کن ہے- وہ چھٹا ہوا غنڈہ ہے- کسی کو خاطر میں نہیں لاتا- آج کی شکست وہ تمام عمر یاد رکھے گا---

"میں نے تو صرف اپنی عزت بچانے کی کوشش کی تھی- خدا جانے اس نے یہ حرکت کیوں کی ہے-" میں نے انکسار آمیز لہجے میں کہا- زیبی کے لہجے کی مٹھاس کانوں کے راستے میرے دل میں اترتی جا رہی تھی- زیبی کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہونے لگی- "بڑے بھولے ہیں آپ! جناب آپ نے اسے فلم کے ایک اہم رول سے بیٹھے بٹھائے محروم کر دیا- ایسے میں اسے غصہ تو آئے گا ناں؟"

"چلیں چھوڑیں اس تذکرے کو' کچھ اپنے بارے میں بتائیں- آپ کا کہنا ہے آپ محض اتفاقاً" فلموں کی طرف آ گئی ہیں' ایسا کیوں کر ہوا؟" میرا سوال سن کر وہ یکدم خاموش

ہو گئی- اسے شاید میرا اس حد تک بے تکلف ہونا اچھا نہیں لگا تھا' تاہم اس کے چہرے پر ناگواری کے نہیں بلکہ کشمکش کے آثار تھے- جیسے وہ سوچ رہی ہو کہ یہ سب کچھ مجھے بتانا مناسب ہو گا یا نہیں؟ بالآخر وہ کسی نتیجے پر پہنچ گئی-

"دانش صاحب میرا وعدہ ہے میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی- مجھے ذرا سی مہلت دے دیں' فی الحال یہ جان لیجئے کہ میرا تعلق کم از کم "اس" بازار سے نہیں ہے--"

"اوہو' یہ میں نے کب کہا؟" میں نے جلدی سے صفائی پیش کرنا چاہی-

"میں تو محض وضاحت کر رہی ہوں- دراصل عام تاثر یہی ہے کہ فلم انڈسٹری میں داخل ہونے والی زیادہ تر خواتین کا تعلق اسی بدنام بستی سے ہوتا ہے' اور یہ بات ویسے غلط بھی نہیں ہے- اس انڈسٹری کے لئے زیادہ تر خام مال وہیں سے آتا ہے---" اچانک بج اٹھنے والی فون کی گھنٹی نے زیبی کو جملہ ادھورا چھوڑنے پر مجبور کر دیا- "جی کون---- میں زیبی بات کر رہی ہوں- کرامت صاحب کسی کام سے گئے ہوئے ہیں---- جی ٹھیک ہے میں بتا دوں گی----"

کچھ دیر بعد زیبی اپنا بڑا سا پرس سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی- "میں تو اب گھر جا رہی ہوں' کرامت صاحب کے واپس آنے کا تو فی الحال کوئی امکان نظر نہیں آتا-"

"میرے خیال میں میرے یہاں رکنے کا بھی اب کوئی جواز نہیں ہے' کل سکرپٹ ملنے پر ہی کوئی پیش رفت ہو سکے گی-"

"آپ کہاں رہتے ہیں؟" زیبی کے اچانک سوال نے مجھے گڑبڑا دیا- میں نے سنبھلتے ہوئے کہا- "فی الحال تو نارتھ کراچی کی خواجہ اجمیر نگری میں رہائش ہے میری---"

"آپ چاہیں تو میں آپ کو ناظم آباد پٹرول پمپ یا لیاقت آباد دس نمبر تک لفٹ دے سکتی ہوں---"

میں نے زیبی کی پیشکش قبول کر لی- زیبی کی چھوٹی سی کار تک پہنچنے کیلئے ہمیں اچھا خاصا فاصلہ طے کرنا پڑا- مجھے لگا کہ سٹوڈیو میں موجود تمام لوگ صرف اور صرف ہم دونوں پر توجہ مرکوز کئے ہوئے تھے- ان میں سے زیادہ تر کی آنکھوں میں معنی خیز چمک تھی' لیکن زیبی کو غالباً کسی کی بھی پروا نہیں تھی-

سٹوڈیو سے لیاقت آباد دس نمبر تک ہم دونوں میں خاصی بے تکلفی پیدا ہو چکی تھی- زیبی نے اپنی فلم سے حاصل ہونے والے تجربات اور فلم کی تکمیل کے دوران پیش آنے والے دلچسپ واقعات کے بارے میں بتایا- لیاقت آباد دس نمبر پہنچ کر ہم نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا' اور زیبی کی کار حسن اسکوائر کی طرف بڑھ گئی-

اگلا روز خاصا بے زار کن ثابت ہوا- مجھے اور زیبی کو سکرپٹ دے دیا گیا تھا- ہم دونوں کو تمام دن اپنے ڈائیلاگ رٹنے پڑے- سہ پہر کے قریب ایک ٹیلی فون کال نے زیبی

کو بری طرح اپ سیٹ کر دیا۔ "بی جی آپ فی الحال وہیں رکیں میں آدھے گھنٹے میں وہاں پہنچتی ہوں، فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں انشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" زیبی کے ملیح چہرے پر زردی چھلک رہی تھی۔ میں نے اس سے صورتحال جاننا چاہی۔ عین اسی وقت کرامت علی بھی کمرے میں آن پہنچا۔ زیبی نے اس سے مختصر الفاظ میں اجازت لی اور رخصت ہو گئی۔

کچھ دیر بعد کرامت علی ایک بار پھر سٹوڈیو سے روانہ ہونے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ "مجھے فی الحال فلم کے پروڈیوسر اسلم بھائی یعقوب کی پسند کی لوکیشن تلاش کرنے پر سب سے زیادہ توجہ دینی ہے۔ میں اسی چکر میں کراچی کے مختلف حصوں کی خاک چھانتا پھر رہا ہوں۔ اس وقت بھی مجھے لیاری کی طرف جانا ہے۔ اگر تم چاہو تو گھر جا سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے، اب انشاء اللہ کل ملاقات ہو گی۔" میں نے سکرپٹ سنبھالتے ہوئے کہا، اور کرامت علی کے دفتر سے نکل آیا۔ سٹوڈیو کے خاصے بڑے حصے کی خاک چھاننے کے باوجود میں صلاح الدین تک نہ پہنچ پایا۔ وہ شاید کسی آؤٹ ڈور شوٹنگ کے لیے جا چکا تھا۔ مجبوراً میں تنہا سٹوڈیو سے باہر نکل آیا۔ میرا ذہن مسلسل زیبی کے معاملے میں الجھا ہوا تھا۔ جانے کس مصیبت میں گرفتار تھی وہ۔ اس کا بار بار طنزیہ انداز میں مسکرانا ثابت کرتا تھا، کہ وہ اپنی موجودہ زندگی سے کچھ زیادہ خوش نہ تھی۔

ایسٹرن سٹوڈیو سے نیو کراچی جانے والی منی بس سائٹ سے ہو کر آتی تھی۔ لہٰذا وہ پہلے سے ہی ٹھسا ٹھس بھری ہوتی تھی۔ اس روز ویسے بھی کچھ زیادہ ہی رش نظر آ رہا تھا۔ میں خاصی دیر کھڑا رہا، لیکن کسی بھی منی بس میں دروازے سے لٹکنے کی بھی گنجائش نظر نہ آئی۔ میری جھنجلاہٹ اور مایوسی اپنی آخری حدیں چھونے لگی تھی، کہ مجھے مطلوبہ روٹ کی ایک اور منی بس آتی نظر آئی۔ رش تو اس پر بھی کم نہ تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس منی بس کی چھت پر لوگ سوار تھے، اور فی الحال چھت پر تھوڑی بہت گنجائش باقی تھی۔ میں تیز رفتاری سے منی بس کی جانب بڑھا لیکن میں یہ حقیقت فراموش کر بیٹھا کہ صرف میں ہی نہیں اور بھی بہت سے لوگ نہایت بے چینی سے اس منی بس کے منتظر تھے جن میں سے کچھ مجھ سے زیادہ تیز رفتاری دکھانے کے موڈ میں تھے۔ تاہم خاصی دھکم پیل کے بعد میں منی بس کی چھت پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں بیٹھنے کے لئے مناسب جگہ تلاش کر رہا تھا، کہ منی بس چل پڑی۔ مجبوراً مجھے تین نوجوانوں کے ایک گروپ کے پاس تنگ سی جگہ میں پھنس کر بیٹھنا پڑا۔ اچھے ڈیل ڈول اور کھردرے چہروں والے یہ تین نوجوان بھی اسی سٹاپ سے چڑھے تھے جہاں سے میں سوار ہوا تھا۔ البتہ ایک دوسرے کی مدد کے باعث وہ مناسب جگہ گھیرنے میں کامیاب ہو گئے تھے، اور اب وہ اس طرح پھیل کر بیٹھے تھے گویا

کسی طوائف کے کوٹھے پر مجرا سننے آئے تھے۔ یہ جاننے کے باوجود کہ میں خاصی تکلیف کی حالت میں بیٹھا ہوں، انہوں نے میرے لئے جگہ بنانے کی "قطعاً" کوشش نہیں کی تھی۔ بجائے اس کے ان میں سے ایک نے نہایت بے تکلفی سے اپنی کہنی میری ران پر لٹکا دی۔ میں نے کسمسا کر پہلو بدلنے کی کوشش کی لیکن تنگ جگہ کے باعث ناکام رہا۔ جواباً میری ران پر کہنی کا دباؤ مزید بڑھ گیا۔ کہنی کی نوک میری ران کے گوشت میں گڑی جا رہی تھی۔ تکلیف برداشت سے باہر ہونے لگی تو میں نے اسے گھور کر دیکھا وہ یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے اچانک اس پر گہری نیند کا غلبہ ہو گیا تھا، لیکن اس کی باریک مونچھوں تلے ہونٹوں پر موجود مسکراہٹ صاف بتا رہی تھی، کہ وہ نہ صرف جاگ رہا تھا، بلکہ میری کیفیت سے پوری طرح لطف اندوز بھی ہو رہا تھا۔

میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہونے لگی۔ "بھائی صاحب! براہ کرم اپنی کہنی میری ران سے ہٹا لیں، اور اپنے سہارے سے بیٹھیں۔" میں نے اپنے لہجے میں حتی الوسع نرمی لانے کی کوشش کی، لیکن میرے لہجے کی نرمی کا باریک مونچھوں والے پر الٹا اثر ہوا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور خونخوار نظروں سے مجھے گھور کر دیکھا۔ "کیوں بے! کیا تکلیف ہے تجھے؟ کیا بک بک کر رہا ہے؟" اس کے حقارت بھرے لہجے نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی تھی، لیکن خواہ مخواہ کے جھگڑے سے بچنے کے لئے میں نے اپنا لہجہ بدستور نرم رکھتے ہوئے بات ختم کرنے کی کوشش کی۔ "بھائی صاحب میں صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ آپ کی کہنی میری ران میں بہت بری طرح چبھ رہی ہے، مہربانی کر کے---"

"ابے اتنا ہی نازک ہے تو ٹیکسی میں سفر کر، مسافر بسوں میں یہ نخرے نہیں چلتے، سمجھا کہ نئیں؟" پتلی لیکن کراری آواز والا وہ شخص عمر میں اور قد کاٹھ میں باقی دونوں سے زیادہ تھا۔ اپنی بات ختم کر کے اس نے حقارت آمیز قہقہہ لگایا۔ اس کے دونوں ساتھی بھی قہقہے میں شریک ہو گئے۔

معاملہ میری برداشت سے باہر ہونے لگا تھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے باریک مونچھوں والے کی کہنی اپنی ران سے ہٹا دی۔ "خواہ مخواہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں تم لوگوں کے منہ نہیں لگنا چاہتا، چپ چاپ سفر کرو، اور مجھے بھی کرنے دو۔ مجھے تم لوگوں سے کچھ نہیں لینا دینا۔"

"اوہو تو نواب صاحب ہمیں حکم دے رہے ہیں۔ یہ چکنا چہرہ حکم چلاتے کچھ اچھا نہیں لگتا میری جان۔" کراری آواز والے نے میرے چہرے پر ہاتھ پھیرنے کی کوشش کی، لیکن میں نے اس کا ہاتھ بری طرح جھٹک دیا۔ "میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں، کہ اپنی اوقات میں رہو، میں تم لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتا ورنہ----"

"ورنہ کیا ہے؟ کیا کر لے گا بے تو؟" اس بار مجھے مخاطب کرنے والا تیسرا شخص تھا۔ اس کی داڑھی، مونچھوں اور سر کے بال بے ترتیبی سے بڑھے ہوئے تھے۔ میں اسے کوئی جواب دینے ہی والا تھا، کہ وہ اچانک مجھ پر جھپٹ پڑا۔ حملہ اتنا غیر متوقع اور شدید تھا کہ چند لمحوں تک میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ جب تک میں سنبھل پاتا۔ وہ میرے چہرے اور شانوں پر کئی گھونسے رسید کر چکا تھا۔ اس کے دونوں ساتھی بھی حسب توفیق اس کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔ اچانک مجھے اپنی زبان پر خون کا نمکین ذائقہ محسوس ہوا۔ میرے سامنے کا دانت ہونٹ میں پیوست ہو چکا تھا۔ میں یک لخت گویا اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ قبل اس کے کہ وہ ایک بار پھر میرے چہرے کو نشانہ بنا پاتا۔ میرے دائیں گھونسے کی ضرب اس کی ناک پر پڑی۔ وار توقع سے زیادہ کارگر رہا۔ وہ یکدم پیچھے ہٹا، اور دونوں ہاتھوں سے اپنی ناک دبا کر بیٹھ گیا۔ اس کی ناک سے بہنے والا خون انگلیوں کے درمیان سے ٹپک رہا تھا۔ اپنے ساتھی کی یہ حالت دیکھ کر باقی دونوں لفنگے بیک وقت مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ میں کسی حد تک تیار تو تھا، لیکن وہ دونوں پیشہ ور قسم کے فائٹروں کی طرح جھکائی دے کر مجھ پر گھونسے برسا رہے تھے۔ میں کوشش کے باوجود انہیں کوئی کارگر ضرب نہ لگا سکا، البتہ ان کے گھونسوں نے میرے جسم کا جوڑ جوڑ ہلا ڈالا تھا۔ اگر چھت پر موجود دیگر مسافر ان دونوں کو قابو نہ کر لیتے تو شاید وہ میری ہڈی پسلی ایک کر ڈالتے۔ اس اثناء میں کچھ مسافروں نے شور مچا کر منی بس بھی رکوا دی تھی۔ مجھے زبردستی چھت سے اتار کر منی بس کے اندر بھیج دیا گیا، تاکہ جھگڑا ختم ہو سکے۔ میری ابتر حالت دیکھ کر ایک نوجوان نے اپنی سیٹ مجھے دے دی۔ رومال سے زخم دبائے رکھنے کے باعث ہونٹوں سے بہنے والا خون تو بند ہو چکا تھا، البتہ میرا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ کچھ مسافروں نے مجھے ہسپتال جانے کا مشورہ دیا، لیکن میں نے سنی ان سنی کر کے اپنا سر سامنے والی سیٹ کی پشت پر ٹکا دیا۔ جو کچھ مجھ پر بیت چکی تھی وہ بہت کافی تھی۔ مزید تجسس بھری نگاہیں برداشت کرنا اور الٹے سیدھے سوالات کے جواب دینا اب میرے بس میں نہیں تھا۔ منی بس خواجہ اجمیر نگری پہنچنے تک میرے ہوش و حواس خاصی حد تک بحال ہو چکے تھے۔ کنڈیکٹر نے بتایا کہ مجھ سے ہاتھا پائی کرنے والے تینوں افراد ناظم آباد سات نمبر پر ہی اتر گئے تھے۔ شاید وہ عباسی شہید ہسپتال سے طبی امداد لینا چاہتے تھے۔ کنڈیکٹر نے بتایا کہ وہ مجھے مسلسل گندی گالیاں بکتے رہے تھے، اور نیچے اترنے کا چیلنج بھی دیتے رہے تھے۔

بس شاپ پر اتر کر میں گھر کی طرف روانہ ہوا، تو میرے پاؤں بری طرح لڑکھڑا رہے تھے۔ گھر پہنچتے ہی منہ کے بل بستر پر گر پڑا۔ اس کے بعد مجھے کوئی ہوش نہ رہا۔

اگلے روز صبح حسب معمول میری آنکھ تو کھلی لیکن مجھ میں کروٹ بدلنے کی بھی

سکت نہ تھی۔ جسم کا جوڑ جوڑ ٹوٹا لگ رہا تھا۔ چہرے پر اتنی سوجن تھی کہ آئینہ دیکھنے کی ہمت ہوتی تو شاید خود کو بھی نہ پہچان پاتا۔ مجھ پر بار بار غنودگی سی طاری ہونے لگتی۔ آنکھیں بند ہوتے ہی میں اپنے گھر پہنچ جاتا۔ اماں سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر مجھے بیٹھا دیتیں۔ گرم گرم گاڑھے دودھ کا بڑا پیالہ میرے ہونٹوں سے لگا دیتیں۔ "ہزار بار کہا ہے کہ خالی پیٹ مت سویا کر۔ اللہ ناراض ہوتا ہے۔ بھئی تیری ناراضگی گھر والوں سے ہے۔ کھانے پینے سے کیسی ناراضی؟ چپ چاپ پی لے ورنہ میں تجھ سے بات نہیں کروں گی۔"

"نہیں اماں میں کسی بھی چیز کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ ابو جی اس بار بھی مجھے اپنے ساتھ ہالا کی مویشی منڈی لے کر نہیں گئے۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا، کہ میں چھٹی جماعت میں پاس ہو گیا تو وہ مجھے نئی سائیکل دلائیں گے۔ اب تو میں فرسٹ پوزیشن لے کر پاس ہو چکا ہوں، لیکن ابو جی نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔۔۔۔"

"اس طرح کی باتیں نہیں کرتے دانش بیٹے! تمہیں پتا ہے دو سال سے ہمارے کھیتوں میں اناج کا ایک دانا بھی نہیں اگ پایا ہے۔ لالا جیون رام کا پورے چھ ہزار روپے کا قرضہ چڑھ گیا ہے ہم پر۔ تمہارے ابو کی پنشن پر تو ہمارے گھر کا خرچ نہیں چل سکتا ناں میرے بچے؟ اب تو سمجھ دار ہو گیا ہے۔ خواہ مخواہ کی ضد نہ کر۔ تیرے ابو دو بھینسیں ایک ساتھ منڈی لے کر گئے ہیں۔ ایسے میں تجھے کیسے ساتھ لے کر جاتے؟ دعا کرو دونوں بھینسیں اچھے داموں بک جائیں تاکہ بنیئے کا قرض بھی ادا ہو جائے اور گھر کے خرچ میں بھی کچھ ہاتھ کھل جائے۔ تم فکر نہ کرو۔ جوں ہی گندم یا کماد کی فصل کچھ بہتر ہوئی تیرے ابو بن کہے تیری سائیکل لا دیں گے۔ ارے یہ گھنٹی کی آواز کہاں سے آ رہی ہے؟"

"ارے بھئی دانش میاں اٹھو، دیکھو ہم تمہارے لئے بالکل نئی نکور سائیکل خرید کر لائے ہیں۔ اب تو ہمارا بیٹا ہم سے ناراض نہیں ہے ناں؟"

"نہیں ابو جی میں بھلا آپ سے کیسے ناراض ہو سکتا ہوں۔" میں نے اپنا منہ ابو جی کے فراخ سینے میں چھپا لیا۔ ان کے پسینے کی مانوس مہک مجھے بہت اچھی لگ رہی تھی۔ "دانش بیٹے، اب بس بھی کرو، اپنے ابو کو ہاتھ منہ تو دھونے دو، تم اپنی سائیکل کا معائنہ کرو۔ میں تم دونوں کیلئے کھانا نکالتی ہوں۔ میں نے تمہاری پسند کا سوجی کا حلوہ بھی تیار کر رکھا ہے۔"

"اوہو، پھر تو مزہ آ جائے گا۔ ابو جی آپ جلدی سے ہاتھ منہ دھو کر آ جائیں مجھے شدید بھوک لگی ہے۔" بے ہوشی اور نیم بے ہوشی کی کیفیت سے میرے بیدار ہونے کی وجہ ہر بار شدید بھوک ہی ہوا کرتی تھی۔ گزشتہ دوپہر دو کیک پیس اور چائے کی ایک پیالی سٹوڈیو کی کنٹین میں مجھے نصیب ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے روٹی کا ایک لقمہ تک میرے

پیٹ میں نہیں گیا تھا۔ نہ ہی آئندہ ایک آدھ دن میں اس کا کوئی امکان نظر آتا تھا۔ اتنی ہمت ہی نہیں تھی' کہ اٹھ کر کھانے پینے کا کوئی انتظام کر پاتا اور فی الحال کسی کے مدد کو آنے کا بھی کوئی امکان دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھ پر ایک بار پھر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ اس بار بے ہوشی کا وقفہ کچھ زیادہ ہی طویل ہو گیا تھا۔ اگر صلاح الدین مجھے ہوش میں نہ لاتا تو شاید میں اسی عالم میں اگلے جہاں پہنچ جاتا۔

"یہ تم نے کیا حال بنا رکھا ہے۔ دانش بھائی؟ کیا ہوا تمہیں؟" میں نے صلاح الدین کے سوال کا جواب دینا چاہا' لیکن نقاہت کے باعث میرے حلق سے بے معنی آوازوں کے علاوہ کچھ نہ نکل سکا۔ "اوہو' تمہیں تو تیز بخار ہے اور یہ چوٹیں--- تمہیں تو فوراً ڈاکٹر کے پاس لے جانا پڑے گا' خدا جانے کیا مصیبت پڑی ہے تم پر؟"

صلاح الدین مجھے ٹیکسی میں ڈال کر ایک پرائیویٹ ہسپتال لے گیا۔ مرہم پٹی کے بعد مجھے ڈرپ لگا دی گئی۔ کچھ ہی دیر بعد میری حالت سنبھلنے لگی۔ ہسپتال تو خاصا مہنگا تھا' تاہم علاج وہ لوگ اچھا کرتے تھے۔ سب سے اچھی بات یہ تھی کہ فالتو سوال جواب کے چکر میں نہیں پڑتے تھے۔ میں کچھ بولنے کے قابل ہوا تو صلاح الدین کو سب کچھ حرف بہ حرف بتا دیا۔ اس کی پیشانی پر پریشانی کی لکیریں گہری ہونے لگیں۔ "لیکن بھائی تمہیں ایسے لوگوں کو منہ لگانے کی ضرورت کیا تھی؟ خواہ مخواہ کی مصیبت سر پر آن پڑی' ادھر کرامت علی سارا دن مجھے کوستا رہا کہ کیسے غیر ذمے دار شخص کو فلم میں کاسٹ کروا دیا۔ مجھے بھی تم پر شدید غصہ آ رہا تھا' لیکن مجھے کیا خبر تھی کہ تم سٹوڈیو سے باہر ہی فلمی شوٹنگ کی ریہرسل کرتے پھر رہے ہو۔"

"یقین کرو صلاح الدین بھائی' لڑائی میں پہل میں نے نہیں کی تھی۔ وہ لوگ تو مجھ سے جھگڑے کی تاک میں محسوس ہوتے تھے۔ اگر میں اپنا دفاع نہ کرتا تو شاید وہ مجھے جان سے مار دیتے۔ مجھے تو وہ پیشہ ور قاتل لگ رہے تھے جنہیں میرا پتا صاف کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔"

"ارے نہیں یار' تمہارا کون ایسا دشمن ہو سکتا ہے۔ اسے محض اتفاق ہی سمجھنا چاہئے خرابیٔ قسمت اس طرح کی صورتحال پیدا کرتی رہتی ہے۔ تمہیں تنہا دیکھتے ہوئے انہیں شرارت سوجھی ہو گی۔ اگر تم چپ چاپ ان کی بکواس سن لیتے تو ان کی تم میں دلچسپی خود بخود ختم ہو جاتی۔ خیر مٹی ڈالو اس قصے پر اور جلد از جلد ٹھیک ہو جاؤ۔ شرجیل خان اپنی نئی فلم کے پریمیئر کے موقع پر اگلے ہفتے لاہور سے کراچی پہنچ رہا ہے۔ کرامت علی کی کوشش ہو گی کہ رخشی بھی اس کے ساتھ ہی کراچی آ جائے تاکہ فلم کی شوٹنگ کا باقاعدہ آغاز ہو سکے۔ میں کرامت علی کو تمہارے بارے میں بتا دوں گا' تاکہ تمہاری وجہ سے

کرامت علی کو شکایت کا موقع نہ مل سکے۔"

"اچھا یہ بتاؤ' کیا مس زیبی نے میرے بارے میں یعنی میری غیر حاضری کے----"

"اوہو! تو جناب کو اس حال میں بھی زیبی کی فکر لگی ہوئی ہے' یہ قصہ کیا ہے میرے بھائی؟" کہیں حقیقی زندگی میں تو سسی اور مراد بلوچ کی پریم کہانی شروع نہیں ہو گئی؟"

"ارے بھائی کہاں میں کہاں وہ! میرا اس کا کیا جوڑ؟ اس کے عمدہ اخلاق اور ہمدردانہ رویے کے باعث میری نظر میں اس کی عزت بڑھ گئی ہے ورنہ---"

"ورنہ تم تو اسے نظر اٹھا کر دیکھنے کے قابل بھی نہ سمجھتے۔ اس بات کو رہنے دو بھائی۔ میں نے تمہاری زیبی کی نظروں میں بھی تمہارے لئے دلچسپی کے آثار دیکھے تھے۔ گویا دونوں طرف ہے آگ--- اوہو! اب سمجھ میں آیا اصل قصہ کیا ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ واقعی تمہیں ٹارگٹ بنا کر تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے تاکہ تم سبق سیکھ جاؤ' اور میں سمجھ چکا ہوں کہ اس کارروائی کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے!"

"یہ تم کیا کہہ رہے بھائی؟" میں نے شدید پریشانی کے عالم میں پوچھا "میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟ میری تو کسی سے زیادہ جان پہچان بھی نہیں ہے پھر میرا اتنا خطرناک دشمن کہاں سے پیدا ہو گیا؟"

"دشمن پیدا ہو چکا ہے میرے بھائی ایسا دشمن جو خونخوار بھی ہے اور کینہ پرور بھی۔"

"تم کس کی بات کر رہے ہو؟" میری پریشانی حد سے گزرنے لگی تھی۔ "صاف بتاؤ' کون ہے وہ اور کیوں میرے پیچھے پڑ گیا ہے؟"

"روشن روشن نصیر' وہی جسے تم نے فلم سے آؤٹ کرا دیا ہے۔ اب وہ تمہارے خون کا پیاسا بن چکا ہے۔ مجھے پہلے ہی سمجھ جانا چاہئے تھا' اگر میں تمہیں اس کی طرف سے خبردار کر دیتا تو شاید تم بہتر انداز میں اپنا دفاع کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔" صلاح الدین کے لہجے میں تشویش کا عنصر بڑھتا جا رہا تھا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ اس چھوٹے سے کردار کے لئے اتنا بڑا قدم اٹھا سکتا ہے؟ اس معاملے میں تو اسے اصل قصوروار کرامت علی کو سمجھنا چاہئے جس نے مجھے سائن کیا تھا۔ مجھے تمہاری اس بات میں دم نظر نہیں آتا۔ ہو سکتا ہے یہ واقعہ محض اتفاق رہا ہو۔"

"بات صرف اس کردار تک محدود نہیں ہے بھائی۔ تمہیں شاید معلوم نہیں ہے کہ روشن زیبی پر دل و جان سے عاشق ہے۔ اس کی بھرپور کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ وقت زیبی کے قریب رہ سکے۔ یہ فلم اس کے لئے یوں بہت زیادہ اہمیت رکھتی تھی' کہ اس

فلم میں وہ زیبی کے ہیرو کے طور پر زیادہ تر اس کے قریب ہی رہتا۔ اسے امید رہی ہو گی کہ اس تمام عرصے کے دوران میں وہ زیبی کا دل جیتنے میں کامیاب ہو جائے گا' لیکن تم نے اچانک رنگ میں بھنگ ڈال دی۔ چنانچہ روشن نے تمہیں مزہ چکھانے کے لئے اپنے گرگے تمہارے پیچھے لگا دیئے۔"

"اچھا تو یہ بات ہے۔" میں نے اس کی باتوں کا وزن جانچتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب ہے مجھے اب بہت زیادہ محتاط رہنا ہو گا۔ وہ لوگ دوبارہ بھی میرا راستہ روک سکتے ہیں۔ ویسے یہ بتاؤ' کیا روشن نصیر واقعی اتنا بڑا بدمعاش ہے کہ اس طرح کی حرکتیں کر سکے؟"

"وہ اس سے بڑی حرکتیں کر سکتا ہے' انڈسٹری کے سبھی لوگ جانتے ہیں کہ اس کے جرائم پیشہ افراد سے تعلقات ہیں۔ مجھے شک ہے کہ وہ منشیات کے دھندے میں بھی ملوث ہے۔ اداکاری کو تو وہ محض حفاظتی پردے کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ معاملہ اگر واقعی روشن نصیر کا ہے تو میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ کرامت علی کی فلم میں کام کرنے کا ارادہ ترک کر دو۔ شاید اس طرح روشن تم پر سے اپنی نظر کرم ہٹا لے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو' صلاح الدین بھائی؟ تم خود ہی تو مجھے اس فلم میں کام دلوانے کے لئے لے گئے تھے۔ اب خود ہی منع کر رہے ہو۔" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں' کیونکہ اس میں تمہاری بہتری ہے' زندگی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں کسی اور فلم میں کام دلوانے کی کوشش کر سکتا ہوں' تاہم اب تمہیں زیبی کا نام تک بھول جانا ہو گا۔ اب کبھی اس سے سامنا ہو تو یوں ظاہر کرنا جیسے تم اسے پہچانتے ہی نہیں ہو۔ اس طرح وہ خود کو نظرانداز کئے جانے پر خودبخود تم سے توجہ ہٹا لے گی' اور یہ تم دونوں ہی کے حق میں بہتر ہو گا۔" صلاح الدین کے لہجے میں شدید اضطراب کی جھلک نمایاں تھی۔ وہ حقیقتاً روشن نصیر سے سخت خوف زدہ محسوس ہوتا تھا۔ وہ جس قسم کے بزدلانہ مشورے دے رہا تھا' وہ میرے مزاج کے قطعاً خلاف تھے۔ تاہم میں نے اسے ٹوکنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ وقت ان باتوں کا نہیں تھا۔ فی الوقت تو مجھے اپنی شکستہ حالت بہتر ہونے کا انتظار کرنا تھا۔ ہسپتال میں ایک آدھ دن گزارنے کے بعد بھی مجھے کم از کم تین چار دن گھر پر گزارنے تھے' تاکہ چہرے کی سوجن اور نیل دور ہو جاتے۔ اس کے بعد کہیں فیصلہ کرنے کا مرحلہ آتا کہ مجھے اب کیا کرنا ہے۔ روشن نصیر سے پنجہ آزمائی کا تو کوئی جواز ہی نہیں تھا' اگر وہ زیبی پر اپنا حق سمجھتا ہے تو وہ اسے مبارک--- مجھے ان سے کیا لینا دینا--- جہاں تک فلموں میں اداکاری کا تعلق ہے تو اس سے تو پہلے بھی مجھے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ مسئلہ صرف روزگار ہی کا ہے ناں! کوئی نہ کوئی تو انتظام ہو ہی جائے گا۔

اچانک میرے ذہن میں ایک سوال ابھرا۔ "میرے شوٹنگ پر نہ پہنچنے پر زیبی کے کیا تاثرات تھے؟"

"زیبی؟ وہ بھی آج شوٹنگ پر نہیں آئی تھی۔ اسی لئے تو کرامت علی کو زیادہ غصہ آ رہا تھا۔ اس نے کئی بار زیبی کے گھر فون کیا' لیکن وہاں سے کوئی فون ہی نہیں اٹھا رہا تھا۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے زیبی کو اچانک کہیں جانا پڑ گیا۔" صلاح الدین کے الفاظ میری سماعت پر بجلی بن کر گرے۔ زیبی گھر سے غائب تھی' اچانک' بغیر کسی اطلاع کے---

"صلاح الدین بھائی ڈاکٹر کو بلا کر کہو کہ ڈرپ ہٹا دے' ہمیں ابھی اور اسی وقت یہاں سے جانا ہو گا۔" مجھے فیصلے تک پہنچنے میں چند لمحے بھی نہ لگے۔

"لیکن کیوں؟ کہاں؟" صلاح الدین نے پوچھنا چاہا' لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ سوال جواب کا وقت نہیں بھائی--- زیبی کی زندگی شدید خطرے میں ہے' ہمیں ابھی' فوراً اس کے پاس پہنچنا ہے۔"



میرے لہجے کے اضطراب اور پریشانی نے صلاح الدین کو حیران کر دیا تھا۔ اس نے مضبوطی سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے بھائی؟ کیا ہوا زیبی کو؟"

"یہ سوال جواب کا وقت نہیں ہے صلاح الدین ہمیں ابھی اور اسی وقت زیبی کے پاس پہنچنا ہے، ہمیں پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے لیکن شاید۔۔۔"

"لیکن یار تم اپنی حالت، اپنا حلیہ تو دیکھو۔ ڈاکٹر کم از کم تین دن تک تمہیں بستر چھوڑنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ بالفرض ہم فوری طور پر یہاں سے چل بھی پڑیں تو تم لوگوں کی نظروں کا مرکز بن جاؤ گے۔ تمہارے چہرے پر چوٹوں کے نشان اور سوجن اتنی واضح ہے کہ ایک نظر دیکھنے والا کوئی بھی شخص چونکے بغیر نہیں رہ سکے گا، جبکہ اچانک علاج درمیان میں چھوڑ کر جانے کے باعث اس کلینک کے ڈاکٹرز اور دیگر عملہ بھی مشکوک ہو جائے گا۔"

"آخر تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے ہو صلاح الدین بھائی۔" میں نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔ "یہ معمولی باتیں زیبی کی زندگی سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ ڈاکٹروں کو صرف اپنی فیس سے غرض ہے۔ ہم کہہ دیں گے کہ اب ہم گھر پر علاج کرائیں گے اور جہاں تک چہرے پر چوٹوں کے نشانات کا تعلق ہے تو اسکارف یا چادر سے چہرہ ڈھانپا جا سکتا ہے۔ بس تم فوراً یہاں سے چلنے کی تیاری کرو۔ ہمیں فوری طور پر یہاں سے رخصت ہونا پڑے گا۔"

"اچھا بھئی جیسی تمہاری مرضی۔" صلاح الدین نے میرے اصرار کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی کلینک والوں کا حساب کر کے آتا ہوں۔ تب تک نرس تمہارے ہاتھ سے ڈرپ وغیرہ نکال دے گی۔"

مجھے ایک ایک لمحہ گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ نرس اور کلینک کے عملے کے چہرے پر حیرت کے آثار میرے لئے بے معنی ہو کر رہ گئے تھے۔ صلاح الدین واپس لوٹا تو میں بستر چھوڑ کر روانگی کے لئے پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔ صلاح الدین نے میرا ہاتھ پکڑا اور کلینک سے باہر آ گیا۔ ہم دونوں ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ "ہاں اب بتاؤ یہ قصہ کیا ہے؟ تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ میڈم کی زندگی خطرے میں ہے؟"

صلاح الدین نے ٹیکسی ڈرائیور کو اپنے گھر کا پتا سمجھانے کے بعد مجھ سے پوچھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کے گھر واپس نہ لوٹنے کے باعث گھر والے پریشان ہوں گے، جبکہ اسے میرا چہرہ چھپانے کے لئے کوئی سکارف یا چادر وغیرہ بھی لینا تھی۔ ٹیکسی چل پڑی تو میں نے صلاح الدین کو اس پراسرار فون کے بارے میں بتایا جسے سن کر زیبی بری طرح پریشان ہو گئی اور فوری طور پر سٹوڈیو سے روانہ ہو گئی۔ "میرا خیال ہے زیبی کو کوئی خطرناک اطلاع دی گئی تھی۔ کوئی ایسی خبر جسے سن کر زیبی کا فوری طور پر گھر لوٹنا ضروری ہو گیا تھا۔۔۔ زیبی کے اس طرح اچانک غائب ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیبی اس خطرے کی زد میں آ چکی ہے۔"

خدا جانے صلاح الدین میرے دلائل سے متاثر ہوا، یا نہیں، لیکن اس نے مزید مزاحمت نہ کی۔ اس نے اپنے گھر سے افغانی ٹوپی اور بڑے سے اسکارف کا انتظام کر لیا تھا۔

"بس اب جلدی سے چلو۔" میں نے افغانی ٹوپی اور اسکارف کی مدد سے چہرہ چھپاتے ہوئے کہا۔ "ہاں بھئی چلو، گاڑی چلاؤ۔" صلاح الدین نے ٹیکسی میں نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"بھئی اسے بتاؤ تو سہی کہاں جانا ہے!" میں نے صلاح الدین سے کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔ کیا تمہیں زیبی کے گھر کا پتا معلوم نہیں ہے؟" صلاح الدین نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "مجھے بھلا اس کا پتا کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟ چند دن پہلے ہی تو میں نے اسے دیکھا ہے۔ تم اسے زیادہ پہلے سے جانتے ہو لہٰذا تمہیں اس کا پتا وغیرہ معلوم ہونا چاہیے۔"

"چلو بھائی ٹیکسی والے اب ذرا ہمیں خواجہ اجمیر نگری تک لے چلو۔ یہ تو سارا ہی معاملہ چوپٹ ہو گیا۔

صلاح الدین نے سرد آہ بھر کے کہا، پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔

"اس معاملے میں تم اور میں برابر ہیں، بلکہ شاید تم زیبی کے بارے میں مجھ سے کچھ زیادہ معلومات رکھتے ہو گے۔ زیبی کے گھر کا پتا تو کیا میرے پاس تو اس کے گھر کا فون نمبر بھی نہیں ہے۔ ایک فلم میں ساتھ کام کرنے کے علاوہ میرا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔"

"تو پھر اب اس کا پتا کہاں سے ملنا ممکن ہے؟" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"کرامت علی کے پاس تو یقیناً زیبی کا پتا اور فون نمبر موجود ہو گا، چلو اس کے پاس چلتے ہیں۔ ویسے بھی اسے تو اس معاملے میں اعتماد میں لینا ہی پڑے گا، میرا اندازہ ہے کہ یہ سب کمینے روشن کی کارستانی ہے۔ شاید اس نے زیبی کو اغوا کر لیا ہے، ممکن ہے کرامت علی اس

خوف ناک صورت حال کے بارے میں کوئی بہتر مشورہ دے سکے۔"

"میرا خیال ہے یہ سب معاملات صبح تک کے لئے ملتوی کر دیتے ہیں' دو تین گھنٹوں کی تو بات ہے' رات کے اس پہر ٹیکسی میں دھکے کھاتے پھرنا کوئی عقل کی بات نہیں ہو گی۔ زیبی کے ساتھ جو کچھ ہونا تھا کل ہو چکا ہو گا۔ اب ہم کتنی بھی جلد بازی کا مظاہرہ کر لیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ویسے بھی کرامت علی کو رات کے آخری حصے میں نیند سے اٹھانے کا نتیجہ کچھ زیادہ خوشگوار نہیں ہو گا' وہ رات دیر تک جاگنے والا بندہ ہے' دو چار گھنٹے ہی سویا ہو گا اور اب دوپہر تک ہی اس کے بیدار ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی صلاح الدین کی بات ماننا پڑی۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ میں فوری طور پر زیبی کے لئے کچھ نہیں کر سکتا' سوائے پریشان ہونے کے' اور یہ مصیبت تو میں خاصی دیر سے برداشت کر رہا تھا۔

ٹیکسی میرے ٹھکانے کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ صلاح الدین نے مجھے سہارا دینا چاہا لیکن میں نے بازو چھڑا لیا۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں بھائی۔"

اپنے ایک کمرے پر مشتمل گھر کے دروازے پر پہنچ کر مجھے اچانک قدم روکنا پڑ گئے۔ دروازے پر لگی کنڈی میں سے تالا غائب تھا' اور دروازہ محض بھڑا ہوا تھا۔ "ارے یہ تالا کہاں چلا گیا؟" صلاح الدین نے کہا۔ "میں تو دروازے پر تالا لگا کر اور اچھی طرح چیک کر کے تمہیں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔"

"لگتا ہے کوئی چور اچکا کام دکھا گیا۔ شاید ساری پریشانیاں میرا ہی انتظار کر رہی ہیں۔"

کمرے میں قدم رکھتے ہی میرے ہاتھوں کے "رہے سہے" طوطے بھی پھر سے اڑ گئے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میرا کمرہ ابھی ابھی کسی بہت بڑے طوفان کی زد میں آ چکا تھا۔ چھوٹا بڑا تمام سامان بکھرا پڑا تھا۔ تکئے اور بستر کو غالباً چاقو یا خنجر سے ادھیڑ کر تار تار کر دیا گیا۔ کپڑوں کا ٹرنک بھی فرش پر الٹا پڑا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے نہایت فرصت سے میرے کمرے کی ایسی تیسی کی تھی۔

"یہ سب کیا ہے بھائی؟ کس نے کیا ہے' یہ سب کچھ؟"

صلاح الدین کے احمقانہ سوال پر مجھے ہنسی آ گئی۔ "یہ سب میرے سسرال والوں کی مہربانیاں ہیں' وہ اپنے داماد کی خاطرمدارات کرنا اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"لیکن یہ کسی چور ڈاکو کی کارستانی تو نہیں لگتی!"

"کیا مطلب؟" میں صلاح الدین کی بات سمجھنے میں فوری طور پر کامیاب نہ ہو سکا۔

"مطلب یہ ہے یار کے چور کو کیا پڑی کہ تمہارے بستر پر چاقو بازی کرتا پھرے۔ اگر اس کا مطلب کچھ چرانا تھا تو چپ چاپ چوری کرتا' اور نکل جاتا' یہ تو کوئی اور ہی چکر لگتا ہے۔"

"بھئی اور کیا چکر ہو سکتا ہے؟"

"وہ کسی چیز کی تلاش میں تمہارے گھر میں آئے تھے' کسی ایسی چیز کی تلاش میں جسے وہ ہر قیمت پر حاصل کر لینا چاہتے ہیں!" صلاح الدین نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"لیکن میرے پاس تو ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے کسی کو دلچسپی ہو سکتی ہو' تمہارے خیال میں یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں؟" میں نے کمرے کے سامان کی ترتیب کسی حد تک درست کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ جواباً صلاح الدین نے شانے اچکا دیئے۔

"اس سوال کا جواب بھی تم ہی بہتر طریقے سے دے سکتے ہو' یوں لگتا ہے کہ تم نے کسی خطرناک جرائم پیشہ گروہ کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔"

"کہیں یہ بھی روشن نصیر کی کارستانی نہ ہو۔ اس کے علاوہ تو میرے ذہن میں کسی کا بھی نام نہیں آ رہا۔ میں تو کسی بھی ایسی سرگرمی میں ملوث نہیں ہوں جس کے نتیجے میں کوئی گروہ میرے پیچھے پڑ سکتا ہو۔ مجھ سے جھگڑا کرنے والے حد سے نہ بڑھ جاتے تو میں ان سے ٹکراؤ کا بھی قطعاً ارادہ نہیں رکھتا تھا۔"

"شاید تمہیں اس لئے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا' کہ اس طرح تمہیں کچھ دنوں تک اپنے گھر سے دور رکھا جا سکے' تاکہ تم تلاشی کے کام میں مداخلت نہ کر سکو۔" صلاح الدین نے قدرے مضطرب لہجے میں کہا۔ "ان لوگوں کے ارادے مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگتے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم یہ مکان چھوڑ کر جلد از جلد کہیں اور شفٹ ہو جاؤ' اگر تم کہو تو میں تمہارے لئے کسی مکان کا بندوبست کروں!"

"یار میری حالت تو کچھ بہتر ہونے دو' اس کے بعد کچھ سوچیں کہ کیا کرنا ہے۔ فی الحال تو تم مجھ پر صرف اتنی مہربانی کرو کہ سٹوڈیو میں جا کر کسی نہ کسی طرح زیبی کا ایڈریس اور فون نمبر معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ خدا کرے زیبی کے حوالے سے میرے تمام اندیشے غلط ثابت ہوں۔ وہ بخیریت ہو اور تمہیں اپنی فلم کی شوٹنگ میں مصروف ملے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ زیبی کی خیریت سے واقف ہونے کے بعد میں اس تمام سلسلے سے ہمیشہ کیلئے لاتعلق ہو جاؤں گا۔"

اگلے روز شام کو ملنے کے وعدے پر صلاح الدین رخصت ہو گیا۔ میں مسلسل سونے کی کوشش کرتا رہا' لیکن میری سوچوں کے بھنور میں ایک ہی چہرہ گردش کرتا رہا۔ زیبی کی ایک ایک ادا یاد آتی رہی۔ جانے کہاں' کس حال میں ہو گی وہ۔ کاش میں اس کے لئے کچھ کر سکوں۔۔۔

میں رات گئے تک صلاح الدین کا انتظار کرتا رہا' لیکن وہ نہ آیا۔ شاید کسی شوٹنگ میں پھنس گیا تھا۔ صبح سویرے میری آنکھ کھلی تو چہرے کی سوجن میں خاصی کمی محسوس ہوئی۔ نیل کے نشانات بھی ہلکے پڑنے لگے تھے۔ البتہ پسلیوں پر لگنے والی ضربیں ابھی تک اپنے اثرات کا احساس دلاتی تھیں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مزید ایک دن گھر پر گزارنے کے بعد زیبی کی تلاش کے سلسلے میں کارروائی کروں گا۔ بشرطیکہ وہ واپس نہ لوٹی ہو۔۔۔۔

صلاح الدین کی آمد رات کا پہلا پہر گزرنے کے بعد ہوئی۔ "یار معاف کرنا میں کل شام تمہارے پاس نہیں آ سکا۔ ایک شوٹنگ کے لئے گڈانی جانا پڑ گیا تھا۔ واپسی پر اتنا تھک چکا تھا' کہ گھر واپس آنے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ وہیں سٹوڈیو میں سو گیا تھا۔ ویسے بھی کرامت علی سے ملاقات نہ ہونے کے باعث زیبی کے معاملے میں کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی ہے۔ وہ گزشتہ دو دن سے لاہور گیا ہوا ہے۔ اس فلم کا ہیرو اور ہیروئن ابھی تک کراچی نہیں پہنچے۔ میں نے چند اور لوگوں سے بھی زیبی کے گھر کا پتا اور فون نمبر جاننے کی کوشش کی' لیکن ناکام رہا۔ کل تک کرامت علی کے واپس آنے کا امکان ہے۔ مجھے یقین ہے وہ ہمارا یہ مسئلہ حل کر دے گا۔" صلاح الدین کی وضاحت اتنی طویل اور مکمل تھی' کہ میں نے گلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ بے چارہ خواہ مخواہ میری خاطر پریشان ہوتا پھر رہا تھا' اچانک میری کھوپڑی میں ایک خیال آیا۔

"یار صلاح الدین کیوں نہ ہم زیبی کی گزشتہ فلم کے ہدایتکار کے پاس چلیں۔ اسے تو یقیناً زیبی کے گھر کا پتا معلوم ہو گا۔"

"یار آئیڈیا تو تمہارا بہت اچھا ہے۔ واقعی اسے تو یقیناً زیبی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہونا چاہئے' کیوں کہ زیبی کو فلموں میں پہلا چانس اسی نے دیا تھا' لیکن شاہ محمد صاحب کے گھر کا پتا جاننے کے لئے بھی سٹوڈیو جانا ہو گا جو ظاہر ہے اب صبح سے پہلے ممکن نہیں ہے لہٰذا اب تم آرام کرو۔ میں صبح سویرے تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ کل تو ویسے بھی میری کوئی شوٹنگ نہیں ہے۔ انشاء اللہ کل زیبی کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہو جائے گا۔" صلاح الدین کو رخصت کرنے کے بعد میں نے کمرے کے کھڑکی دروازے اچھی طرح چیک کر کے بند کئے تاہم عدم تحفظ کے احساس میں کمی نہ آ سکی۔ میرے دیدہ دلیر دشمنوں کے لئے یہ کمزور رکاوٹیں کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔

تمام رات نہ سو پانے کے باعث اگلے روز صبح میرے سر میں شدید درد ہو رہا تھا' تاہم معاملے کی سنگینی کے باعث گھر میں بیٹھے رہنے کی گنجائش ہی کہاں تھی؟ صلاح الدین کے آتے ہی ہم سٹوڈیو کی جانب چل پڑے۔ شاہ محمد کے گھر کا پتا حاصل کرنے میں ہمیں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ البتہ شاہ محمد کے گھر پہنچ کر ہمیں جو پہلی اطلاع ملی وہ خاصی مایوس

کن تھی۔ "پاپا تو آج کل لاہور میں ہوتے ہیں۔ انہیں دو فلمیں بطور ڈائریکٹر مل گئی ہیں۔ ان دنوں وہ ان ہی فلموں کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ مہینے میں ایک آدھ بار ہی کراچی آ پاتے ہیں۔" شاہ محمد کے نوجوان بیٹے کاشف نے بتایا۔

"دراصل ہمیں ان سے ایک ہیروئن کا ایڈریس اور فون نمبر حاصل کرنا تھا۔" میں نے قدرے مایوسی کے عالم میں بتایا۔ قدرے ہچکچاہٹ کے بعد کاشف نے کہا۔ "اور کسی ہیروئن کا تو نہیں البتہ زیبی باجی کے گھر کا پتا اور فون نمبر میں آپ کو ضرور بتا سکتا ہوں۔"

"اوہ' ارے بھئی انہی کا ایڈریس اور فون نمبر درکار ہے۔ آپ جلدی سے ہمیں نوٹ کرا دیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ اس لمحے وہ نوجوان مجھے آسمان سے نازل ہونے والا فرشتہ لگا۔

محمد علی سوسائٹی سے گلشن اقبال تک کا فاصلہ طے کرنے میں ٹیکسی کو جتنی دیر لگی' اتنی دیر میں مسلسل اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ مجھے اپنے آپ پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ جذباتی طور پر اس قدر بے چین ہونا مجھے بے طرح کھل رہا تھا۔ صلاح الدین میرے حوالے سے جانے کیا کیا سوچ رہا ہو گا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نے اپنے ان خیالات کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ خلوص کا بندہ تو چپ چاپ میرا ساتھ دیئے جا رہا تھا۔

زیبی کی رہائش جدید طرز کی کئی منزلہ عمارت میں تھی۔ گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی سیکیورٹی گارڈ نے ہمارا راستہ روک لیا۔ "صاحب' بلڈنگ میں آپ کو کس سے ملنا ہے؟" اس کی آنکھوں میں شکوک و شبہات کی واضح جھلک موجود تھی۔ غالباً ہمارے حلیئے اس عمارت کے مکینوں کے معیار زندگی سے مطابقت نہیں رکھتے تھے۔ میرے چہرے پر چوٹوں کے نشان خاصے ہلکے پڑ چکے تھے' لیکن شاید وہ بھی اس گھاگ شخص کی نظروں میں آ گئے تھے۔

"ہمیں مس زیبی سے ملنا ہے' ہم ان کے ساتھ کام کرتے ہیں۔" میں نے اپنے لہجے کو حتی الامکان پر اعتماد بنانے کی کوشش کی تھی۔ تاہم گارڈ کے چہرے کی سختی میں کوئی خاص کمی نہ آ سکی۔"

"آپ فلم والی بی بی سے ملنے آئے ہیں؟ لیکن وہ تو گھر پر نہیں ہے۔"

"وہ کہاں گئی ہیں؟" میرے لہجے کی بے چینی نے گارڈ کو چونکنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے ایک بار پھر گہری نظروں سے میرا جائزہ لیا۔ قدرے توقف کے بعد وہ بالاخر ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔

"یہ تو نہیں پتا زیبی کہاں گئی ہیں۔ البتہ اتنا بتا سکتا ہوں کہ ان کے ساتھ رہنے والی

دوسری بی بی بھی ان کے ساتھ گئی ہیں۔ زیبی بی بی دو تین دن پہلے بہت جلدی میں گھر آئی تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر کہیں چلی گئیں۔ اس کے بعد وہ دونوں واپس نہیں آئی ہیں۔ کیا اس نے آپ لوگوں کو اپنے جانے کی خبر نہیں کی تھی؟"

"یہی تو مسئلہ ہے بھائی صاحب!" صلاح الدین نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔ "ادھر فلم کا ڈائریکٹر اور پروڈیوسر سخت پریشان اور ناراض ہیں۔ فلم کی شوٹنگ رکی ہوئی ہے' اسی لئے تو ہم اتنی دور آئے ہیں۔"

"یہ تو واقعی پریشانی کی بات ہے' زیبی بی بی کو اطلاع کر کے جانا چاہئے تھا۔"

"کیا آپ کو پورا یقین ہے کہ زیبی بی بی اپنی مرضی سے کہیں گئی ہیں' میرا مطلب ہے خدانخواستہ---"

"ہاں ہاں بھئی وہ اپنی مرضی سے گئی ہیں' کپڑوں کا چھوٹا بیگ بھی ان کے ساتھ تھا۔ ویسے وہ جلدی میں ضرور تھیں۔ کوئی مسئلہ ہوتا تو وہ مجھے ضرور بتا کر جاتیں۔" گارڈ اب کچھ بیزار سا نظر آ رہا تھا' لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اس وقت وہی ہماری صحیح سمت میں رہنمائی کر سکتا تھا۔ "خان صاحب بس آخری بات اور بتا دیں' کیا زیبی بی بی اکثر اس طرح گھر سے غائب رہتی ہیں؟"

"ہاں مہینے دو مہینے میں دو تین چار دن کے لئے کہیں جاتی رہتی ہیں۔ اب آپ کو اور کچھ پوچھنا ہے تو بلڈنگ کے دفتر والوں سے بات کرو۔"

بلڈنگ کے دفتر سے کوئی کام کی بات معلوم ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ چنانچہ ہم نے کوشش ہی نہیں کی۔ اس قدر دوڑ دھوپ کے بعد بھی ہم وہیں تھے جہاں سے چلے تھے۔ ہم تھکے تھکے قدموں سے راشد منہاس روڈ کی جانب چل پڑے۔ صلاح الدین کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ شاید سوچ رہا ہو گا کہ اس تمام چکر میں اسے کتنی نفلوں کا ثواب ملنے والا ہے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اب اسے مزید اپنے ساتھ خوار نہیں کروں گا۔ ایک معمولی سے احسان کے بدلے میں مجھے اس سے اتنا طویل امتحان نہیں لینا چاہئے۔

راشد منہاس روڈ پر پہنچ کر ہم نیو کراچی کی طرف جانے والی منی بس یا کوچ کا انتظار کرنے لگے۔ چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ سفید رنگ کی ایک ٹویوٹا کار عین ہمارے سامنے آن رکی۔ "بھائی صاحب آپ یہ ایڈریس سمجھائیں گے ہمیں؟"

کار کی فرنٹ سیٹ پر موجود چھریرے جسم کے نوجوان نے ایک پرچی میری طرف بڑھا دی۔ غیر ارادی طور پر میں نے وہ پرچی اس کے ہاتھ سے لے لی۔ پرچی پر لکھے الفاظ پڑھ کر میں بری طرح چونک اٹھا۔

"ذرا مجھے دکھاؤ' کہاں کا ایڈریس ہے؟ صلاح الدین نے پرچی میرے ہاتھ سے لے

لی--- ایک نظر پرچی پر ڈالتے ہی وہ بھی چونک اٹھا۔ پرچی میں لکھا تھا۔ "چپ چاپ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ' شور مچانے یا بھاگنے کی کوشش کا نتیجہ موت ہو گا---"

اسی اثناء میں مجھے پرچی دکھانے والا نہایت مہارت سے اپنے پاس موجود ٹی ٹی پستول دکھا چکا تھا۔ گاڑی کا ڈرائیور اور پچھلی سیٹوں پر موجود دونوں افراد بھی یقیناً پوری طرح مسلح رہے ہوں گے۔ انکار کی گنجائش ہی کہاں تھی۔ ہم دونوں چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اس کے ساتھ ہی گاڑی آگے بڑھ گئی۔ گلشن چورنگی سے گاڑی واپس نیپا چورنگی جانے کے لئے موڑ لی گئی۔

ہمارے چاروں میزبان خاصے خوشگوار موڈ میں تھے۔ ہم دونوں کی طرف سے انہیں شاید کسی قسم کی مزاحمت کی امید نہ تھی۔ اسی لئے انہوں نے اپنے ہتھیار بھی نکالنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ گاڑی راشد منہاس روڈ سے شاہراہ فیصل پر پہنچی تو وہ چاروں کچھ محتاط ہوگئے۔ ان کو خطرہ رہا ہو گا' کہ ہم شاہراہ پر جا بجا موجود پولیس اور رینجرز کی موبائل گاڑیوں سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ ان کا یہ خیال کچھ زیادہ غلط بھی نہ تھا' کیونکہ میں واقعی ان ہی خطوط پر سوچ رہا تھا' تاہم ان کے الرٹ ہونے کے بعد میں نے یہ خطرہ مول لینے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ملیر ہالٹ پہنچنے کے بعد گاڑی ماڈل کالونی کی سمت جانے والی سڑک پر مڑ گئی۔ میں اس علاقے سے قطعاً غیر مانوس تھا' البتہ آثار سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ علاقہ کچھ زیادہ گنجان آباد نہیں ہے۔ تھوڑا آگے بڑھنے کے بعد ایک ویران سے مقام پر گاڑی روک دی گئی۔

"تم چپ چاپ نیچے اتر جاؤ۔" فرنٹ سیٹ والے نے اپنی مخصوص بھاری آواز میں حکم دیا۔ اس کا مخاطب صلاح الدین تھا۔ "کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش مت کرنا۔ تمہارا ساتھی ہمارے ساتھ جائے گا۔ اس سے کوئی دشمنی ہو تو پولیس کو ضرور اطلاع دے دینا۔"

صلاح الدین شاید کچھ مزاحمت کی کوشش کرتا' لیکن میری کنپٹی سے لگی ٹی ٹی نے اسے اپنا ارادہ ترک کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے گاڑی سے اترتے ہی ڈرائیور نے ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ ذرا سا آگے بڑھتے ہی انہوں نے میری آنکھوں پر سیاہ پٹی چڑھا دی' اور مجھے دھکیل کر گاڑی کے فرش پر گرا دیا۔ ان کا رویہ یک لخت بدل گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میں نے ذرا بھی مزاحمت کی تو وہ مجھ پر تشدد کرنے سے بھی باز نہیں آئیں گے۔

گاڑی تقریباً ایک گھنٹہ تک مسلسل محو سفر رہی۔ سفر کے آخری دس پندرہ منٹ تک تو راستہ خاصا ہموار رہا اس کے بعد گاڑی کو زبردست جھٹکے لگنے لگے' پھر گاڑی ٹھہر گئی۔ آنکھیں بند ہونے کے باوجود میرے لئے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا' کہ یہ شہر سے الگ

تھلگ کوئی بہت ہی سرسبز و شاداب جگہ تھی۔ درختوں سے اٹکھیلیاں کرتی سرسراتی ہوا، پرندوں کی چہچہاہٹ اور ہوا میں بس سبزے اور خودرو پھولوں کی مہک---- یہ سب بھلا کراچی جیسے مشینی شہر میں کہاں میسر آتا ہے۔

گاڑی سے اتارنے کے بعد مجھے دھکا دے کر آگے بڑھنے کا حکم دیا گیا۔ نم آلود گھاس پر کچھ دیر چلنے کے بعد میرے قدم پختہ فرش پر پڑے۔ مجھے ٹھہرنے کے لئے کہا گیا۔ کسی آہنی گیٹ کا قفل کھولا جا رہا تھا۔ مجھے ایک بار پھر دھکا دے کر آگے بڑھنے کا حکم دیا گیا۔ قدم آگے بڑھاتے ہی مجھے زبردست ٹھوکر لگی اور میں منہ کے بل پر گر پڑا۔ برداشت کا پیمانہ تو پہلے ہی بھر چکا تھا۔ میں نے اپنا وزن ہاتھوں پر سنبھالا اور پوری قوت سے اپنی دائیں ٹانگ دولتی کے انداز میں پیچھے دے ماری۔ میری لات شاید دھکا دینے والے کے سینے پر لگی۔ اس کے حلق سے کرب ناک چیخ ابھری۔ عین اسی وقت میں نے اپنی آنکھوں سے پٹی نوچ پھینکی۔ ان میں سے ایک سینے پر دونوں ہاتھ رکھے جھکا ہوا تھا، جبکہ باقی دو شاید فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے، کہ اس صورت حال میں کیا کریں۔ ان کا چوتھا ساتھی ڈرائیور شاید گاڑی میں ہی رہ گیا تھا۔ ان تینوں کے ہاتھوں میں اسلحہ نہ دیکھ کر میری رگوں میں بجلی بھر گئی۔ پلک جھپکتے میں میرا گھونسا موٹی گردن والے کے چہرے سے ٹکرایا۔ یہ وہی تھا کہ جس نے مجھ سے ایڈریس پوچھا تھا۔ وار توقع سے کہیں زیادہ کارگر رہا۔ اس کے جبڑے کی ہڈی ٹوٹی نہ ہو تو چیخ ضرور گئی ہو گی۔ اس اثنا میں تیسرا بھی میری زبردست ٹھوکر کی زد میں آچکا تھا۔ میں فوری طور پر پہلے شکار کی جانب متوجہ ہوا۔ وہ قمیض کے نیچے ہاتھ ڈال کر پستول نکالنے کے چکر میں تھا۔ میں پوری قوت سے اچھلا اور اسی ہاتھ پر ٹھوکر دے ماری۔ ایک ہلکے سے چٹاخے کی آواز ابھری اور اس کے دائیں ہاتھ کی کہنی کا جوڑ کھل گیا۔ وہ بری طرح بلبلاتا ہوا زمین پر اکڑوں بیٹھ گیا۔ اس کا بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ کی کہنی پر جما ہوا تھا۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر میں بقیہ دو کی جانب پلٹا، لیکن مجھے فوراً ہی اپنی جگہ پر ساکت ہو جانا پڑا۔

"خبردار، ہلنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا، اپنے ہاتھ سر سے اوپر اٹھا لو۔" یہ گاڑی کا ڈرائیور تھا جو خدا جانے کیسے عین وقت پر اپنے ساتھیوں کی مدد کو پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کی ٹی ٹی تھی، جس کی نال کا رخ میرے سینے کی جانب تھا۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا، کہ وہ نشانہ خطا کرنے کا عادی نہیں تھا۔

"دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ، شبیر! تم جبار کو دیکھو شاید اس کے ہاتھ کی ہڈی کھسک گئی ہے۔ عاشق بھائی آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟" میری طرف سے مطمئن ہو کر ڈرائیور اپنی ٹیم کی جانب متوجہ ہوا۔ موٹی گردن والا عاشق اگرچہ اپنے پیروں پر کھڑا تھا تاہم

اس کا دایاں ہاتھ جبڑے پر جما ہوا تھا، اور منہ سے مغلظات کا طوفان جاری تھا۔

"یہ گالیاں کچھ دیر بعد کے لئے محفوظ رکھیں، فی الحال تو اس خبیث کو اس کے پنجرے تک پہنچانے میں میری مدد کریں۔ اگر اسے گولی مارنے کا حکم دیا گیا تو میرا وعدہ ہے یہ نیک کام آپ ہی کو سونپا جائے گا۔"

"اسے اتنی آسانی سے موت نہیں ملے گی پرویز بھائی۔" عاشق نے مجھے خوں خوار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی جرات کی ہے، اس حرکت کا اسے پوری طرح مزہ چکھنا پڑے گا۔"

"تو آؤ چکھا دو ناں مزہ! میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ آگے بڑھو۔" میں نے اسے اشتعال دلانے کی کوشش کی۔ عاشق کی آنکھوں میں سرخی میں مزید اضافہ ہوگیا تاہم اس نے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کا پستول اس کے ہاتھ میں آچکا تھا۔ ان کی دیکھا دیکھی ان کے تیسرے ساتھی نے بھی پستول مجھ پر تان لیا۔ البتہ چوتھا ابھی تک زمین پر اکڑوں بیٹھا بری طرح کراہ رہا تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر میں نے مزاحمت کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ دو چھوٹے اور ایک بڑے کمرے پر مشتمل چھوٹا سا ریسٹ ہاؤس تھا۔ آرام و آسائش کی ہر چیز وہاں میسر تھی۔

انہوں نے مجھے ایک صوفے پر بٹھا کر رسیوں کے ذریعے بری طرح جکڑ دیا۔ ان کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا، کہ وہ اس طرح کے کاموں میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ میری جانب سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد عاشق نے اپنے ساتھیوں کو مجھ سے دور ہٹنے کا اشارہ کیا، اور اس کے ساتھ ہی میرے گالوں پر زوردار طمانچوں کی بارش کر دی۔ اس کے ہر طمانچے سے میرے گالوں میں انگارے سے بھر جاتے تھے، لیکن میں نے اپنی پوری قوت ارادی سے کام لیتے ہوئے حلق سے ہلکی سی چیخ بھی برآمد نہ ہونے دی۔ حتیٰ کہ میرے گال سن ہو گئے۔ عاشق کے ہاتھ اس وقت تھمے جب خود اس کے ہاتھ تھکن کے مارے ڈھیلے پڑنے لگے۔ اس نے بری طرح ہانپتے ہوئے کہا۔ "میں اب شہر واپس جا رہا ہوں۔ اس خبیث پر کڑی نگاہ رکھو۔ ذرا سی الٹی سیدھی حرکت کرنے کی کوشش کرے تو بلا تکلف گولی سے اڑا دو اور ہاں، جب تک میں واپس نہ لوٹوں اسے کھانے پینے کیلئے کچھ بھی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ذرا اس کے کس بل ڈھیلے پڑ جائیں اس کے بعد اس سے بات کریں گے۔"

"جو بات کرنی ہے ابھی کر لو۔" میں نے کھوپڑی میں اترتے اندھیروں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "تم جو کچھ پوچھنا چاہو میں بتانے کے لئے تیار ہوں۔"

عاشق نے نفرت بھری نظروں سے مجھے گھورا۔ "لیکن ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔ تم

جی بھر کے یہاں آرام کرو اور اندازہ لگانے کی کوشش کرو کہ میں واپس آنے کے بعد تمہارا کیا حشر کرنے والا ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو' تمہیں اپنی حرکت کی پوری سزا مل چکی ہے؟"

"تمہیں جو تیر مارنا ہے ابھی مار لو۔ مجھے پورا یقین ہے تم مجھے کسی غلط فہمی کی بنا پر اغوا کر لائے ہو' اور جوں ہی تمہاری غلط فہمی دور ہو گی تم مجھے فوراً رہا کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ میری خواہش ہے تمہاری غلط فہمی جلد از جلد دور ہو جائے' تاکہ تمہارا وقت بھی ضائع ہونے سے بچ جائے اور میری جان بھی چھوٹ جائے۔ یقین کرو میں ایک غریب شخص ہوں جس کا اس شہر میں کوئی بھی والی وارث نہیں ہے۔ میری رہائی کے بدلے میں کوئی تمہیں ایک روپیہ بھی ادا نہیں کرے گا۔"

"جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس کے بارے میں ہمیں اچھی طرح علم ہے۔ اپنی چونچ بند رکھو۔ ایسا نہ ہو میں کچھ دیر مزید یہاں رکھنے پر مجبور ہو جاؤں۔ یقین کرو اس بار تمہارا چہرہ خود تمہارے لئے بھی اجنبی بن جائے گا۔"

میری قوت مدافعت رفتہ رفتہ جواب دیتی جا رہی تھی لہٰذا اس کی بکواس کا جواب دینے کے بجائے میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ رفتہ رفتہ میں اپنے گردوپیش سے بیگانہ ہوتا چلا گیا۔ دوبارہ آنکھیں کھلتی دیکھ کر پرویز اور شبیر پوری طرح الرٹ ہو گئے۔ کئی گھنٹوں تک مسلسل صوفے سے جکڑے رہنے کے باعث میرا پورا جسم بری طرح اکڑ چکا تھا۔ چہرہ بھی بری طرح سوجن کا شکار تھا۔ میری نگرانی پر مامور دونوں افراد احکامات کے پابند تھے لہٰذا ان سے کوئی بات کرنا بے سود تھا۔ عاشق کی واپسی کا انتظار کئے بغیر کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

اس تکلیف دہ حالت میں نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مکھی کے سائز کے خون آشام مچھروں کی فوج علیحدہ مجھے اپنے نشانوں کا مرکز بنائے ہوئے تھی۔ ان عذابوں سے دھیان ہٹانے کیلئے میں نے اس صورت حال کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی۔ مجھے اغواء کرنے والے شاید وہی لوگ تھے جنہوں نے زیبی کو اغوا کیا تھا' لیکن باوجود کوشش کے یہ سمجھ نہ آ سکا کہ مجھے اغوا کر کے وہ کس قسم کا فائدہ حاصل کر سکتے تھے۔ یہ لوگ یقیناً کسی بہت بڑی غلط فہمی کا شکار تھے۔ ایسی غلط فہمی جو میرے لئے مصیبت بن چکی تھی۔ خدا جانے اس مصیبت سے مجھے کب چھٹکارا ملنے والا تھا۔

صبح ہوتے ہوتے مجھے تیز بخار چڑھ گیا۔ مجھ پر عجیب غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ بھوک کا شدید احساس رفتہ رفتہ کم ہوتا چلا گیا۔ البتہ پیاس برداشت سے باہر ہونے لگی تھی۔ جانے کس وقت نیم بے ہوشی کے عالم میں میرے منہ سے بے اختیار پانی کی فریاد پھوٹ پڑی۔ مجھے ہوش اس وقت آیا جب نصف گلاس پانی میرے حلق سے نیچے اتر چکا

تھا۔ میں نے غنودگی سے جھکتی آنکھوں سے خود پر مہربانی کرنے والے کا چہرہ دیکھنا چاہا۔ وہ میرے لئے اجنبی نہ تھا۔ ذہن پر ذرا سا قابو پاتے ہی میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ روشن نصیر تھا۔

میرے ذہن میں شعلے سے بھڑک اٹھے۔ ذہن پر طاری غنودگی پلک جھپکتے میں جانے کہاں جا سوئی۔ میں زیبی کے اغوا کے حوالے میں روشن نصیر کے نام کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتا رہا تھا' کیونکہ میرے خیال میں روشن کسی قیمت پر زیبی کو اذیت نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اب مجھے احساس ہو رہا تھا' کہ میری سوچ کس حد تک بچگانہ تھی۔ روشن ہر قیمت پر زیبی کو اپنا بنانا چاہتا تھا۔ گھی سیدھی انگلیوں سے نہ نکل سکا تو اس نے انگلیاں ٹیڑھی کر لیں۔ اب وہ مجھ سے اپنی توہین کا بدلہ لینے والا تھا۔ وہ شاید اپنے دشمنوں کو پانی پلا پلا کر مارنے کا قائل تھا۔

"اگر تم ہاتھ پاؤں چلانے کی کوشش نہ کرتے تو میرے ساتھی ہرگز تم پر ہاتھ نہ اٹھاتے۔" روشن کا لہجہ خلاف توقع خاصا نرم تھا۔ "میں نے انہیں حکم دیا تھا کہ تم سے نرم رویہ اختیار کیا جائے لیکن تم نے خواہ مخواہ ان سے زور آزمائی کر ڈالی۔"

"اچھا یہ بات چھوڑو' تم یہ بتاؤ میں نے تمہارے کیا بگاڑا ہے کہ تم میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔ تمہارے بندوں نے میرا پیچھا کر کے منی بس کی چھت پر مجھے شدید زخمی کیا' پھر میری غیر موجودگی میں گھر کی اس طرح تلاش لی کہ سب کچھ برباد کر کے رکھ دیا۔ زیبی تمہارے قبضے میں ہے' اب تمہیں کس چیز کی تلاش ہے؟"

میری باتیں سن کر روشن کی آنکھیں حیرت کی شدت سے پھیلتی چلی گئیں۔ وہ خواہ کتنا بھی تجربہ کار ایکٹر رہا ہو۔ ایسے ماہرانہ تاثرات چہرے پر تخلیق کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی' تاہم اس نے بہت جلد خود پر قابو پا لیا اور اس کے چہرے پر ایک بار پھر خشونت ابھر آئی۔ "تم کتنا بھی جھوٹ بولو کم از کم مجھے دھوکا نہیں دے پاؤ گے۔ تمہارے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ ایک یہ کہ شرافت سے زیبی کو ہمارے حوالے کر دو یا پھر دوسری صورت میں اذیت ناک موت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ میں زیبی کی خاطر ایک نہیں بلکہ دس قتل بھی کر سکتا ہوں۔ تم مجھے ابھی اچھی طرح جانتے نہیں ہو۔۔۔"

"اے بھائی کوئی بھی الٹی سیدھی حرکت کرنے سے پہلے میری بات ذرا غور سے سن لو۔" مضحکہ خیز صورت حال پر مجھے ہنسی آ رہی تھی۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو قصوروار سمجھ رہے تھے' جبکہ اصل کارنامہ دکھانے والا کوئی اور تھا جس کے بارے میں ہم دونوں ہی کچھ نہیں جانتے تھے۔ "میں روزگار کی تلاش میں دربدر بھٹکنے والا ایک غریب الدیار

انسان ہوں۔ ایسے میں کسی کو نہ صرف اغوا کرنا بلکہ اسے اپنی قید میں رکھے رہنا بھلا میرے لئے کیوں کر ممکن ہے؟ یہ تو تم جیسے کسی با رسوخ شخص کا کام ہو سکتا ہے۔"

"میں تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کر سکتا۔ تم سے ملاقات ہونے کے بعد ہی زیبی غائب ہوئی ہے' جبکہ تم فلم میں سائیڈ ہیرو کا کردار ملنے کے باوجود دوبارہ سٹوڈیو نہیں آئے۔ یہ سب کوئی گہری سازش لگتی ہے اور تمہارے زیبی کے گھر کے چکر لگانے سے تو صاف ظاہر ہے کہ زیبی کے غائب ہونے میں تمہارا ہاتھ ہے۔ تم جلدی سے زبان کھول دو۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔"

"میں پوری طرح تمہارے رحم و کرم پر ہوں۔ تم مجھ سے جو سلوک چاہو کر سکتے ہو' البتہ میں ایک بار پھر اپنی بات دہرانا چاہوں گا کہ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے میری باتوں کی تصدیق ضرور کر لینا۔ میں نے جو کچھ کہا اس کا ایک ایک حرف سچائی پر مبنی ہے۔ میں خود بھی زیبی کی اچانک گمشدگی سے شدید پریشان ہوں۔ بڑی مشکل سے شاہ محمد کے گھر کا پتا معلوم کیا۔ پھر شاہ محمد کے بیٹے سے زیبی کے گھر کا پتا حاصل کر کے وہاں پہنچے تھے کہ تمہارے بندوں نے مجھے اغوا کر لیا۔ ذرا تم ہی بتاؤ۔ اگر میں نے زیبی کو اغوا کیا ہوتا تو اس کے گھر کی جانب رخ کرنے کی حماقت میں کیوں کرتا؟ تمہارے آدمیوں نے جس وقت مجھے اغوا کیا اس وقت میں اپنے گھر جانے کے لئے منی بس کا انتظار کر رہا تھا۔ کیا کسی کو اغوا کرنے والے میری طرح منی بس میں دھکے کھاتے پھرتے ہیں؟ مجھے کل ہی زیبی کے گھر کا پتا ملا ہے۔ یقین نہ آئے تو میری جیبوں سے برآمد ہونے والا سامان دیکھ لو جو تمہارے ساتھیوں کے پاس موجود ہے۔ اس میں تمہیں زیبی کے گھر کا پتا بھی مل جائے گا۔"

روشن نے میرے سامان سے زیبی کے گھر کا پتا برآمد کر لیا۔ اس کے چہرے سے شدید ذہنی کشمکش کے آثار نمایاں تھے۔ پھر وہ ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔ "اسے کھول دو۔" اس نے پرویز کو حکم دیا۔ "اور اس کیلئے فوری طور پر کھانے پینے کا انتظام کرو۔"

روشن کی ہدایت پر فوراً ہی عمل کیا گیا۔ رسیوں کے جکڑ بندھ کھلنے کے باوجود میں فوری طور پر اپنے جسم کو حرکت نہ دے سکا۔ میرا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا۔ میری کیفیت محسوس کرتے ہوئے روشن نے سہارا دے کر مجھے اپنے پیروں پر کھڑا کر دیا۔ چند ہی لمحوں میں میرے جسم میں لہو کی روانی بحال ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ میں اپنے جسم پر قابو پاتا چلا گیا۔

"جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا اس کے لئے میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔ دراصل زیبی کی اچانک گمشدگی نے مجھے نیم پاگل بنا کے رکھ دیا ہے۔ گزشتہ دو دنوں سے میں اور میرے ساتھی پاگلوں کی طرح اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ خدا جانے اسے آسمان کھا گیا ہے یا زمین نگل گئی۔ کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ زیبی کی بلڈنگ کے گارڈ سے تمہیں کیا معلومات

حاصل ہوئی ہیں؟ روشن کے چہرے سے شدید پریشانی عیاں تھی۔ میں نے گارڈ سے حاصل ہونے والی معلومات سے اسے آگاہ کر دیا۔

"اس نے یہی کچھ ہمیں بھی بتایا ہے' لیکن مجھے پورا یقین ہے بات اتنی سادہ نہیں ہے۔ فلم کی شوٹنگ سے ایک دن کے لئے غیر حاضر ہونے پر بھی زیبی اپنے ڈائریکٹر کو اطلاع ضرور دیتی ہے' لیکن اس بار اس کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔ کرامت علی بھی گزشتہ تین دن سے شہر سے باہر گیا ہوا ہے' جبکہ اس دن کے بعد تم بھی سٹوڈیو نہیں آئے یہی وجہ ہے کہ میں تم پر شک کرنے پر مجبور ہو گیا۔ جب تمہارے زیبی کے گھر پہنچنے کی اطلاع ملی تو میرا شک مزید پختہ ہو گیا۔"

"میں تمہارے خیال سے متفق ہوں' زیبی اپنی مرضی سے کہیں نہیں گئی ہے' میرے اس یقین کی بنیاد وہ ٹیلی فون کال ہے جس نے اس کے چہرے پر خوف کی زردی بکھیر دی تھی۔ وہ شدید بدحواسی کے عالم میں سٹوڈیو سے روانہ ہوئی اور اس کے بعد اس کا کچھ پتا نہیں چل سکا۔ میرا اندازہ ہے کہ کچھ لوگ خاصے عرصے سے اس کی تاک میں تھے' جنہوں نے موقع ملتے ہی اغوا کر لیا البتہ یہ بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آسکی کہ وہ میرے گھر میں کیا چیز تلاش کر رہے تھے۔ یہاں میں تمہاری یہ غلط فہمی بھی دور کرنا چاہوں گا کہ میں زیبی میں کسی قسم کی خصوصی دلچسپی رکھتا ہوں۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے اور اس حوالے سے میرے لئے قابل احترام بھی۔ اس کے علاوہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

ہم دونوں کی گفتگو جاری تھی کہ عاشق بھی آ گیا۔

"ارے روشن بھائی آپ نے اس کی رسی کیوں کھول دی' یہ بہت خطرناک۔۔۔"

"بس کرو عاشق! روشن نے ہاتھ کے اشارے سے اسے میری طرف بڑھنے سے روک دیا۔ "ہماری اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے' یہ سب غلط فہمی کا نتیجہ ہے انہیں اب اپنا دوست سمجھو۔" عاشق کو مطمئن کرنے کے لئے روشن کو تمام صورت حال بیان کرنا پڑی تاہم پوری بات سمجھنے کے باوجود عاشق کی آنکھوں میں میرے لئے نفرت کم نہ ہو سکی۔

"روشن بھائی آپ میری طرف سے مطمئن ہو گئے ہیں تو پھر مجھے رخصت ہونے کی اجازت بھی دے دیں۔" میں نے اپنے لہجے کو حتی الامکان پرسکون رکھنے کی کوشش کی۔ روشن نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میری طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے لیکن آپ کے لئے تنہا یہاں سے شہر پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ ذرا سا انتظار مزید کر لیں۔ میں خود آپ کو آپ کے گھر تک پہنچا دوں گا۔"

اس کی بات ماننے کے علاوہ میرے پاس کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ روشن' عاشق کو ساتھ لے کر کچھ دیر کے لئے باہر چلا گیا' لیکن میرے کھانا ختم کرنے سے پہلے ہی واپس

لوٹ آیا۔ میں نے جوں ہی کھانا ختم کیا' روشن بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ "چلو بھائی تمہیں شہر لے چلوں' ہو سکے تو مجھے اور میرے ساتھیوں کو معاف کر دینا' ہم نے تمہیں بہت تکلیف دی ہے۔"

معاملہ میری توقع سے کہیں زیادہ آسانی سے سلجھ گیا تھا۔ روشن نے مجھے ڈبل کیبن کی فور ویل ڈرائیو گاڑی میں بٹھایا۔ چند ہی لمحوں بعد ہم شہر کی جانب رواں دواں تھے۔ جہاں مجھے رکھا گیا تھا وہ زرعی فارم ٹائپ کی کوئی جگہ تھی جس کے آس پاس دور دور تک کوئی آبادی نہیں تھی۔ گاڑی خاصی دور تک کچے راستے پر دوڑتی رہی۔ پھر ہم سپرہائی وے پر پہنچ گئے۔ جہاں مجھے قید رکھا گیا تھا وہ جگہ نوری آباد سے پانچ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع رہی ہو گی۔

راستے میں روشن نے کچھ زیادہ بات نہیں کی۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ زیبی واقعی اس کے دل و دماغ پر پوری طرح حاوی تھی۔ میں تو زیبی کے لئے محض پریشان تھا لیکن وہ تو جیسے دیوانہ ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے رویے سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ فطرتاً برا انسان نہیں تھا۔ ٹول پلازہ سے گاڑی نکلی تو میں نے اس سے پوچھا۔ "زیبی کو تلاش کرنے کے حوالے سے تمہارے ذہن میں اب کیا پلاننگ ہے؟"

"جو کچھ مجھ سے ہو سکتا تھا وہ میں پہلے ہی کر چکا ہوں' معاملے کا سرا ہی ہاتھ نہیں آ رہا ہے۔ یہ بھی تو معلوم نہیں کہ زیبی کو اغوا کرنے والوں کی نیت کیا ہے؟ اگر تاوان کے لئے یہ اغوا کیا گیا ہے تو یہ تاوان کس سے طلب کیا جائے گا؟ زیبی کے لواحقین کے بارے میں تو کوئی بھی کچھ نہیں جانتا۔"

"ہو سکتا ہے زیبی کو اغوا کرنے والے محض اپنی وحشیانہ---"

"خدا کے لئے ایسا نہ کہو---" روشن نے تقریباً چیختے ہوئے میری بات کاٹ دی۔ "میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا' خدانخواستہ ایسا کوئی سانحہ پیش آیا تو میں اپنے پیدا کرنے والے کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ زیبی کی طرف بڑھنے والا ہر ہاتھ قلم کر دوں گا۔ ہر آنکھ اندھی کر دوں گا۔" روشن کی آواز میں لرزش واضح طور محسوس کی جا سکتی تھی۔ وہ ڈائیلاگ بول رہا تھا لیکن یہ وہ ڈائیلاگ نہیں تھے جو فلمی رائٹر لکھتا ہے۔

سہراب گوٹھ آنے پر میں نے روشن سے کہا کہ مجھے ایک طرف اتار دے۔ "نہیں یار' میں تمہیں گھر تک چھوڑ کر آؤں گا۔ اس طرح میں تمہارا گھر بھی دیکھ لوں گا۔ ہو سکتا ہے پھر کبھی تمہارے گھر آنا پڑ جائے۔ میں بھی تمہیں اپنے گھر کا پتا اور فون نمبر دے سکتا ہوں۔ اب جب بھی میری ضرورت پڑے بلا تکلف چلے آنا۔ اب ہم دوست ہیں' اور میں یہ دوستی مزید مضبوط بنانا چاہتا ہوں۔"

"مجھے یقین ہے زیبی کے بارے میں خبر ملتے ہی تم فوراً مجھے اطلاع دو گے۔" میں نے اسے راستہ سمجھاتے ہوئے کہا۔ "میں خود بھی اس کی تلاش جاری رکھوں گا۔"

روشن نے مجھے میرے گھر کے عین سامنے اتار دیا' میرے شدید اصرار کے باوجود وہ میرے گھر میں آنے کو تیار نہیں ہوا۔ "مجھے ابھی بہت سا کام کرنا ہے میرے بھائی۔ دعا کرو میں کامیاب ہو جاؤں۔ تم سے ملاقاتیں تو انشاء اللہ ہوتی ہی رہیں گی۔"

روشن کے رخصت ہونے کے بعد میں شام ڈھلے تک آرام کرتا رہا تھا۔ حالت کچھ سنبھلی تو میں صلاح الدین کے گھر کی طرف چل پڑا۔ کہیں پولیس کے پاس نہ جا پہنچا ہو' خواہ مخواہ کی الجھن پیدا ہو جائے گی۔ میں سوچ رہا تھا۔

صلاح الدین گھر نہیں تھا اس کے پھوپھی زاد بھائی نے جس کے گھر پر وہ رہا کرتا تھا' بتایا کہ صلاح الدین رات گئے گھر لوٹا تھا اور صبح منہ اندھیرے ایک بار پھر گھر سے نکل گیا ہے۔ اسے شاید فلم کی شوٹنگ میں حصہ لینے کے لئے شہر سے باہر جانا تھا۔ اب اگر وہ آیا بھی تو رات ڈھلے ہی گھر پہنچ پائے گا۔ یہ سب سن کر میں نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ صلاح الدین نے پولیس کے پاس جانے کی حماقت نہیں کی تھی۔

اس رات میں بہت دیر تک جاگتا رہا۔ خیالات کی ایک لہر سی ذہن میں شور مچا رہی تھی۔ یہ میں کس چکر میں پھنس گیا ہوں؟ پہلے زخم ابھی پوری طرح بھر نہیں پائے ہیں کہ نئے زخم گلے کا ہار بن گئے ہیں۔ زیبی کے حوالے سے جانے کون کون دشمن بن گیا ہے۔ کیا رشتہ ہے میرا زیبی سے؟ شاید محض خوش فہمی کا--- اور خوش فہمی دور ہونے میں بھلا کیا دیر لگتی ہے؟ گھر میں بوڑھے ماں باپ منتظر ہوں گے کہ بیٹا شہر سے کمائی کر کے پیسے گھر بھیجے گا۔ ادھر بیٹے صاحب کو اپنے پالے ہوئے بکھیڑوں سے ہی فرصت نہیں ہے۔ ان ہی چکروں میں پڑ کر خواہ مخواہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تو بوڑھی ماں پر کیا گزرے گی۔ وہ تو جیتے جی مر جائے گی---

اگلے روز صبح بیدار ہوا تو میری ذہنی کیفیت میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو چکی تھی۔ اب مجھے نئے سرے سے اس جدوجہد کا آغاز کرنا تھا جس کے لئے میں گھوٹکی سے کراچی آیا تھا۔ سب سے پہلے میں نیوز سٹال پر پہنچا۔ ہفتہ وار چھٹی کے باعث سبھی اخباروں نے اضافی اشتہاری صفحات شائع کئے تھے۔ میں دونوں کثیر الاشاعت اردو اور انگریزی روزنامے خرید کر گھر لوٹ آیا۔ ملازمت کے اشتہارات پر نشان لگانے کا سلسلہ دوپہر تک جاری رہا۔ صبح کا ناشتہ گول ہو جانے کے باعث بھوک سے بری حالت تھی۔ کھانا کھا کر میں نے کاغذ قلم سنبھالا اور آٹھ دس درخواستیں تحریر کر ڈالیں۔ اس کے علاوہ دو ایسی جگہوں کے پتے بھی اپنی ڈائری میں نوٹ کر لئے جہاں مجھے جا کر براہ راست یعنی واک ان انٹرویوز دینے تھے۔

مسلسل قلم چلانے کے باعث مجھے تھکن محسوس ہونے لگی تھی لہٰذا میں سونے کے لئے بستر پر دراز ہو گیا۔

مغرب سے ذرا پہلے میری آنکھ کھلی تو میں خود کو بے حد فریش اور ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ صبح کے انٹرویوز کی تیاری کرتے کرتے رات کے کھانے کا وقت ہو گیا۔ میں نے استری شدہ کپڑے ہینگر میں ٹانگ کر اخبارات سمیٹنا چاہے۔ اچانک میری نگاہ اخبار کے مین پیج پر پڑی اس کے ساتھ ہی میں بری طرح چونک پڑا۔ روشن نصیر کی تصویر پہچاننے میں مجھے ایک لمحہ بھی نہ لگا۔ تصویر کے ساتھ شائع شدہ خبر کہیں زیادہ چونکا دینے والی تھی، جس میں بتایا گیا تھا کہ نوجوان اور ابھرتے ہوئے فلم سٹار روشن نصیر کو نامعلوم افراد یا فرد نے اسی کے پستول سے گولی مار کر ہلاک کر ڈالا۔ خبر میں قیاس آرائی کی گئی تھی کہ یہ پیشہ ورانہ رقابت کا شاخسانہ ہو سکتا ہے، کیونکہ روشن نصیر کے پاس موجود کئی ہزار کی رقم کو ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا تھا۔

یک بہ یک مجھے اپنے دل کی دھڑکنیں سست ہوتی محسوس ہونے لگیں۔ مجھے لگا کہ کوئی مجھے دھکیل کر اندھے کنویں کی طرف لے جا رہا تھا۔ خبر سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ روشن مجھے میرے گھر چھوڑنے کے بعد واپس جاتے ہوئے نامعلوم قاتلوں کا نشانہ بن گیا تھا۔ اس سے ملنے والا آخری شخص شاید میں ہی تھا۔ پولیس روشن کے ساتھیوں سے تفتیش کرتی تو وہ سب سے پہلے میرا نام بتاتے۔ ہم دونوں میں پروان چڑھنے والی نام نہاد رقابت کا بھی تذکرہ ہوتا۔ روشن مجھے اپنے ساتھ لئے فارم سے روانہ ہوا تھا۔ شاید راستے میں ہمارا جھگڑا ہو گیا اور میں نے روشن کا پستول چھین کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ایسے میں میری بے گناہی کی گواہی کون دے گا؟ پولیس تو سیدھی میرے پاس پہنچے گی۔ وہ تو اقبال جرم کرانے کیلئے میری ایک ایک ہڈی توڑ ڈالیں گے۔ بے گناہ ہونے کے باوجود مجھے قتل کا اعتراف کرنا ہی پڑے گا اور اس کے بعد----

میں چند ہی لمحوں میں ایک اہم فیصلے پر پہنچ گیا، مجھے ابھی اور اسی وقت یہ گھر چھوڑ دینا چاہئے۔ میں فی الحال گرفتار ہونے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ چند روز کے لئے واپس شہر چلا جاؤں گا۔ معاملہ ٹھنڈا ہو جانے پر واپس کراچی آکر کوئی دوسرا مکان کرائے پر حاصل کر لوں گا۔ ہو سکتا ہے اس وقت تک روشن کے اصل قاتل بھی گرفتار ہو جائیں۔ مالک مکان کے پاس تین مہینے کا ایڈوانس کرایہ موجود ہے، تین مہینے تک واپس نہ آیا تو وہ اپنا مکان کسی اور کو کرائے پر دے دے گا۔ رہا میرے سامان کا معاملہ تو اس میں کون سا انمول خزانہ موجود ہے جسے چھوڑنے کا افسوس ہو گا۔

میں نے اپنے کپڑے، کتابیں اور دیگر اہم چیزیں اپنے اٹیچی کیس میں ٹھونس لیں، اور

کمرے پر الوداعی نظر ڈالتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا۔ میں دروازے کی کنڈی کھولنے ہی والا تھا کہ دروازے پر ہونے والی تیز دستک نے میرے پورے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑا دی۔ "کون ہے؟" میں نے پوچھا۔ "میں ایس آئی الطاف ہوں۔ اجمیر نگری تھانے سے آیا ہوں، دروازہ کھولیں۔" میرے ہاتھ سے اٹیچی کیس چھوٹ کر فرش پر گر پڑا، غفلت کی گہری نیند سونے والا قانون صرف میرے لئے اچانک بیدار ہو گیا تھا---



اٹیچی کیس فرش سے ٹکرانے کی آواز دروازے پر موجود شخص نے بھی سن لی تھی۔
"کیا ہوا بھائی' خیریت تو ہے؟ ذرا جلدی سے دروازہ کھول کر میری بات سن لیں' مجھے واپس تھانے پہنچنا ہے۔"

ایس آئی کے لہجے کی نرمی نے یک لخت میرے تمام خدشات کو جھاگ کی طرح بٹھا دیا۔ گرفتاری کے لیے آنے والوں کا لہجہ اتنا میٹھا' اتنا شرافت آمیز نہیں ہوا کرتا۔ بات یقیناً کچھ اور تھی۔ میں نے اٹیچی کیس کو جلدی سے چارپائی کے نیچے سرکا دیا۔ دروازہ کھلنے پر وردی میں ملبوس سب انسپکٹر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہولسٹر میں سروس ریوالور موجود تھا' تاہم اس کے چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ تھی۔ "میں دراصل کمرے کی صفائی کر رہا تھا تاکہ یہ کباڑخانہ رہنے کے قابل بن سکے۔ کہئے آپ کا کیسے آنا ہوا۔"

"میں دراصل آپ کا پڑوسی ہوں۔ میرا گھر پچھلی گلی میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سے رابطہ قائم کرنے کی ذمہ داری میں نے قبول کرلی تھی۔"

"لیکن آپ مجھ سے رابطہ قائم کرنے پر کیوں مجبور ہو گئے ہیں؟ کیا میرے خلاف کسی نے تھانے میں شکایت درج کروا دی ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس یہ سمجھ لیں کہ یہ ہمارے اور آپ کے مشترکہ مفاد کی بات ہے۔ اچھا آپ یہ بتائیں کہ آپ صلاح الدین نامی کسی شخص سے واقف ہیں؟"

"جی ہاں' بہت اچھی طرح۔ وہ میرا بے حد عزیز دوست ہے۔ کہاں ہے وہ؟ کیا ہوا اسے؟" میں نے شدید پریشانی کے عالم میں پوچھا۔ سب انسپکٹر الطاف کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ "آپ کا بے حد عزیز دوست کل رات سے اجمیر نگری تھانے کی حوالات میں بند ہے۔"

"لیکن اسے کیوں گرفتار کیا گیا ہے۔ کیا جرم کیا ہے اس بے چارے نے؟" میرا لہجہ خود بہ خود سخت ہوتا چلا گیا۔ سب انسپکٹر کی پیشانی پر لمحہ بھر کے لیے ناراضگی کے بل پڑے لیکن وہ فوراً ہی خود پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔ "وہ بے چارہ کل رات حلق تک شراب چڑھا کر سلیم سینٹر کے سامنے بڑک بازی کر رہا تھا۔ اس نے موبائل گاڑی پر بھی

پولیس کے نوجوانوں سے ہاتھا پائی کی کوشش کی تھی۔"

"تو اب میں اس کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟ جو اس نے کیا' اس کا نتیجہ تو اسے بھگتنا ہی پڑے گا۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ سب انسپکٹر کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔ "نتیجہ تو وہ کل رات سے بھگت رہا ہے' اب تو اس کی شکل دیکھ دیکھ کر ہم تنگ آگئے ہیں۔ میں اسی لیے آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ میرے ساتھ تھانے چلیں اور تھانیدار صاحب سے بات کرکے اسے چھڑا لائیں۔ ہم نے ابھی تک اس کی باقاعدہ ایف آئی آر درج نہیں کی ہے۔ کسی اعلیٰ افسر نے اس کی موجودگی کے بارے میں پوچھ لیا تو ہمیں مجبوراً پکی رپورٹ درج کرنا پڑے گی۔ اس طرح معاملہ خواہ مخواہ طول پکڑ جائے گا جس کا نتیجہ نہ آپ لوگوں کے لیے اچھا نکلے گا نہ ہمارے لیے' بس آپ ابھی میرے ساتھ چلیں۔ ہم نے آپ کے دوست کے ان رشتے داروں کے گھر بھی بندہ بھیجا تھا جہاں وہ رہتا ہے لیکن ان لوگوں نے تھانے آنے سے صاف انکار کر دیا' آپ کا پتا تو صلاح الدین نے مجبوراً بتایا ہے۔"

صورتحال کچھ کچھ میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ وہ لوگ صلاح الدین کی رہائی کے بدلے میں بھاری نذرانے کے منتظر تھے لیکن میرے پاس تو چند سو روپوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ میں بھلا ان کے بھاڑ سے منہ کیونکر بند کر سکتا تھا۔ پولیس والے کی تجربہ کار نظروں سے میری پریشانی چھپی نہ رہ سکی۔ "آپ فکر نہ کریں۔ تمام معاملات طے ہو چکے ہیں۔ معمولی سی رسمی کارروائی باقی ہے جس کے لیے آپ کی ضرورت ہے۔ آپ یہ سمجھیں کہ آپ کو اپنے دوست کی ضمانت دینی ہے' جلدی چلیں اگر تھانیدار صاحب چلے گئے تو آپ کے دوست کو ایک اور رات ہمارے مہمان کی حیثیت سے حوالات میں گزارنی پڑ جائے گی۔"

تھانیدار دلاور بھٹی نے تمسخر آمیز مسکراہٹ اور چبھتی نظروں سے میرا استقبال کیا' جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں تولنا چاہتا ہو کہ میں کس حد تک اپنے دوست کی حرکتوں کی پیروی کرتا ہوں۔ "تو آپ ہیں دانش اقبال! کیا آپ بھی اپنے دوست کی طرح فلموں میں کام کرتے ہیں؟" تھانیدار کا مقصد یقیناً میرا مذاق اڑانا رہا ہوگا لیکن میرے دل کی دھڑکن یک لخت بڑھنے لگی۔ گفتگو کی ابتداء ہی اس رخ سے ہو رہی تھی جس سے میں ہر ممکن گریز کرنا چاہ رہا تھا' تاہم جواب تو دینا ہی تھا۔ "جی ہاں! مجھے ایک فلم میں سائیڈ ہیرو کے رول کی آفر ہوئی ہے۔ آپ یہ بتائیں' آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟" میں نے موضوع بدلنے کی کوشش کی لیکن تھانیدار شاید میری کیفیت سے پوری طرح لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔ "آپ کا دوست بہت اچھا ایکٹر ہے' کل رات اس کے ڈائیلاگ اور ایکشن دیکھنے کے

قابل تھے۔ مجھے یقین ہے آپ بھی عمدہ ایکٹر ثابت ہوں گے' کس فلم میں کام کر رہے ہیں آپ؟"

"ابھی تو اس کا آغاز بھی نہیں ہو پایا ہے' نام تو بہت بعد کی بات ہے' ہو سکتا ہے میں اس فلم کی آفر قبول ہی نہ کروں۔ دراصل مجھے فلموں وغیرہ میں کام کرنے کا کوئی خاص شوق نہیں ہے۔"

"پھر کس چیز میں دلچسپی ہے آپ کو؟" تھانیدار نے میری جھنجلاہٹ سے پوری طرح لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ "میرا مشورہ ہے آپ پولیس میں ٹرائی کریں۔ آپ کا قد کاٹھ اس کے لیے خاصا موزوں ہے۔"

"جی بہت بہتر۔" میں نے سعادت مندی سے کہا اور خاموش ہو گیا۔ تھانیدار شاید خود بھی چوہے بلی کے اس کھیل سے بیزاری محسوس کر رہا تھا۔ "میں اسے آپ کے ساتھ بھیج دیتا ہوں لیکن آپ اسے اچھی طرح سمجھا دیں کہ اس بار تو سستا چھوٹ گیا ہے' آئندہ ایسی حرکت کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

صلاح الدین کو میرے سامنے لایا گیا۔ اس کی حالت دیکھ کر یہ اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہ تھا کہ اس کی جی بھر کے خاطر تواضع کی گئی تھی۔ شرم کے مارے وہ مجھ سے نگاہ نہیں ملا پا رہا تھا۔ "آپ کی اجازت ہو تو میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں؟" میں نے کھڑا ہوتے ہوئے کہا۔ تھانیدار نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "جی ہاں لیکن جو میں نے آپ سے کہا ہے' اس پر ضرور عمل کیجیے گا۔"

میں صلاح الدین کو ساتھ لے کر تھانے سے باہر آگیا۔ اس کے قدموں میں خفیف سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ اس کی پشیمانی کے پیش نظر میں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ اس کا فی الحال اپنی قیام گاہ پر جانا مناسب نہ تھا' لہٰذا میں اسے اپنے گھر لے آیا۔ مجھے اس کی حالت پر بیک وقت غصہ اور ہنسی آرہی تھی۔ جانے اسے کیا سوجھی تھی کہ اس طرح کی حرکت کر گزرا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ میری فکر میں گھلا جا رہا ہوگا لیکن وہ تو گل چھرے اڑانے میں مصروف تھا۔

کچھ دیر بعد صلاح الدین نے اپنے آپ پر قابو پا لیا۔ "یہ سراسر میری حماقت اور میرا کیا دھرا ہے۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "میں تمہارے اغوا کے حوالے سے سخت پریشان تھا۔ ذہن بٹانے کے لیے میں سٹوڈیو چلا گیا لیکن میری پریشانی کم ہونے کی بجائے مزید بڑھ گئی۔ وہاں گل [illegible] اور اکبر پی رہے تھے۔ ان کے اصرار پر میں شغل میں شریک ہو گیا تاکہ پریشانی کچھ کم ہو سکے۔ گھر واپسی پر میں بظاہر پوری طرح ہوش و حواس میں تھا لیکن یو پی موڑ تک پہنچتے پہنچتے میری حالت بگڑنے لگی۔ چنانچہ میں وہیں منی بس سے اتر

گیا۔ اس کے بعد کیا ہوا مجھے بالکل یاد نہیں ہے۔ ان بدبختوں نے مجھے بہت بری طرح مارا ہے۔"

"تم سے مال کتنا وصول کیا ہے ان لوگوں نے؟" میں نے ذہن میں گردش کرنے والا سوال بالآخر پوچھ لیا۔ صلاح الدین کے چہرے کا رنگ یکدم پھیکا پڑ گیا۔ "نو سو روپے تو موبائل میں ہی میری جیب سے نکال لیے تھے انہوں نے۔ میرے احتجاج کرنے پر مجھے بری طرح مارا پیٹا گیا۔ آٹھ ہزار مجھے کل صبح تھانیدار کے پاس پہنچانے ہیں۔ بڑی مشکل سے اسے یقین دلایا ہے کہ بینک میں میرے پاس بس اتنی ہی رقم ہے۔ تمہیں اسی لیے بلایا گیا تھا کہ میرے غائب ہونے کی صورت میں تمہاری گردن پکڑی جا سکے۔"

"خیر جو ہوا سو ہوا' اب آگے کی سوچو۔ مجھے خطرہ ہے کہ میں کسی بہت بڑی مصیبت میں پھنسنے والا ہوں ......" میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ بول پڑا۔ "پہلے یہ تو بتاؤ کہ تم اتنی جلدی' اتنی آسانی سے اغوا کرنے والوں کے چنگل سے کیسے چھوٹ کر آگئے ہو؟ پولیس والوں کو تمہارا پتا بتاتے ہوئے مجھے قطعاً امید نہیں تھی کہ تم گھر لوٹ کر آچکے ہو گے۔ ان لوگوں نے تمہیں کیوں اغوا کیا تھا اور اتنی جلدی کیسے چھوڑ دیا؟ وہ تو بڑے خطرناک لوگ دکھائی دیتے تھے۔"

میں نے صلاح الدین کو سب کچھ بتا دیا۔ روشن کے قتل کے بارے میں سن کر میری طرح وہ بھی سخت پریشان نظر آنے لگا۔ "یار! یہ تو واقعی بہت برا ہوا' پولیس یقیناً تم پر شک کرے گی۔ سٹوڈیو میں تقریباً سبھی لوگ جانتے ہیں فلم میں رول چھننے کے باعث روشن تم سے بری طرح خار کھائے بیٹھا تھا اور تقریباً سبھی کو یقین تھا کہ وہ جلد یا بدیر تمہیں ضرور مزہ چکھائے گا۔"

"یار میری تو بالکل سمجھ میں نہیں آرہا' میں کیا کروں۔ میں تو اس سارے چکر سے بری طرح تنگ آچکا ہوں۔ تھانے' کچہری کے چکر لگانے سے تو مجھے ویسے بھی سخت چڑ ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ کچھ عرصے کے لیے اپنے گھر چلا جاؤں۔"

"نہیں بھائی! ایسا ہرگز مت کرنا۔ اس طرح تو پولیس کو پورا یقین ہو جائے گا کہ اس قتل میں تمہارا ہی ہاتھ ہے اور وہ تمہیں مفرور اور اشتہاری مجرم قرار دے ڈالے گی۔ تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روپوش ہونا پڑ جائے گا۔ کوئی بھی تمہاری بے گناہی کا یقین نہیں کرے گا۔" صلاح الدین نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"تمہیں تمام صورتحال کا پوری طرح علم ہے۔ اب تم ہی بتاؤ' میں کیا کروں؟"

"فی الحال کچھ نہ کرو' چپ چاپ گھر میں بیٹھو اور دیکھو کہ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔ تمہارا سٹوڈیو والا معاملہ تو ویسے بھی ختم ہو چکا ہے اور سٹوڈیو میں میرے علاوہ

کوئی بھی تمہارے پتے سے واقف نہیں ہے۔" میں نے وعدہ کیا کہ اس کی ہدایت پر حرف بہ حرف عمل کروں گا۔

اگلی صبح میری آنکھ خاصی دیر سے کھلی۔ صلاح الدین کا بستر خالی تھا۔ میں سمجھا کہ وہ ناشتے کا سامان لینے نکل گیا ہوگا لیکن پھر کاغذ کے ایک پرزے نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی۔ وہ مختصر سا خط صلاح الدین نے میرے نام لکھا تھا۔

"پیارے دانش! سدا خوش رہو۔ حالیہ واقعے نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں اپنے اس خیال پر عمل کر گزروں جو خاصے عرصے سے میرے ذہن میں موجود ہے۔ تھانیدار کے منہ میں حرام کا نوالہ ٹھونس کر میں سیدھا لاہور روانہ ہو جاؤں گا۔ مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا کہ میں اس مشکل وقت میں تمہیں تنہا چھوڑ کر جا رہا ہوں لیکن میں مجبور ہوں۔ پولیس والوں نے میرے گھر کا راستہ دیکھ لیا ہے۔ اب یہ مجھے چین سے جینے نہیں دیں گے۔ میری کامیابی کے لیے دعا کرنا۔ خدا کرے جب دوبارہ ملاقات ہو تو ہم دونوں کے حالات سازگار ہوں۔

تمہارا اپنا صلاح الدین

"دوست جہاں رہو خوش رہو۔" میں نے زیرلب کہا۔ اس کے ساتھ ہی جلدی جلدی ناشتے کی تیاری کرنے لگا۔ آج مجھے دو جگہ انٹرویو دینے جانا تھا۔ تمام درخواستیں بھی پوسٹ کرنا تھیں۔ تمام تر کوشش کے باوجود پہلے انٹرویو کی جگہ پہنچنے میں کچھ تاخیر ہوگئی۔ یہ ایک کمپنی کے منیجنگ ڈائریکٹر کے پرسنل اسسٹنٹ کی ویکنسی تھی۔ میں کمپنی کے استقبالیہ کاؤنٹر پر پہنچا تو مجھے بتایا گیا کہ اس پوسٹ پر ایک خاتون کو سلیکٹ کیا جا چکا ہے' باقی لوگوں کا انٹرویو لینے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کی گئی۔ سخت بدمزگی کے عالم میں خوش ذوق سلیکٹرز کو دل ہی دل میں کوستا کمپنی کے دفتر سے نکل آیا۔

میری اگلی منزل ایک بہت بڑا پرائیویٹ سکول تھا۔ سکول کے احاطے میں قدم رکھتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس سکول میں تعلیم حاصل کرنے والا کوئی بھی بچہ کسی غریب یا مڈل کلاس گھرانے سے تعلق نہیں رکھتا۔ پرنسپل کے دفتر تک پہنچتے پہنچتے میرا یقین پختہ تر ہوتا چلا گیا کہ میرا یہاں آنا بے سود ہے۔ اپنے شہر کے ٹاٹ مارکہ سکول کی پیداوار دانش اقبال اس انگریزی زدہ ماحول کے لیے کسی طور پر قابل قبول قرار نہیں پا سکتا۔

درخواست فارم پر کرکے پرنسپل کے سیکرٹری کے حوالے کرنے کے بعد اپنے ہی جیسے دیگر ڈیڑھ درجن امیدواروں کے ساتھ بیٹھ تو گیا لیکن مجھے لگ رہا تھا کہ میں محض اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں۔ قبل اس کے کہ میں اپنے اس خیال سے مغلوب ہو کر وہاں سے چل دیتا' مجھے انٹرویو کے لیے طلب کر لیا گیا۔

انٹرویو لینے والے معمر لیکن طویل القامت صاحب سکول کے پرنسپل ہی ہو سکتے تھے۔ میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی انہوں نے میرے کوائف کا بغور جائزہ لے لیا تھا۔ "کیوں میاں صاحبزادے! کیا آپ نے اشتہار میں درج شرائط نہیں پڑھی ہیں؟ ہمیں اپنے سٹوڈنٹس کو سوئمنگ سکھانے کے لیے کسی ایسے شخص کی ضرورت ہے جو کسی فائیو سٹار ہوٹل یا کلب میں سوئمنگ سکھانے کا تجربہ رکھتا ہو۔ آپ ایسا کوئی تجربہ نہیں رکھتے تو پھر آپ نے اپنا اور میرا قیمتی وقت برباد کرنے کی کوشش کیوں کی؟" پرنسپل کا لہجہ اتنا سخت اور جارحانہ تھا کہ لمحہ بھر کے لیے تو میں بری طرح گڑبڑا گیا' تاہم میں نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا۔

"مجھے آپ کے وقت کی قدر و قیمت کا پورا احساس ہے جناب۔ میں آپ سے صرف یہ پوچھنا چاہوں گا کہ فائیو سٹار ہوٹل کا تجربہ رکھنے والے ٹرینرز کی نسبت اگر میرا سوئمنگ سکھانے کا طریقہ زیادہ آسان اور موثر ہو تو کیا آپ مجھے صرف اس لیے مسترد کر دیں گے کہ میرے پاس کسی فائیو سٹار ہوٹل کا ایکسپیرینس سرٹیفکیٹ نہیں ہے؟ میں صرف اتنی گزارش کروں گا کہ مجھے آزما کر دیکھ لیں۔ حتمی انتخاب تو بہرحال آپ ہی کریں گے۔ اگر میری کارکردگی آپ کی توقع کے مطابق نہ ہو تو بے شک مسترد کریں اور کچھ نہیں تو میری خوش فہمی دور ہو جائے گی۔"

میری بات سن کر پرنسپل صاحب کی آنکھوں میں یک لخت دلچسپی کی چمک ابھری۔

"بھئی باتیں تو تم بہت اچھی کر لیتے ہو' حوصلہ مند بھی ہو' والد صاحب کیا کرتے ہیں تمہارے؟"

"جی وہ پولیس سے ریٹائر ہو کر ان دنوں کھیتی باڑی کا شغل اپنائے ہوئے ہیں۔"

پرنسپل صاحب کے لہجے کی نرمی نے میرے حوصلے بلند کردیئے تھے۔ "بہرحال تمہاری بات مانتے ہوئے میں تمہیں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کا موقع دیتا ہوں۔ میں انٹرویو کے لیے آنے والوں میں سے تین بہترین افراد کا انتخاب کروں گا' چوتھے تم ہو گے۔ کل صبح سکول کے سوئمنگ پول میں تم چاروں کے درمیان سوئمنگ کا مقابلہ ہوگا' چاروں میں جو بھی پہلے نمبر پر آیا' اس کا انتخاب اس جاب کے لیے کر لیا جائے گا۔ بولو منظور ہے؟"

"میں تیار ہوں جناب! میں نے مسرور لہجے میں کہا۔ نہایت کم عمری میں ندی' نالوں اور چھوٹی بڑی نہروں میں تیراکی کے تمام اسرار و رموز سیکھنے کے بعد میں تیراکی کے کتنے ہی مقابلے جیت چکا تھا۔ اس کے علاوہ حیدر آباد میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران مجھے دریائے سندھ کے شوریدہ سر پانی سے زور آزمائی کے بھی بھرپور مواقع ملے تھے۔ ایسے میں سکول کے سوئمنگ پول میں مقابلہ میرے لیے کیا پریشانی پیدا کر سکتا تھا۔

اگلے روز میں سکول پہنچا تو وہاں جشن کا سماں تھا۔ سوئمنگ پول کے اردگرد رنگ

برنگی کرسیاں لگا دی گئی تھیں۔ بالکل یوں لگ رہا تھا جیسے اولمپک کا سوئمنگ ایونٹ شروع ہونے والا ہے۔ پرنسپل کلیم اللہ نیازی نے نہایت گرمجوشی سے میرا استقبال کیا اور اپنے دفتر میں لے آئے' باقی تینوں امیدوار پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ میں نے بغور ان کا جائزہ لیا۔ ان میں سے دو کی عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ ان کے جسم فربہی مائل تھے اور یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ سوئمنگ اب ان کے لیے محض پروفیشن کی حیثیت رکھتی ہے۔ سوئمنگ کے مقابلے ان کی زندگی سے کئی برس پہلے خارج ہو چکے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے چہروں پر بیزاری اور ناراضگی کی جھلک نمایاں تھی البتہ تیسرا شخص عمر میں مجھ سے چند ہی سال بڑا رہا ہوگا۔ جسمانی طور پر بھی وہ خاصا فٹ نظر آرہا تھا' گویا میرا اصل مقابلہ اسی سے تھا۔

پرنسپل صاحب ہم چاروں کو ساتھ لے کر سوئمنگ پول پر پہنچے تو سٹوڈنٹس تمام کرسیوں پر قبضہ جما چکے تھے۔ ٹیچرز کی بھی اچھی خاصی تعداد وہاں موجود تھی۔ زبردست تالیوں اور سیٹیوں سے ہمارا استقبال کیا گیا۔ چند ہی لمحوں میں واضح ہوگیا کہ اصل مقابلہ میرے اور نسبتاً کم عمر صاحب کے مابین ہی سمجھا جا رہا ہے۔ پختہ عمر صاحبان کو زبردست ہوٹنگ کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ پرنسپل صاحب نے مقابلے کے قواعد سے ہمیں آگاہ کیا۔ ہمیں سوئمنگ پول کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا کر واپس آنا تھا۔ مقابلہ شروع ہونے کا اعلان پرنسپل صاحب کو مخصوص ریوالور کے فائر کے ذریعے کرنا تھا۔ مقابلے میں بریسٹ اسٹروک' بیک اسٹروک اور بٹرفلائی سمیت کوئی بھی سٹائل استعمال کیا جا سکتا تھا۔

سوئمنگ پول کے مقابلے سے زیادہ مانوس ہونے کے ناطے میرے قریب ترین حریف کا اسٹارٹ مجھ سے زیادہ اچھا رہا۔ پہلی ہی جست میں اس نے مجھ پر تقریباً دو گز کی برتری حاصل کر لی۔ اس کی اسپیڈ بھی خاصی اچھی تھی' تاہم سوئمنگ پول کے وسط تک پہنچتے پہنچتے میں بھی پوری طرح فارم میں آگیا۔ ہم دونوں ہی صرف بریسٹ اسٹروک پر انحصار کر رہے تھے۔ سوئمنگ پول کے دوسرے کنارے تک پہنچتے پہنچتے میں نے اس کی برتری ختم کر دی۔ قلابازی لگا کر واپس پلٹے تو میں اس سے گز بھر آگے نکل چکا تھا جبکہ باقی دو افراد ابھی راستے میں تھے۔ واپسی کے سفر کے وسط تک پہنچتے پہنچتے میری برتری دو گز کے قریب ہو چکی تھی۔ میرا حریف سخت محنت کر رہا تھا لیکن اس وقت دریا کی تند و تیز لہروں کے مخالف تیرنے کا طویل تجربہ میرے کام آرہا تھا۔

سوئمنگ پول کے کنارے تک پہنچتے پہنچتے میری برتری ساڑھے تین گز ہو گئی اور میں نے مقابلہ جیت لیا۔ سوئمنگ پول کے گرد موجود سینکڑوں اسٹوڈنٹس زوردار نعروں اور

تالیوں کے ذریعے مجھے مقابلہ جیتنے کی داد دے رہے تھے۔ میرے حریف نے اسپورٹس مین سپرٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے خوشدلی سے اپنی شکست تسلیم کر لی اور گرمجوشی سے مجھے مبارکباد دی جبکہ بقیہ دونوں صاحبان نے سوئمنگ پول کا چکر پورا کرنے کی بھی زحمت گوارہ نہیں کی تھی۔

"بہت خوب دانش میاں!" پرنسپل صاحب نے پرجوش انداز میں میری پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔ "تم نے اپنا موقف درست ثابت کر دیا۔ کل صبح تمہارا اپوائنٹمنٹ لیٹر تمہیں مل جائے گا۔ جلد از جلد کام شروع کر دو۔ میرے اسٹوڈنٹس اپنے ہیرو سے ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو رہے ہیں۔"

زندگی کا یہ نیا رخ میرے لیے نہایت مسرور کن تھا۔ میں فیصلہ کر چکا تھا کہ کسی بھی قسم کی مہم جوئی کے بجائے میں اب صرف اور صرف اپنی جاب پر توجہ دوں گا البتہ روشن نصیر کے قتل کے حوالے سے میں ضرور پریشان تھا۔ گھر واپس لوٹتے ہوئے میں نے شام کا ایک اخبار خرید لیا تاکہ روشن قتل کیس کے بارے میں تازہ ترین پیش رفت سے آگاہ ہو سکوں۔ شام کے سبھی اخبارات اس کیس کے حوالے سے چٹ پٹی خبریں لگانے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھے' تاہم اخبار سے مجھے کوئی قابل ذکر بات معلوم نہیں ہو سکی۔ پولیس نامعلوم قاتلوں کو زور و شور سے تلاش کر رہی تھی۔ فنکار برادری اور مختلف ثقافتی تنظیمیں مجرموں کی گرفتاری کے لیے زوردار بیانات کی بھرمار کیے ہوئے تھیں۔ گویا فی الحال کسی کی توجہ میری جانب مبذول نہیں ہو سکی۔ میرے دل سے بے اختیار دعا نکلی کہ صورتحال بالکل ایسی ہی رہے۔ میں اب مزید کسی پھڈے میں پھنسنا نہیں چاہتا تھا۔

اگلے روز میری جاب کا باقاعدہ آغاز ہوگیا۔ مجھے یہ کام بے حد دلچسپ لگا۔ مصروفیت کچھ زیادہ نہ تھی۔ کوئی خاص پابندیاں بھی نہیں لگائی گئی تھیں۔ چند ہی دنوں میں ماحول سے پوری طرح مانوس ہوگیا۔ سکول میں میری پہلی باقاعدہ دوستی کاشف منظور سے ہوئی۔ وہ سکول کا کراٹے انسٹرکٹر تھا۔ میرے سوئمنگ ٹیسٹ کے موقع پر وہ بھی موجود تھا اور میری کامیابی پر اس نے مبارکباد بھی دی تھی البتہ ہماری تفصیلی ملاقات چند روز بعد ہوئی۔ کاشف منظور نے بتایا کہ وہ کراٹے میں سیکنڈ ڈان بلیک بیلٹ ہولڈر ہے اور سکول میں گزشتہ تین سال سے سٹوڈنٹس کو کراٹے کی ٹریننگ دے رہا ہے۔ "میرے تین سٹوڈنٹس کراٹے میں بلیک بیلٹ حاصل کرنے والے ہیں۔ امید ہے مزید پانچ سٹوڈنٹس اگلے سال بھر کے دوران بلیک بیلٹ کے لیے کوالیفائی کریں گے۔" کاشف نے فخریہ لہجے میں بتایا۔

"کاشف بھائی اگر میں آپ کا شاگرد بننا چاہوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں

ہوگا۔" میرے دل میں چھپی ایک پرانی خواہش یک لخت میرے لبوں پر آ گئی۔ کاشف کے چہرے پر یک لخت شرارت چمک اٹھی۔ "اعتراض تو خیر مجھے کوئی نہیں البتہ ایک شرط ہے جو آپ کو پوری کرنا پڑے گی۔"

"آپ فکر نہ کریں جو میرے بس میں ہوئی تو میں آپ کی ہر شرط پوری کروں گا' بس آپ ہاں بھرلیں۔"

"وہ شرط یہ ہے کہ .... آپ مجھے سوئمنگ سکھائیں گے۔ آپ کو بلیک بیلٹ ملنے تک مجھے اتنا اچھا سوئمر بن جانا چاہیے کہ خود آپ کو بھی شکست دے سکوں۔"

"مجھے منظور ہے۔" میں نے گرمجوشی سے کاشف کا ہاتھ تھام لیا۔

اگلے چند دنوں کے دوران میں روشن قتل کیس کی جانب سے خاصی حد تک مطمئن ہوگیا۔ پولیس روشن کے جرائم پیشہ افراد کے ساتھ گہرے تعلقات سے واقف ہو چکی تھی اور اب روشن کے قتل کو انہی جرائم پیشہ افراد سے ٹکراؤ کا نتیجہ قرار دے کر تفتیش کی جا رہی تھی۔ روشن کا کوئی بھی ساتھی منظرعام پر نہیں آیا تھا۔ اخبارات کی دلچسپی اس کیس میں ختم ہو چکی تھی اور بہت جلد پولیس بھی اس کیس کی فائل داخل دفتر کرنے والی تھی۔

میں نہایت جوش و خروش سے کراٹے کی تربیت حاصل کر رہا تھا۔ بہت کم عرصے میں مجھے خاصی مہارت حاصل ہو گئی تھی۔ کاشف کو میں نہایت دلجمعی سے سوئمنگ سکھا رہا تھا۔ ہم دونوں کی دوستی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی تھی۔ میری ملازمت کے عبوری تین ماہ گزرنے کے بعد میری تنخواہ میں اضافہ ہو گیا۔ اب میں اس قابل ہو چکا تھا کہ کسی معقول جگہ کرائے پر رہائش اختیار کر سکوں۔ گلستان جوہر میں دو کمروں کا چھوٹا سا فلیٹ کرائے پر حاصل کرنے میں کاشف نے میری بھرپور مدد کی تھی۔ وہ خود بھی صحافی کالونی میں رہتا تھا۔ اب ہم اکثر اکٹھے کاشف کی موٹرسائیکل پر ہی ڈیوٹی پر آیا جایا کرتے تھے۔ سکول کے علاوہ کاشف اپنے گھر کے پاس ایک فٹنس کلب بھی جاتا رہتا تھا۔ اس تمام عرصے کے دوران دو مرتبہ تین تین دن کے لیے اپنے شہر جا چکا تھا۔ امی اور ابا اتنی اچھی نوکری ملنے پر بے حد خوش تھے۔ اب وہ جلد از جلد میری شادی کرانے کے چکر میں تھے لیکن میرے سخت رویئے کے باعث انہیں یہ معاملہ آئندہ چند سالوں کے لیے ٹالنے پر مجبور ہونا پڑا۔

ایک روز صبح میں کاشف کا انتظار کر رہا تھا۔ خاصے انتظار کے بعد میں ٹیکسی کے ذریعے سکول جانے کے ارادے سے بلڈنگ کے سامنے والی سڑک پر جا کھڑا ہوا۔ قبل اس کے کہ کوئی ٹیکسی نظر آتی' کاشف پہنچ گیا۔ جھنجلاہٹ کے عالم میں میرے منہ سے کئی تلخ و ترش باتیں نکل گئیں لیکن اس نے میری ناراضگی کا ذرا بھی نوٹس نہیں لیا۔ "یار کیا مسئلہ

ہے' اتنی دیر کیوں لگا دی؟ کچھ بتاؤ تو سہی۔"

"کچھ نہیں یار' اماں کہتی ہیں شادی کر لو۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "یہ تو خوشی کی بات ہے یار' تمہارا منہ کیوں لٹکا ہوا ہے؟ کر ڈالو شادی' اب کس کا انتظار ہے تمہیں؟ اپنا گھر ہے' اچھا خاصا کما رہے ہو۔"

"یہ بات نہیں یار' دراصل جہاں اماں چاہتی ہیں' میں وہاں شادی نہیں کرنا چاہتا۔" کاشف کے لہجے میں بیچارگی کی جھلک نمایاں تھی۔

"تو پھر جناب کہاں شادی کرنا چاہتے ہیں؟ کون ہے میرے یار کے خوابوں کی ملکہ؟"

"یار تم اسے اچھی طرح جانتے ہو' میں شائلہ کی بات کر رہا ہوں۔ ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ میں شائلہ کے علاوہ کسی کو اپنی شریک حیات کے روپ میں نہیں دیکھ سکتا۔" کاشف نے شاہراہ فیصل پر بائیک دوڑاتے ہوئے کہا۔

میں واقعی شائلہ سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ ہمارے سکول میں مونٹیسوری کلاسز میں پڑھاتی تھی۔ "یار انتخاب تو تمہارا لاجواب ہے۔ شائلہ ہر لحاظ سے اچھی لڑکی ہے' تم اماں کو سمجھاؤ ناں!"

"یار میں تو سمجھا سمجھا کر تھک گیا ہوں لیکن وہ تو اپنی بھانجی خالدہ کے علاوہ کسی کا نام بھی سننے کو تیار نہیں ہیں۔ میں مانتا ہوں خالدہ بھی بری لڑکی نہیں ہے لیکن یار ہم دونوں کے خیالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ سکتے لیکن اماں یہ سب ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ ان کے خیال میں شادی کے بعد سب کچھ خودبخود صحیح ہو جائے گا۔"

"یہ تو واقعی پریشان کن صورتحال ہے' اگر تم کہو تو میں اماں کو سمجھانے کی کوشش کروں۔ مجھے امید ہے میں انہیں قائل کر سکتا ہوں۔"

"یہی تو میں چاہتا ہوں بھائی' تم اماں سے بات کرو۔ انہیں شائلہ کے بارے میں بتاؤ۔ انہیں صاف صاف بتا دو کہ اگر وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو خوش دیکھنا چاہتی ہیں تو انہیں شائلہ کو اپنی بہو کے روپ میں قبول کرنا پڑے گا۔ تم آج رات کا کھانا میرے گھر پر کھاؤ۔ اس طرح تمہیں اماں سے بات کرنے کا موقع بھی مل جائے گا۔"

"چلو ٹھیک ہے' ایسا ہی کرتے ہیں۔" میں نے کاشف کا شانہ تھپتھپا کر کہا۔

رات کے کھانے پر کاشف کی والدہ نے اچھا خاصا اہتمام کر رکھا تھا۔ "دانش بیٹے مجھے تم سے سخت شکایت ہے۔ تم کاشف کے پاس کلب آ کر وہیں سے واپس لوٹ جاتے ہو۔ تمہیں اتنی توفیق نہیں ہو پاتی کہ یہاں آ کر مجھ سے بھی دو گھڑی بات کر لو۔"

"میں شرمندہ ہوں اماں جان' انشاء اللہ آپ کو آئندہ شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"

اب میں روزانہ آپکے پاس آیا کروں گا۔"

"یہ تو تم ہر بار کہتے ہو' خیر ایک بار پھر آزما لیتے ہیں۔ چلو اب بسم اللہ کر کے کھانا شروع کرو۔"

کاشف کی والدہ بہت اچھا کھانا بناتی تھیں' بالکل میری امی کی طرح۔ خاصے وقفے کے بعد میں نے سیر ہو کر کھانا کھایا تھا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد گفتگو کا دور شروع ہوا۔ میں گفتگو کو گھیر گھار کر کاشف کی شادی پر لے آیا۔ کاشف کوئی بہانہ کر کے وہاں سے ہٹ چکا تھا۔ کاشف کی والدہ نے حسب توقع کاشف پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا کہ وہ ان کی مرضی کی جگہ شادی کرنے سے انکاری ہے۔ میں نے کاشف کی وکالت کرنا چاہی تو وہ یک بہ یک مجھ سے بھی خفا ہونے لگیں۔ میں نے نہایت تحمل سے رفتہ رفتہ انہیں اپنی بات سننے اور ٹھنڈے دل سے غور کرنے پر آمادہ کر لیا۔ انہیں کاشف کی پسندیدہ لڑکی کے بارے میں تفصیل سے بتانے اور قائل کرنے میں خاصا وقت صرف کرنا پڑا۔ بالآخر وہ شائلہ کو بہو کی حیثیت سے قبول کرنے پر آمادہ ہو گئیں' تاہم ان کا کہنا تھا کہ ان کے فیصلہ تبدیل کرنے میں سب سے اہم کردار میری سفارش نے ادا کیا تھا۔

کاشف میری کارکردگی سے بے حد خوش تھا۔ "یار دوست ہو تو تم جیسا' چند ہی منٹوں میں تم نے وہ کارنامہ کر دکھایا جو میں گزشتہ کئی ماہ کی جدوجہد کے باوجود سرانجام نہیں دے پایا تھا۔"

رات ساڑھے دس بجے کے قریب کاشف نے مجھے گھر چھوڑ کر آنے کے لیے موٹر سائیکل نکالی تو پتا چلا کہ اس کا پچھلا ٹائر پنکچر ہے۔ اس ناگہانی آفت نے سارا مزہ کرکرا کر دیا۔ کاشف بضد تھا کہ مجھے میرے گھر تک چھوڑ کر آئے گا لیکن مجھے یہ خواہ مخواہ کا تکلف گوارہ نہ تھا۔ "یار اماں گھر پر اکیلی رہیں گی' تم میری فکر نہ کرو۔ ابھی اتنی زیادہ رات نہیں ہوئی ہے۔ میں کوئی ٹیکسی یا رکشا لے کر گھر پہنچ ہی جاؤں گا۔" کاشف کو نہ چاہتے ہوئے بھی میری بات ماننا پڑی۔

ابوالحسن اصفہانی روڈ پر خلاف توقع کچھ زیادہ رونق نہ تھی۔ شاید کوئٹہ کے نام سے معروف سرد ہوا کے جھونکوں نے لوگوں کو اپنے اپنے گھروں میں دبک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں نے کچھ دیر ٹیکسی' رکشا اور منی بس کا انتظار کیا۔ جب ان میں سے کسی کی بھی آمد کے آثار نظر نہ آئے تو پیدل ہی راشد منہاس روڈ کی جانب چل پڑا۔ وہاں سے تو کم از کم ٹیکسی یا رکشا ملنا یقینی تھا۔ میں نے نصف فاصلہ طے کیا ہوگا تو مجھے لگا کہ میں کسی مانوس جگہ آگیا ہوں۔ ذرا سے غور سے دیکھتے ہی صورتحال میری سمجھ میں آگئی۔ میں زیبی کے گھر کے بالکل قریب سے گزر رہا تھا۔ میرے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہونے لگی۔ کتنے دنوں

بعد زیبی کا نام میری زندگی میں دوبارہ آیا تھا۔ میرا دل بے ایمان ہونے لگا' ہو سکتا ہے واپس لوٹ آئی ہو۔

بلڈنگ کے گیٹ پر تعینات گارڈ مجھے دیکھ کر چوکنا ہو گیا۔ قریب جانے پر پتا چلا کہ وہ پہلے والا گارڈ نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔ شاید وہ دن کے وقت ڈیوٹی دیتا ہو گا۔ چلو اسی سے بات کر کے دیکھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے زیبی کے بارے میں یہ بھی کچھ بتا سکے۔ "خان صاحب! وہ دوسرے والا گارڈ کدھر ہے؟" میں نے سلام کے بعد پوچھا۔ گارڈ کے چہرے کی سختی میں اچانک ہی مزید اضافہ ہو گیا۔ "تم کس کی بات کرتا ہے؟" اس کی آنکھوں میں شکوک و شبہات کی واضح جھلک موجود تھی۔

"میں شہباز لالہ کی بات کر رہا ہوں' کیا وہ آج کل دن کے وقت ڈیوٹی دیتے ہیں؟"

"تم کو اس سے کیا کام ہے؟" اس نے بغور میرا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"کام تو کوئی خاص نہیں ہے' ان سے اچھی سلام دعا ہے' ادھر سے گزر رہا تھا تو سوچا......" گارڈ کے اضطراب میں مزید اضافہ ہو گیا۔ "تم کو نہیں معلوم شہباز لالہ شہید ہو چکا ہے؟"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں خان صاحب؟" اس کی بات سن کر مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ "یہ سب کیسے ہوا' کب ہوا؟"

"میں شہباز لالہ کی شہادت کے بعد ہی یہاں گارڈ بھرتی ہوا ہوں' اسے بدبخت ڈکیتوں نے گولی مار کر شہید کر دیا تھا۔ یہ خبر تو اخبار میں بھی آیا تھا' تم نے نہیں پڑھا؟"

"نہیں' یہ خبر میری نظروں کے سامنے سے نہیں گزری۔" میں نے افسوس کے عالم میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ ذرا تفصیل سے بتا سکتے ہیں کہ یہ سب کیسے ہوا؟"

"ویسے ہی جیسے اکثر ہوا کرتا ہے۔ وہ چاروں شاید ڈکیتی کی نیت سے بلڈنگ کے آس پاس منڈلا رہے تھے۔ شہباز لالہ نے للکارا تو انہوں نے گھبرا کر فائر کھول دیا۔ شہباز لالہ کو پانچ گولیاں لگا تھا۔ شہباز لالہ نے مرتے مرتے بھی گولی چلا کر ایک بدمعاش کو زخمی کر دیا تھا جسے اس کا ساتھی اپنے ساتھ لے گیا۔" گارڈ کے لہجے میں تاسف کی جھلک نمایاں تھی' اب اس کا رویہ خاصا دوستانہ ہو گیا۔ قدرے تذبذب کے بعد میں نے اس سے اصل موضوع پر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"شہباز لالہ سے میری سلام دعا دراصل زیبی صاحبہ کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ آپ زیبی صاحبہ کو تو جانتے ہی ہوں گے۔ اسی بلڈنگ میں رہتی ہیں' فلموں میں اداکاری کرتی ہیں وہ۔ انہوں نے نے مجھے فلم میں کام دلانے کا وعدہ کیا تھا' پھر وہ شاید ملک سے باہر چلی گئی تھیں۔ میں آپ سے یہی پوچھنے کے لیے رکا تھا کہ کیا وہ واپس آگئی ہیں؟"

"مجھے کسی نے اس بی بی کے بارے میں بتایا تو تھا لیکن میں نے اس کو کبھی دیکھا نہیں ہے۔ اس کا فلیٹ ابھی تک خالی پڑا ہے۔ وہ شاید باہر ملک میں ہی بس گیا ہے۔"

"ہاں لگتا تو کچھ ایسا ہی ہے' شاید میری قسمت میں فلم میں کام کرنا نہیں لکھا ہے۔ اچھا خان صاحب' تمہارا بہت بہت شکریہ' تم نے میری بہت مدد کی۔"

راشد منہاس روڈ پر پہنچتے ہی مجھے رکشا مل گیا۔ تمام راستے میرے ذہن میں بس ایک ہی سوال چکراتا رہا۔ کیا واقعی شہباز لالہ کی موت محض ایک حادثہ ہے؟ کہیں اس کا زیبی کے اغوا سے تو کوئی تعلق نہیں ہے؟ ہو سکتا ہے وہ زیبی کو اغوا کرنے والوں کے بارے میں کوئی اہم بات جانتا ہو۔ وہ زیبی سے خاصا مانوس لگتا تھا۔ زیبی کہیں بھی جانے سے پہلے اسے ضرور آگاہ کیا کرتی تھی۔ ہو سکتا ہے زیبی کے قریب ہونا ہی اس بیچارے کی خطا بن گیا ہو۔

میں اپنے ٹھکانے پر پہنچا تو بلڈنگ کے تقریباً سبھی مکین خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔ میں فلیٹ کا دروازہ کھول کو جونہی آگے بڑھا' اچانک کسی نے میری ٹانگوں میں ٹانگ اڑا دی۔ میں کوشش کے باوجود اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور بری طرح گر پڑا۔ میری ٹھوڑی کرسی کے ہتھے سے ٹکرائی اور سامنے کے نیچے کے دانت ہونٹوں میں گڑ گئے۔ میں سنبھال کر اٹھنے ہی والا تھا کہ کمرے میں روشنی ہوگئی۔

وہ تعداد میں چار تھے اور چاروں ہی کے منہ پر سیاہ نقاب چڑھے ہوئے تھے۔ وہ سبھی مسلح رہے ہوں گے' تاہم اس وقت ان میں سے صرف دو کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ پہلی نظر میں ہی مجھے علم ہو چکا تھا کہ میرے فلیٹ کی ہر چیز کو الٹ پلٹ کیا جا چکا ہے۔ ان لوگوں نے نہایت اطمینان سے میرے فلیٹ کی تلاشی لی تھی۔ اور جب مطلوبہ چیز نہ مل سکی تو صبر و سکون سے میرا انتظار کرنے لگے لیکن وہ چیز آخر ہے کیا جس کی خاطر یہ دو مرتبہ میرے گھر کی ایسی تیسی کر چکے تھے۔ اتنے طویل عرصہ بعد جبکہ میں نے گھر بھی بدل لیا تھا وہ ایک بار پھر میرے سر پر آن پہنچے تھے۔

اپنے ہونٹوں سے بہنے والے خون کو روکنے کے لیے میں نے جیب میں سے رومال نکالنا چاہا۔ "خبردار جیب میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش مت کرنا۔" تقریباً سوا چھ فٹ لمبا نقاب پوش شاید ان کا سرغنہ تھا۔ "ہم تمہیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتے لیکن اگر تم نے چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو تمہارا نیا قالین تمہارے خون سے بھیگ سکتا ہے۔"

"تمہیں نظر نہیں آرہا' میں زخمی ہوں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا "تم بے فکر رہو' میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔" اس کے ساتھ ہی میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر رومال نکال لیا۔ شاید دانت کچھ زیادہ ہی گڑ گئے تھے۔ خون نہایت تیزی سے بہہ رہا تھا

تاہم رومال سے دبانے کے باعث عارضی طور پر خون کا ضیاع رک گیا۔ "تم لوگ کون ہو اور کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ پہلے بھی تم لوگ میرے گھر کا ستیاناس کر چکے ہو؟"

"کیا کہا' ہم پہلے بھی تمہارے گھر آچکے ہیں؟ لیکن ہم تو پہلے کبھی یہاں نہیں آئے۔ خیر میں فالتو بات نہیں کرنا چاہتا' تم ہماری توقع سے بڑھ کر چالاک ثابت ہوئے ہو۔ تم نے وہ ڈائری یقیناً کسی بہت ہی محفوظ جگہ چھپا رکھی ہے۔"

"یہ تم کس ڈائری کی بات کر رہے ہو بھائی؟" میں نے شدید حیرانی کے عالم میں پوچھا۔ "میرے پاس تو کوئی ڈائری نہیں ہے۔"

"ہمیں بیوقوف بنانے کی کوشش مت کرو' ہمیں معلوم ہے وہ ڈائری تمہارے ہی پاس ہے' تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ تم وہ ڈائری چپ چاپ ہمارے حوالے کر دو۔"

"بھائی کم ازکم یہ تو بتا دو کہ وہ ڈائری کیسی ہے اور میرے پاس کہاں سے پہنچی؟" میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ انہیں کیسے اپنی سچائی کا یقین دلاؤں۔ "زیادہ بھولے بننے کی ضرورت نہیں ہے' ہم اس ڈائری کی بات کر رہے ہیں جو زیبی نے تمہارے حوالے کی تھی۔ دیکھو وہ ڈائری تمہارے کسی کام کی نہیں ہے' اسے چپ چاپ ہمارے حوالے کرکے ہم سے اپنی جان چھڑا لو۔"

"اول تو وہ ڈائری میرے پاس ہے نہیں۔" میری قوت برداشت یک لخت جواب دینے لگی۔ زیبی کے ذکر نے میری رگوں میں بجلی سی بھر دی تھی۔ یہی تھے وہ لوگ جنہوں نے زیبی کو اغوا کیا تھا۔ "اور اگر وہ ڈائری میرے پاس ہوتی بھی تو وہ تمہارے حوالے ہرگز نہ کرتا۔ تم لوگوں سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔" خلاف توقع میرے اشتعال انگیز الفاظ نے میرے مخاطب نقاب پوش پر کچھ زیادہ اثر نہیں کیا۔ اس کے کسی ساتھی نے میرے اتنے قریب آنے کی کوشش نہیں کی کہ میں کوئی داؤ آزما پاتا۔

"تم اس طرح کی باتیں اس لیے کر رہے ہو کہ تم نہیں جانتے ہم کون لوگ ہیں۔ ہمیں فی الحال تم پر ہاتھ اٹھانے کا حکم نہیں البتہ تم نے سیدھی طرح ہم سے تعاون نہیں کیا تو تم کسی بڑی مشکل میں بھی پھنس سکتے ہو اور اس کے لیے ہمیں کوئی لمبی چوڑی کارروائی کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ہم پولیس کو صرف ایک فون کریں گے اور کچھ ہی دیر بعد تم جیل کی سلاخوں کے پیچھے نظر آؤ گے۔" لمبے بدمعاش کے الفاظ نے مجھے بری طرح چونکا دیا' اس کے ان الفاظ کا کیا مطلب تھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" میں نے محتاط لہجے میں پوچھا۔ "میں نے کونسا جرم کیا ہے کہ پولیس مجھے گرفتار کرے گی؟"

"ارے! اتنی جلدی بھول گئے؟ روشن نصیر کی سب سے زیادہ دشمنی بھی تم ہی سے تو تھی اور آخری مرتبہ تم ہی اس کے ساتھ دیکھے گئے تھے۔ یہ ثابت کرنا بھی ہمارے لیے مشکل نہیں ہے کہ اس کے پستول پر ملنے والے انگلیوں کے نشانات تمہارے ہی ہیں' تم بری طرح پھنس جاؤ گے۔"

نقاب پوش کے الفاظ نے میرے رگ و پے میں خوف کی سرد لہر دوڑا دی تھی' تاہم میں نے اپنے چہرے پر بدستور بے نیازی کا تاثر برقرار رکھا۔ "تمہارا جو جی چاہے کرو لیکن یہ حقیقت ہے کہ میرے پاس کوئی ڈائری نہیں ہے۔"

"ہم تمہیں ایک ہفتے کی مہلت دیتے ہیں۔ اس دوران میں اچھی طرح سوچ بچار کرکے فیصلہ کرلو۔ ایک ہفتے بعد ہم پھر تم سے رابطہ کریں گے۔"

"کم از کم یہ تو بتا دو کہ کیا زیبی اب بھی تمہارے قبضے میں ہے؟ تم نے اسے کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا؟ کوشش کے باوجود میرے لہجے میں اضطراب کی جھلک نمایاں ہوگئی۔ نقاب پوش نے جواب میں انکار میں سر ہلا دیا۔ "میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا' میری واحد ذمہ داری تم سے ڈائری برآمد کرانا ہے۔ اور میں اپنی یہ ذمہ داری ہر قیمت پر نبھاؤں گا۔ میں نے جو کچھ کہا' امید ہے پوری طرح تمہاری سمجھ میں آچکا ہوگا۔ اگر تم ہمارے بارے میں کسی سے بات نہ کرو تو یہ تمہارے ہی حق میں بہتر ہوگا۔"

"بس اب یہاں سے تشریف لے جائیں۔ مجھے نیند آرہی ہے' میں سونا چاہتا ہوں۔" میں نے سخت بیزاری کے عالم میں کہا۔

"یاد رکھو اگر ایک ہفتے کے اندر اندر تم نے ہمارا کام نہ کیا تو ہم تمہیں ایسی میٹھی نیند سلائیں گے کہ پھر قیامت کے دن ہی اٹھو گے۔" نقاب پوش کے لہجے میں اتنا غرور' اتنی حقارت تھی کہ میری رگوں میں آگ بھڑک اٹھی۔ وہ یوں مجھ سے مخاطب تھا جیسے میں کسی گندی نالی کا حقیر کیڑا ہوں۔ میں کسی وحشی چیتے کی سی برق رفتاری سے اچھلا اور نقاب پوش کے چہرے پر ایک زوردار راؤنڈ ہارس کک دے ماری۔ ضرب میری توقع سے کہیں زیادہ کاری ثابت ہوئی۔ نقاب پوش کے حلق سے کربناک چیخ برآمد ہوئی اور وہ چکرا کر میرے بستر پر گر پڑا۔ یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ نقاب پوش کے تینوں ساتھی اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کر پائے۔ اگلے ہی لمحے میں اپنے سے قریب ترین مسلح شخص پر چھلانگ لگا چکا تھا۔ میری ہتھیلی کی ضرب سے اس کا پستول چھوٹ کر کونے میں جا پڑا۔ اس نے مجھ سے لپٹنے کی کوشش کی لیکن میں اسے جھکائی دے کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی میری دائیں ٹانگ طاقتور پنکھے کی طرح گھومی اور میرے مقابل کی ٹانگوں کی پشت سے ٹکرائی۔ اس کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ اچھل کر بری طرح فرش سے ٹکرا گیا۔ اس کی

کھوپڑی میں یقیناً ستارے ناچ اٹھے ہوں گے۔ اب وہ پوری طرح میرے رحم و کرم پر تھا۔ میں نے ایک زبردست کک اس کے سینے پر مار دی۔ ضرب بے حد کارگر رہی' وہ دیوار سے بری طرح ٹکرایا اور منہ کے بل فرش پر گر پڑا۔ میں فوراً باقی دو افراد کی جانب متوجہ ہوا لیکن میں نے دیر کر دی تھی۔ میرے سر کی پشت پر زناٹے دار ضرب لگی۔ اس کے ساتھ ہی میری کھوپڑی میں اندھیرے اتر آئے۔

مجھے دروازے پر دی جانے والی زوردار دستک کی آواز سے ہوش آیا۔ کھوپڑی پھوڑے کی طرح دکھ رہی تھی جبکہ اوپری ہونٹ بھی سوج کر کپا ہو چکا تھا۔ میرے پوری طرح ہوش میں آنے تک دروازے پر دی جانے والی دستک کی آواز مزید بلند ہو چکی تھی۔ میں لڑکھڑاتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھا اور دروازہ کھول دیا۔ "یار کیا کچھ پی کر سوئے ہوئے تھے؟" کاشف نے فلیٹ میں داخل ہوتے ہوئے کہا "ساری بلڈنگ والے تماشا دیکھ رہے تھے۔" عین اسی وقت اس کی نظر میرے سوجھے ہوئے ہونٹ پر پڑی۔ "ارے! یہ کیا ہوا' کیا کسی سے جھگڑا ہو گیا تھا؟" میرے جواب دینے سے پہلے ہی فلیٹ کی تباہ حالت نے اس کی توجہ مبذول کروا لی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ "یار یہ مسئلہ کیا ہے؟ کون ہیں وہ لوگ جنہوں نے تمہاری اور تمہارے گھر کی یہ حالت بنا ڈالی ہے؟"

"شاید کوئی چور' ڈاکو تھے۔" میں اس سے نظر ملانے کی ہمت نہ کر سکا۔ "سمجھ رہے ہوں گے کہ میں نے لمبا مال چھپا رکھا ہے۔ میں دروازہ کھول کر سیدھا اندر چلا آیا۔ بس بے خبری میں مار کھا گیا۔ میرے سر پر کوئی بھاری چیز ماری گئی تھی جبکہ میرا ہونٹ شاید کرسی سے ٹکرانے سے پھٹا ہوگا۔"

مجھے یہ جاننے میں ایک لمحہ بھی نہ لگا کہ کاشف کو میری بات پر ذرا بھی یقین نہیں آسکا ہے۔ اس کی نظریں فرش پر دیوار کے قریب پڑے ہوئے خون کے دھبوں اور میرے رومال پر جمی ہوئی تھیں۔ "یار میں سمجھ نہیں پا رہا کہ تم مجھے کیوں اندھیرے میں رکھنا چاہتے ہو۔ یہ چور' ڈاکوؤں کی کارروائی نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے تمہاری ان لوگوں سے زبردست ہاتھا پائی ہوئی ہے۔ اگر تم مجھے اعتماد میں لے لو تو یہ تمہارے لیے ہی فائدہ مند ثابت ہوگا۔ شاید میں تمہیں کوئی اچھا مشورہ دے سکوں۔"

"یار یہ سب تمہارا وہم ہے' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو ان لوگوں کو جانتا بھی نہیں ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ میری ان سے ہاتھا پائی ہوئی تھی لیکن اس کے متعلق تمہیں نہ بتانے کی واحد وجہ یہ شرمندگی ہے کہ تمہارا شاگرد ہونے کے باوجود میں ان اچکوں سے مار کھا گیا۔"

کاشف کو یقین آیا ہو یا نہ آیا ہو' بہرحال اس نے مجھ سے مزید پوچھ گچھ نہیں کی۔

سکول جانے کا وقت پہلے ہی گزر چکا تھا۔ اس نے میرے فلیٹ کا سامان حتی الامکان ترتیب سے رکھا۔ ڈریسنگ کا سامان بازار سے لا کر زخموں کی ڈریسنگ کی۔ مجھے ناشتہ کرایا۔ اس دوران میں وہ زیادہ تر خاموش رہا۔ شاید رازداری برتنے کے باعث مجھ سے ناراض تھا۔ میرا دل چاہا کہ اسے سب کچھ سچ سچ بتا دوں لیکن پھر میں نے اپنے اس خیال کا گلا گھونٹ دیا۔ یہ سب بتانا نہ اس کے لیے فائدہ مند ہوتا نہ ہی میرے لیے۔ اس کا اس معاملے میں علیحدہ رہنا ہی بہتر تھا۔

"کل اسکول جانا ہو تو پرنسپل صاحب کو بتا دینا کہ معمولی سے ایکسیڈنٹ میں زخمی ہونے کے باعث میں دو تین دن تک ڈیوٹی پر نہیں آسکوں گا۔" کاشف نے محض اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا اور فلیٹ کے دروازے کی طرف چل پڑا۔ دروازے پر پہنچ کر وہ لمحہ بھر کے لیے رکا اور پھر پلٹ کر مجھ سے مخاطب ہوا۔ "اپنا خیال رکھنا دانش۔ تم مجھے کچھ بھی سمجھو' میں تمہیں بھائیوں سے بڑھ کر سمجھتا ہوں۔ اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میں تمام زندگی اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکوں گا۔"

میری بھیگی ہوئی آنکھوں نے اسے جو پیغام بھی دیا ہو' میری زبان سے ایک لفظ نہ نکل سکا۔ لمحہ بھر توقف کے بعد وہ فلیٹ کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا.........



اگلے دو دن میں فلیٹ کا قیدی بنا رہا۔ عجیب افسردگی اور بیزاری کا عالم تھا۔ جی چاہتا تھا فلیٹ کی دیواروں سے ٹکراتا پھروں۔ ایسی کیفیت مجھ پر پہلے کبھی حملہ آور نہیں ہوئی تھی۔ گھر میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا لیکن گھر سے باہر نکلنے کے خیال سے ہی میرا دل گھبرا رہا تھا۔ کسی نے چہرے کا نقشہ بگڑنے کا سبب پوچھ لیا تو کیا جواب دوں گا؟ کاشف نے بھی خیر خیریت جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ شاید وہ مجھ سے قطع تعلق کا فیصلہ کر چکا تھا۔ قصور اس کا بھی نہیں تھا' میرے رویئے سے اسے دکھ پہنچا تھا۔

تیسرے روز شام تک میرے ہونٹوں کا زخم خاصی حد تک بھر گیا۔ سوجن بھی تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ میری ذہنی حالت میں بھی کچھ افاقہ تھا۔ مغرب سے ذرا پہلے میں گھر سے نکل آیا۔ میرا ارادہ تھا کہ پہلے کاشف کے کلب جاؤں گا۔ وہ کتنی بھی مزاحمت کرے' اس کی ناراضگی ختم کر کے ہی گھر لوٹوں گا۔ واپسی پر کھانے پینے کا سامان بھی خرید لاؤں گا۔ ڈائری کی تلاش میں فلیٹ پر دھاوا بولنے والوں کا خیال میں پہلے ہی ذہن سے جھٹک چکا تھا۔ پریشان ہونے کا فائدہ بھی کیا تھا۔ ان کی مطلوبہ ڈائری تو میرے پاس نہیں تھی اور نہ ہی میں اس کے متعلق کچھ جانتا تھا۔ ایسے میں ایک ہفتہ تو کیا ایک سال کی مدت کے دوران میں بھی یہ ڈائری ان کے حوالے کرنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اس بار وہ لوگ میرے گھر پر آئے تو کسی قسم کی مزاحمت کرنے کے بجائے صاف صاف بتا دوں گا کہ وہ غلط جگہ وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اگر پھر بھی نہ مانے تو دیکھا جائے گا۔ مجھے روشن قتل کیس میں پھنسا کر تو وہ کم از کم مجھ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس طرح کی حماقت کی ان جیسے گھاگ لوگوں سے امید کم از کم مجھے تو بالکل نہیں تھی۔

کاشف کے کلب میں حسب معمول خاصی رونق تھی۔ کاشف بلیک بیلٹ کیٹیگری کے دو کھلاڑیوں کے ساتھ پریکٹس کر رہا تھا۔ اس نے یقیناً مجھے دیکھ لیا ہوگا' تاہم کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ اس کے دونوں شاگرد خاصے پھرتیلے اور مشاق تھے۔ ان کے حملوں سے بچنے کے لیے کاشف کو خاصی محنت کرنا پڑ رہی تھی۔ چند منٹ بعد کاشف نے ان دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور باقی دو میں سے دو کو آگے آنے کی ہدایت کی۔ قبل از اس کے ان میں سے

کوئی اٹھتا‘ میں کاشف کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس کی پیشانی پر چند لمحوں کے لیے ناراضگی کی لکیریں ابھریں۔ پھر اس کا چہرہ پہلے کی طرح سپاٹ نظر آنے لگا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے دوسرے شاگرد کو واپس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اب صرف ہم دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل تھے۔

خلاف معمول پہل کاشف کی جانب سے ہوئی۔ وہ خونخوار چیتے کی مانند مجھ پر حملہ آور ہوا۔ اس کے وار اس قدر شدید تھے کہ مجھے اپنا بچاؤ کرنے میں دانتوں پسینہ آگیا۔ جب تک میں اس کی کک بلاک کرتا‘ اس کا گھونسا حرکت میں آچکا ہوتا۔ گھونسا روکتے روکتے وہ سویپ لگانے کے لیے زمین پر بیٹھ چکا ہوتا۔ چنانچہ اگلے ہی لمحے مجھے پوری قوت سے فضا میں اچھل جانا پڑتا۔ ممکن ہے اس نے مجھ سے رعایت برتی ہو‘ تاہم میں نے اس کا کوئی حربہ کارگر نہیں ہونے دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ مجھے مسلسل دفاع میں مصروف ہونے کے باعث اس پر حملہ کرنے کی مہلت ہی نہ مل سکی تھی۔ کاشف کے شاگرد زوردار تالیاں بجا کر اور تحسین آمیز نعرے لگا کر ہم دونوں کی کارکردگی کی داد دے رہے تھے۔ شور اتنا زیادہ تھا کہ بلڈنگ کے احاطے میں موجود سبھی فلیٹوں کے مکین بالکنی میں آن کھڑے ہوئے تھے اور اب وہ بھی اس فائٹ سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ہم دونوں کی یہ غیر ارادی سی فائٹ اپنے انجام کو پہنچنے ہی والی تھی کہ اچانک فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ کلاشنکوف کا پورا برسٹ کہیں بہت ہی قریب چلایا گیا تھا۔ کاشف اور میں خودکار انداز میں منہ کے بل زمین پر لیٹ گئے۔ کاشف نے اپنے شاگردوں کو بھی زمین پر لیٹ جانے کا حکم دیا۔ اس کے حکم پر فوری عمل کیا گیا۔ اس دوران میں نے فائر کی سمت کا اندازہ لگا لیا۔ گولیاں احاطے کے گیٹ سے چلائی گئی تھیں‘ میں نے تیز رفتاری سے آگے بڑھ جانے والی ایک سیاہ گاڑی کی جھلک بھی دیکھی تھی۔ گاڑی کے گیٹ سے ہٹتے ہی میں نے چیخ کر کہا ”سب لوگ کسی محفوظ جگہ چھپ جائیں‘ گاڑی واپس بھی آسکتی ہے۔“

میری بات سنتے ہی سب لوگوں میں بجلی کی لہر دوڑ گئی۔ جس کا جدھر منہ اٹھا‘ دوڑ پڑا۔ میرا رخ بھی فلیٹوں کے قریبی سلسلے کی جانب تھا۔ سامنے قدرے دور واقع فلیٹس تک پہنچتے پہنچتے میں یہ اندازہ لگانے میں کامیاب ہو چکا تھا کہ احاطے میں موجود افراد میں سے کوئی بھی گولیوں کا شکار نہیں بنا تھا اور تقریباً سبھی کسی پناہ گاہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ میں اپنے لیے کوئی پناہ گاہ ڈھونڈ ہی رہا تھا کہ ایک فلیٹ کی کھڑکی میں سے کسی نے مجھے پکارا ”اس طرف کا دروازہ کھلا ہے‘ جلدی سے اندر آجائیں۔“

میں نے بنا سوچے سمجھے اس مشورے پر عمل کر ڈالا۔ فلیٹ کے اندر داخل ہوتے ہی میں نے اضطراری طور پر دروازہ مقفل کر دیا اور قریبی دیوار سے ٹیک لگا کر بری طرح

ہانپنے لگا۔ میں پسینے میں بری طرح شرابور تھا۔ سر اور پیشانی سے بہہ کر آنے والا پسینہ آنکھوں میں جلن پیدا کر رہا تھا۔ میں نے کراٹے کے یونیفارم کی آستین سے پیشانی اور آنکھوں کو پونچھا۔ تب کہیں میری آنکھیں کچھ دیکھنے کے قابل ہو سکیں۔

وہ تین کمروں پر مشتمل چھوٹا سا لیکن خوبصورت فلیٹ تھا جسے نہایت سلیقے اور ہنرمندی سے سجایا گیا تھا۔ پہلی نظر میں ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ خاتون خانہ نہایت خوش ذوق اور نفاست پسند ہیں۔ اگلے ہی لمحے میں نے خاتون خانہ کو بھی دیکھ لیا جو خود بھی نہایت دلچسپی اور انہماک سے میری حالت کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں پانی کا جگ دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ پیاس کی شدت سے میرے حلق میں کانٹے سے چبھ رہے ہیں۔ میں نے ان کے ہاتھ سے پانی کا جگ لیا اور گلاس کا تکلف کیے بغیر اسے منہ لگا لیا۔ حلق سے پانی اترتے ہی میرے حواس بحال ہوتے چلے گئے۔ سب سے پہلے مجھے دو باتوں کا احساس ہوا۔ ایک تو یہ کہ میری میزبان خاتون غیر معمولی حد تک خوبصورت ہیں اور دوسرا یہ کہ اس وقت وہ گھر پر بالکل اکیلی ہیں۔ مجھ پر یک لخت گھبراہٹ سی طاری ہونے لگی۔ قبل اس کے کہ میں دروازہ کھول کر باہر نکل جاتا‘ خاتون خانہ میری حالت سمجھ گئیں۔ ”ابھی خطرہ ٹلا نہیں ہے‘ تھوڑی دیر مزید انتظار کر لیں۔“ شکل و صورت کی طرح آواز بھی بہت پیاری تھی۔

میں نے انکار کرنا چاہا لیکن پھر بدتہذیبی سمجھ کر خاموش ہو گیا۔ خاتون نے جدید طرز کے دبیز صوفے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ”تشریف رکھیے‘ چولہے پر چائے چڑھی ہوئی ہے۔ میرے خیال میں ہم دونوں کے لیے کافی رہے گی۔ آپ چاہیں تو چائے تیار ہونے تک منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو سکتے ہیں۔“ اس کا لہجہ بے حد نرم تھا لیکن اس نرمی میں کہیں ہلکا سا تحکم بھی پوشیدہ تھا۔ چنانچہ مجھے حکم کی تعمیل کرنا پڑی۔

فلیٹ کی طرح باتھ روم بھی حسن انتخاب اور عمدہ ذوق کا آئینہ دار تھا۔ ہاتھ دھونے کے لیے واش بیسن کے سامنے پہنچا تو خیال آیا کہ اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھا کر جلدی جلدی شاور بھی لے سکتا ہوں۔ اپنے اس خیال پر میں نے فوراً ہی عمل بھی کر ڈالا۔ نیم گرم پانی کی پھوار نے جسم سے تھکن نچوڑ کر فرحت اور تازگی سے مجھے مالا مال کر دیا۔ چند منٹ بعد باتھ روم سے نکلا تو مجھے لگا کہ نئی زندگی میں قدم رکھ رہا ہوں۔

”یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔“ میزبان خاتون نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ ”میں آپ سے یہ کہنے ہی والی تھی لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش ہو گئی کہ کہیں آپ مائنڈ نہ کر جائیں۔ آپ بیٹھیں میں چائے لے کر آتی ہوں۔“ میں نے اس بار بھی نہایت سعادت مندی سے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ مجھے خود پر حیرت ہو رہی تھی۔ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ کیوں ان خاتون

کی انگلی کے اشارے پر ناچ رہا ہوں؟ یہ رعب حسن ہے یا ......

"آپ پرسکون ہو کر بیٹھیں' فی الحال آپ کا باہر نکلنا شاید مناسب نہیں ہے۔ پولیس آچکی ہے۔ کاشف ان کے اوٹ پٹانگ سوالوں کے جواب دے رہے ہیں۔ آپ وہاں گئے تو خواہ مخواہ آپ کو بھی بک بک جھک جھک سننا پڑے گی اور خود بھی حصہ لینا پڑے گا اور شاید تھانے کا چکر بھی لگانا پڑے جو یقیناً کچھ زیادہ خوشگوار تجربہ نہیں ہوتا۔" خاتون کے لہجے میں ایسی عجیب سی کھنک تھی کہ دل چاہتا تھا' وہ بولتی رہیں اور میں سنتا رہوں۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن کہیں آپ کے گھر والے ......" میں نے جھجک کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ دھیرے سے ہنس پڑی۔ کمرے کی فضا میں جلترنگ سا بج اٹھا۔ "آپ فکر نہ کریں' نہ گھر والا ہے اور نہ گھر والے ہیں جو آپ کی آمد پر اعتراض کریں۔ اس گھر پر صرف اور صرف میری حکومت ہے۔" دل چاہا کہ اس سے کہوں اس گھر پر ہی کیا موقوف' آپ تو لاکھوں دلوں پر حکومت کر سکتی ہیں۔

"میں آپ کو کراٹے کی پریکٹس کرتے دیکھتی رہتی ہوں۔ آپ کاشف کے گہرے دوست بھی ہیں۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ آپ کے جسم میں غیر معمولی لچک اور اسٹیمنا موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کراٹے کے لیے بے حد موزوں ہیں۔ کاشف کے علاوہ ان لوگوں میں شاید ہی کوئی آپ کا مقابلہ کر پائے' ویسے کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں؟"

"وہ ......جی ......میرا نام دانش ہے' دانش اقبال۔" میں نے اپنی آواز کی لڑکھڑاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "کاشف اور میں ایک ہی سکول میں جاب کرتے ہیں' میں بچوں کو سوئمنگ سکھاتا ہوں۔"

"صرف بچوں کو؟" اس کی آنکھوں میں شرارت چمکی۔ "اگر میں کہوں کہ مجھے سوئمنگ سکھا دیں تو کیا آپ انکار کر دیں گے؟"

"جی نہیں' لیکن ......" فوری طور پر سمجھ نہیں آیا' کیا جواب دوں۔ اس نے میری مشکل خود ہی حل کر دی۔ "چلیں چھوڑیں' میں تو مذاق کر رہی تھی۔ ویسے بھی میں پانی سے ذرا دور ہی رہنا پسند کرتی ہوں۔ آبی موت مجھے قطعاً رومانٹک نہیں لگتی۔ ویسے میرا نام نائمہ ہے۔ میں بھی آپ کو ایک آدھ فن سکھا سکتی ہوں لیکن میرے خیال میں آپ جو پہلے سے جانتے ہیں' وہ آپ کے لیے بہت کافی ہے۔"

"مس نائمہ آپ کے برعکس مجھے تو آبی قبر بہت اچھی لگتی ہے۔ نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا' ہے ناں دلچسپ بات؟ گھر والے بھی درود و فاتحہ اور پھولوں کی چادر وغیرہ کے خواہ مخواہ کے خرچے سے بچے رہیں۔ زمینی کیڑے مکوڑوں کی خوراک بننے سے مچھلیوں کے پیٹ میں جانا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔"

"اُفوہ' آپ بال کی کھال نکالنے کے کچھ زیادہ ہی شوقین لگتے ہیں اور خاصے بہادر بھی ...... یوں لگتا ہے آپ قطعاً بھول چکے ہیں کہ کچھ ہی دیر پہلے موت آپ کے سر پر سے گزر کر جا چکی ہے۔ آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید خوف سے بخار چڑھ چکا ہوتا۔"

"جب تک موت سر پر سے گزر رہی ہے' پریشان ہونے کی کیا ضرورت اور جب واقعی سر پر آپڑی تو سارا جھنجھٹ ہی ختم ہو جائے گا۔ ویسے میرا خیال ہے کسی کو بھی گولی نہیں لگی ہے۔"

"جی ہاں' شاید جان بوجھ کر لوگوں کے سروں سے خاصی بلندی پر فائرنگ کی گئی تھی۔ یہ کسی قسم کی وارننگ بھی سمجھی جا سکتی ہے۔" نائمہ کی بات سن کر میرے کانوں میں گھنٹی بج اٹھی۔ اس پہلو پر تو میں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔ ممکن ہے ڈائری کے متلاشی بدمعاش اس حرکت کے ذریعے مجھے جتانا چاہتے ہوں کہ وہ جب چاہیں مجھے اگلے جہاں پہنچا سکتے ہیں۔ "ممکن ہے آپ کی بات درست ہو لیکن یہ وارننگ کس کے لیے ہو سکتی ہے؟ خیر فی الحال تو مجھے فوری طور پر کاشف سے ملنا ہے۔ شاید وہ اس بارے میں کچھ بتا سکے۔ اب مجھے اجازت دیں۔ آپ کی مہمان نوازی کا بہت بہت شکریہ۔"

"نہیں جناب ایسے نہیں۔" اس نے نہایت بے تکلفی سے میرا راستہ روک لیا۔ "آپ وعدہ کریں کہ کل پھر میرے مہمان بنیں گے۔ ایسا کریں کل رات کا کھانا آپ میرے ساتھ کھائیں۔ یقین کریں میں اچھا خاصا لذیذ کھانا بنا لیتی ہوں۔ مجھے آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں' پلیز کل ضرور آیئے گا۔"

"آپ مجھ سے کیا باتیں کرنا چاہتی ہیں؟ ہم تو ایک دوسرے سے صحیح معنوں میں متعارف بھی نہیں ہو سکے ہیں۔" نائمہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی' "اسی لیے تو میں آپ کو دوبارہ آنے کو کہہ رہی ہوں کہ اس طرح ہم ایک دوسرے سے پوری طرح واقف ہو سکیں گے۔ یقین کیجئے میں ہر کسی سے اتنی جلدی بے تکلف ہونے کی عادی نہیں ہوں لیکن آپ میں کوئی ایسی خاص بات ضرور ہے جو دل کو آپ کی جانب مائل کرتی ہے۔ میں اظہار عشق نہیں کر رہی ہوں۔ آپ انہیں دوستانہ جذبات قرار دیں تو ہم دونوں کے لیے زیادہ بہتر رہے گا۔ اگر آپ لوگوں کے باتیں بنانے کے خیال سے جھجک رہے ہیں تو اس طرف سے بے فکر ہو جایئے۔ یہ بلڈنگ مجھے اس لیے پسند ہے کہ یہاں کوئی کسی کے ذاتی معاملات میں دخل دینے کی کوشش نہیں کرتا۔"

نائمہ کے پرخلوص اور پرزور اصرار کے پیش نظر مجھے انکار کی ہمت نہ پڑی۔ قدرے پس و پیش کے بعد میں نے ہامی بھرلی۔ "میں کل شام اس وقت آپ کا انتظار کروں گی۔ میرا فون نمبر نوٹ کر لیں۔ اگر کسی وجہ سے آنے میں تاخیر ہو جائے تو مجھے اطلاع ضرور

دے دیجیے گا۔"

بلڈنگ کے احاطے میں اس وقت صرف عمر اور شکیل موجود تھے باقی سب اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ عمر، کاشف کے دست راست کی حیثیت رکھتا تھا۔ کاشف کی غیر موجودگی میں وہی تمام لڑکوں کو کنٹرول کرتا تھا۔ کاشف اپنے شاگردوں میں سے اسے سب سے اچھا فائٹر قرار دیتا تھا۔ "عمر خان! کاشف بھائی کہاں ہیں؟" میں نے ان کے قریب پہنچ کر پوچھا۔ "کاشف بھائی تو پولیس موبائل کے ساتھ گلستان جوہر پولیس اسٹیشن گئے ہوئے ہیں۔ پولیس والوں کا خیال ہے کہ یہ دہشت گردوں کی کارروائی ہے۔ کاشف بھائی معاملہ یہیں ختم کر دینا چاہتے تھے لیکن پولیس والے نہیں مانے، مجبوراً کاشف بھائی کو ان کے ساتھ تھانے جانا پڑا۔ معلوم نہیں اب کب لوٹیں گے۔ ہو سکے تو آپ بھی تھانے جا کر صورتحال کا پتا کر لیں۔"

"نہیں یار، میں کاشف کے گھر جا رہا ہوں۔ اماں تک یہ اطلاع پہنچ گئی ہو گی۔ مجھے انہیں سمجھانا ہو گا کہ پریشانی یا خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے کہا، عمر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "اوہو، یہ تو مجھے یاد ہی نہیں رہا، آپ جلد از جلد کاشف بھائی کے گھر پہنچیں۔ اماں تو یقیناً سخت پریشان ہو رہی ہوں گی۔ میں کاشف بھائی کو بتا دوں گا کہ آپ گھر پر ہیں۔"

کاشف کی اماں واقعی سخت پریشان تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے سوالات کی بارش کر دی۔ "کاشف خیریت سے تو ہے دانش بیٹا؟ میں نے سنا ہے کہ ادھر گولی چل گئی تھی، کوئی زخمی یا خدانخواستہ ...... کاشف کہاں ہے؟"

"آپ پریشان نہ ہوں، کاشف بالکل ٹھیک ٹھاک ہے، کسی کو کچھ نہیں ہوا۔ کسی نے خواہ مخواہ شرارت کی تھی۔ کاشف تھانے گیا ہے تاکہ آئندہ کوئی اس طرح کی حرکت نہ کر سکے۔ مجھے اسی نے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ کو تسلی دے سکوں۔"

"ایک تو خدا جانے یہ نامراد اسلحہ کہاں سے کراچی میں آ گیا۔ ہر چھوٹا بڑا اسلحے سے لیس ہے۔ پتا نہیں کیا بنے گا اس شہر کا۔ کوئی دن ایسا نہیں جاتا جب گولیاں چلنے کی منحوس آواز کان میں نہ آتی ہو۔ شہر نہ ہوا گویا میدان جنگ ہو گیا۔"

کاشف خاصی دیر بعد واپس لوٹا، وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ کھانے کے دوران میں بھی زیادہ بات نہ ہو سکی۔ "چلو میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔"

اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ "اماں دروازہ بند کر لو۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں دانش کو گھر چھوڑ کر ابھی واپس آ جاؤں گا۔ عمر اور شکیل سامنے والی دکان میں ویڈیو گیم کھیل رہے ہیں۔ کوئی کام ہو تو انہیں بلوا

لینا۔" اماں نے اپنی پریشانی چھپاتے ہوئے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"کچھ پتا چلا، یہ کس کی کارستانی ہے؟" میں نے کاشف کا منہ کھلوانے کے لیے پہل کی۔ "اتنی جلدی کیسے پتا چل سکتا ہے بھائی، تھانیدار بضد ہے کہ یہ دہشت گردی کی کارروائی ہے۔ فرمائش کر رہا تھا کہ میں اپنے تمام سٹوڈنٹس کو اس کے پاس تھانے لے کر آؤں۔ بڑی مشکل سے اسے سمجھایا ہے کہ اس طرح خود اس کا بھی وقت ضائع ہو گا اور باقی سب لوگوں کا بھی جبکہ حاصل کچھ بھی نہیں ہو گا۔ اگر مجرموں کو پکڑنا ہے تو علاقے کی ناکہ بندی کرواؤ، اگر مجرم پکڑے گئے تو ان کے خلاف گواہی کے لیے ہم خود تھانے پہنچ جائیں گے۔"

"مال بٹورنے کے چکر میں ہوں گے جناب تھانیدار صاحب، تھانے آنے والا جیب خالی کیے بغیر واپس تھوڑی جا سکتا ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ کاشف نے شانے اچکائے۔ "اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔"

"ویسے تمہارے خیال میں اصل قصہ کیا ہے؟ میں نے پوچھا۔

قصہ تو بہت خطرناک لگتا ہے بھائی، مجھے پہلے ہی ڈر تھا وہ لوگ کوئی نہ کوئی کارروائی ضرور کریں گے جو بالآخر انہوں نے کر ڈالی۔" کاشف نے تفکر آمیز لہجے میں بتایا۔

"تم کن لوگوں کی بات کر رہے ہو؟ کس نے کی ہے یہ کارروائی؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

منشیات فروشوں کا ایک گروپ ہے، پہلے بھی کئی بار دھمکی دے چکے ہیں۔ اس بار انہوں نے واضح اشارہ دے دیا ہے کہ ان کے صبر کی حدیں ختم ہونے لگی ہیں۔"

"ہمارے کلب نے ان لوگوں کا کیا بگاڑا ہے؟ کیوں ہمارے پیچھے پڑ گئے ہیں وہ لوگ؟" میں نے پوچھا۔ کاشف نے بدستور تفکر آمیز لہجے میں کہا "اس لیے کہ گزشتہ کئی ماہ سے ہماری وجہ سے ان کا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گیا ہے۔"

"وہ کیسے؟ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ؟"

"دراصل یہ سارا سلسلہ چند ماہ پہلے اس وقت شروع ہوا تھا جب عمر خان کا چھوٹا بھائی ہیروئن کی زیادہ مقدار استعمال کرنے کے باعث سہراب گوٹھ کے پل کے نیچے مردہ حالت میں پایا گیا تھا۔ عمر خان اور اس کے گھر والے بالکل نہیں جانتے کہ سہیل اس لت میں کب گرفتار ہوا۔ بہرحال اس جواں مرگ نے پورے گھر کو غم سے دیوانہ بنا ڈالا، خصوصاً عمر خان کی حالت تو بہت ہی خراب تھی۔ میں اسے نہ سنبھالتا تو شاید وہ خود بھی کسی حادثے کا شکار ہو جاتا۔ بہرحال اس سانحے کے بعد عمر خان اور اس کے یار دوستوں نے عہد کیا کہ وہ کم از کم اپنے علاقے سے اس لعنت کا نام و نشان مٹا کر چھوڑیں گے۔ میں ان

کے ساتھ پوری طرح شریک تو نہیں ہوں' تاہم میں نے انہیں روکنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ گزشتہ کئی مہینوں سے ان لوگوں نے معمول بنا رکھا ہے کہ علاقے میں آنے والے کسی بھی اجنبی یا مشکوک شخص پر کڑی نگاہ رکھتے ہیں۔ کسی پر ذرا بھی شک ہوتے ہی اس کی تلاشی لیتے ہیں۔ اگر کوئی نشہ آور شے برآمد ہو جائے تو اس کی بری طرح پٹائی کرتے ہیں اور پھر ہاتھ پاؤں باندھ کر تھانے چھوڑ آتے ہیں جبکہ آوارہ پھرنے والے ہیروئنچیوں کی خاصی بڑی تعداد کو یہ لوگ ابتدائی کچھ عرصے کے دوران میں ہی ایدھی سینٹر پہنچا چکے ہیں۔ اس علاقے میں منشیات سپلائی کرنے والا گروہ خاصا مضبوط اور منظم ہے۔ ابتداء میں تو یہ لوگ درگزر کرتے رہے لیکن اب شاید معاملہ ان کی برداشت سے باہر ہو رہا ہے۔"

"شاید اسی لیے تھانیدار صاحب اسے دہشت گردی کی واردات قرار دینے پر بضد ہیں کیونکہ ان سے ملی بھگت کے بغیر تو منشیات فروشوں کا کاروبار چل ہی نہیں سکتا۔ اب یہ بھی اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ پولیس کی موبائل چند منٹوں کے اندر اندر موقع واردات پر کیسے پہنچ گئی۔ میں بھی حیران تھا کہ ہمارے قانون کے محافظ اتنے مستعد کیسے ہو گئے؟"

"شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو!" کاشف نے کہا "تھانیدار صاحب نے واضح طور پر تو نہیں کہا البتہ اس کی باتوں سے یہ اندازہ مشکل نہیں کہ وہ میرے کلب کی سرگرمیوں سے کچھ زیادہ خوش نہیں ہے۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ کئی لوگوں نے شکایت کی ہے کہ ہمارے کلب کی وجہ سے ان کی ذاتی زندگی متاثر ہو رہی ہے۔ میں نے ان لوگوں کے نام پوچھے تو تھانیدار نے بات گول کر دی البتہ اس نے مجھ سے یہ وعدہ ضرور لے لیا ہے کہ کم از کم دس دن تک کلب بند رہے گا۔"

"یار یہ تو بہت برا ہوا۔ اس طرح تو بہت سے لڑکے بددل ہو کر کلب چھوڑ جائیں گے۔"

"اس سلسلے میں اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ اس واقعے نے لڑکوں کو ویسے بھی خوفزدہ کر دیا ہوگا۔ ہم کلب کھولیں گے تب بھی ممکن ہے' وہ واپس آنے کی جرات نہ کر سکیں۔"

"خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" میں نے کہا۔ "کم از کم نصف درجن لڑکوں سے تو میں ذاتی طور پر واقف ہوں کہ وہ ہر قیمت پر' ہر حالت میں تمہارا ساتھ دیں گے۔"

"یہ تو میں بھی مانتا ہوں لیکن کیا ان لوگوں کی زندگیاں خطرے میں ڈالنا مناسب ہوگا؟"

"خیر یہ تو دس دن بعد کلب دوبارہ کھلنے پر دیکھا جائے گا' فی الحال عمر خان اور اس کے ساتھیوں کو کہو کہ وہ اپنی کارروائیاں عارضی طور پر بند کر دیں۔"

"یہ تو میں انہیں پہلے ہی کہہ چکا ہوں لیکن اگر یہ مسئلہ جلد از جلد حل نہ ہوا تو ہمیں بالآخر یہ کلب بند کرنا پڑے گا۔" کاشف کے لہجے کی مایوسی میرے لیے خاصی اجنبی تھی۔

"تم فکر نہ کرو' انشاء اللہ یہاں تک نوبت نہیں پہنچے گی۔" میں نے اسے تسلی دی۔ میں اسے نائمہ کے بارے میں بتانا چاہتا تھا لیکن جانے کیوں یہ بات میری زبان پر نہ آسکی۔ شاید دل کے چور نے زبان پر مہر لگا دی تھی۔

میں رات گئے تک اس واقعے کے بارے میں سوچتا رہا۔ کاشف نے منشیات فروشوں کے حوالے سے جو کچھ بتایا' وہ دل کو لگتا تھا لیکن میں یہ اندیشہ نظرانداز کرنے پر ہرگز تیار نہ تھا کہ یہ ڈائری کے متلاشی گروپ کی بھی کارروائی ہو سکتی ہے۔ ان لوگوں کی جانب سے دی جانے والی مہلت کے صرف تین دن باقی رہ گئے تھے۔

اگلے روز مقررہ وقت پر کاشف مجھے لینے آگیا اور ہم سکول پہنچ گئے۔ میں فوراً ہی سوڈنٹس میں گھر گیا۔ وہ مجھ سے تین دن غائب رہنے پر شکوے شکایتیں کرتے رہے۔ کچھ دیر بعد پرنسپل صاحب نے مجھے طلب کر لیا۔ وہ میری طرف سے خاصے فکرمند تھے۔ میں نے یقین دلایا کہ میں پوری طرح صحت یاب ہو چکا ہوں۔ معمول کے برعکس اس روز مجھے وقت بہت آہستگی سے آگے بڑھتا محسوس ہو رہا تھا۔ مجھے اپنے آپ پر حیرت ہو رہی تھی۔ نائمہ کا خیال آتے ہی دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگتی تھیں۔ جی چاہتا تھا ابھی اور اسی وقت اڑ کر اس کے پاس پہنچ جاؤں۔ اس کی معصوم مسکراہٹ' کھنک دار آواز' جلترنگ سی ہنسی غرض کہ ایک ایک ادا یاد آرہی تھی۔ محض ایک ملاقات میں اس نے شاید مجھ پر کوئی جادو کر دیا تھا۔

سکول سے واپسی پر کاشف نے حسب معمول مجھے میرے گھر پر چھوڑ دیا۔ "شام کو میری طرف آؤ گے ناں؟" اس نے پوچھا۔ "میں پہلے سے ہی اس سوال کی توقع کر رہا تھا۔

"نہیں یار' آج میں جلدی سو جاؤں گا' کئی دنوں سے نیند پوری نہیں ہوئی۔ کلب تو ویسے بھی نہیں کھلے گا۔"

"ٹھیک ہے تم آرام کرو' تمہارے ہونٹ پر اب بھی تھوڑی سی سوجن باقی ہے۔ اب انشاء اللہ کل ملاقات ہوگی۔" کاشف چلا گیا اور میں نہایت بے چینی سے دن ڈھلنے کا انتظار کرنے لگا۔ خدا خدا کر کے سورج کا سفر ختم ہوا' اس کے ساتھ ہی میں نائمہ کے گھر کی جانب چل پڑا۔

مجھ پر نظر پڑتے نائمہ کے چہرے پر خوش رنگ پھول کھل اٹھے۔ خود کو سنوارنے میں اس نے کچھ زیادہ اہتمام نہیں کیا تھا لیکن اس نیم دلانہ کوشش نے بھی اس کا حسن دو آ

تشنہ بنا دیا تھا- کئی لمحوں تک میں اس کے چہرے سے نظریں نہ ہٹا سکا- میری وارفتگی نے اس کی گلابی رنگت میں حیا کی سرخی گھول دی-

"اب اندر بھی آئیں گے یا ساری رات دروازے میں ہی کھڑے رہ کر گزارنی ہے؟"

اس نے شرارت بھرے لہجے میں کہا- میں جیسے کسی حسین خواب سے جاگ اٹھا- دل میں آئی کہ کہہ دوں، تمہارے لیے تو رات بھر ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر چلا کاٹنے والے بھی ہزاروں مل سکتے ہیں، تاہم میں جرات اظہار کہاں سے لاتا، محض اتنا ہی کہہ سکا۔

"مجھے آنے میں دیر تو نہیں ہو گئی؟"

"ہاں بھی اور نہیں بھی ....." اس کے لہجے کی شوخی مزید بڑھ گئی تھی-

"کیا مطلب، میں سمجھا نہیں؟" میں نے حیرانی سے پوچھا-

"سمجھ جائیں گے سب کچھ سمجھ جائیں گے- اتنی جلدی کیا ہے؟"

"مذاق چھوڑیں، صاف صاف بتائیں بیک وقت ہاں اور ناں میں جواب کیسے ممکن ہے؟" میرے اصرار پر نائمہ کی شوخی میں سنجیدگی کی جھلک شامل ہو گئی-

"میرا مطلب یہ کہ اگر بات وعدہ نبھانے کی ہے تو آپ نے قطعاً دیر نہیں کی لیکن جہاں تک انتظار کا معاملہ ہے تو لگتا ہے جیسے .....خیر چھوڑیں اس بات کو، یہ بتائیں کہ فائرنگ والے معاملے کا کیا بنا؟ پولیس والے کیا کہتے ہیں؟"

"کہنا کیا ہے، دس دن کے لیے کلب بند کروا دیا ہے، کہتے ہیں دہشت گردوں کی کارروائی ہے بلکہ تھانیدار صاحب کا تو یہ بھی کہنا ہے کہ کلب مستقل طور پر بند کر دینا زیادہ بہتر ہو گا-"

"ارے، لیکن کیوں؟ کلب نے ان کا کیا بگاڑا ہے؟" نائمہ نے حیرانی سے پوچھا-
اس دوران میں ہم دونوں کھانے کی میز پر پہنچ چکے تھے- "تھانیدار صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے شکایت کی ہے کہ اس کلب کی وجہ سے ان کی پرائیویسی میں خلل پڑتا ہے-"

"بکواس کرتا ہے خبیث-" نائمہ یکدم غصے سے بھڑک اٹھی- "آس پاس کی بلڈنگوں کا ایک بھی فرد کلب سے ناخوش نہیں ہے کیونکہ کلب کی وجہ سے رات گئے تک یہاں رونق لگی رہتی ہے- چور، ڈاکو اس طرف کا رخ نہیں کرتے جبکہ علاقے کے بچے اور نوجوان بھی الٹی سیدھی سرگرمیوں کی جانب متوجہ نہیں ہوتے- اب پورے دس دن تک یہ سب آوارہ گردی کرتے رہیں گے جبکہ باقی افراد بھی چور، ڈاکو کے خطرے کے باعث سکون کی نیند نہیں سو سکیں گے-"

نائمہ نے چائنیز کھانے تیار کیے تھے اور میری توقع کے قطعاً برعکس وہ کھانے پکانے کے معاملے میں غیر معمولی مہارت کی حامل محسوس ہوتی تھی خصوصاً چکن تھائی سوپ تو اس نے بہت ہی لذیذ بنایا تھا- "اگر یہ کھانا واقعی آپ نے تیار کیا ہے تو میں مشورہ دوں گا کہ فوری طور پر ریسٹورنٹ کھول ڈالیں، کچھ ہی دنوں میں سارے دلدر دور ہو جائیں گے- کھڑی ناک والی چند ہی شخصیات اتنا اچھا چائنیز کھانا بنا سکتی ہوں گی- یقین کیجئے میرا تو آپ کا شاگرد بننے کو دل چاہ رہا ہے-"

"تو پھر نیک کام میں دیر کیسی؟ ابھی اور اسی وقت شاگردی اختیار کر لو، پھر ریسٹورنٹ کے آئیڈیے پر بھی غور کیا جا سکتا ہے- ظاہر ہے تمہاری موجودگی میں ویٹر کا مسئلہ تو ویسے بھی خودبخود حل ہو جائے گا- تمہاری ناک کچھ زیادہ کھڑی تو نہیں ہے لیکن میرا خیال ہے تم اچھے شاگرد ثابت ہو گے-"

"یہ کیا بدتمیزی ہے محترمہ؟ میں ابھی آپ کا شاگرد بنا بھی نہیں اور آپ، آپ سے تم پر اتر آئیں- باقاعدہ شاگرد بننے پر تو شاید آپ مجھ سے گلی میں جھاڑو دلوایا کریں گی-"
میری بات سن کر اس نے مغرور انداز میں گردن اکڑا لی- "بھئی شاگرد بننا ہے تو ہر حکم ماننا ہی پڑے گا- چاہے ہم جھاڑو دلوائیں یا برتن دھلوائیں، آخر کوئی اپنا ہنر اتنی آسانی سے تو کسی کے حوالے نہیں کر دیتا-"

"نہ بابا نہ، میں باز آیا ایسی شاگردی سے، میرے لیے یہی بہت ہے کہ آپ کبھی کبھار اپنے ہاتھ کا کھانا کھلا دیا کریں-"

"بس؟ اتنی جلدی ہمت ہار گئے آپ؟ میں تو سمجھی تھی کہ آپ ابھی مٹھائی کا ٹوکرا اور سوا پانچ گز کی پگڑی لا کر میرے قدموں میں رکھنے والے ہیں- خیر جیسی آپ کی مرضی-"

کھانے کے بعد اس نے بہت عمدہ سی کافی پلائی- اچانک مجھے ایک خیال آیا- "اتنی گپ شپ اتنی باتیں ہو گئیں لیکن آپ نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ آپ کس کمپنی یا کس محکمے میں جاب کرتی ہیں، آپ کے باقی گھر والے کہاں ہیں؟" نائمہ کا چہرہ یک لخت سفید پڑ گیا- جیسے میرے سوال نے اس کی رگوں سے سارا خون نچوڑ لیا ہو- مجھے لگا کہ جیسے مجھ سے کوئی بہت بڑی بھول ہو گئی ہو، شاید مجھے یہ سوال نہیں پوچھنا چاہیے تھا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا، تیر کمان سے نکل چکا تھا-

"میں اس سوال کا جواب آپ کو ضرور دوں گی- یہ بات نہیں کہ میں اپنی حقیقت آپ سے چھپانا چاہتی تھی- بس میں یہ موقع زیادہ سے زیادہ دیر تک ٹالنا چاہتی تھی لیکن اب ...... خیر سنئے...... میرا تعلق اس بازار سے ہے جہاں قدم رکھنے کا کوئی شریف آدمی

تصور بھی نہیں کر سکتا ہے' جہاں شرم و حیا ایک عیب اور مکر و ریاکاری سب سے بڑی خوبی
تصور کی جاتی ہے۔

مجھے فوری طور پر سمجھ نہ آسکا کہ یہ خبر سن کر میری ذہنی کیفیت پر کیا اثر پڑا ہے۔
میں کیا ردعمل ظاہر کروں' بازاری عورت تو بہت بری ہوتی ہے۔ سب ان سے نفرت کرتے
ہیں۔ مجھے بھی ایسا ہی کرنا چاہیے لیکن کیا میں نائمہ سے واقعی نفرت کر سکتا ہوں؟ یہ بھی تو
بازاری عورت ہے لیکن کیا بازاری عورتیں ایسی ہوتی ہیں؟ اتنی معصوم' اتنی بے لوث' اتنی
باوقار.....

نائمہ کی آنکھیں میز پر گڑی ہوئی تھیں۔ کسی ایسے ملزم کی طرح جو دھڑکتے دل کے
ساتھ اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کا منتظر ہو۔ میں کون ہوتا ہوں کسی کی قسمت کا فیصلہ سنانے
والا؟ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوتا ہے' مجھ سے تو اس نے کسی قسم کی بازاری
حرکت نہیں کی۔ کوئی جھوٹ نہیں بولا' کوئی دھوکہ بازی نہیں کی۔ اگر چاہتی تو باآسانی مجھے
بے وقوف بنا سکتی تھی۔ میں بھلا کیسے اس کا جھوٹ پکڑ پاتا۔

میں یہ نہیں کہوں گا کہ اس انکشاف کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں نے نہایت
احتیاط سے الفاظ کا انتخاب کرتے ہوئے کہا۔ "سچ تو یہ ہے کہ مجھے یہ جان کر شدید دکھ ہوا
لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ مجھے حیرت ہے' آپ کہیں سے بھی تو......"

"شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دلدل میں پوری طرح دھنس جانے کے باوجود میں
نے مزاحمت ترک نہیں کی ہے۔ خود کو پوری طرح مرنے نہیں دیا ہے۔ دوسروں کی نظروں
میں بے وقعت اور ذلیل و خوار ہونے کے باوجود اپنے آپ کے سامنے سربلند رہنے کے لیے
کوشاں رہتی ہوں۔ شاید اسی لیے اب تک زندہ بھی ہوں ورنہ مرنا تو بہت آسان ہے۔
نائمہ کی آواز لحظہ بہ لحظہ دھیمی پڑتی جا رہی تھی۔

"یہ آپ کا خاندانی پیشہ تو نہیں لگتا؟" میں نے اپنے لہجے کو حتی الامکان بے تاثر
رکھنے کی کوشش کی۔ "بات چیت کا سلیقہ' رکھ رکھاؤ.... آپ کا مطالعہ بھی خاصا وسیع معلوم
ہوتا ہے....." میری بات سن کر اس نے سرد آہ بھری۔

"اسی مطالعے نے تو مجھے برباد کیا ہے۔ رومانوی ناول اور آئینہ' اگر یہ دو چیزیں میری
زندگی میں نہ آتیں تو شاید میں اتنی آسانی سے راستے سے نہ بھٹک جاتی۔" وہ بات کرتے
کرتے جانے کن خیالوں میں کھو گئی۔ میں نے اس کی سوچوں میں انتشار پیدا کرنے کی
کوشش نہیں کی۔

"میری بدقسمتی یہ تھی کہ جو مجھے عقل سکھا سکتی تھی' اسے خود عقل نہیں تھی۔
میری ماں کو میرے باپ کی کمائی پر بڑا غرور تھا۔ ہر مہینے سعودی عرب سے آنے والی موٹی

رقم کے بینک ڈرافٹ کے بل پر وہ میری دونوں چچیوں کو نیچے لگائے رکھتی تھیں۔ وہ دونوں
گھر کا سارا کام سنبھالتیں۔ اماں دن بھر میں کوئی ایک آدھ ہی کام کرتی ہوں گی۔ وہ بھی
احسان جتا کر جبکہ میں' مجھے تو وہ کسی کام کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ
مجھے صرف اور صرف پڑھائی پر توجہ دینی چاہیے حتیٰ کہ میں کبھی اپنی یونیفارم بھی استری
نہیں کرتی تھی۔" نائمہ ایک بار پھر خاموش ہو گئی جیسے یادوں کی کتاب کے ورق اکٹھے کر
رہی ہو۔

"جانے کیسے مجھے رومانوی ناولوں کی لت لگ گئی۔ میرا ذہن وقت سے پہلے ہی اونچی
پرواز کرنے لگا۔ وقت کی کمی تھی نہ پیسے کی۔ سکول میں میرے پیسے پر عیش کرنے والی
سہیلیاں بتاتی تھیں کہ میں کسی ناول یا فلم کی ہیروئن سے کسی طرح کم نہیں ہوں۔ گھر پہنچ
کر آئینہ دیکھتی تو وہ بھی یہی کچھ کہتا سنائی دیتا۔ رہی سہی کسر وی سی آر پر باقاعدگی سے
فلمیں دیکھنے سے پوری ہو گئی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ فلمیں دیکھنے کا شوق مجھ سے کہیں زیادہ
میری ماں کو تھا۔ میں گھر پہنچتی تو وہ تازہ ترین ریلیز شدہ انڈین فلم کی ویڈیو کیسٹ منگوا کر
میرا انتظار کر رہی ہوتی تھیں۔ دوپہر کا کھانا ہم ہمیشہ نئی فلم دیکھنے کے دوران میں ہی کھایا
کرتے تھے۔ ماں بیٹی کے اس معمول میں پہلی بار اس وقت خلل پڑا جب نویں جماعت میں
پہنچ کر مجھے ٹیوشن پڑھنے کے لیے ایک کوچنگ سینٹر میں داخلہ لینا پڑا۔ میں سکول سے گھر آکر
کھانا کھاتی اور پھر فوراً ہی منی بس یا رکشے کے ذریعے محمود آباد سے طارق روڈ پر ٹیوشن
پڑھنے کے لیے چلی جاتی۔ اپنے خوابوں کے شہزادے سے میری پہلی ملاقات طارق روڈ پر ہی
ہوئی۔ اس کا دفتر کوچنگ سینٹر کے بالکل سامنے تھا۔ شکل و صورت کے علاوہ اس کی
ڈریسنگ اور سٹائل بھی کسی فلمی ہیرو سے کم نہ تھے۔ ابتدا میں کچھ دن وہ موٹر سائیکل پر میرا
پیچھا کرتا رہا' پھر ایک دن اس نے ہمت کر کے مجھے راستے میں روک لیا۔ میں نے اس کی
بھرپور حوصلہ افزائی کی۔ اس کے ساتھ ہی کوچنگ سینٹر میں میری غیر حاضریاں بڑھتی چلی
گئیں۔ وہ عام طور پر مجھے راستے میں مل جاتا اور ہم کسی ریسٹورنٹ میں جا بیٹھتے۔ پھر ایک
دن امجد نے تمام دن ساتھ گزارنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں یہ نہیں کہوں گی کہ مجھے اس
قسم کی ملاقات کے ممکنہ نتائج کا پتا نہیں تھا' بس نہ جانے کیوں مجھے یقین تھا کہ میرا ہیرو
ویلن جیسی حرکت نہیں کر سکتا۔ بہرحال میں نے کسی قدر پس و پیش کے بعد امجد کی بات
مان لی۔ میں نے اماں کو بتایا کہ سکول کی جانب سے ہماری کلاس پکنک پر جائے گی' لہٰذا
کھانے پینے کی کچھ اشیاء تیار کر دی جائیں۔ حسب معمول میری فرمائش پوری کر دی گئی۔

ان دنوں میں برقع پہنا کرتی تھی' لہٰذا پہچانے جانے کا خطرہ تو تھا نہیں۔ سکول کے
قریب امجد میرا منتظر تھا۔ اس نے مجھے موٹر سائیکل پر بٹھایا اور ہم چل پڑے۔ امجد نے بتایا

کہ اس نے اپنے دوست سے اس کے سینڈزپٹ پر واقع ہٹ کی چابی حاصل کر لی ہے۔ ہم دونوں سارا دن ساحل سمندر پر گزاریں گے اور شام ہونے سے پہلے لوٹ آئیں گے۔

"امجد کے دوست کا ہٹ خاصی ویران جگہ واقع تھا لیکن اس وقت مجھے یہ دیکھنے کی فرصت کہاں تھی۔ ہم دونوں دیر تک سمندر کے پانی میں اٹھکیلیاں کرتے رہے۔ دوپہر ہوئی تو ہم ہٹ میں آگئے۔ ہم دونوں ہی خاصے تھک چکے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد میں نے کچھ دیر سونے کی خواہش ظاہر کی لیکن امجد کے ارادے کچھ اور ہی نظر آرہے تھے۔ قبل اس کے کہ پوری طرح اپنی اصلیت دکھا دیتا' ہٹ کے دروازے پر زوردار دستک ہونے لگی۔ امجد یکدم پریشان نظر آنے لگا۔ دروازہ کھولتے ہی ہمارے اوسان خطا ہو گئے۔ دروازے پر پولیس کا ایک سب انسپکٹر اور دو کانسٹیبل موجود تھے۔ انہوں نے سوال و جواب کیے تو امجد ایک دم ان کے پیروں میں پڑ گیا اور منتیں کرنے لگا کہ ہمیں چھوڑ دیا جائے۔ پولیس نے اسے بری طرح مارا پیٹا اور اس شرط پر اسے جانے کی اجازت دیدی کہ وہ دو گھنٹے کے اندر اندر پندرہ ہزار روپے لے کر آئے گا اور مجھے چھڑا کر لے جائے گا۔" نائمہ یہاں تک پہنچ کر خاموش ہو گئی۔

میں کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا لیکن پھر مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ "اس کے بعد کیا ہوا؟" نائمہ کو جیسے ایک بار پھر ہوش آگیا۔

"امجد کو واپس آنا تھا نہ وہ آیا۔ میں پورے پانچ دن تک سب انسپکٹر اور اس کے دونوں ساتھیوں کی فرض شناسی کا نشانہ بنی رہی۔ پھر سب انسپکٹر نے پچیس ہزار میں مجھے سجاول میں اڈا چلانے والے رمضان کے ہاتھ بیچ دیا۔ سجاول میں دو سال گزارنے کے بعد میں نیپئر روڈ پر زینب خانم کے کوٹھے پر پہنچی۔ یہیں میں نے ناچنا اور گانا سیکھا۔ رفتہ رفتہ میرے مجرے ہی زینب خانم کے کوٹھے کی کمائی کا اصل ذریعہ بن گئے۔ تب میں نے زینب خانم پر دباؤ ڈال کر جسم فروشی سے مکمل کنارہ کشی اختیار کر لی' تاہم کوٹھے پر رہتے ہوئے خود کو بچائے رکھنا آسان کام نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے زینب خانم کی نظروں سے بچا کر تھوڑی تھوڑی رقم جمع کرنا شروع کر دی تاکہ کسی نہ کسی طرح اپنے لیے علیحدہ رہائش گاہ انتظام کر سکوں۔ دو سال پہلے ایک غنڈے نے زینب خانم کو قتل کر دیا اور زینب کے بعد اس کا کوٹھا اس کی بہن ریشم نے سنبھالا۔ تب تک میری حیثیت بے حد مستحکم ہو چکی تھی۔ کوٹھے کی ساری آمدنی میرے دم قدم سے تھی جبکہ زینب خانم کی انگلی کے اشارے پر ناچنے والے کارندے بھی میری وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ اگر میں چاہتی تو باآسانی کوٹھے پر قبضہ کر سکتی تھی لیکن میں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ میں ایسی کوئی خواہش نہیں رکھتی تھی۔ میں نے ریشم سے معاہدہ کیا کہ کوٹھے کی آمدنی کا ایک مخصوص حصہ مجھے ملتا رہے گا' میں

کوٹھے پر بدستور حاضری لگاتی رہوں گی البتہ مجھ پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہوگی۔"

"تو آپ اب بھی کوٹھے سے وابستہ ہیں؟" میں نے پوچھا' نائمہ نے اس کا جواب اثبات میں دیا۔ "اس کے علاوہ میرے پاس کوئی چارہ کار بھی تو نہیں ہے۔"

"آپ نے اپنے گھر والوں کا پتا کرنے کی کوشش نہیں کی؟" میں نے پوچھا' اس کا چہرہ رنج کے مارے زرد پڑ گیا۔ "ان لوگوں نے وہ گھر بیچ دیا تھا' شاید میرے غائب ہونے کے فوراً بعد اماں کو تو ابا اپنے ساتھ سعودی عرب لے گئے جبکہ میرے دونوں چچا اورنگی ٹاؤن میں کہیں رہ رہے ہیں۔ میں نے انہیں تلاش کرنے کی کوشش بھی نہیں۔"

رات خاصی آگے بڑھ چکی تھی۔ میں نے نائمہ سے اجازت طلب کی۔ اس کے چہرے کے تاثرات پڑھنا میرے لیے کچھ زیادہ مشکل نہ تھے۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ شاید اب کبھی میں اس طرف کا رخ نہیں کروں گا۔ میں اس کے گھر سے نکل کر دو قدم آگے بڑھا اور پھر پلٹ کر دیکھا' وہ بدستور دروازے میں موجود تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ "بھئی کیا دوبارہ آنے کے بارے میں نہیں پوچھیں گی آپ۔" میں نے شگفتہ لہجے میں پوچھا۔ اس کی آنکھوں کے ٹمٹماتے چراغ ایک بار پھر دمک اٹھے۔ "آپ کا اپنا گھر ہے' جب چاہیں آسکتے ہیں۔"

بشرطیکہ آپ ڈیوٹی پر نہ جا چکی ہوں۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"بہرحال تین دن کے بعد یعنی ہفتے کی شام کو میں ایک بار پھر آپ کے در دولت پر دستک دوں گا۔"

"آپ فکر نہ کریں' آپ کا شایان شان استقبال کیا جائے گا عالی جاہ! نائمہ کی دلکش مسکراہٹ واپس لوٹ آئی تھی۔

نائمہ کا کہنا غلط نہیں تھا۔ رات کا دوسرا پہر شروع ہونے سے پہلے ہی بلڈنگ کے احاطے میں سناٹا طاری ہو چکا تھا۔ تمام لوگ سرشام اپنے گھروں میں دبک چکے تھے۔ یہ صورتحال ایک طرح سے میرے لیے اطمینان بخش ہی تھی۔ مجھے نائمہ کے گھر سے نکلتے دیکھنے والا کوئی بھی نہ تھا۔ بصورت دیگر کسی بھی شرارت پسند شخص کی رگ شرافت پھڑک سکتی تھی جس کے نتیجہ میں نائمہ کی پرسکون زندگی خواہ مخواہ اجیرن ہو سکتی تھی۔

اس روز بھی حسب معمول ابوالحسن اصفہانی روڈ پر اچھی خاصی ویرانی کا عالم تھا حتیٰ کہ رات گئے کھلا رہنے والا کوئٹہ ریسٹورنٹ بھی بند ہو چکا تھا۔ شاید گزشتہ رات کی فائرنگ والے واقعے کی دہشت ابھی تک موجود تھی۔ کسی قسم کی سواری ملنے کا امکان بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ چنانچہ میں بلا توقف راشد منہاس روڈ کی طرف چل پڑا۔ موسم خاصا خوشگوار ہو رہا تھا۔ موسم سرما کے ابتدائی دنوں کی خنک ہوا بہت اچھی لگ رہی تھی۔ خوش قسمتی

سے مجھے راستے میں ہی ایک خالی رکشا مل گیا۔

اپنی بلڈنگ کے قریب میں رکشے سے اتر کر چند ہی قدم چلا ہوں گا کہ میری نظر بلڈنگ سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر کھڑی ہوئی ایک پیجیرو جیپ پر پڑی۔ ویسے تو اتنی رات گئے اس جیپ کی موجودگی ہی خاصی پراسرار تھی لیکن اس سے بھی بڑھ کر چونکا دینے والی بات یہ تھی کہ گاڑی کی ہیڈ لائٹس سمیت سبھی لائٹس روشن تھیں اور چالیس پچاس افراد کا اچھا خاصا ہجوم گاڑی کے گرد جمع تھا۔ ان کے باتیں کرنے کی آوازیں اتنا فاصلہ ہونے کے باوجود مجھ تک پہنچ رہی تھیں' وہ سبھی شدید ہیجان کا شکار محسوس ہوتے تھے۔ ایک بار تو میرا دل چاہا کہ ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر چپ چاپ اپنے فلیٹ میں جا کر سو جاؤں لیکن پھر شدید تجسس نے میرے اس خیال پر غلبہ پا لیا اور میرے قدم خودبخود جیپ کی جانب اٹھ گئے۔

ان لوگوں میں سے کسی نے بھی آمد کا نوٹس نہیں لیا۔ انہیں جیپ کی کھڑکیوں سے اندر جھانکنے سے فرصت ملتی تو کسی طرف 'دھیان دیتے' میں کسی نہ کسی طرح جیپ کے قریب پہنچنے اور اس کی کھڑکیوں سے اندر جھانکنے میں کامیاب ہو گیا۔ اندرونی لائٹس کی روشنی میں جو منظر میں نے دیکھا' اس نے لمحہ بھر کے لیے تو میرے دل کی دھڑکن بند کر دی تھی۔ جیپ میں چار افراد موجود تھے۔ وہ چاروں بظاہر تو آرام دہ سیٹوں پر سوتے نظر آ رہے تھے لیکن ان کے جسموں سے بہنے والا خون کچھ اور ہی داستان بیان کر رہا تھا۔ ان کے جسموں پر قیمتی لباس موجود تھے لیکن ان کے کھردرے' کرخت اور زخموں کے پرانے نشانات سے بھرپور چہرے قیمتی گاڑی اور لباس سے قطعاً میل نہ کھاتے تھے۔

انہیں شاید اچانک موت نے آ دبوچا تھا۔ اتنا اچانک کہ انہیں مزاحمت کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ بے حد قریب سے چلائی جانے والی گولیاں ان کی کھوپڑیوں اور گردنوں میں سوراخ کر کے چند ہی لمحوں میں زندگی کے بکھیڑوں سے نجات دلائی گئی تھیں۔ اس طرح کے مناظر میں نے فلموں میں بہت دیکھے تھے' حقیقی زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا تھا البتہ اپنی تمام تر ناتجربہ کاری کے باوجود میرے لیے یہ اندازہ لگانا ذرا بھی مشکل نہ تھا کہ ان لوگوں کو قتل ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری ہے' زیادہ سے زیادہ آدھا پون گھنٹہ۔

وہ جی میں بلڈنگ کا راؤنڈ لگا کر گیٹ پر آیا تو یہ گاڑی اسی جگہ پر اسی طرح کھڑی تھی۔ لائٹس بھی اسی طرح جل رہی تھیں۔ میں سمجھا گاڑی میں کوئی خرابی ہو گئی ہے یا یہ لوگ کسی کا انتظار کر رہے ہیں۔" قریبی بلڈنگ کا چوکیدار اپنے گرد جمع درجن بھر لوگوں کو نہایت جوش و خروش سے بتا رہا تھا۔ "جب دس منٹ تک گاڑی نہ چلی اور نہ ہی کوئی گاڑی سے اترا تو میں نے سوچا کہ ان سے پوچھوں' مسئلہ کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی کا

ایڈریس معلوم کرنا چاہتے ہوں۔ میں نے گاڑی کے ڈرائیور سے بات کرنا چاہی تو پتا چلا کہ......" چوکیدار کی گفتگو جاری تھی کہ اچانک دور سے پولیس کی گاڑیوں کے سائرن کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی وہاں موجود افراد میں کھلبلی مچ گئی۔ سبھی لوگ جلد از جلد وہاں سے کھسک لینا چاہتے تھے۔ قانون کے محافظوں کے سوال و جواب کا سامنا کرنے سے سبھی گریزاں تھے۔ میں خود بھی نہایت تیزی سے گاڑی سے دور ہٹتا جا رہا تھا۔ پولیس کی نصف درجن گاڑیوں کے موقع واردات پر پہنچ کر رکنے میں اپنی بلڈنگ تک پہنچ چکا تھا۔ گیٹ میں داخل ہونے سے پہلے میں نے آخری نظر پیجیرو جیپ پر ڈالی۔ پولیس والوں کی نفری نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ تفتیش کی کارروائی آگے بڑھانے کے لیے آٹھ دس گواہ بھی ان کے ہتھے چڑھ چکے تھے۔ واردات خاصی بڑی تھی۔ تفتیشی کارروائی بھی اسی حساب سے انتہائی وسیع پیمانے پر ہونی تھی۔ اخبارات میں بھی اس واردات کو بھرپور کوریج ملنے والی تھی۔ ممکن ہے ان گواہوں کے بیانات اور تصویریں بھی شائع ہو جاتیں۔ مفت کی یہ شہرت حاصل کرنے کے لیے ان لوگوں نے وہاں ٹھہرنے کی جرات کی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ مدتوں تھانے اور عدالت کے چکر کاٹنے کے بعد انہیں احساس ہونے والا تھا کہ یہ جرات اور مفت کی شہرت انہیں کچھ زیادہ مہنگی پڑ گئی تھی۔

اپنے فلیٹ میں پہنچ کر میں سیدھا بستر پر جا گرا۔ مجھ پر عجیب پژمردگی طاری ہونے لگی۔ اتنی خوشگوار شام گزارنے کے بعد بیک وقت چار لاشیں اتنے قریب سے دیکھنا ہرگز خوش کن تجربہ نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ آج رات بھر یہ خون آلود لاشیں میرے خوابوں میں آتی رہیں گی۔ جانے کون بدنصیب تھے جن کی موت انہیں کھینچ کر یہاں لے آئی تھی۔ یہی سوچتے سوچتے جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

مجھے نیند کی آغوش میں کھوئے ہوئے بمشکل نصف گھنٹہ گزرا ہو گا کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ کئی لمحوں تک تو میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میرے جاگنے کی وجہ کیا ہے' شاید کسی کے چیخنے کی آواز میرے کانوں میں پہنچی تھی لیکن کس کی آواز؟ فلیٹ میں تو میرے علاوہ کوئی بھی نہ تھا۔ میں اسے اپنا وہم قرار دے کر ایک بار پھر سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک ایک عجیب سی آواز گونجی۔ میں بری طرح چونک پڑا۔ وہ آواز بہت قریب سے آئی تھی' شاید میرے بیڈ کے نیچے سے ......میں شاید اسی آواز سے بیدار ہوا تھا۔ میں یہ آواز پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایک بار پھر کمرہ اسی آواز سے گونج اٹھا۔ اس بار اندازہ لگانے میں ذرا بھی مشکل نہ ہوئی' آواز یقیناً بیڈ کے نیچے سے آ رہی تھی۔ میں نے بیڈ کے نیچے چھلانگ لگائی۔ عین اسی وقت وہ آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ میں نے ایک جھٹکے سے بیڈ الٹ دیا۔ اگلے ہی لمحے میں حیرانی کے عالم میں فرش پر نگاہیں جمائے کھڑا تھا۔

جھینگر سے ملتی جلتی اس آواز کا ماخذ ایک خوبصورت اور نفیس موبائل ٹیلیفون تھا' جو نہایت نفاست سے گتے کے ایک بکس میں سجا ہوا تھا' جبکہ اس کی اضافی بیٹری اور دیگر لوازم بھی بکس میں بنے خانوں میں موجود تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ موبائل فون اب تک سرے سے استعمال ہی نہیں کیا گیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ متمول طبقے کے افراد کا یہ کھلونا مجھ غریب کے فلیٹ میں' میرے بیڈ کے نیچے کیسے پہنچا۔ میرا ایسا کونسا پرستار پیدا ہو گیا ہے۔ جس نے میری لاعلمی میں یہ تحفہ میری نذر کر دیا۔۔۔۔ لیکن نہیں۔۔۔۔ شاید میں بھول رہا ہوں' میرے پرستاروں کا ایک گروپ تو مجھ سے اتنی شدید عقیدت رکھتا ہے کہ دن دیکھتا ہے نہ رات' جب چاہے' منہ اٹھائے میری زیارت کا شرف حاصل کرنے چلا آتا ہے۔ ایک ہی مراد ہے جو یہ گروپ مجھ سے پوری کروانا چاہتا ہے۔۔۔۔ ڈائری۔۔۔۔ زیبی کی ڈائری۔۔۔

موبائل فون کو خاموش کرنے کے لئے مجھے اسے اٹھانا پڑا۔ یہ فون کال یقیناً میرے ان ہی مہربانوں کی طرف سے آئی ہو گی۔ "ہیلو!" میں نے ایریل کھینچ کر کال ریسیو کر لی۔

"ہیلو مسٹر دانش! کیسے ہیں آپ؟" وہ سریلی کھنک دار نسوانی آواز میرے لئے قطعی اجنبی تھی۔ لہجے میں مٹھاس اور اپنائیت اس قدر بھرپور تھی کہ میں لمحہ بھر کیلئے گڑبڑا کر رہ گیا۔

"جی۔۔۔ جی میں بالکل ٹھیک ہوں' کیا میں پوچھ سکتا ہوں۔۔۔۔" جانے کیوں میں جملہ مکمل نہ کر سکا' غالباً مجھ میں اتنی جرات نہیں تھی کہ مجرموں سے اس کے تعلق کے بارے میں پوچھ پاتا۔۔۔۔"

"پوچھئے' آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟۔۔۔۔ چلیں میں خود بتا دیتی ہوں' میرا نام ڈولی' آپ سے رابطہ قائم کرنے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی ہے۔"

"لیکن یہ موبائل فون۔۔۔۔ یہ یہاں کیسے پہنچا؟"

"اسے ہماری دوستی کی نشانی سمجھ کر قبول کر لیں' فکر نہ کریں اس کا بل آپ کو ادا نہیں کرنا پڑے گا۔ ہم اپنے دوستوں کو کسی الجھن میں مبتلا کرنے پر یقین نہیں رکھتے۔"

"لیکن یہ چکر آخر کب ختم ہو گا؟ آپ لوگ کب تک میرے گھر میں گھس کر میرا سکون برباد کرتے رہیں گے؟ آپ لوگوں کو یقین کیوں نہیں۔۔۔۔"

"آپ یقیناً بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں مسٹر دانش!" ڈولی نے نرم لہجے میں میری بات کاٹ دی۔ "یہ موبائل فون آپ تک پہنچانے کے علاوہ ہم نے آپ کی ذاتی زندگی میں کوئی مداخلت نہیں کی ہے۔"

"لیکن وہ چار نقاب پوش۔۔۔۔"

"ہم نے وہ مسئلہ بھی جڑ سے ختم کر دیا ہے' آپ کے فلیٹ سے کچھ آگے جیپ میں جو چار لاشیں موجود ہیں وہ ان ہی چاروں بدمعاشوں کی ہیں جو آپ سے ہاتھا پائی کرنے کے علاوہ آپ کو جان سے مار دینے کی دھمکی دیتے رہتے تھے۔ یہ دو دو ٹکے کے اچکے اپنی حد سے آگے بڑھنے لگے تھے۔ یہ چاروں آپ کو اغوا کرنے کے ارادے سے آئے تھے' مجبوراً انہیں اگلے جہاں روانہ کرنا پڑا۔"

"لیکن کیوں؟ آپ لوگوں نے یہ انتہائی قدم کیوں اٹھایا؟ کیا دشمنی تھی ان سے آپ کی؟" میں نے حیرانی سے پوچھا' یہ تو معاملہ ہی کچھ اور نکل آیا تھا۔

"ان سے دشمنی نہ سہی آپ سے دوستی تو ہے ناں؟ اور ہم اپنے دوستوں کو پریشان کرنے والوں سے بہت برا سلوک کرتے ہیں۔ ویسے بھی وہ لوگ ہماری دوستی کی راہ میں رکاوٹ بنتے جا رہے تھے۔"

ان لوگوں کے مطالبے سے تو میں واقف ہوں۔ آپ کا کیا مطالبہ ہے اور اگر وہ مطالبہ میں پورا نہ کر سکوں تو آپ لوگ میرا کیا حشر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟" صورتحال کسی قدر واضح ہو چلی تھی' میری بات سن کر ڈولی نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"ارے بھئی' آپ پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟ ہم خوشگوار ماحول میں معاملات طے کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ ان تھرڈ کلاس غنڈوں کی طرح مار پیٹ اور دھمکیوں جیسے گھٹیا ہتھکنڈے استعمال کرنا ہماری پالیسی کے خلاف ہے۔ آپ ہم سے تعاون کریں۔ ہم آپ سے تعاون کریں گے۔ بس اتنی سی بات ہے!"

"آپ کم از کم بتائیں تو سہی آپ مجھ سے کس قسم کا تعاون چاہتی ہیں؟"

میرے لہجے میں ہلکی سی تلخی آ گئی تھی' لیکن ڈولی نے کوئی نوٹس لئے بغیر گفتگو کا دوستانہ انداز برقرار رکھا۔ "ہمیں وہ ڈائری چاہئے جو زیبی نے آپ کے حوالے کی تھی۔ اس کے بدلے میں ہم آپ کو منہ مانگی رقم دے سکتے ہیں۔" میں یہ سن کر بے اختیار اپنے سر کے بال نوچنے پر مجبور ہو گیا۔ جی چاہا کہ موبائل فون اٹھا کر پوری قوت سے دیوار پر دے ماروں۔ ادھر میری حالت سے بے خبر ڈولی بولے جا رہی تھی۔ "آپ کے بینک اکاؤنٹ میں پانچ لاکھ روپے جمع کرا دیئے گئے ہیں' ڈائری ملتے ہی پانچ لاکھ روپے مزید ڈپازٹ کر دیئے جائیں گے۔ اگر آپ مطمئن نہ ہوں تو رقم میں اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔"

دس لاکھ روپے! مجھے اپنا سر چکراتا محسوس ہوا۔ اتنی بڑی رقم اتنی آسانی سے

میرے حوالے کرنے والے کوئی معمولی لوگ نہیں ہو سکتے۔ یہ گروپ پہلے والے گروپ سے زیادہ خطرناک اور با اثر لگتا ہے، تبھی تو پورے چار افراد کو اتنی آسانی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے یہ لوگ ڈائری کے حصول کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔ یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ اگر میں ڈائری کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کروں تو یہ لوگ میری بات پر ہرگز یقین نہیں کریں گے، پھر میں کیا کروں، کہاں جاؤں، میں نے کسی ڈائری کی شکل بھی نہیں دیکھی ہے۔

"ہمیں معلوم ہے آپ وہ ڈائری فوری طور پر ہمارے حوالے نہیں کر سکتے، اسے آپ نے شاید کسی بہت ہی محفوظ جگہ چھپا رکھا ہے، خیر ہمیں کوئی اتنی جلدی بھی نہیں ہے۔ آپ اطمینان سے اپنی سہولت کے مطابق وہ ڈائری حاصل کریں، اس کے بارے میں، میں خود آپ سے وقتاً" فوقتاً" رابطہ قائم کرتی رہوں گی۔ جب ڈائری آپ کے پاس آ جائے تو آپ مجھے بتا دیں اسی روز آپ کے باقی پانچ لاکھ روپے آپ کے بینک اکاؤنٹ میں جمع ہو جائیں گے۔ اس کے بعد وہ ڈائری ہم آپ سے حاصل کر لیں گے۔"

"اگر میں کہوں کہ وہ ڈائری میرے پاس نہیں ہے تو----" میں اپنی بات پوری کئے بغیر خاموش ہو گیا۔ ڈولی کے لئے میرا جواب شاید غیر متوقع نہیں تھا۔ "تو ہم سمجھیں گے کہ آپ ہمارے پیکج سے پوری طرح مطمئن نہیں ہیں لہٰذا اس معاملے پر مزید بات ہونی چاہئے۔ فکر نہ کیجئے، اس معاملے میں آپ کھل کر اپنے مطالبات پیش کر سکتے ہیں۔ رقم کی آفر میں غیر معمولی اضافے کے علاوہ آپ کو ہر قسم کی سیکورٹی بھی مہیا کی جا سکتی ہے۔ کسی اعلیٰ سرکاری عہدے پر آپ کو تعینات کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو آپ کو دنیا کے کسی بھی ملک میں سیٹل کرایا جا سکتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے--- اچھا یہ بتائیں اگر میں وہ ڈائری کسی سرکاری ایجنسی کے حوالے کر دوں تو----" میرا خیال تھا کہ میری بات سن کر اسے غصہ آ جائے گا، لیکن ڈولی کے لہجے کی مٹھاس میں قطعاً" کمی نہ آئی۔ "اس طرح تو ہمارا کام اور بھی آسان ہو جائے گا۔ ہم کھل کر ڈیلنگ کر سکیں گے۔ البتہ اس طرح آپ کو صرف پانچ لاکھ پر ہی اکتفا کرنا پڑے گا۔ ہمیں امید ہے کہ آپ خواہ مخواہ میں اپنا نقصان کرنا نہیں چاہیں گے۔ آپ اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں۔ میں دو دن بعد اسی وقت پھر آپ سے رابطہ قائم کروں گی، گڈ بائی اینڈ گڈ نائٹ۔"

خاصی دیر تک خالی خالی نظروں سے موبائل فون کو گھورنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکا۔ اس نئی آفت نے میرا دماغ ماؤف کر ڈالا تھا۔ میں خود کو ایک ایسی مکھی محسوس کر رہا تھا جو مکڑی کے جال میں پھنسی نہایت بے بسی اور لاچاری کے عالم میں اپنے انجام کی منتظر ہو میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کہ اس مصیبت سے جان چھڑانے کے لئے میں کیا کروں۔ ان

لوگوں کو زیادہ دیر ٹالنا ممکن نہیں تھا اس کے بعد ان کے چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ کا نقاب اتر جاتا اور اس کے بعد----

خاصی سوچ بچار کے بعد میں ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔ اس کے علاوہ میرے لئے کوئی راستہ بھی تو نہیں بچا تھا۔ مجھے ان لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہونا ہے۔ ابھی اور اسی وقت--- میرے گھر کی نگرانی تو یقیناً ہو رہی ہو گی، لیکن ابھی انہیں خوش فہمی ہو گی کہ بالاخر ان کی بات مان لوں گا لہٰذا وہ اتنے زیادہ الرٹ نہیں ہوں گے۔ اگر قسمت نے ساتھ دیا تو میں ان کی نظروں سے بچ کر نکل سکتا ہوں----

میں فوراً ہی حرکت میں آ گیا۔ ایک چھوٹے بیگ میں دو تین جوڑے ٹھونسے اور فلیٹ پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈال کر دروازے پر پہنچ گیا۔ آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی۔ بلڈنگ پر سناٹا طاری تھا۔ بلڈنگ میں رہ کر تو میری نگرانی ممکن نہ تھی شکاری یقیناً بلڈنگ کے باہر میری تاک میں بیٹھے ہوں گے۔ میں بے آواز قدموں سے چلتا ہوا زینے تک پہنچ گیا۔ میرا فلیٹ سیکنڈ فلور پر تھا، جبکہ اس بلڈنگ کی ٹوٹل پانچ منزلیں تھیں۔ زینے پر پہنچ کر نیچے اترنے کے بجائے اوپری منزلوں کی جانب چل پڑا۔ ایسے میں بلڈنگ میں رہنے والا کوئی شخص مجھے دیکھ لیتا تو یقیناً شک میں پڑ جاتا کہ اتنی رات گئے میں کس سے ملنے اوپری منزلوں کی طرف جا رہا ہوں، لیکن خوش قسمتی سے میرا کسی سے سامنا نہیں ہوا اور میں بلڈنگ کی چھت پر پہنچ گیا۔ کھلی چھت پر سرد ہوا کے تھپیڑے کھاتا میں تیز تیز قدموں سے آگے بڑھتا چلا گیا حتیٰ کہ بلڈنگ کا آخری سرا آ گیا۔ یہاں سے ایک اور زینہ نیچے اتر رہا تھا۔ میں ایک بار پھر نیچے اترنے لگا۔ حتیٰ کہ میں فرسٹ فلور پر پہنچ گیا۔

حسب توقع یہاں بھی مکمل سکوت طاری تھا۔ میں پنجوں کے بل چلتا راہداری کے سرے پر موجود بالکونی میں پہنچ گیا۔ بالکونی کی گرل میں حسب معمول چھوٹا سا تالا لگا ہوا تھا۔ اس تالے کا علاج میں اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ میں نے ڈیڑھ فٹ لمبی مضبوط سلاخ تالے میں پھنسائی اور ہلکا سا جھٹکا دیا۔ میری توقع کے عین مطابق ہلکے سے جھٹکے نے ہی کام کر دکھایا اور تالا ٹوٹ گیا۔

بالکونی کی زمین سے بلندی دس بارہ فٹ کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ میں بالکونی سے لٹکا تو زمین میرے پیروں سے محض چند فٹ کے فاصلے پر رہ گئی۔ میں نے ایک ہلکورا لیا اور بالکونی کی گرل چھوڑ دی۔ ہلکے سے دھماکے کے ساتھ میں پختہ فرش پر کود گیا۔ بلڈنگ کے سامنے کے حصے کی طرف جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، میں نپے تلے، خاموش قدموں سے بلڈنگ کے عقبی حصے کی طرف چل پڑا۔ ہماری بلڈنگ کے عقبی پلاٹ میں خاصے عرصے سے ایک طویل و عریض بلڈنگ زیر تعمیر تھی۔ نامعلوم وجہ سے پچھلے کچھ عرصے سے تعمیری کام بند تھا، اگر میں اس بلڈنگ میں گھس کر دوسری طرف سے نکل جاتا تو پھر

میرے لئے خطرہ باقی نہ رہ جاتا۔ اپنی بلڈنگ کی عقبی دیوار پھلانگنے کے لئے مجھے ایک بانس کا سہارا لینا پڑا' تعمیراتی سامان سے بچتا بچاتا میں زیر تعمیر بلڈنگ کے سامنے والے حصے میں پہنچا تو بلڈنگ کے چوکیدار سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ وہ نیم تاریک راہداری کے عین وسط میں چارپائی بچھائے خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ اس کی بھاری بھرکم لاٹھی چارپائی کی پائنتی سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ اگر میں عین موقع پر نہ سنبھل جاتا تو لاٹھی سے الجھ کر سیدھا چوکی دار پر جا پڑتا۔ بلڈنگ سے باہر قدم رکھنے سے پہلے میں نے اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ اندھیری سڑک پر کوئی خطرہ میرا منتظر نہیں ہے اس لئے ممکنہ حد تک محفوظ راستے کا تعین میں پہلے ہی کر چکا تھا۔ چوکیدار اور کتوں سے بچتا بچاتا کبھی تیز اور کبھی ست قدموں سے چلتا میں کچھ دیر میں ریلوے لائن پر پہنچ گیا۔ تب کہیں جا کر میں نے پہلی بار اطمینان کا سانس لیا۔ اگر کوئی غیر متوقع حادثہ راہ میں نہ آیا تو میں کچھ ہی دیر میں گلستان جوہر کی حدود سے نکل جاؤں گا۔

میں ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ راستے میں کئی جگہ کتوں نے میرا خیر مقدم کیا لیکن میں کسی نہ کسی طرح ان سے پیچھا چھڑا کر آگے بڑھتا رہا۔ راشد منہاس روڈ کی کراسنگ سے ذرا پہلے میں نے راستہ بدلا اور یونیورسٹی روڈ پر نکل آیا۔ میں چہل قدمی کے انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ ایسے میں مجھے دیکھنے والا یہی اندازہ لگاتا کہ میں یونیورسٹی کا ایسا سٹوڈنٹ ہوں جو ٹرین لیٹ ہو جانے کے باعث اتنی رات گئے اپنے کیمپس کی طرف لوٹ رہا ہے۔

خوش قسمتی سے ابو الحسن اصفہانی روڈ پہنچنے تک مجھے پولیس کی کسی موبائل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ نائمہ تیسری دستک پر بیدار ہوئی البتہ میری آواز پہچاننے میں اسے ایک لمحہ بھی نہ لگا۔ "ارے آپ! آیئے آیئے۔"

بکھرے بالوں اور خمار آلود آنکھوں نے اس کے حسن میں ایک عجیب نشہ پیدا کر دیا تھا۔ جانے کون سا سہانا سپنا دیکھ رہی تھی۔۔۔ "ارے آپ کے شانے پر یہ بیگ کیسا ہے؟ کیا کہیں جا رہے ہیں آپ؟" اس نے معصومیت بھرے لہجے میں پوچھا۔

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "ابھی تو نہیں البتہ صبح سویرے مجھے سفر پر روانہ ہونا ہے۔"

"لیکن اس طرح' اچانک' چند گھنٹے پہلے تک تو آپ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا' کیا کوئی ایمرجنسی آن پڑی ہے؟"

"ایسا ہی سمجھ لیں' بہرحال مجھے صبح سویرے شالیمار ایکسپریس کے ذریعے لاہور روانہ ہونا ہے۔ اتنی رات گئے آپ کو زحمت دینے کی وجہ یہ ہے کہ اتنی صبح کے وقت ہماری طرف کوئی سواری ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا آپ کو اپنی گاڑی میں مجھے ایسی جگہ

چھوڑنا ہے جہاں سے مجھے کینٹ سٹیشن کے لئے ٹیکسی وغیرہ مل جائے۔"

"یہ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں آپ کو سٹیشن پر چھوڑ آؤں گی' لیکن کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ آپ کو اچانک کونسی ایمرجنسی آن پڑی ہے کہ آپ راتوں رات لاہور پہنچنے کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے؟"

"کیا یہ سب بتانا ضروری ہے؟" قدرے توقف کے بعد میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

نائمہ کے چہرے کا رنگ اچانک پھیکا پڑ گیا۔ "نہیں ہرگز نہیں میں اصرار تو نہیں کر رہی۔"

"چلیں بتا دیتا ہوں آپ کو' کیا یاد کریں گی آپ بھی۔ دراصل مجھے لاہور سے ایک فلم میں ہیرو کے رول کی آفر موصول ہوئی ہے۔ مجھے پرسوں صبح پروڈیوسر اور ڈائریکٹر طاہر بیگ سے ملاقات کر کے اپنی رضامندی سے آگاہ کرنا ہے۔"

"طاہر بیگ سے آپ کی ملاقات کب اور کیسے ہوئی تھی؟" نائمہ نے پوچھا۔

"چند ماہ پہلے' جب وہ اپنی حال ہی میں ریلیز ہونے والی فلم کی شوٹنگ کے سلسلے میں کراچی آئے ہوئے تھے' میں اپنے ایک دوست کے ساتھ ایک کام کے سلسلے میں ایسٹرن سٹوڈیو گیا ہوا تھا' وہیں طاہر بیگ صاحب نے مجھے دیکھا' اور کہا کہ اگر میں فلموں میں کام کرنے میں دلچسپی رکھتا ہوں تو وہ اپنی اگلی فلم میں مجھے چانس دے سکتے ہیں' میں تو سمجھا تھا کہ وہ کسی چھوٹے موٹے سپورٹنگ رول میں مجھے سائن کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں' لیکن اب انہوں نے خط بھیجا ہے کہ اگر میں ہیرو کا رول چاہوں تو فوری طور پر لاہور پہنچوں۔"

"یہ خط آپ کو کب ملا؟" نائمہ جانے کیوں اتنے تجسس کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

"بھئی آپ کے پاس سے گھر پہنچا تو خط میرا منتظر تھا۔"

"کیا آپ وہ خط مجھے دکھا سکتے ہیں؟" نائمہ کے لہجے میں طنز کی ہلکی سی جھلک تھی۔

اس غیر متوقع سوال نے مجھے گڑبڑانے پر مجبور کر دیا۔

"جی وہ۔۔۔ وہ تو میرے گھر پر ہے لیکن آپ یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہی ہیں؟ کیا آپ کو شک ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں؟" میں نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

"شک نہیں بلکہ یقین ہے کہ آپ کا کہا ہوا ایک ایک لفظ غلط بیانی پر مبنی ہے' میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ آپ مجھے بے وقوف بنانے پر کیوں تلے ہوئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔" چوری پکڑے جانے پر میں شدید خفت محسوس کر رہا تھا' جانے مجھ سے کہاں غلطی ہوئی تھی۔

"آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں فلمی دنیا کے بہت سے لوگوں سے گہری واقفیت رکھتی ہوں۔ ان ہی لوگوں میں طاہر بیگ بھی شامل ہے۔ طاہر بیگ جب بھی کراچی آتا ہے' پہلی فرصت میں مجھے فون کرتا ہے' وہ ایک مدت سے بہ صد ہے کہ میں اس کی فلم میں ہیروئن کا رول قبول کر لوں' لیکن میں اس کی یہ آفر قبول کرنے سے مسلسل انکاری

ہوں۔ بہرحال میں آپ کی معلومات میں صرف اتنا اضافہ کرنا چاہتی ہوں کہ طاہر بیگ کی تازہ ریلیز شدہ فلم کی تمام تر شوٹنگ ترکی میں ہوئی تھی۔ اس فلم کی تکمیل کے فوراً بعد وہ اگلی فلم کیلئے لوکیشن دیکھنے ماریشس چلا گیا جہاں سے ابھی تک نہیں لوٹا' اور نہ ہی اگلے دو ماہ تک اس کی واپسی کی امید ہے' کیونکہ وہ انگلینڈ سے اپنے دل کا بائی پاس کرانے کے بعد پاکستان لوٹے گا۔ اب آپ یہ بتایئے کہ جب وہ سال بھر سے کراچی آیا ہی نہیں' تو آپ سے اس کی ملاقات کیسے ہو گئی' اور کیا اس نے ماریشس سے خط لکھ کر آپ کو لاہور بلایا ہے؟"

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کن الفاظ میں اپنی صفائی پیش کروں۔ نائمہ نے تو کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تھی۔ مجھے کیا پتا تھا کہ وہ میری تخلیق کردہ کہانی کے اس قدر بے رحمی سے بخیے ادھیڑ ڈالے گی۔ ذرا بھی اندازہ ہو جاتا تو میں کوئی اور زیادہ قابل قبول کہانی تیار کرتا۔ "میں اس غلط بیانی کے لئے آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ آپ میرے لئے جو چاہیں سزا تجویز کر سکتی ہیں؟" میں نے مجرموں کی طرح ہاتھ باندھ کر سر جھکا لیا۔ نائمہ کے چہرے پر مسکراہٹ لوٹ آئی۔ "آپ کے اس تفصیلی جھوٹ کی سزا یہ ہے کہ آپ اب اصل بتائیں گے' بغیر کسی ملاوٹ اور مرچ مسالے کے! آپ پر اچانک کون سی ایسی آفت آن پڑی کہ اندھیرے اجالے میں ٹھوکریں کھانے کے لئے اتنی رات کو گھر سے نکل پڑے؟"

گفتگو ایسا رخ اختیار کر گئی تھی کہ میرے لئے زبان بند رکھنا تقریباً ناممکن ہو گیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے نائمہ کو اعتماد میں لینا پڑا۔ میں نے اسے اپنے کراچی آنے سے لے کر تازہ ترین واقعات تک سب کچھ اسے بتا دیا۔ وہ سخت حیرانی کے عالم میں میرا منہ دیکھ رہی تھی۔ "آپ تو واقعی بہت خطرناک چکر میں پھنس گئے۔ معاملہ کچھ زیادہ ہی گمبھیر معلوم ہوتا ہے' اگر زیبی کی ڈائری آپ کے پاس ہوتی تو میں آپ کو یہی مشورہ دیتی کہ یہ ڈائری ان لوگوں کے حوالے کر کے اپنی جان چھڑا لیں لیکن خیر۔۔۔ ویسے اگر آپ میری بات مانیں تو میں آپ کو یہ مشورہ دوں گی کہ لاہور جانے کے بجائے آپ کراچی میں ہی کہیں روپوش ہو جائیں۔ یہ آپ کا جانا پہچانا شہر ہے۔ یہاں آپ کے دوست اور مددگار آپ کی مدد کے لئے موجود ہیں۔ لاہور کراچی کی نسبت چھوٹا شہر ہے۔ آپ کے لئے قطعاً" اجنبی اور نامانوس بھی۔ ایسے میں قدم قدم پر سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جبکہ آپ کے یہاں سے غائب ہونے کی صورت میں ان لوگوں کا پہلا خیال یہی آئے گا کہ آپ کراچی سے فرار ہو کر کسی اور شہر چلے گئے ہیں اس طرح دیگر شہروں خصوصاً لاہور میں بھی آپ کی تلاش زور و شور سے شروع ہو جائے گی۔ آپ وہاں زیادہ عرصے ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکیں گے۔"

"لیکن میں تو کراچی میں بھی ایسی جگہ سے واقف نہیں ہوں جہاں کچھ عرصے پوشیدہ رہ کر صورتحال میں کسی تبدیلی کا انتظار کر سکوں۔" میں نے بے چارگی سے کہا۔ نائمہ نے میرا شانہ تھپتھپا کر کہا۔ "یہ معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں' میں آپ کو ایسی جگہ لے چلوں گی جہاں کوئی آپ کے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکے گا' بس آپ کو اپنی طبیعت پر جبر کرنا پڑے گا۔"

"وہ تو میں کر لوں گا' لیکن میری نوکری کا کیا بنے گا؟ اتنی اچھی نوکری مجھے بار بار تو ملنے سے رہی۔" میں نے مایوسی سے بھرپور لہجے میں کہا۔ "کمال ہے بھئی! ادھر آپ کی زندگی خطرے میں ہے اور آپ کو نوکری کی فکر پڑی ہوئی ہے۔ آپ زندہ رہیں گے تو نوکری کریں گے ناں؟"

"پھر بھی۔۔۔ میرے اس طرح اچانک غائب ہو جانے سے پرنسپل صاحب سخت پریشان ہو جائیں گے' وہ مجھ پر بہت شفقت کرتے ہیں۔"

"آپ ایسا کیجئے کہ پرنسپل صاحب کو فون کر کے بتا دیں کہ آپ کو نہایت اہم ذاتی کام سے اچانک اپنے گھر جانا پڑ رہا ہے لہٰذا کم از کم مہینہ بھر کی چھٹیاں دے دیں۔ اگر وہ آپ کی درخواست منظور کر لیں تو ٹھیک ہے' ورنہ۔۔۔"

"فی الحال اس کے علاوہ کوئی متبادل صورت بھی تو نہیں ہے۔ میرے اس طرح اچانک غائب ہو جانے سے کاشف بھی پریشان ہو جائے گا' لیکن میں اسے تمام معاملے سے لاعلم رکھنا چاہتا ہوں۔ وہ تو ویسے بھی ان دنوں شدید الجھنوں میں گرفتار ہے۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔" نائمہ نے شانے اچکا کر کہا۔ "صبح ہونے میں کئی گھنٹے باقی ہیں۔ ہم سورج طلوع ہونے سے گھنٹہ بھر پہلے روانہ ہوں گے' تب تک آپ اپنی نیند پوری کر سکتے ہیں میں تو پہلے ہی خاصی سو چکی ہوں۔"

"مجھے بھی نیند نہیں آ رہی ہے۔ آپ چائے بنائیں' باقی وقت ہم گپ شپ میں گزاریں گے۔"

"بھلا اس سے اچھی کیا بات ہو سکتی ہے۔"

اگلے چند گھنٹے بے حد خوش گوار ماحول میں گزرے۔ نائمہ نے میری فرمائش پر کئی غزلیں سنائیں۔ وہ واقعی بہت سریلی آواز کی مالک تھی۔ محفل میں سازوں کے ساتھ تو وہ قیامت ڈھا دیتی ہو گی۔ میں نے اسے اپنے بچپن کے شرارتوں بھرے دور کے متعدد دلچسپ واقعات سنائے۔ وہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوئی جا رہی تھی۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ہنستے ہنستے آنکھوں میں آنسو آ جانا پرخلوص ہونے کی نشانی ہے۔ اس لحاظ سے نائمہ کا پرخلوص شک و شبے سے بالاتر تھا۔ وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا حتیٰ کہ ہمارے روانہ ہونے کا وقت آن پہنچا۔

صبح کی روشنی پھیلنے میں بھی خاصی دیر تھی۔ دھند اور سرد ہواؤں کے باعث سڑکوں پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس کے باوجود میں نے اپنا چہرہ اونی اسکارف میں اچھی طرح لپیٹ رکھا تھا۔ نائمہ خاصی تیز رفتاری سے گاڑی چلا رہی تھی۔ نیپا چورنگی پر پہنچ کر اس نے حسن اسکوائر کی طرف جانے کے بجائے شاہراہ فیصل کی جانب گاڑی بڑھا دی۔ میرے دل کی دھڑکن تھوڑی سی تیز ہو گئی۔ ہم گلستان جوہر کے پاس سے گزرنے والے ہیں میرے فرار کا راز فاش ہونے کی صورت میں وہ لوگ شکاری کتوں کی مانند مجھے تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے۔ کون جانے وہ راشد منہاس روڈ پر بھی نگاہ جمائے بیٹھے ہوں۔ کاش میرے پاس کوئی ہتھیار ہوتا۔۔۔

"آپ اسے اپنے پاس رکھ لیں۔ اسے استعمال کرنا تو جانتے ہیں ناں آپ؟" نائمہ کی قدرے مضطرب آواز مجھے خیالوں کی دنیا سے واپس لے آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا' خوبصورت پستول تھا۔ مجھے لگا کہ وہ میرے خیال پڑھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ "فکر نہ کریں' میرے پاس اس کا لائسنس موجود ہے' یہ الگ بات ہے کہ اسے استعمال کرنے کی نوبت کبھی نہیں آئی۔"

اعشاریہ دو پانچ کے اس پستول کی مار خاصی کم رہی ہو گی لیکن اس کا ہاتھ میں آنا میرے لئے زبردست تقویت کا باعث ثابت ہوا۔ پولیس والے کا بیٹا ہونے کے ناتے آتشیں اسلحہ میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ ابو نے میرے بچپن میں ہی مجھے کئی قسم کا اسلحہ چلانا سکھا دیا تھا خصوصاً ابو کی ریپیٹر گن سے تو بے تحاشہ مرغابیاں اور دیگر چھوٹے موٹے جانور شکار کر چکا تھا۔

لی مارکیٹ اور اس کے آس پاس کا علاقہ میرا دیکھا بھالا تھا' لیکن جن تنگ اور پیچیدہ گلیوں میں نائمہ مجھے لے کر جا رہی تھی وہ میرے لئے قطعاً" اجنبی تھیں۔ اپنی گاڑی وہ پہلے ہی ایک بلڈنگ کی پارکنگ لاٹ میں چھوڑ چکی تھی۔ اب اس نے سیاہ رنگ کی ایک چادر میں خود کو لپیٹ رکھا تھا۔ شہر کراچی انگڑائی لے کر بیدار ہو رہا تھا' لیکن جس علاقے میں پہنچ چکے تھے وہاں تک شاید سورج کی دستک نہیں پہنچ سکی تھی۔

وہ ایک چھوٹی سی دو منزلہ عمارت تھی۔ پہلی منزل پر شاید گودام بنا ہوا تھا۔ دوسری منزل پر آمنے سامنے دو کمرے بنے ہوئے تھے۔ نائمہ نے ایک کمرے کے دروازے کا تالا کھولا' کمرے کی حالت سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ خاصے عرصے سے یہاں کسی نے قدم نہیں رکھا۔ تاہم کمرے میں ضروریات زندگی کا تقریباً سبھی سامان موجود تھا۔ نائمہ نے نہایت تیز رفتاری کا مظاہرہ کر کے کمرے کی صفائی کر ڈالی' اب کمرے کی حالت پہلے سے خاصی بہتر نظر آ رہی تھی۔

"آپ جب تک چاہیں یہاں تمام لوگوں کی نظروں سے دور رہ سکتے ہیں۔ کوئی آپ

کو ڈسٹرب نہیں کرے گا۔ یوں سمجھیں کہ آپ کسی نئی دنیا میں آ گئے ہیں جہاں کسی کو کسی کے اچھے یا برے سے سروکار نہیں ہے۔"

"یہ کمرہ کس کا ہے؟" نائمہ نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔

"اس خادمہ کا بلکہ اب تو اپنا ہی سمجھیں' اس زمانے میں خریدا تھا جب زینب خانم کے قتل کے بعد پولیس دن رات کوٹھے کے چکر لگا رہی تھی۔ دراصل یہ اوپر والی منزل میں نے اپنی ایک ہم پیشہ سہیلی نشی کے ساتھ مل کر خریدی تھی۔ سامنے والا کمرہ اس کی ملکیت ہے لیکن اس کے بارے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نشی گزشتہ سال بھر سے ایک بہت بڑے سرمایہ دار کی چاکری میں ہے۔ سیٹھ نے اسے لگژری فلیٹ میں رکھا ہوا ہے' برانڈ نیو گاڑی دے رکھی ہے' اسی لئے نشی نے سال بھر سے یہاں آکر جھانکا تک نہیں ہے اور نہ ہی فی الحال آنے کا امکان ہے۔ ویسے بھی اسے ٹھکانوں کی کمی تو نہیں ہے ناں؟ بالفرض یہاں آن بھی دھمکے تو میرا نام سن کر اسے ایک لفظ بھی نکالنے کی ہمت نہیں ہو گی۔"

"تمہارا۔۔۔ میرا مطلب ہے ریشم کا بالا خانہ کہاں ہے؟" میں نے الفاظ کے انتخاب میں حتی الوسع محتاط رہتے ہوئے پوچھا لیکن اس کے باوجود نائمہ کے چہرے کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی۔ "یہیں قریب ہی ہے مناسب موقع دیکھ کر میں آپ کو وہاں بھی لے چلوں گی۔"

"نہیں وہاں لے کر جانے کی ضرورت نہیں ہے بس دور سے دکھا دیں تاکہ خدانخواستہ کوئی ایمرجنسی آن پڑے تو۔۔۔"

"ٹھیک ہے' ویسے بھی فی الحال آپ کا وہاں جانا مناسب نہیں خواہ مخواہ لوگوں کی نظروں میں آئیں گے۔ ریشم میرے معاملات میں دخل تو نہیں دیتی' لیکن پھر بھی وہ لوگ آپ کی موجودگی سے ناواقف رہیں تو زیادہ اچھا ہے۔ اب آپ آرام کریں' میں دوپہر کے وقت کھانا لے کر آؤں گی ہم اکٹھے کھانا کھائیں گے۔ آپ زینے کے دروازے میں کنڈی لگا کر رکھیں اور صرف میری آواز سن کر دروازہ کھولیں۔"

نائمہ کے جانے کے بعد میں نے سونے کی کوشش کی' لیکن رات بھر کا جاگا ہونے کے باوجود مجھے نیند نہ آ سکی۔ شاید اجنبی جگہ' اجنبی بستر کی وجہ سے' دماغ مسلسل سوچے جا رہا تھا۔ جانے کب تک اس کمرے کا قیدی بنے رہنا پڑے گا۔ کاشف مجھے فلیٹ پر نہ پا کر سخت پریشان ہو رہا ہو گا۔ جانے کب تک دروازہ بجاتا رہا ہو گا۔ میری نگرانی کرنے والے بھی شاید ابھی میرے غائب ہونے کے بارے میں جان سکے ہوں گے۔ اچھا ہے کم از کم اس طرح کاشف پر تو کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ وہ تو اس معاملے کے بارے میں کچھ جانتا ہی نہیں ہے۔ میری نگرانی کرنے والے سمجھ جائیں گے کہ میرے غائب ہونے سے کاشف کا

کوئی تعلق نہیں ہے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ مجھے سکول فون کر کے چھٹی کے بارے میں بھی بات کرنا ہے۔ بہتر ہے پرنسپل صاحب کے بجائے وائس پرنسپل صاحب سے بات کر لوں۔ اس طرح پرنسپل صاحب کے سوالوں کا سامنا کرنے سے بھی بچ جاؤں گا' اور سکول پہنچنے پر کاشف تک بھی میرے اچانک گھر سے چلے جانے کی اطلاع پہنچ جائے گی۔ زیبی کی ڈائری کے طلبگار بھی اتنی جلدی میری تلاش میں یہاں تک نہیں پہنچے ہوں گے۔

کمرے کے قفل کی کنجی نائمہ مجھے دے گئی تھی۔ میں نے دروازہ مقفل کیا اور اسکارف اچھی طرح لپیٹ کر زینے کے راستے گلی میں پہنچ گیا۔ گلی میں آنے جانے والے اکا دکا لوگوں میں سے کوئی بھی خصوصی طور پر میری طرف متوجہ نہیں تھا' البتہ پبلک کال آفس یا فون کرنے کی کسی اور جگہ کا پتا معلوم کرنے کے لئے مجبوراً مجھے ایک راہ گیر کی مدد حاصل کرنا پڑی۔ معمولی درجے کا وہ ہوٹل خاصا پررونق نظر آ رہا تھا۔ استقبالیہ پر موجود شخص نے بخوشی فون استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ حسب توقع پرنسپل صاحب ابھی تک سکول نہیں پہنچے تھے۔ میں نے وائس پرنسپل کو تمام صورت حال بتا کر درخواست کی کہ وہ پرنسپل صاحب کو بتا دیں کہ میری ٹرین چند ہی منٹ میں روانہ ہونے والی ہے' ورنہ ان سے بذات خود بات کرتا۔

ٹیلی فون کال کے ڈبل پیسے ادا کرتے ہوئے مجھے استقبالیہ کلرک کی خوش اخلاقی کا راز معلوم ہوا۔ واپسی کے سفر کے دوران میں پہلے سے زیادہ محتاط تھا۔ گلی میں سے گزرنے والے راہ گیروں کی اکثریت خاصی جلدی میں معلوم ہوتی تھی' اور کسی کو بھی مجھ پر توجہ دینے کی فرصت نہ تھی۔ اس کے باوجود میرا ہاتھ مسلسل پستول کے دستے پر جما رہا' تاہم میں بغیر رکاوٹ کے با آسانی اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔

نائمہ جو کھانا لائی وہ دوپہر کے علاوہ میرے رات کے کھانے کے لئے بھی کافی تھا۔ نا کھانے پینے کا کچھ ایسا سامان بھی خرید لائی تھی جو طویل عرصے تک رکھے رہنے پر بھی خراب نہیں ہو سکتا تھا۔ ہم دونوں نے کھانا کھایا۔ کھانے کے دوران میں نائمہ کے لائے ہوئے اخبارات دیکھتا رہا۔ صبح کے اخبارات میں چار لاشوں کی برآمدگی کی خبر نہیں تھی البتہ شام کے اخباروں نے مین پیج پر رنگین تصاویر کے ساتھ نہایت دھماکہ خیز اور گرما گرم سرخیوں کے ساتھ یہ خبر شائع کی تھی۔ زیادہ تر اخبارات نے مخالف گروہوں کے ٹکراؤ کو اجتماعی قتل کی اس واردات کا اصل سبب ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ البتہ پولیس کے ذرائع کا کہنا تھا کہ یہ مجرموں کے دو گروپوں کی باہمی چپقلش کا نتیجہ ہے کیونکہ چاروں لاشوں کے لباس سے کسی قسم کی شناختی علامات نہیں مل سکی تھیں جبکہ گاڑی بھی ایک فرضی نام سے رجسٹرڈ تھی۔ البتہ گاڑی سے کسی قسم کا اسلحہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ پولیس کے مطابق یہ اعلیٰ مہارت رکھنے والے پیشہ ور قاتلوں کی کارروائی تھی۔

"آپ کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟" نائمہ نے دھلے ہوئے برتن الماری میں سجاتے ہوئے پوچھا' میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "تکلیف تو کوئی نہیں ہے البتہ بوریت ضرور ہو رہی ہے۔ اگر کچھ پڑھنے کو ملتا رہے تو یہ مسئلہ بھی ختم ہو سکتا ہے۔"

"اوہ مجھے بتانا یاد ہی نہیں رہا۔ برتنوں کی الماری کے علاوہ دونوں الماریاں بھانت بھانت کی کتابوں سے بھری پڑی ہیں۔ آپ کو تقریباً ہر موضوع پر نئی اور پرانی کتابیں مل جائیں گی۔ خصوصاً شاعروں میں سے تقریباً سبھی معروف ناموں کے مجموعہ کلام آپ کو مل جائیں گے۔ دوبارہ آؤں گی تو مزید کتابیں خرید لاؤں گی۔ آپ کی کوئی فرمائش ہو تو بتا دیں۔"

"نہیں' نہیں فی الحال یہ میرے لئے بہت کافی ہیں۔ میرے مطالعے کی رفتار کچھ زیادہ تیز نہیں ہے' یہ ذخیرہ ختم کرنے میں تو مجھے کئی مہینے لگ جائیں گے۔"

نائمہ کتابوں کے انتخاب کے معاملے میں بے حد نفیس ذوق کی مالک محسوس ہوتی تھی۔ اردو ادب کے سبھی شہ پارے اس ذخیرے میں موجود تھے۔ میں مسلسل پانچ روز تک کمرے کا قیدی بنا رہا تھا۔ اس دوران میں نائمہ مسلسل آتی رہی۔ دوپہر کے کھانے کے وقت وہ کئی اخبارات بھی لاتی تھی۔ "چاروں لاشوں کا معاملہ تقریباً ٹھنڈا پڑ چکا ہے' آپ کی تلاش کی مہم البتہ جلدی جاری ہونے والی نہیں ہے۔" نائمہ نے تازہ اخبارات کا بنڈل میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو کم از کم مہینہ بھر ضرور اسی حالت میں گزارنا چاہئے' اس دوران میں آپ کا حلیہ بھی خاصا بدل جائے گا' بڑھی ہوئی داڑھی مونچھوں میں آپ خاصے مختلف نظر آنے لگے ہیں۔ مہینہ بھر میں آپ کی داڑھی مونچھیں مزید گھری ہو جائیں گی اس کے بعد آپ کو پہچاننا آسان نہیں ہو گا؟"

"اور اس کے بعد؟" میں نے ٹھنڈی سانس بھر کے پوچھا۔ "کیا وہ لوگ اتنی آسانی سے میرا پیچھا چھوڑ دیں گے؟"

"تب کی تب دیکھی جائے گی۔ فی الحال تو یہی بہتر ہے جو ہم کر رہے ہیں' آج رات آپ میرے ہمراہ بالا خانے پر چلیے گا۔ ریشم تین دن کے لئے حیدر آباد گئی ہوئی ہے۔ کوئی پوچھ گچھ کرنے والا نہیں ہو گا۔ آپ میرا یہ ٹھکانہ بھی دیکھ لیں گے اور کچھ دیر کے بعد یکسانیت سے بھی نجات مل جائے گی۔"

"لیکن وہاں موجود لوگوں کی نظروں سے میں کیسے خود کو چھپا پاؤں گا؟" میں نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔ نائمہ نے ایک کھنک دار قہقہہ لگایا۔ "اس کی آپ فکر نہ کریں' میں نے اس کا انتظام کر رکھا ہے' کسی کو خبر بھی نہیں ہو سکے گی کہ آپ وہاں موجود ہیں۔"

"اگر ایسا ہے تو مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟" میں نے شانے اچکا کر کہا۔

ماحول کی تبدیلی کا تصور ہی مجھے خاصا خوش آئند محسوس ہو رہا تھا۔ اس حوالے سے نائمہ کی یہ تجویز بہت عمدہ تھی۔ "ٹھیک ہے' پھر آپ تیار رہئے گا۔ میں رات آٹھ بجے تک آپ کے پاس پہنچ جاؤں گی۔"

نائمہ حسب وعدہ ٹھیک آٹھ بجے آن پہنچی۔ ہم فوراً ہی نکل پڑے۔ راستے میں نائمہ نے مجھے کچھ ہدایات دیں۔ اس کے بعد ہم ایک دوسرے سے خاصا فاصلہ رکھ کر چلنے لگے۔ کئی گلیوں سے گزرنے کے بعد ہم ایک کشادہ لیکن قدرے الگ تھلگ گلی میں پہنچ گئے۔ گلی کے سرے پر بے حد گھٹیا معیار کا ایک چائے خانہ تھا۔ میں میل سے چیکٹ ایک بنچ پر جا بیٹھا اور اکلوتے بیرے کو چائے کا آرڈر دے دیا۔ میری نظریں گلی سے گزرنے والے افراد پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے چائے کا کپ اٹھایا ہی تھا کہ چار افراد میرے سامنے سے گزر کر روڈ کی جانب بڑھ گئے۔ وہ چاروں نائمہ کے بتائے ہوئے حلیوں کے عین مطابق تھے۔ میں نے بدمزہ چائے کا ایک گھونٹ لیا اور ایک ایک کے تین نوٹ پرچ کے نیچے دبا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

نائمہ زینے میں میری منتظر تھی۔ وہ مجھے سیدھی بڑے سے ہال نما کمرے میں لے آئی وہاں کا منظر میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ طبلوں کی جوڑی' ہارمونیم اور ستار--- ناچنے گانے کی محفل یقیناً اسی جگہ سجتی ہو گی تاہم اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہاں رکنے کے بجائے نائمہ ایک چھوٹی سی راہداری سے گزار کر مجھے ایک کمرے کے دروازے پر لے آئی۔ اس نے کمرے کے دروازے پر لگا قفل کھولا۔ وہ خاصا آراستہ و پیراستہ کمرہ تھا۔ سامنے ہی بھاری بھر کم سی قدیم طرز کی مسہری پڑی تھی اسی سے ملتی جلتی دو کرسیاں بھی موجود تھیں۔ نائمہ نے ایک کرسی سنبھال لی۔

"لیجئے جناب' یہ ہے اگلے چند گھنٹوں تک کے لئے آپ کا ٹھکانہ' آپ یہ کھڑکی کھولیں گے تو سامنے میں نغمہ سرا نظر آؤں گی۔ البتہ آپ حاضرین کو نہیں دیکھ سکیں گے۔"

"ٹھیک ہے اب آپ اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیں گے۔ آپ کے سازندے وغیرہ واپس لوٹنے والے ہوں گے۔ ان کی نظر مجھ پر پڑ گئی تو سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔" میں نے قدرے مضطرب لہجے میں کہا۔ جانے کیوں مجھے یہ سب کچھ زیادہ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ "ان کی آپ فکر نہ کریں' وہ اتنی جلدی واپس لوٹنے والے نہیں ہیں اور اگر غفار چاچا کو افیم کی خوراک لینا ہوئی تو ان کی واپسی میں مزید تاخیر ہو سکتی ہے۔ ویسے بھی میرے پرستار تو دس بجے کے بعد ہی آنا شروع ہوتے ہیں۔ اس کمرے کی طرف کوئی نہیں آتا' لیکن پھر بھی احتیاطاً" اسے باہر سے لاک کر دوں گی۔ آپ کمرے کی لائٹ آف رکھیں گے تو کمرے کے سامنے سے گزرنے والا بھی آپ کی موجودگی سے آگاہ نہیں ہو پائے گا۔"

کچھ دیر گپ شپ کرنے کے بعد نائمہ کمرے کے دروازے پر قفل لگا کر ہال کمرے میں جا بیٹھی۔ میں نے کمرے کی لائٹ آف کر دی' اور کرسی گھسیٹ کر کھڑکی میں جا بیٹھا۔ میں نے کھڑکی کا ایک پٹ کھولنے پر ہی اکتفا کیا۔ میں نائمہ کو با آسانی دیکھ سکتا تھا۔ وہ ستار کے تار چھیڑتے ہوئے دھیرے دھیرے کچھ گنگنا رہی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کی آواز بلند ہوتی چلی گئی۔ وہ فیض احمد فیض کی غزل گنگنا رہی تھی۔ دونوں جہاں تیری محبت میں ہار کے--- وہ جا رہا ہے کوئی شب غم گزار کے--- اس کی آواز نہایت میٹھی اور سریلی ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ہی پرسوز بھی تھی۔ سننے والے پر جادو کر دیتی تھی۔ اس وقت وہ صرف اپنے--- یا شاید میرے لئے گا رہی تھی۔ اس لئے تصنع یا فنکارانہ اتار چڑھاؤ سے بھی کام نہیں لے رہی تھی اس کے باوجود اس کی آواز میں بلا کا رچاؤ موجود تھا۔

غزل مکمل ہونے کے کچھ ہی دیر بعد سازندے اور غفار چاچا بھی لوٹ آئے تھے۔ نائمہ ان سے بات چیت کرتی رہی۔ کچھ دیر بعد گانا سننے والوں کی آمد شروع ہو گئی۔ قدرے توقف کے بعد نائمہ نے ایک بار پھر وہی غزل گانا شروع کی۔ اس مرتبہ طبلہ اور ہارمونیم والے بھی اس کا ساتھ دے رہے تھے جبکہ نائمہ نے اپنا ستار بھی تیسرے شخص کے حوالے کر دیا۔ نائمہ نہایت والہانہ انداز میں گا رہی تھی۔ ہر شعر اور ہر مصرعے کی ادائیگی لاجواب تھی۔ تماش بین بھی خاصے باذوق معلوم ہوتے تھے۔ وہ اسے بھرپور داد دے رہے تھے اور ہر مصرعے کو کئی کئی بار سن رہے تھے۔ ساز کی سنگت سے آواز کا جادو مزید زور پکڑ گیا تھا' لیکن جانے کیوں مجھے نائمہ کا بغیر سازوں کے اہتمام کے گنگنانا زیادہ اچھا لگا تھا۔ شاید اس لئے کہ اس وقت وہ صرف میرے لئے نغمہ سرا تھی' اس کے فن میں خلوص اور اپنائیت کا رنگ شامل تھا' جبکہ اس وقت وہ اپنی آواز بازار میں بیچ رہی تھی۔ اس کے عوض نذرانوں کی خواہاں تھی۔ پہلے وہ اپنی مرضی' اپنی پسند کی چیز گا رہی تھی' جبکہ اب اسے وہی کچھ گانا تھا جس کی فرمائش آواز کے گاہکوں کی جانب سے ہونے والی تھی۔ میرا دل چاہا کہ کھڑکی بند کر دوں تاکہ تماش بینوں کے لئے پیش کی جانے والی یہ جبری کوشش میرے کانوں تک نہ پہنچ سکے' لیکن غزل کے خوب صورت اشعار نے ایک بار پھر مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔

ویراں ہے مے کدہ' خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

اس شعر نے بے اختیار زیبی کی یاد میرے دل میں جگا دی' اس کی مہربان' من موہنی صورت آنکھوں میں پھرنے لگی۔ اس نے مجھے اس وقت دوستانہ سہارا دیا تھا' جبکہ کوئی بھی مجھ پر توجہ دینے کو تیار نہ تھا۔ ایک دو ملاقاتوں میں ہی ہمارے بیچ اپنائیت اور یگانگت کا ایسا

رشتہ قائم ہو گیا تھا جیسے ہم برسوں سے ایک دوسرے کے ہم سفر ہوں- خدا جانے وہ
بدنصیب اب کہاں ہو گی؟ کس حال میں ہو گی؟ کاش مجھ پر اعتماد کر کے اپنا دکھ' اپنی پریشانی
مجھے بتا دیتی-

ایک فرصت گناہ ملی' وہ بھی چار دن----
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

انسان مر جائے تو بالآخر صبر آ جاتا ہے لیکن جب کوئی اس طرح گم ہو جائے' بچھڑ
جائے کہ نہ جینے کی خبر ہو نہ موت کی اطلاع تو پھر---- شاید لوگ صحیح کہتے ہیں یہ سب
کہنے کی باتیں ہیں' گزرتے وقت کے ریلے رفتہ رفتہ انسان کو سبھی کچھ بھلا دیتے ہیں' کوئی
بھی یاد نہیں رہتا' خواہ مرنے والا ہو یا جیتے جی بچھڑنے والا

دنیا نے تیری یاد سے بے گانہ کر دیا----
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

غزل مکمل ہوتے ہی ہال داد و تحسین اور تالیوں سے گونج اٹھا- نائمہ جھک جھک کر
شکریہ ادا کر رہی تھی- جوں ہی ہال میں سکون کی کیفیت بحال ہوئی- نائمہ نے ایک نئی غزل
شروع کی' میں ایک بار پھر اس کے حسن انتخاب کی داد دینے پر مجبور ہو گیا

ہم ہیں متاع کوچہ و بازار کی طرح----
اٹھتی ہے ہر نگاہ خریدار کی طرح

خوب صورت آواز اور عمدہ شاعری کا امتزاج ایک بار پھر رنگ جمانے لگا تھا' کہ
ایک کراری لیکن تہذیب سے عاری آواز نے نائمہ کو خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا-
"اے نائمہ بائی یہ غزل تو تم سناتی رہتی ہو' اب کسی فلم کا اچھا سا گانا بھی سناؤ نا
تاکہ ہمارا بھی ٹیم اچھا پاس ہو جاوے-" بدذوقی سے بھرپور یہ فرمائش سن کر نائمہ کے چہرے
پر ناگواری کے تاثرات ابھرے لیکن قدرے توقف کے بعد اس نے غزل ادھوری چھوڑ کر
ایک نئی فلم کا گانا شروع کر دیا- بددلی سے گایا گیا وہ گانا کم از کم مجھے تو قطعاً" اچھا نہ لگا
شاید یہی کیفیت خود نائمہ کی بھی تھی- اس نے جیسے تیسے گانا مکمل کیا- اس مرتبہ اسے ملنے
والی داد میں جوش و خروش کی گرمی خاصی کم تھی-
قبل اس کے کہ وہ تماش بین کسی اور فلمی گانے کی فرمائش کر پاتا- نائمہ نے از خود
ایک نئی غزل شروع کر دی-

کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی

اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی

غزل کا پہلا شعر مکمل ہوتے ہی بے ساختہ داد سے ہال کمرہ گونج اٹھا- فضا میں چھائی
بدمزگی دور ہو چکی تھی- نائمہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ لوٹ آئی تھی- اب وہ ایک بار
پھر والہانہ جوش و جذبے سے گا رہی تھی- غزل کا ہر شعر' ہر مصرعہ سیدھا دل میں پیوست
ہو رہا تھا- پروین شاکر کی یہ غزل مجھے ہمیشہ سے بے حد پسند تھی- خود نائمہ بھی اس غزل
کی محبت میں گرفتار محسوس ہو رہی تھی- وہ ہر مصرعے کو کئی کئی طرح ادا کر رہی تھی-

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ نائمہ کے اس بیان میں کس قدر صداقت تھی' کہ اس
کے ایسے قدر دانوں کی تعداد کم نہیں ہے جو صرف اس کا گانا سننے کے لئے بے اختیار کھنچے
چلے آتے ہیں- وہ واقعی جسے چاہتی اپنی آواز کے سحر میں جکڑ سکتی تھی- سینکڑوں بار پڑھی
اور سنی ہوئی یہ غزل نائمہ کے لبوں سے کوئی آفاقی نغمہ بن کر سیدھی دل کی گہرائیوں میں
جگہ بناتی محسوس ہو رہی تھی- ادھر حاضرین محفل بھی ایک ایک مصرعے پر لوٹ پوٹ ہو
رہے تھے-

وہ کہیں بھی گیا' لوٹا تو میرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی مرے ہرجائی کی

حسب معمول اس شعر کو بھی بے پناہ سراہا گیا- نائمہ نے دایاں ہاتھ پیشانی تک اٹھا
کر آداب کیا اور شعر کا پہلا مصرعہ ذرا مختلف انداز میں دہرایا- وہ ابھی دوسرا مصرع ادا
کرنے ہی والی تھی کہ ہال کمرے میں ایک بھاری اور گرج دار مردانہ آواز گونجی- "تم نے
صحیح کہا نائمہ جان' میں کہیں بھی چلا جاؤں' بالآخر لوٹ کر تمہارے ہی پاس آؤں گا-"
نائمہ نے بے ساختہ چیخنے کیلئے منہ کھولا لیکن پھر اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا- اس کی
آنکھیں شدید خوف اور حیرت سے پھٹی جا رہی تھیں- وہ بہ مشکل خود کو بولنے کے قابل بنا
سکی-
"اکرام تم----؟" تبھی میں نے اس خوشگوار محفل کو درہم برہم کرنے والے شخص
کو دیکھا' وہ نائمہ کے بالکل سامنے پہنچ چکا تھا- "ہاں میں! تم کیا سمجھ رہی تھیں' میں' اپنی
جان بچانے کیلئے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تم سے دور چلا جاؤں گا؟" نہیں نائمہ جان' میں تمہیں ہرگز
نہیں بھول سکتا- تمہیں حاصل کرنا ہی میری زندگی کا واحد مقصد ہے- میں واپس لوٹ آیا

ہوں، تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے، چلو میرے ساتھ۔۔۔" اس نے مضبوطی سے نائمہ کا ہاتھ تھام لیا۔ نائمہ کی چیخ سن کر جیسے سوتے سے جاگ اٹھا۔ وہ شخص اتنے لوگوں کے سامنے نائمہ کو اغوا کر رہا تھا لیکن کوئی بھی اس کا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ میرے ذہن میں غصے کا سرخ لاوا ابل پڑا۔ نہیں میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں زیبی کے بعد نائمہ کو بھی خود سے جدا نہیں ہونے دے سکتا۔۔۔

میں برق رفتاری سے دروازے کی طرف بڑھا اور دروازے کی اندرونی زنجیر پر ہاتھ ڈال دیا۔ اچانک ہی ایک بھیانک حقیقت میرے ذہن میں تازہ ہو گئی۔ نائمہ دروازے پر قفل لگا کر گئی تھی، تاکہ کوئی کمرے میں میری موجودگی سے واقف نہ ہو سکے۔ قدیم طرز کا یہ بھاری بھرکم دروازہ میں کسی طرح نہیں توڑ سکتا تھا۔ نائمہ کی ایک اور چیخ میرے کانوں میں گونجی، لیکن میں کچھ بھی نہ کر پایا۔ سوائے بے بسی سے دروازے کو گھورنے کے۔۔۔



نائمہ مزاحمت کر رہی تھی دراز قد اور کسرتی جسم کا مالک اکرام شدید زور آزمائی کے باوجود اسے قابو نہیں کر پا رہا تھا۔ تاہم کسی قسم کی پریشانی میں بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ اسے یقین رہا ہو گا کہ اس کا ہاتھ روکنے کی جرات وہاں کسی میں نہیں ہے۔ نائمہ کے جاں نثار قدر دان یقیناً ایک ایک کر کے کھسک گئے ہوں گے۔ تینوں سازندے دیوار سے لگے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سارا منظر دیکھ رہے تھے، اور میں۔۔۔ میں بھی تماشائی بنا کھڑکی سے نائمہ کی بے بسی اور تذلیل ٹکر ٹکر دیکھے جا رہا تھا، بھاری بھرکم دروازہ اور کھڑکی کی موٹی سلاخیں میرے راستے کی دیوار بن گئی تھیں۔

بالآخر اکرام نائمہ پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے نائمہ کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر ڈال لیا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک ماؤزر تھا جسے وہ ڈرانے والے انداز میں فضا میں لہرا رہا تھا۔ نائمہ کا دیا ہوا پستول میں خاصا پہلے ہاتھ میں لے چکا تھا، لیکن اب تک کوئی ایسا موقع ہی نہیں مل سکا تھا، کہ میں اکرام پر گولی چلا پاتا۔ اس مشکل زاویئے سے اتنا سچا نشانہ لگانا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ ذرا سا نشانہ چوکنے پر نائمہ بھی گولی کی زد میں آ سکتی تھی۔ میں نے ایک بار پھر کھڑکی پر اپنے شانے کی ضرب لگائی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ کھڑکی کی چوکھٹیں اتنی مضبوطی سے دیوار میں پیوست تھیں کہ دیوار گرائے بغیر کھڑکی اکھاڑنے کی کوئی بھی کوشش کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔

اکرام نائمہ کو شانے پر ڈالے نہایت اطمینان سے ٹہلتا زینے کی طرف جانے والی راہداری کی جانب بڑھا۔ اگلے ہی لمحے وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ مجھے لگا کہ نائمہ نے میری طرف دیکھا تھا۔ میرا دل کٹ کر رہ گیا۔ جی چاہا ہاتھ میں موجود پستول کی تمام گولیاں کھوپڑی میں اتار لوں۔ اتنی بے بسی، ایسی لاچاری۔۔۔ نائمہ خود بھی پوری طرح مایوس ہو چکی تھی، اب تو اس نے چیخ و پکار بھی بند کر دی تھی۔

اکرام نائمہ کو اٹھائے کوٹھے کی سیڑھیاں اتر گیا۔ اس کا اندازہ مجھے اس طرح ہوا کہ تینوں سازندے آپس میں زور زور سے باتیں کرنے لگے تھے۔ ان میں سے ایک دہائی دے رہا تھا کہ فوراً پولیس کو اطلاع دینی چاہئے، جبکہ دوسرا اسے فی الحال زبان بند رکھنے کا مشورہ دے رہا تھا۔ کہیں شور سن کر اکرام لوٹ نہ آئے۔۔۔ تیسرا شاید اب تک کھڑکی سے باہر

جھانک رہا تھا۔

"اس نے نائمہ بائی کو لال رنگ کی کار میں ڈال لیا ہے۔" کھڑکی سے جھانکنے والے طبلہ نواز نے کرکٹ کنٹری کے انداز میں کہا۔ "وہ بندوق سے سب لوگوں کو پیچھے ہٹ جانے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔" عین اسی وقت میں نے ہلکا سا برسٹ چلنے کی آواز سنی۔ یقیناً اکرام نے لوگوں کو ڈرانے کی کوشش کی ہو گی۔ باقی لوگ ڈرے یا نہیں' یہ تو معلوم نہیں' البتہ سازندوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ خصوصاً طبلہ نواز تو ڈر کے مارے کھڑکی چھوڑ کر سیدھا اس راہداری میں آن چھپا تھا جس میں یہ کمرہ تھا' جو مجھے گزشتہ کئی گھنٹوں سے محبوس کئے ہوئے تھا۔

اچانک میرے ذہن میں بجلی سی چمکی۔ طبلہ نواز کھڑکی سے محض چند فٹ کے فاصلے پر تھا۔ "اوئے طبلچی' ادھر آ" میں نے دھیمے لیکن سخت لہجے میں اسے پکارا۔ وہ بری طرح چونک اٹھا۔ اس کی پھٹی پھٹی' خوف زدہ آنکھیں پاگلوں کی طرح مجھے تلاش کر رہی تھیں۔ عین اسی وقت میں نے ہاتھ بڑھا کر کمرے کی لائٹ جلا دی۔ اس نے مجھے دیکھ لیا اور ساتھ ہی وہ پستول بھی جس کی نال کا رخ سیدھا اس کی کھوپڑی کی طرف تھا۔ اس کا زردی مائل چہرہ پوری طرح سفید پڑ گیا۔ قبل اس کے کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑتا میں نے ایک بار پھر اسے آواز دی۔ "اوئے سنا نہیں تو نے؟ میں کہہ رہا ہوں ادھر آ۔"

وہ مرے مرے قدموں سے آگے بڑھا۔ "ابے جلدی کر' کیوں میرے ہاتھ سے مرنا چاہتا ہے۔" میں نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ وقت تیزی سے ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔ "کوئی بھاری چیز اٹھا کر کمرے کے دروازے کا تالا توڑ دے' جلدی کر۔" میرے لہجے کی سفاکی نے اس کی رہی سہی جان بھی نکال لی۔ تاہم وہ میرے حکم پر فوراً ہی عمل پیرا ہو گیا۔ دیوار کے ساتھ ہی پڑا ہوا ایک موٹا سا سوٹا اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھا' لیکن اسے طاقت آزمائی کی ضرورت نہ پڑی۔ "تالا تو کھلا ہوا ہے۔" اس نے احمقانہ معصومیت سے کہا۔

"ابے تو منہ کیا دیکھ رہا ہے' جلدی سے ہٹا کر کنڈی کھول دے۔"

وہ بمشکل کنڈی کھول ہی پایا تھا' کہ میں نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا' میرے پاس اتنا وقت کہاں تھا کہ اس کے تاثرات دیکھ پاتا۔ میرے قدم تیز رفتاری سے زینے کی جانب اٹھ رہے تھے۔ باقی دونوں سازندے بھی مجھے دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے تھے۔ زینے کی سیڑھیوں کے قریب ہی میں نے غفار چاچا کو دیکھ لیا۔ وہ منہ کے بل فرش پر پڑا تھا کھوپڑی سے بہنے والا خون اب جمنے لگا تھا۔ جانے زندہ تھا بیچارہ یا۔۔۔

چائے خانے کے سامنے موجود لوگوں نے وحشت زدہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ اپنا پستول میں قمیض کے نیچے چھپا چکا تھا' لیکن میرے قدموں کی بے قراری نے مجھے نمایاں کر

دیا تھا۔ "کس طرف گئی ہے وہ گاڑی؟ جلدی بتاؤ۔" میں نے چائے خانے کے بیرے سے تیز لہجے میں پوچھا۔ اس نے بے اختیار لی مارکیٹ کی طرف جانے والے روڈ کی جانب انگلی اٹھا دی تاہم جہاں تک روڈ نظر آ رہی تھی' وہاں تک گاڑی کا کوئی نشان نہیں تھا۔ شاید مجھے دیر ہو چکی تھی۔ میں نے شدید اضطراب کے عالم میں ادھر ادھر دیکھا۔ عین اسی وقت مجھے سامنے سے ایک موٹر سائیکل سوار آتا دکھائی دیا۔ اس نے شاید لوگوں کے جمع ہونے کی وجہ جاننے کے لئے موٹر سائیکل ہلکی کی تھی۔ میں وحشی چیتے کی مانند اس کی طرف جھپٹا۔ اگلے ہی لمحے میرا پستول اس کی کنپٹی سے چپک گیا۔ "چپ چاپ موٹر سائیکل چھوڑ دو ورنہ کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گا۔" میں نے اس کے جسم پر واضح لرزش محسوس کی۔ شاید وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کوئی بھیانک سپنا ہے۔

میں نے اس کے کان میں ایک بار پھر زہریلی سرگوشی کی۔ "ایک سیکنڈ کے اندر اندر تو نے گاڑی نہ چھوڑی تو۔۔۔" میرا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ اچک کر موٹر سائیکل سے اتر گیا۔ میں نے فوراً گاڑی اپنے قابو میں کر لی۔ "فکر نہ کرو تمہاری گاڑی جلد ہی تمہیں واپس مل جائے گی۔" میں نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے اسے تسلی دی۔

ظاہری خستہ حالت کے برعکس موٹر سائیکل کے انجن کی حالت بہت عمدہ ثابت ہوئی۔ چند ہی لمحوں میں' میں خالی روڈ پر اڑا جا رہا تھا۔ البتہ لی مارکیٹ کے چوراہے پر پہنچ کر مجھے رک جانا پڑا۔ یہاں کس سے پوچھوں' کون رہنمائی کرے گا۔۔۔؟ عین اسی وقت ٹیکسی اسٹینڈ پر موجود تین افراد نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ تینوں کھارادر جانے والے روڈ کی طرف نظریں جمائے پرجوش انداز میں کچھ باتیں کر رہے تھے۔ سرخ کار کی غیر معمولی تیز رفتاری نے انہیں متوجہ کر لیا ہو گا' یا پھر ممکن ہے نائمہ کی چیخ و پکار انہوں نے سن لی ہو۔

اگلے ہی لمحے میری موٹر سائیکل طوفانی رفتار سے کھارادر کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بنے ہوئے سپیڈ بریکرز کے باعث موٹر سائیکل کئی کئی فٹ اچھل رہی تھی لیکن میں رفتار کم کرنے کو تیار نہ تھا۔ قبل اس کے کہ سرخ کار کسی اندھے موڑ پر مڑ جاتی' مجھے اس تک پہنچنا تھا۔ موسیٰ لین کے پاس میں نے پہلی بار اس سرخ ٹویوٹا کار کی جھلک دیکھی۔ اس کی رفتار کسی بھی طرح ستر سے کم نہیں تھی۔ شاید ان سپیڈ بریکرز کے باعث ہی میں اس کے کسی قدر قریب پہنچ پایا تھا۔ کار پر نظر پڑتے ہی میرے ہیجان اور اضطراب میں کچھ کمی ہوئی۔ میں نے اسے پا لیا تھا۔

روڈ قدرے ہموار ہوتے ہی کار کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے میری نظروں کی حد کے پار جا پہنچی تاہم اب میرے حوصلے نئی زندگی پا چکے تھے۔ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ اب میں اسے اپنی پہنچ سے باہر نہیں ہونے دوں گا۔ میری موٹر سائیکل اپنی انتہائی سپیڈ پر دوڑ رہی تھی۔ ویران سڑکوں پر انجن کی گونج بڑی بھیانک محسوس ہو رہی

تھی۔

ہسپتال کے قریب مجھے ایک بار پھر سرخ کار کی جھلک نظر آئی۔ سڑک پر جابجا بے ترتیبی سے کھڑے فورک لفٹروں کے باعث گاڑی کو اندھا دھند بھگانا خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا۔ کار کی رفتار کم ہونے کے باعث اس بار میں خاصا قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اگر چاہتا تو اس جگہ میں کار کو کراس بھی کر سکتا تھا' لیکن میں نے خاصا پہلے ہی موٹر سائیکل کی رفتار ہلکی کر کے کار کو فاصلہ بڑھانے کا موقع دے دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کار میں موجود افراد فی الحال اپنے تعاقب سے آگاہ ہوں۔ اس صورت میں وہ یقیناً مجھ سے پیچھا چھڑانے کیلئے کوئی چال چلتے۔ جس کا نتیجہ میرے لئے خطرناک بھی نکل سکتا تھا۔ جبکہ میرے لئے کار پر اندھا دھند ہلا بولنا بھی ممکن نہ تھا۔ اس طرح نا عمہ کو نقصان پہنچ سکتا تھا جو مجھے کسی قیمت پر گوارہ نہ تھا۔ مجھے مناسب موقع کا انتظار کرنا تھا۔ تب تک میرا ان بدمعاشوں کی نظروں سے بچا رہنا بھی مناسب تھا۔

اگلے چند لمحوں میں سرخ کار کسٹم ہاؤس میں مچھلی میانی مارکیٹ کی چورنگی پر پہنچنے والی تھی۔ وہاں سے بائیں طرف ٹاور جانے والی سڑک کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا۔ آئی آئی چندریگر روڈ یا نیٹی جیٹی پل پر پہنچ کر گاڑی کو اندھا دھند دوڑانے کا مطلب پولیس کو متوجہ کرنا ہوتا' گاڑی کی رفتار یقیناً کم ہونے والی تھی یہی وہ وقت ہوتا جب میں نا عمہ کو ان بدمعاشوں کے چنگل سے چھڑانے کی کوئی تدبیر کر سکتا تھا۔

اچانک میری تمام منصوبہ بندی کی دھری کی دھری رہ گئی۔ ٹاور کی طرف جانے کے بجائے وہ کار ون وے کی خلاف ورزی کرتی ہوئی سیدھی ویسٹ وہارف کی طرف بڑھتی چلی گئی' رات کے اس پہر سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی' کوئی روکنے ٹوکنے والا بھی نہیں تھا' کسٹم ہاؤس اور فٹ بال سٹیڈیم کو پیچھے چھوڑتی ہوئی وہ کار چورنگی پر واقع پیٹرول پمپ کے پاس جا پہنچی۔ میرے لئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا کہ میں خود بھی ون وے کی خلاف ورزی کر کے اس کا تعاقب جاری رکھوں۔ تاہم میں نے یہ احتیاط ضرور رکھی کہ کار کے دائیں طرف مڑنے کے بعد اپنی موٹر سائیکل آگے بڑھائی۔ چورنگی تک پہنچتے پہنچتے مجھے دو منی بسوں کے ڈرائیوروں کی گالیاں سننا پڑیں جو مجھے قطعاً" غیر متوقع طور پر مخالف سمت سے آتا دیکھ کر بریک پر پاؤں رکھنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

موڑ مڑنے سے پہلے میں نے اپنی رفتار خاصی کم کر لی۔ مجھے خدشہ تھا کہ وہ لوگ میری موجودگی سے واقف ہو چکے ہیں' اور اب موڑ کے فوراً بعد میرا استقبال کرنے کی تیاری کر رہے ہوں گے۔ تاہم میرا یہ خدشہ غلط ثابت ہوا۔ وہاں کار کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ وہ لوگ ہاکس بے اور ماری پور جانے والے روڈ پر سیدھا آگے بڑھتے چلے گئے تھے۔ میں نے ایک بار پھر موٹر سائیکل کی رفتار بڑھا دی' کچھ ہی دیر بعد میں ایک بار کار کی جھلک

پانے میں کامیاب ہو گیا۔

سڑک کی خستہ حالت کے باعث کار کی رفتار خاصی کم ہو چکی تھی' میں نے بھی موٹر سائیکل کی رفتار کم کر لی۔ میں دور سے ٹمٹماتی عقبی لائٹس کے سہارے آگے بڑھ رہا تھا۔ سڑک کے ایک طرف ریلوے لائن تھی' جبکہ دوسری طرف چھوٹے بڑے ٹرکوں اور کنٹینر بردار ٹرالروں کی ختم نہ ہونے والی قطار موجود تھی۔ ایسے ہی ایک ہوٹل کے سامنے مجھے پولیس کی ایک موبائل کھڑی نظر آئی۔ میرا دل بری طرح دھڑک اٹھا۔ چوری کی موٹر سائیکل اور نا عمہ کے پستول کے ساتھ میں ان کے ہتھے چڑھ گیا تو ساری زندگی سلاخوں کے پیچھے گزر جائے گی۔

خطرے کی زد سے باہر نکل آنے پر میں نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ قانون پیٹ پوجا میں مصروف تھا۔ ایسے میں مجرموں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے تکلیف دینے کی کوشش کریں۔ سرخ کار ماری پور کی جانب جانے کے بجائے سیدھی شیر شاہ اور سائٹ کی جانب آگے بڑھتی چلی گئی۔ اب اس کی رفتار ساٹھ ستر سے اوپر نہیں جا رہی تھی۔ میں ممکنہ حد تک فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے تعاقب جاری رکھے ہوئے تھا۔ خطرہ مجھے صرف یہ تھا کہ کہیں موٹر سائیکل میں پیٹرول ختم نہ ہو جائے۔ موٹر سائیکل کا مالک اپنے حلیے سے ایسا ہرگز نہیں لگتا تھا کہ پیٹرول ٹینک فل بھروا کر رکھتا ہو۔ اگر اچانک پیٹرول ختم ہو جاتا تو میں سخت مشکل میں پھنس جاتا۔ میرے پاس اتنی مہلت کہاں تھی کہ کسی پیٹرول پمپ پر رک کر موٹر سائیکل کی ٹنکی فل کروا لیتا۔

کار بغیر کسی طرف مڑے سیدھا آگے بڑھتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ ہم شیر شاہ سے گزر کر حبیب بینک چورنگی پہنچ گئے۔ اب کار دلیکا' بنارس اور اورنگی ٹاؤن جانے والے روڈ پر آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ لوگ شاید خود کو مکمل طور پر خطرے کی زد سے باہر سمجھ رہے تھے کیونکہ اب وہ اوسط رفتار سے آگے بڑھ رہے تھے۔ گنجان آباد علاقہ شروع ہونے کے باعث میں بھی خود کو خاصا پرسکون محسوس کر رہا تھا۔ اب میں زیادہ آسانی سے خود کو ان کی نظروں سے پوشیدہ رکھ سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا' کہ انہیں راستے میں روکنے کے بجائے میں ان کے ٹھکانے تک ان کا تعاقب کروں گا۔

بنارس چوک کراس کرنے کے بعد کار اورنگی ٹاؤن کی طرف جانے کے بجائے منگھو پیر جانے والے روڈ پر چل پڑی۔ اب میرے لئے حقیقی مشکلات پیدا ہونے والی تھیں۔ اس تاریک اور ویران روڈ پر وہ جلد یا بدیر میری موجودگی سے آگاہ ہونے والے تھے۔ کون جانے یہ مجھے جان بوجھ کر اس ویران راستے پر گھیر کر لائے ہوں تاکہ اطمینان سے مجھ سے نبٹ سکیں۔ میں نے بائیں ہاتھ سے پستول کی موجودگی کی تصدیق کی اور پھر خدا کا نام لے کر موٹر سائیکل آگے بڑھا دی۔

سرخ کار شہزاد سینما سے ذرا آگے پہنچی تو میں نے اس کی رفتار میں نمایاں کمی محسوس کی۔ میں نے بھی موٹر سائیکل کی رفتار بالکل کم کر دی۔ جلد ہی مجھے کار کی رفتار کم ہونے کی وجہ بھی معلوم ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی میرا دل بری طرح دھڑک اٹھا۔ سڑک کے کنارے پولیس کی ایک موبائل کھڑی تھی۔ کلاشنکوفوں سے لیس تین جوانوں میں سے ایک نے ٹارچ کے اشارے سے سرخ کار کو رکنے کا اشارہ کیا۔ میری دھڑکنیں مزید تیزی اختیار کر گئیں۔ کیا نا عمہ کو ان بدبختوں کے چنگل سے آزادی ملنے والی ہے؟ کہیں یہ بدمعاش اکرام پولیس سے مقابلہ کرنے کی نہ ٹھان لے۔ اگلے ہی لمحے میری تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ گاڑی کے اندر ایک نظر ڈالتے ہی پولیس کے اہلکاروں نے اسے آگے بڑھنے کی اجازت دے دی۔ میں اس دوران میں پولیس موبائل کے اتنا قریب پہنچ چکا تھا کہ اگر واپس مڑنے کی کوشش کرتا تو وہ لوگ یقیناً میری طرف سے بری طرح مشکوک ہو جاتے۔ اب ان کا سامنا کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ اگر انہوں نے موٹر سائیکل کے کاغذات اور لائسنس طلب کر لیا تو۔۔۔۔ اور اگر یہ تلاشی لینے پر تل گئے تو۔۔۔۔

پولیس کے جوان کے اشارہ کرنے سے پہلے ہی میں نے موٹر سائیکل کی رفتار بالکل ہلکی کر لی۔ کانسٹیبل نے ٹارچ کی روشنی پہلے میرے منہ اور پھر موٹر سائیکل کی نمبر پلیٹ پر ڈالی اور اگلے ہی لمحے ٹارچ کے اشارے سے مجھے آگے جانے کی اجازت دے دی۔ اس غیر متوقع لیکن خوشگوار اتفاق نے میری ڈوبتی دھڑکنیں بحال کر دیں۔ ذرا سا غور کرنے پر ساری صورتحال میری سمجھ میں آ گئی۔ میں نے جس شخص سے موٹر سائیکل چھینی تھی اس نے اپنے گلے میں کیمرہ لٹکا رکھا تھا۔ اس نے شاید مجھے بتانے کی بھی کوشش کی تھی کہ وہ صحافی ہونے کے ناتے اس طرح کی بدسلوکی کا مستحق نہیں ہے' لیکن میں اس وقت کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ اپنی صحافتی ذمہ داریاں پوری کر کے اپنے گھر لوٹ رہا ہو گا کہ میرے ہتھے چڑھ گیا۔ اب تک تو وہ شاید یہ تازہ ترین خبر بھی اپنے اخبار میں پہنچا چکا ہو گا۔ موٹر سائیکل کی نمبر پلیٹ کے ساتھ پریس کی تختی بھی نمایاں طور پر موجود تھی۔ اس وقت اسی تختی نے مجھے بچا لیا تھا۔ پولیس کے جوان نے مجھے ڈیوٹی سے واپس گھر جانے والا ہمارا صحافی سمجھ کر پوچھ گچھ کرنے کی جرات نہیں کی تھی۔

سرخ کار کی عقبی لائٹس تلاش کرنے میں مجھے زیادہ تگ و دو نہ کرنا پڑی۔ میں اپنی موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ پہلے ہی بند کر چکا تھا۔ تقریباً ایک کلو میٹر فاصلہ میں نے صرف بیک لائٹس کے سہارے طے کیا۔ پھر کار دائیں طرف کسی گلی میں مڑ گئی۔ میں نے موٹر سائیکل کی رفتار بڑھا دی گھپ اندھیرے میں دو فرلانگ بھر سے بھی کم فاصلہ طے کرنا میرے لئے عذاب بن گیا۔ بالآخر میں وہاں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جہاں سے کار مڑی تھی۔ تقریباً سو گز آگے مجھے وہ کار ایک گھر کے سامنے رکتی نظر آئی۔ میں نے موٹر سائیکل روک دی اور

خود ایک بڑے سے پتھر کے پیچھے چھپ کر صورتحال کا جائزہ لینے لگا۔

گلی میں پھیلی تاریکی اور فاصلے کے باعث میں کار سے اترنے والے افراد کو واضح طور پر نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ البتہ اتنا اندازہ لگانے میں ضرور کامیاب ہو گیا کہ وہ تعداد میں چار تھے۔ حیرت انگیز طور پر نا عمہ کسی قسم کی مزاحمت کا مظاہرہ نہیں کر رہی تھی۔ شاید اس نے اپنے آپ کو تقدیر کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہو گا۔ اسے کسی بھی جانب سے مدد کی توقع نہیں رہ گئی تھی۔ ان چاروں میں سے ایک نے مکان کے فولادی دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد میں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی' چاروں افراد مکان میں داخل ہو گئے۔

مکان کا دروازہ بند ہوتے ہی میں پتھر کی اوٹ سے نکلا اور تیزی سے آگے بڑھا۔ چند ہی لمحوں بعد میں مکان سے بیس پچیس گز کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی دیوار کی آڑ میں پہنچ چکا تھا۔ دیہاتی طرز کا وہ بڑا سا مکان گلی کے مکانوں میں سب سے نمایاں تھا۔ اس مکان میں بجلی موجود تھی جبکہ باقی تمام مکانات مکمل طور پر تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مکان کے آہنی گیٹ سے کار اندر بھی لے جائی جا سکتی تھی لیکن نہ جانے کیوں ان لوگوں نے کار باہر ہی رہنے دی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد مجھے اپنے ذہن میں جنم لینے والے اس سوال کا جواب بھی مل گیا۔ مکان کے گیٹ میں موجود چھوٹا دروازہ کھلا اور دو افراد باہر نکلے۔ انہیں گیٹ تک پہنچانے کے لئے خود اکرام آیا تھا۔ دونوں افراد میں سے ایک تو فوراً ہی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا جبکہ دوسرا خاصی دیر تک اکرام سے سرگوشیوں میں باتیں کرتا رہا۔ پھر اس نے اکرام سے ہاتھ ملایا اور گاڑی کی پسنجر سیٹ پر براجمان ہو گیا۔

سرخ کار ریورس ہو کر مجھ سے محض ڈیڑھ دو گز کے فاصلے سے گزری۔ تب مجھے علم ہوا کہ پولیس والوں نے اتنی آسانی سے اس گاڑی کو آگے بڑھنے کی اجازت کیوں دے دی تھی۔ اس کے ساتھ ہی میں اکرام کی ذہانت اور منصوبہ بندی کی داد دینے پر مجبور ہو گیا۔ کار کو گلاب کے پھولوں کے ذریعے نہایت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ رنگ برنگے گوٹے کی جھالروں سے گاڑی جگمگ کر رہی تھی۔ کار کے دروازوں پر پھولوں کے ذریعے دل کی شکل بنائی گئی تھی جن کے درمیان میں اکرام اور نا عمہ کے ناموں کے ابتدائی حروف آئی اور این نمایاں تھے۔ اکرام پوری تیاری کے ساتھ اپنی دلہن کو لینے گیا۔ یہ سجی بنی گاڑی اس کے ارمانوں کی ترجمان ہی نہیں' اس چھوٹی سی برات کی محافظ بھی تھی' اکرام نے زبردست نفسیاتی داؤ کھیلا تھا۔ پولیس والے خواہ کتنے ہی سخت مزاج' کٹھور اور اصول پسند ہوں' کم از کم دولہا' دلہن والی گاڑی کو روکنے اور تلاشی وغیرہ کی کارروائی پوری کرنے کے روادار ہرگز نہیں ہوتے' اسی لئے اکرام اتنی آسانی سے اپنی دلہن کو گھر لے آیا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ واپسی میں وہ ایک بن بلائے مہمان کو بھی اپنے ساتھ لگا لایا تھا' اور اب وہ

مہمان اس کی دلہن کو چھین کر لے جانے کی فکر میں تھا۔

جس انداز سے اکرام نے اپنے دونوں ساتھیوں کو رخصت کیا تھا' اس سے یہ اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہ تھا کہ یہ دونوں جلدی واپس لوٹنے والے نہیں ہیں۔ گویا گاڑی میں یہاں تک آنے والے چار افراد میں سے نائمہ کے علاوہ صرف اکرام گھر میں موجود تھا البتہ پہلے سے موجود افراد کی تعداد کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ اس کے باوجود مجھے ہر قیمت پر مکان کے اندر داخل ہونا تھا جبکہ میرے پاس وقت بھی بہت کم تھا۔ ہر گزرتا لمحہ نائمہ کو شکست اور اکرام کو فتح کے قریب لے جاتا محسوس ہو رہا تھا۔

مکان کی بناوٹ اور اس کا محل وقوع بظاہر اسے ناقابل تسخیر ظاہر کر رہے تھے۔ اتنی اونچی' سنگلاخ دیواریں عبور کرنا یقیناً آسان کام نہیں تھا ویسے بھی اتنی بڑی واردات کر کے آنے والے خرانٹ مجرم مکان کی حفاظت کے حوالے سے غافل نہیں رہے ہوں گے۔ مجھے بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مکان کا عقبی سمت سے بھی جائزہ لوں گا شاید کوئی زیادہ آسان اور محفوظ راستہ نظر آ جائے۔

میں اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے ہی والا تھا کہ اچانک مجھے اپنی گدی پر کسی سرد شے کے برفیلے لمس کا احساس ہوا۔ میں بیساختہ گدی کی جانب ہاتھ بڑھانے ہی والا تھا کہ ایک بے رحم' سفاک آواز نے مجھے ساکت ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ "کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو پچھتانے کا بھی موقع نہیں مل سکے گا' چپ چاپ اپنے ہاتھ سر سے اوپر اٹھا لو۔"

میں اس کے حکم کی تعمیل کے علاوہ کچھ بھی نہ کر سکا۔ اگلے ہی لمحے نائمہ کا پستول میری بیلٹ سے نکل کر نامعلوم شخص کے قبضے میں پہنچ چکا تھا۔ وہ میری جانب سے مطمئن ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ تب میں نے پلٹ کر اس کی شکل دیکھی۔ اسے پہچاننا میرے لئے قطعاً دشوار نہ تھا وہ چند منٹ پہلے سرخ کار میں بیٹھ کر جانے والوں میں سے ایک تھا۔ اس کا دوسرا ساتھی بھی اس کے ساتھ ہی موجود تھا۔ وہ دونوں روسی ساختہ ٹی ٹی پستولوں سے لیس تھے۔ ان کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ یہ اسلحہ استعمال کرنے میں بھی غیر معمولی مہارت رکھتے ہیں۔

میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ دونوں اتنی جلدی واپس کیوں لوٹ آئے تھے۔ کیا انہوں نے مجھے یہاں چھپتے ہوئے دیکھ لیا تھا؟ یا پھر یہ لوگ شروع سے میری موجودگی سے آگاہ تھے اور مناسب موقع پر مجھ سے جان چھڑانے کے چکر میں تھے' یہ موقع انہیں بہت جلد' بہت آسانی سے مل گیا تھا۔ "چلو آگے بڑھو!" دھیمے لیکن ٹھوس لہجے میں حکم دیا گیا۔ "کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو نتیجے کے ذمے دار تم خود ہو گے۔" اشارہ اسی مکان کی جانب تھا جس میں گھسنے کے لئے میں بری طرح بے تاب تھا۔

اطلاعی گھنٹی بجنے پر گیٹ میں ایک چھوٹی سی کھڑکی نمودار ہوئی۔ وہ اکرام تھا۔ "کیا بات ہے' تم لوگ اتنی جلدی واپس کیسے آ گئے' اور یہ کون ہے؟"

"دروازہ تو کھولو استاد' تمہارے لئے مہمان لے کر آئے ہیں۔ مہمان کو انتظار کرانا شرافت تو نہیں ہے۔" اکرام نے چھوٹا دروازہ کھول دیا۔ اس کے چہرے پر موجود حیرت کے آثار دیکھ کر میں یہ اندازہ تو لگا ہی چکا تھا کہ وہ لوگ پہلے سے میری موجودگی سے آگاہ نہیں تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نائمہ سے میرے تعلق کے حوالے سے بھی بے خبر رہے ہوں گے۔ گویا کھیل کھیلنے کی کچھ نہ کچھ گنجائش موجود تھی۔

"یہ کون ہے اور تمہیں کہاں سے مل گیا؟" اکرام سر سے پاؤں تک بغور میرا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ تیس بتیس سال کا لمبا چوڑا' تگڑا و تنومند جوان تھا۔ زردی مائل بھوری' بیتاب آنکھیں گندمی رنگ پر خاصی اجنبی سی محسوس ہوتی تھیں' خوش شکل تو نہیں البتہ قبول صورت ضرور کہلا سکتا تھا۔ الجھن کے باعث اس کی آنکھیں سکڑ کر مزید چھوٹی ہو گئی تھیں۔ "بتاؤ ناں یہ کون ہے؟"

"یہ تو اسی سے پوچھو استاد' ہمیں تو یہ انور کی دکان کی آڑ میں اپنے اڈے کی جاسوسی کرتا ملا ہے۔ اس کے پاس سے یہ پستول بھی برآمد ہوا ہے' ہم گاڑی لے کر جا رہے تھے کہ گلی کے سرے کے پاس پتھروں کے پیچھے ایک موٹر سائیکل کھڑی نظر آ گئی۔ ہم دونوں فوراً کھٹک گئے' گاڑی کو کھڑی کر کے واپس آئے تو یہ نظر آ گیا۔"

"آدمی تو یہ خطرناک نظر آتا ہے پتا نہیں کس ارادے سے ہماری جاسوسی کر رہا تھا۔۔۔ کیوں بھئی کون ہے تو' کیا چاہتا ہے؟" اس بار وہ براہ راست مجھ سے مخاطب ہوا۔ "کس نے بھیجا ہے تجھے؟" میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میری زبان سے نکلنے والا ایک بھی غلط لفظ مجھے سیدھا موت کے منہ میں پہنچا سکتا تھا۔ "میں جو کوئی بھی ہوں' مجھے جتنا جلدی چھوڑ دو' اتنا ہی تمہارے حق میں بہتر ثابت ہو گا۔"

"اوہو تم تو کوئی بہت ہی اونچی شے لگتے ہو ہمیں تڑی دے رہے ہو' جانتے نہیں ہو' ہم کون ہیں؟" اکرام کے لہجے میں گہرا طنز موجود تھا' ہم اس بڑے سے گھر کے برآمدے میں موجود تھے۔ نائمہ سامنے بنے تینوں کمروں میں سے کسی ایک میں ہو سکتی تھی۔ میں نے اپنے لہجے کو حد درجہ پر اعتماد بناتے ہوئے کہا۔ "ہم تمہیں بھی جانتے ہیں اور تمہارے کرتوتوں کو بھی' تم پر ابھی تک ہاتھ اس لئے نہیں ڈالا کہ تمہیں پکے ثبوتوں کے ساتھ گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ البتہ مجھے اس طرح روک کر تم لوگ خواہ مخواہ اپنی آزادی کے دن کم کر رہے ہو۔"

میری بات سن کر یکایک اکرام کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس کے ساتھیوں کی حالت بھی کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ مجھے لگا کہ میں نے ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔ گرم

لوہے کو چوٹ لگانے کیلئے میں نے من گھڑت داستان مزید آگے بڑھائی۔ "میرے سا
جانتے ہیں میں کہاں کی نگرانی کر رہا ہوں' اگر میں نے جلد ان سے رابطہ قائم نہ کیا تو
اس مکان پر یلغار کر دیں گے۔ تم لوگوں کے ہتھیار دھیرے رہ جائیں گے' سمجھے۔"
میں نے اکرام کی رنگت مزید سفید ہوتے دیکھی۔ اس کی آنکھوں میں شدید الجھ
اور پریشانی کے تاثرات نمایاں تھے۔ "تم --- تم کب سے ہماری نگرانی کر رہے ہو' تم
ڈھال اور بات چیت سے تو قطعاً" پولیس والے نہیں لگتے سچ سچ بتا دو تم کون ہو اور تمہ
کس نے ہمارے پیچھے لگایا ہے؟"
میں تمہارے کسی سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں تاہم اتنا سمجھ لو کہ م
تعلق ایک ایسی خفیہ ایجنسی سے ہے جسے اس علاقے میں بڑھتے ہوئے جرائم کی بیخ کنی
لئے خصوصی طور پر ذمے داریاں سونپی گئی ہیں اس مکان میں رہنے والی پراسرار سرگرمیو
کے بارے میں ہمیں کئی شکایات مل چکی ہیں ابتدائی تفتیش کی ذمے داری مجھے سونپی گئی تم
تم لوگوں کی اس غیر قانونی حرکت سے ثابت ہو گیا ہے کہ تم لوگوں کے ہاتھ صاف نہیں
ہیں تم یقیناً کسی الٹے سیدھے دھندے میں ملوث ہو' اب مجھے جلد از جلد یہ سب معلوما
اپنے سینئر افسران تک پہنچانا ہوں گی۔"
"یہ سب تو تم اس وقت کرو گے ناں جب ہم تمہیں یہاں سے نکلنے دیں گے'
تمہارے سینے میں گولی اتار کر راتوں رات یہاں سے فرار ہو جائیں گے۔" اکرام نے تخ
لہجے میں کہا۔ البتہ اس کا لہجہ اعتماد سے قطعاً" عاری تھا۔
"تم لوگ مجھے قتل کر کے اپنے جرائم کی سنگینی میں اضافہ کرنے کے علاوہ کوئی فا
نہیں حاصل کر سکو گے۔ یہ اڈہ بھی تم لوگوں کو چھوڑنا پڑے گا اور جلد یا بدیر تمہیں قا
کی گرفت میں آنا ہی پڑے گا۔ اس وقت میرا قتل تم لوگوں کے گلے کا پھندا بن جائے گا
ویسے اگر تم چاہو تو یہ معاملہ صاف ستھرے انداز میں سلجھ سکتا ہے۔" میں نے اپنا لہجہ
رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ اکرام حیرت سے میرا منہ دیکھ رہا تھا۔
"حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ معاملہ فی الوقت صرف میرے ہاتھ میں ہے۔ ا
میں تم لوگوں کو سیدھے سادے' شریف محنت کش قرار دے دوں تو کوئی میرے اس بیان
شک نہیں کرے گا۔ مجھے تم لوگوں سے کوئی ذاتی دشمنی تو ہے نہیں۔ تم مجھ سے تعا
کرو۔ میں تم سے تعاون کروں گا۔ دنیا کا کاروبار اسی طرح چلتا ہے۔ میرے ساتھ م
طے کر کے تم لوگ بہت سی الجھنوں سے بچ سکتے ہو۔ اپنی چال کامیاب ہوتے دیکھ کر م
اعتماد آسمان کو چھونے لگا تھا۔ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ میں نہ صرف خود ان لوگوں کے چ
سے آزاد ہونے میں کامیاب ہو جاؤں گا بلکہ نائمہ کو بھی باحفاظت یہاں سے نکال
جاؤں گا۔

"اچھا یہ بتاؤ تم اپنی زبان بند رکھنے کی کیا قیمت لو گے؟" اکرام نے قدرے مضطرب لہجے
میں پوچھا۔ وہ غالباً کسی فیصلے پر نہیں پہنچ پا رہا تھا۔ "کیا تم صرف میری زبان بند رکھنا چاہتے
ہو یا اور بھی کسی قسم کی مدد درکار ہے؟"
"کیا مطلب؟ تم اور کس طرح میری مدد کر سکتے ہو؟"
"مطلب یہ کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں پولیس کی مستقبل کی کارروائیوں اور چھاپوں
وغیرہ کے بارے میں بروقت اطلاعات فراہم کر سکتا ہوں۔ تمہارے مطلب کے پولیس
افسران سے تمہارے معاملات طے کرا سکتا ہوں تمہارے حریف گروہوں کے خلاف پولیس
کارروائی کا بھی انتظام کیا جا سکتا ہے۔"
"اوہ! تم تو واقعی بہت کام کے بندے ہو' اچھا یہ بتاؤ ان خدمات کے بدلے میں
ہمیں کتنی رقم ادا کرنا پڑے گی؟" اکرام اچانک خاصا پرجوش نظر آنے لگا تھا۔ وہ پوری طرح
میرے دام میں آچکا تھا۔ میں نے یوں ظاہر کیا جیسے میں واقعی رقم کا تخمینہ لگا رہا ہوں۔
"تمہیں ایک لاکھ روپے نقد ادا کرنا ہوں گے' جبکہ دس ہزار روپے ماہانہ الگ ہوں
گے البتہ اگر تم کسی اور پولیس افسر سے بھی معاملہ طے کرنا چاہو تو اس کے لئے تمہیں اسی
سے سودے بازی کرنا ہو گی۔"
"یہ تو بہت بڑی رقم ہے' میں زیادہ سے زیادہ پچاس ہزار روپے نقدی اور پانچ ہزار
روپے ماہانہ ادا کر سکتا ہوں۔"
"اس معاملے میں سودے بازی کی گنجائش نہیں ہے' شاید تم سمجھ رہے ہو گے کہ یہ
ساری رقم میری جیب میں چلی جائے گی' نہیں بھائی ایسا نہیں ہے' اس طرح کے کام اکیلے
بندے کے بس کی بات نہیں ہیں۔ مجھے اور بھی لوگوں کو حصہ دینا ہو گا۔ میں مان بھی جاؤں
تو وہ لوگ ہرگز نہیں مانیں گے' میں نے زیادہ رقم نہیں بتائی' بے فکری سے کاروبار کرنے
کیلئے کچھ نہ کچھ قربانی تو دینا ہی پڑتی ہے۔" میں نے بے نیازی سے شانے اچکا کر کہا۔
"مجھے کوئی جلدی نہیں ہے' تم اطمینان سے اپنے پارٹنر سے بات کر لو۔ میں کل یا
پرسوں پھر تم سے ملاقات کروں گا' ڈیل فائنل ہو گئی تو میں اپنے ساتھیوں کو بھی اس
معاہدے کے بارے میں بریف کر دوں گا۔ البتہ یہ خیال رہے کہ معاملہ اسی وقت فائنل
سمجھا جائے گا جب ایک لاکھ روپے نقد میرے قبضے میں آئیں گے۔"
"وہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ ---" اکرام رخصتی مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھانے ہی والا تھا
کہ جھینگر سے ملتی جلتی تیز آواز نے اسے جملہ ادھورا چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ یہ آواز
میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ موبائل فون شاید اکرام کی جیکٹ کی اندرونی جیب میں تھا۔ وہ
یقیناً میرے سامنے فون پر بات کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا' اس نے مجھے انتظار
کرنے کا اشارہ کیا اور تیز قدموں سے ایک کمرے کے اندر جا گھسا۔ اس اچانک مداخلت

نے مجھے بری طرح مضطرب کر دیا' کہیں سارے کئے کرائے پر پانی نہ پھر جائے---

میں نے اکرام کے دونوں ساتھیوں کا جائزہ لیا- اکرام کے جانے کے بعد وہ بھی خاصے چاق و چوبند نظر آ رہے تھے- ان کے پستولوں کا رخ اگرچہ میری جانب نہیں تھا تاہم انگلی کا ہلکا سا دباؤ انہیں آگ اگلنے کا حکم دے سکتا تھا-

ان دونوں پر بیک وقت حملہ کرنے کی کوشش مہلک بھی ثابت ہو سکتی تھی' جبکہ میرا اصل مقصد ان کے چنگل سے آزاد ہونے کے بجائے نائمہ کو صحیح سلامت نکال کر لے جانا تھا جو ان سے تصادم کی صورت میں بے حد مشکل ہو جاتا اگر اکرام واقعی میرے جھانسے میں آ جاتا' جس کی کہ قوی امید ہو چلی تھی' تو میرا کام خاصا آسان ہو جاتا-

میں بے چینی سے اکرام کی واپسی کا منتظر تھا- انتظار کا ایک ایک لمحہ مجھ پر قیامت بن کر گزر رہا تھا- بالآخر وہ مجھے کمرے سے نکل کر اپنی جانب بڑھتا نظر آیا- اس کے چہرے پر کسی قسم کے غیر معمولی تاثرات نہیں تھے- میں نے اطمینان کی گہری سانس بھری میری بچھائی ہوئی شطرنج کی بساط ابھی تک نہیں الٹی تھی اور مہرے میری مرضی کے مطابق گھر بدل رہے تھے-

میں نے اپنے پارٹنر کو تمہارے متعلق بتایا ہے اس نے بھی تمہاری ڈیمانڈ قبول کر لی ہے اور وہ خود بھی تم سے ملنا چاہتا تھا لیکن--- خیر پھر سہی' اچھا یہ تو تم نے بتایا ہی نہیں کہ تمہارا تعلق کس ایجنسی سے ہے اور تم سے کیسے رابطہ کیا جا سکتا ہے؟"

"میں--- میں سی آئی اے میں ہوتا ہوں- تمہیں مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے- میں خود تم سے مل لیا کروں گا-" میں نے اس پریشان کن سوال کا پر اعتماد لہجے میں جواب دینے کی کوشش کی- اکرام نے اپنے مخصوص انداز میں سر کو جنبش دی- "اچھا تو تم سی آئی اے میں ہوتے ہو' پھر تو تم چودھری شبیر علی کو بھی جانتے ہو گے وہی جو سی آئی اے سینٹر میں ہیڈ محرر ہیں-"

"انہیں کون نہیں جانتا جی' ان سے واسطہ پڑتا ہے' مجھے پردیسی بھائی جان کہہ کر بلاتے ہیں وہ-" میں نے ایک اور جھوٹ نہایت اطمینان اور اعتماد سے تخلیق کر ڈالا- اکرام نے ایک بار پھر مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا- "تم دو دن بعد رات نو بجے یہاں آ جاؤ- تمہاری رقم تمہیں تیار ملے گی- فیض محمد اسے اس کی گاڑی تک پہنچا دو بے چارہ نہ جانے کب سے خوار ہو رہا ہے اپنے گھر جا کر کچھ دیر آرام کر لے گا-" یک لخت مجھے اکرام کے لہجے میں طنز کی ہلکی سی جھلک محسوس ہوئی عین اسی وقت میری چھٹی حس نے خطرے کا الارم بجایا- میں نے پلٹ کر فیض محمد اور اس کے ساتھی کی طرف دیکھا- ان کے پستولوں کا رخ اب سیدھا میرے دل کی طرف تھا- ان کی آنکھوں کی وحشی چمک واپس آ گئی تھی- وہ دونوں نپے تلے قدموں سے آگے بڑھ رہے تھے- اس دوران میں اکرام بھی اپنا ماؤزر مجھ

پر تان چکا تھا- "چودھری شبیر علی میرے پارٹنر کے مرحوم باپ کا نام ہے-" "تم کس شبیر علی سے ملتے رہے ہو؟"

اکرام اور اس کے ساتھی مجھے گھیر کر ایک بڑے سے کمرے میں لے گئے- اس کمرے میں عجیب سی بو پھیلی ہوئی تھی مجھے اپنا سانس رکتا محسوس ہوا- اس کمرے میں دو فولادی چارپائیوں کے علاوہ کسی بھی قسم کا فرنیچر نہیں تھا- ان لوگوں نے نائلون کی رسی سے پہلے تو میرے ہاتھ پاؤں نہایت مضبوطی سے باندھے اس کے بعد مجھے ایک فولادی چارپائی سے بری طرح جکڑ دیا-

"اب تمہیں زبان کھولنا ہو گی کہ تم دراصل کون ہو اور کس مقصد کے تحت ہماری نگرانی کر رہے ہو' تم ہمیں چکر دینے کی ناکام کوشش کر کے پہلے خود کو ہر قسم کی ہمدردی سے محروم کر چکے ہو اب اگر تم نے جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو اپنی اذیت ناک موت کے تم خود ذمے دار ہو گے- زبان کھولنے سے پہلے اتنا ضرور یاد رکھنا کہ میرے ان دونوں ساتھیوں کو چیخیں سننے کا بہت شوق ہے- ان کے پنجے میں پھنسنے والا اپنے منہ سے موت طلب کرتا ہے لیکن انہیں رحم کھانے کی عادت نہیں ہے- بہتر یہی ہے کہ تم فوراً زبان کھول دو تاکہ تمہارے خوبصورت چہرے پر بدنما نشانات نہ بننے پائیں-"

"میں صحافی ہوں-" میں نے ایک نئی کہانی شروع کی- "میں بہت دنوں سے کوئی اچھی سی کرائم سٹوری تلاش کر رہا ہوں' میرا خیال ہے میری تلاش ختم ہو چکی ہے-"

"تمہارا خیال ہے میں تمہاری اس نئی بکواس پر یقین کر لوں گا؟ تم اب یقیناً نئے انداز میں مجھ سے سودے بازی کرنا چاہو گے لیکن اب میں تمہارے کسی چکر میں نہیں آؤں گا-" اکرام کے لہجے میں غصے اور جھلاہٹ کی واضح جھلک تھی- "کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ تم پریس سے تعلق رکھتے ہو' کوئی کارڈ وغیرہ تو ضرور ہو گا تمہارے پاس؟ کس اخبار میں کام کرتے ہو تم؟ فیض اس کی جیبوں کی اچھی طرح تلاشی لو' ابھی پتا لگ جائے گا یہ کون ہے؟"

کچھ ہی دیر میں میری جیبیں خالی کی جا چکی تھیں اکرام گہری دلچسپی سے میرے سروس کارڈ کا جائزہ لے رہا تھا- "تو گویا تم سوئمنگ انسٹرکٹر ہو سکول میں' خوب' بہت خوب! چلو بھئی یہ مسئلہ تو حل ہو گیا اب صرف یہ جاننا باقی رہ گیا ہے کہ تم ہماری جاسوسی کیوں کر رہے تھے' اگر تم رضاکارانہ طور پر زبان کھول دو تو ہمارا بھی وقت بچ جائے گا اور تمہاری ہڈی پسلیاں بھی محفوظ رہیں گی- یہ تو تم سمجھ ہی چکے ہو گے کہ ہم تمہاری زبان کھلوائے بغیر اطمینان کا سانس نہیں لیں گے-"

"سکول میں نوکری کرنے کے ساتھ ساتھ میں اخبار میں بھی کام کرتا ہوں' یقین نہ آئے تو میری موٹر سائیکل پر لگی ہوئی پریس کی تختی دیکھ لو میں تمہیں معمولی قسم کے اٹھائی

گیرے سمجھا تھا لیکن اب اندازہ ہو رہا ہے کہ مجرموں کے خطرناک گروہ سے میرا واسط
گیا ہے اگر پہلے سے پتا ہوتا تو میں ایڈیٹر سے کہہ کر دو تین بندے اپنے ساتھ لے آتا۔
اگر میں مزید کچھ دیر تک اخبار کے دفتر نہ پہنچا تو وہ لوگ پہلی فرصت میں پولیس سے را
قائم کریں گے اس کے بعد تمہارا اڈہ پولیس والوں کے بھاری بھرکم بوٹوں کی آواز سے گ
اٹھے گا۔"

مجھے خود بھی اپنی اس کہانی کے پھس پھسے ہونے کا احساس ہو رہا تھا' لیکن بچاؤ کر
اندھا دھند ہاتھ پاؤں مارنے کے علاوہ میرے پاس کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ حسب تو
اکرام پر اس کہانی کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔ "تم ڈائیلاگ بر
اچھے بول لیتے ہو۔ تمہیں تو فلم یا ٹی وی کا ایکٹر ہونا چاہیئے تھے۔ خیر ابھی تمہاری سار
ایکٹنگ دھری کی دھری رہ جائے گی' فیض اپنی کارروائی شروع کرو' یہ اتنی آسانی سے زبا
کھولنے والا نہیں ہے' اس خبیث کی وجہ سے سارا پروگرام درہم برہم ہو کر رہ گیا ہ
اسے اس بیجا مداخلت کی بھی سزا ملنا چاہیئے۔ تم اس سے نمٹو' زبان کھول دے تو ٹھیک ور
مار مار کر اس کی کھال ادھیڑ دو تمہیں اس کی کھلی اجازت ہے اتنی دیر میں' میں باقی معاملا
سیٹ کر کے آتا ہوں۔"

اکرام کے کمرے سے نکلتے ہی فیض پاگل کتے کی طرح مجھ پر پل پڑا۔ اس کے ہا
میں بید کی لچک دار چھڑی تھی جسے وہ اندھا دھند میری کمر اور ٹانگوں پر برسا رہا تھا۔ میر
بدن کا رواں رواں اذیت کے مارے چیخ رہا تھا لیکن میں نے اپنی زبان کو اس چیخ و پکار
شریک ہونے کی اجازت نہ دی۔ اپنی انا کی ایسی شرم ناک شکست میں گوارہ نہیں کر
تھا۔ فیض اپنی تمام تر وحشیانہ قوت آزمانے کے باوجود میری زبان سے رحم یا فریاد کا ا
لفظ بھی نہ نکلوا سکا حتیٰ کہ اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ بری طرح ہانپنے لگا۔ "ع
ہے بھئی' ایسا بندہ تو میں نے اپنی زندگی میں کوئی نہیں دیکھا۔ اس کے حلق سے تو ہلکی
چیخ بھی نہیں نکلی۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ گوشت پوست کا نہیں بلکہ پتھر کا بنا ہوا ہے۔" ا
کے لہجے میں حیرت کی جھلک نمایاں تھی۔

"ارے یار دیکھو تو سہی اسے' کہیں گزر تو نہیں گیا اس دنیا سے؟" ہم خواہ مخوا
کی لاش کی بے حرمتی کر رہے ہوں۔"

فیض کے ساتھی نے مجھے پلٹ کر چت لٹا دیا۔ میرے جسم میں انگارے دہک ر
تھے لیکن میں نے چہرے پر اذیت کی ہلکی سی جھلک بھی نہ آنے دی البتہ میں نے آنک
کھولنے کی کوشش نہیں کی اچھی طرح ہلانے جلانے کے باوجود میرے جسم میں جنبش
ہوئی تو فیض کے ساتھی نے گھبرا کر کہا۔ "یار لگتا ہے یہ تو واقعی مر گیا ہے۔"
"یہ تو کیا کہہ رہا ہے یار بخشو؟ اتنا کمزور تو نہیں لگتا تھا۔" فیض نے میری نبض

دل کی دھڑکن چیک کی۔
"نہیں یار ابھی مرا نہیں ہے' صرف بے ہوش ہو گیا ہے' دو تین گھنٹے میں ہوش آ
جائے گا اسے۔ چل اتنی دیر آرام کر لیتے ہیں' اکرام کا تو اب واپس آنا مشکل ہے اپنی
ہونے والی بیگم کی خاطر مدارت میں مصروف ہو گا ویسے یار اس بندے نے تو استاد کے
ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ یہ راستے میں نہ آتا تو اب تک استاد اکرام کا نکاح ہو چکا ہوتا
بے چارہ نکاح خواہ بھی ساری رات انتظار کرتا رہے گا۔" فیض نے ہنستے ہوئے کہا۔
"یار نکاح تو کل بھی ہو سکتا ہے اگر یہ بندہ نہ پکڑا جاتا تو ہم سب جیل کی ہوا کھا
رہے ہوتے۔ استاد کو تو وہ پکڑ کر سیدھا پھانسی پر چڑھا دیتے' اس بڈھی خانم نائیکہ کے قتل
کے تو درجنوں عینی گواہ موجود ہیں۔"
"ہاں یار' بڑا دل والا ہے اپنا استاد اکرام' کچھ کر گزرنے کی ٹھان لے تو پھر کسی سے
نہیں ڈرتا خدا جانے اس چھوکری میں اسے کیا نظر آگیا ہے کہ بار بار اس کی خاطر اپنی
زندگی خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید زندگی بھر اس طرف کا
رخ نہ کرتا لیکن استاد استاد ہے یار' جسے دل دے دیا اس کی خاطر جان دینے کیلئے بھی ہر
وقت تیار رہتا ہے۔ اس کی اسی جواں مردی نے تو مجھے اس سے باندھ رکھا ہے ورنہ اس کا
پارٹنر تو میں نے آج تک دیکھا ہی نہیں ہے۔"
"نہ ہی میں نے دیکھا ہے' سب کچھ استاد اکرام ہی کرتا نظر آتا ہے' خیر ہمیں کیا۔
ان کی باتیں وہ دونوں جانیں' ہمیں تو اپنے حصے سے مطلب ہے جو ہمیں باقاعدگی سے مل
جاتا ہے۔"
"کیا صورتحال ہے بھئی؟ زبان کھولی اس نے یا نہیں؟" میں نے اکرام کی آواز سنی۔
وہ بہت قریب سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔ "تم نے تو واقعی اس کی کھال اتار ڈالی ہے مجھے تو
اس کی زندگی خطرے میں نظر آتی ہے کب سے بے ہوش پڑا ہے یہ؟"
"ارے استاد فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے اسے کچھ نہیں ہوا ہے' بہت موٹی
کھال ہے اس کی اتنی آسانی سے مرنے والا نہیں ہے یہ' ڈیڑھ دو گھنٹے میں ہوش آ جائے گا
اسے' تم۔۔۔" موبائل فون کی بیل کی آواز نے اسے بات پوری نہ کرنے دی۔ "ہیلو' ہاں
میں بات کر رہا ہوں' کیپٹن۔" اکرام خاصے محتاط لہجے میں بات کر رہا تھا۔ "ہاں' کھیلوں کا
سارا سامان تیار ہے میں نے اچھی طرح چیک کر کے پیک کروایا ہے۔ بس ڈیلیوری باقی
ہے۔" میں اکرام کی زبان سے نکلنے والے ایک ایک لفظ پر غور کر رہا تھا۔ "ہاں ہاں کیپٹن'
تمہاری فرمائش کا سارا سامان موجود ہے۔' بیٹ' ہاکی' ریکٹ۔۔۔ ہاں ہاں گیندوں کا بھی
انتظام کر دیا ہے سارا مال باہر کا بنا ہوا ہے میچ کھیلنے میں مزہ آ جائے گا آپ کو۔۔۔ بس پے
منٹ کا خیال رکھیئے گا۔۔۔ چلیں ٹھیک ہے' کل اسی وقت۔۔۔ ٹھیک ہے' میں انتظار کروں

گا---- ہاں ہاں' مال یہیں ہے میرے پاس' آپ فکر نہ کریں---- اچھا پھر کل ملاقات ہو گی۔" صورتحال خاصی حد تک میری سمجھ میں آچکی تھی۔ اکرام اسلحے کی اسمگلنگ اور خرید و فروخت میں ملوث تھا۔ اسے کل رات اسلحے کی بہت بڑی کھیپ مجرموں کے کسی خطرناک گروہ کے حوالے کرنا تھی۔ یہ اسلحہ یقیناً دہشت گردی کی وارداتوں میں استعمال ہونے والا تھا۔ جس کے نتیجے میں بہت جلد پورا شہر فرقہ وارانہ اور لسانی فسادات کی لپیٹ میں آنے والا تھا۔

"استاد تمہارے نکاح کا معاملہ بھی درمیان میں لٹک گیا ہے' کل مال کی ڈیلیوری بھی دینی ہے' اس شخص کی موجودگی میں تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا' کیا کریں اس کا؟"

"کرنا کیا ہے یار' اسے کسی مضبوط سی بوری میں ڈال کر منگھو پیر کی طرف لے جاؤ اور کسی غیر آباد گوشے میں کھوپڑی میں گولی اتار کر صبح ہونے سے پہلے پہلے واپس لوٹ آؤ' اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

"یہی مناسب ہے استاد' چلو فیض بھائی اٹھو' میں گودام سے بوری لے کر آتا ہوں' تم اسے گٹھڑی کی شکل میں جکڑ دو۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے' اس کی موٹر سائیکل کو بھی ٹھکانے لگانا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے' تم بوری لے کر آؤ' استاد ذرا اسے بندھوانے میں میری مدد کرو' کام جلدی ختم ہو جائے گا۔" فیض نے مسرور لہجے میں کہا۔

میرا دل میرے گلے میں دھڑک رہا تھا' میری زندگی کی کہانی اچانک ہی "دی اینڈ" پر جا پہنچی تھی۔



موت کو اتنے قریب دیکھ کر میری تمام حسیں بیدار ہو چکی تھیں' کسی بھی قسم کی غلطی کی گنجائش بالکل ختم ہو چکی تھی۔ معمولی سی غفلت کا نتیجہ یقینی موت کی صورت میں نکلنے والا تھا۔ صورتحال پوری طرح میرے خلاف تھی۔ وہ تینوں پوری طرح چاق و چوبند اور مسلح تھے۔ صرف ایک بات میرے حق میں جاتی تھی۔ وہ لوگ مجھے مکمل طور پر بے ہوش سمجھے ہوئے تھے۔ مجھے ان کی اسی غلط فہمی سے فائدہ اٹھانا تھا۔

اکرام میرے پیروں کے بندھن کھول چکا تھا۔ اب وہ فیض کے ساتھ مل کر میرے پیٹھ پر بندھے ہوئے ہاتھ کھول رہا تھا۔ اس کے بعد صرف وہ بندھن باقی رہ جاتے تھے جن کے ذریعے مجھے چارپائی پر جکڑا گیا تھا۔ وہ لوگ مجھے بوری میں بند کرکے لے جانا چاہتے تھے جس کے لیے ضروری تھا کہ میرے تمام بندھن کھول کر مجھے نئے سرے سے گٹھڑی کی شکل میں باندھا جاتا۔ میرا دل طوفانی رفتار سے دھڑک رہا تھا۔ فیصلے کی گھڑی سر پر آن پہنچی تھی۔

"چلو سیدھا کرو اسے ......" مجھے اکرام کے لہجے میں جلد بازی کی ہلکی سی جھلک بھی محسوس نہ ہوئی۔ میرے تمام بندھن کھولے جا چکے تھے' تاہم میں بدستور دم سادھے پڑا تھا۔ حرکت میں آنے کا لمحہ ابھی نہیں آیا تھا۔ میں ان کے تیسرے ساتھی کی واپسی کا منتظر تھا جو کسی بھی لمحے واپس آسکتا تھا۔ ان تینوں سے بیک وقت نمٹنا میرے لیے زیادہ سودمند ثابت ہوتا۔

"ایک تو یہ بخشو معمولی سے کام میں گھنٹوں لگا دیتا ہے' اتنی دیر ہو گئی ہے اس کو ابھی تک گودام سے بوری نہیں ملی ہے۔ پتا نہیں اس کا اندھا پن کب ختم ہوگا۔" فیض نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آجائے گا یار' پہلے اس کی مشکیں تو کسو' ایسا نہ ہو اسے ہوش آجائے' خواہ مخواہ کام بڑھ جائے گا۔"

اکرام کے الفاظ نے میرے جسم میں بجلی سی دوڑا دی تھی۔ میں حرکت میں آنے ہی والا تھا کہ اچانک ایک مانوس آواز نے مجھے اپنا ارادہ عارضی طور پر ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا۔ "خبردار' اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش مت کرنا۔" یہ تحکم آمیز آواز نا عمہ کی

تھی۔ "ورنہ میں تم دونوں کی کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گی۔" میں نے بند آنکھوں میں ہلکی سی درز پیدا کر کے دیکھا' نائمہ کے ہاتھوں میں اکرام کا ماؤزر تھا۔ وہ دونوں حیرت سے منہ پھاڑے اس کی شکل دیکھ رہے تھے۔ نائمہ نے بھاری بھر کم ماؤزر دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ گولی چلنے کے لیے انگلی کے ہلکے سے دباؤ کی ضرورت تھی۔ "یہ نہ سمجھنا کہ میں یہ ہتھیار چلانا نہیں جانتی' دیکھ لو اس کا لاک ہٹا ہوا ہے اور میں اسے کاک بھی کر چکی ہوں۔ ذرا بھی حرکت کی تو چیتھڑے اڑ جائیں گے۔"

اکرام بمشکل حیرت کے سمندر سے باہر آسکا۔ "لیکن تم تو ......"

"ہاں' تم نے مجھے زنجیر سے باندھ رکھا تھا' اس لیے تمہیں مجھے آزاد دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے۔ زنجیر میں لگے تالے کی چابی مجھے تمہاری صدری کی جیب سے مل گئی تھی جسے تم پلنگ کے سرہانے ڈال آئے تھے۔"

"دیکھو نائمہ' میری جان' تم جانتی ہو میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا' اگر تم پیار محبت سے میری بات مان لو تو مجھے باندھ کر رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟" اکرام نے نہایت پیار بھرے لہجے میں نائمہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "یہ ہتھیار وغیرہ تمہارے کام کی چیزیں نہیں ہیں۔ تم اسے مجھے دے دو اور اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔ کل ہم دونوں کا نکاح ہو جائے گا۔ اس کے بعد اس گھر پر صرف اور صرف تمہاری حکومت ہوگی۔"

"میں لعنت بھیجتی ہوں تم پر اور تمہارے اس منحوس گھر پر۔" نائمہ نے شدید اشتعال کے عالم میں کہا۔ "اب اگر تم نے ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو میں گولی چلا دوں گی۔" وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے مجھ پر نظر ڈالتی جا رہی تھی۔ ابتداء میں وہ مجھے وہاں دیکھ کر خاصی حیرت زدہ ہوئی تھی' تاہم اب حیرت کی جگہ تفکر نے لے لی تھی۔ میں اس کی مدد کے ارادے سے اٹھ کر کھڑا ہونے ہی والا تھا کہ میں نے فیض کے ہاتھ کو نہایت آہستگی لیکن مہارت سے اس کی جیب کی طرف رینگتے دیکھا۔ زاویہ کچھ ایسا تھا کہ نائمہ کی نظر فوری طور پر اس پر نہیں پڑ سکتی تھی۔ دوسری طرف اکرام نائمہ کو باتوں میں لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ "تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں تمہیں پانے کے لیے اپنی زندگی پر کھیل سکتا ہوں' پھر بھی تم مجھے گولی مارنے کی دھمکی دے رہی ہو۔ اگر تمہاری یہی خوشی ہے تو چلاؤ گولی ......"

اسے جیسے اچانک ہی جوش آگیا' اس نے اپنا گریبان پھاڑا اور تن کر کھڑا ہو گیا۔

نائمہ کی آنکھوں میں تذبذب کی جھلک نظر آئی۔ عین اسی وقت فیض نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول نکال لیا۔ قبل اس کے کہ وہ اسے سیدھا کر پاتا' میرا پاؤں برق رفتاری سے حرکت میں آگیا۔ ضرب اتنی بھرپور تھی کہ نہ صرف پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا بلکہ وہ خود بھی اچھل کر قریبی دیوار سے جا ٹکرایا۔ نائمہ کے حلق سے ہلکی سی چیخ

نکلی۔ خیریت یہ رہی کہ اس نے ٹرائیگر نہیں دبا دیا ورنہ میں بھی گولیوں کی زد میں آ سکتا تھا۔ اس اچانک افتاد نے اکرام کو بھی بری طرح بوکھلا دیا تھا۔ اس نے پہلے تو فیض کی جانب بڑھنا چاہا' پھر دفعتاً مجھ پر چھلانگ لگا دی۔ اس دوران میں' میں پلٹ کر چارپائی سے اتر چکا تھا۔ اکرام کے بھاری بھر کم وجود کے بوجھ سے چارپائی بری طرح چرچرائی۔ عین اسی وقت میں نے پوری قوت سے چارپائی الٹ دی۔ اکرام دھڑام سے پختہ فرش پر گر پڑا۔ میں نے چارپائی کو اس پر دھکیلا اور فیض کی طرف جھپٹا جو اس دوران میں اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔ میں نے ایک زوردار سائیڈ کک اسے دے ماری لیکن حیرت انگیز طور پر اس نے مہارت سے میری کک اپنی کلائی کے ذریعے بلاک کر دی۔ اگلے ہی لمحے اس کے دائیں ہاتھ کی کڑی ہتھیلی میری ران سے ٹکرائی۔ درد کی شدید لہر نے میرے پورے وجود کو جھنجھنا دیا تھا۔ فیض نے میرے چہرے پر گھونسا مارنا چاہا لیکن میں نے پیچھے ہٹ کر اس کا وار ناکام بنا دیا۔ اس کی کراٹے میں اس حد تک مہارت میرے لیے خاصی غیر متوقع تھی۔ اگر میں لاپروائی سے کام لیتا تو سخت نقصان سے دوچار ہو سکتا تھا۔ اس سے بھی کہیں زیادہ فکر مجھے اکرام کی تھی جو چارپائی کو الٹ کر اٹھ رہا تھا۔ وہ نائمہ پر حملہ کر کے بے بس کر سکتا تھا جو اس صورتحال کے پیش نظر فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ کیا کرے۔

"میں کہتی ہوں بند کرو یہ لڑائی جھگڑا ورنہ میں تم تینوں کو چھلنی کر دوں گی۔" نائمہ کے خونخواہ لہجے میں پوشیدہ دھمکی کا اثر صرف اس قدر ہوا کہ اکرام اور فیض میرے بجائے نائمہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ عین اسی وقت میں فضا میں اچھلا اور زبردست فلائنگ کک فیض کے سینے پر دے ماری۔ وہ اچھل کر بری طرح دیوار سے ٹکرایا اور پھر منہ کے بل پختہ فرش پر گر کر ساکت ہو گیا۔ اس کی کھوپڑی پر شدید ضرب آئی تھی۔

اکرام شدید بے بسی اور پریشانی کے عالم میں صورتحال کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ نائمہ کے ہاتھوں میں موجود ماؤزر کی تباہ کاریوں سے بخوبی واقف ہونے کے باعث کسی قسم کا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھا ورنہ وہ اب تک یقیناً کوئی نہ کوئی کارنامہ دکھا چکا ہوتا۔ میں اس دوران میں فیض کا ٹی ٹی پستول اپنے قبضے میں کر چکا تھا۔ اب مجھے بخشو کی فکر تھی جو کسی بھی لمحے بوری ڈھونڈ کر واپس آسکتا تھا۔ "نائمہ ان کا تیسرا ساتھی بھی ہے جو ......"

"اس کی فکر نہ کریں' وہ گودام میں آرام کر رہا ہے۔ میں نے پہلے اسی کی کھوپڑی بجائی تھی۔" نائمہ نے مطمئن لہجے میں کہا۔

"تم ...... تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو؟" اکرام نے شدید حیرانی کے عالم میں پوچھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلا کر جواب دیا۔ "یہ خادم تمام راستے تمہاری گاڑی کے ساتھ ساتھ رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ تمہیں علم نہیں ہو سکا۔"

"اوہ! تو وہ تم تھے؟ میں نے کسٹم ہاؤس پر فیض کو کہا تھا کہ کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے

لیکن اس نے اسے میرا وہم قرار ......" اکرام شاید ایک بار پھر بات آگے بڑھا کر کوئی
تلاش کرنا چاہتا تھا لیکن کنپٹی پر پڑنے والی پستول کے دستے کی ضرب نے اس کا یہ خوا
خاک میں ملا دیا۔ وہ چکرا کر فرش پر گر پڑا اور ہوش و حواس سے بے نیاز ہو گیا۔

"اب ان کا کیا کریں؟" نائمہ نے مضطرب لہجے میں پوچھا۔ میں نے بے نیازی
شانے اچکائے۔ "کرنا کیا ہے' ان کو ان کے حال پر چھوڑیں اور یہاں سے نکلنے کی کر
یہ بہت خطرناک لوگ ہیں' ایسا نہ ہو ان کے مزید ساتھی یہاں پہنچ جائیں اور ہم ایک
پھر مصیبت میں پڑ جائیں۔"

"نہیں ان کا مزید کوئی ساتھی فی الحال کراچی میں موجود نہیں ہے۔ اس بارے
پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے البتہ اس اکرام خبیث کا کوئی نہ کوئی بندوبست ضرور
چاہیے۔ اسے ایسے ہی چھوڑ دیا تو یہ زندگی بھر میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ میرا دل تو
ہے اسے گولی مار دوں۔"

"نہیں' اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی گردن ناپنے کے لیے قانون کا پھندا
سے زیادہ موزوں رہے گا۔ آپ کو شاید پتا نہیں ہے کہ یہ مکان غیر قانونی اسلحے کی تجا
کا بہت بڑا اڈا ہے اور اس مکان میں اب بھی اسلحے کی بہت بڑی کھیپ موجود ہے۔
صرف پولیس کو اطلاع دینا ہوگی' باقی کام وہ خود کر لیں گے۔"

"تجویز تو آپ کی بہت عمدہ ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ہم یہ اطلاع پولیس تک ک
پہنچائیں گے' اس گھر میں تو کہیں ٹیلی فون نظر نہیں آتا۔"

"یہ انتظام بھی اکرام صاحب خود ہی کر چکے ہیں۔" میں نے اکرام کی جیب سے
کا موبائل فون نکالتے ہوئے کہا۔ "بہت خوب' بہت ہی خوب۔" نائمہ نے بچوں کی ط
خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "پھر تو بس یہاں سے دوڑ لگانے کی کریں۔ راستے میں کہیں منا
جگہ دیکھ کر پولیس کو اطلاع دے دیں گے۔"

"ایسے نہیں' پہلے ان تینوں کو اچھی طرح بندھوانے میں میری مدد کریں' ایسا
کہ ہمارے یہاں سے نکلتے ہی یہ ہوش میں آجائیں اور ہمارے سارے کیے کرائے پ
پھر جائے۔ ویسے بھی پولیس پلک جھپکتے میں تو یہاں نہیں پہنچ جائے گی۔ یہ کوئی امر
یورپ کی پولیس تو نہیں ہے ناں!"

چند منٹوں کے اندر اندر ہم نے ان تینوں کو نہایت بے رحمی سے جکڑ ڈالا۔ اب
ہوش میں آنے کے بعد بھی انچ بھر ادھر ادھر نہیں ہل سکتے تھے۔ نائمہ' بخشو کے قبضے
اپنا پستول برآمد کر چکی تھی۔ ہم نے بخشو اور فیض کے پستول اور اکرام کا ماؤزر ایک
میں لپیٹ کر گودام میں اچھال دیئے۔ اسلحے کی کھیپ یقیناً تیسرے کمرے میں رہی ہوگی
کے دروازے پر بڑا سا قفل لگا ہوا تھا۔ ہم نے اس پر وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھ

مکان سے باہر نکل آئے۔

نائمہ سیاہ رنگ کی گرم چادر میں خود کو لپیٹ چکی تھی۔ میرے جسم پر بھی اکرام کا
لباس اور چمڑے کی جیکٹ آچکی تھی۔ علی الصبح چلنے والی سرد ہوائیں زیادہ تکلیف دہ محسوس
نہیں ہو رہی تھیں۔ خوش قسمتی سے موٹر سائیکل بھی چند ہی کک لگانے کے بعد اسٹارٹ ہو
گئی۔ چند ہی لمحوں بعد ہم منگھوپیر روڈ پر رواں دواں تھے البتہ اس مرتبہ ہم اورنگی ٹاؤن
نہیں بلکہ منگھوپیر کے مزار کی طرف جا رہے تھے۔ مزار کے قریب پہنچتے پہنچتے صبح کا اجالا
خاصی حد تک پھیل چکا تھا۔ ایک مناسب جگہ دیکھ کر میں نے موٹر سائیکل روک دی اور
نائمہ کو موبائل فون پر پولیس کے انسداد دہشت گردی سیل کا نمبر ملا کر بات کرنے کے لیے
کہا۔ خلاف توقع نمبر فوراً ہی مل گیا اور صنف نازک کی آواز نے فون وصول کرنے والے
کو فوراً ہی معاملہ میں دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا۔ نائمہ نے خود کو خطرناک دہشت گرد اکرام
کی بیوی ظاہر کیا اور بتایا کہ وہ اپنے شوہر کی سرگرمیوں کے خلاف پولیس کی مدد حاصل کرنا
چاہتی ہے۔ دوسری طرف سے اس اطلاع کی تصدیق کی غرض سے فون کا نمبر پوچھا گیا جو
نائمہ نے موبائل فون پر دیکھ کر بتا دیا۔ "دیکھیں میں مذاق یا دل لگی نہیں کر رہی ہوں' یہ
بہت سنجیدہ معاملہ ہے۔ میں جس جگہ کی نشاندہی کر رہی ہوں وہاں اس وقت خطرناک اسلحے
کی بہت بڑی کھیپ اور مجرموں کا پورا گروہ موجود ہے۔ اگر آپ نے دیر کر دی تو نہ صرف
وہ لوگ فرار ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے بلکہ اسلحے کی وہ کھیپ بھی دہشت گردوں کے
پاس پہنچ جائے گی۔ براہ کرم ابھی اور اسی وقت کارروائی کریں۔"

نائمہ کے بیان میں سنجیدگی محسوس کرتے ہی فون پر کھلبلی سی مچ گئی۔ یکے بعد دیگر
تین مختلف افراد نے نائمہ سے بات کی اور پھر مکان کا محل وقوع وغیرہ نوٹ کیا گیا۔ پھر نائمہ
سے کہا گیا کہ وہ فون بند کر دے تاکہ نمبر کی تصدیق کی جا سکے۔ نائمہ کے فون بند کرتے ہی
گھنٹی بجی۔ فون کرنے والا پولیس کا ایک اعلیٰ افسر تھا۔ اس نے نائمہ سے بات کی اور
درخواست کی کہ پولیس سے مزید تعاون کیا جائے تاکہ مجرموں کا مکمل قلع قمع کیا جا سکے۔
نائمہ نے اپنی طرف سے مکمل تعاون کا یقین دلایا اور فون بند کر دیا۔

کچھ ہی دیر بعد ہم ایک بار پھر موٹر سائیکل پر اڑے جا رہے تھے۔ موبائل فون کو ہم
گھنی جھاڑیوں کے ایک جھنڈ میں پھینک آئے تھے۔ صبح کی گہما گہمی شروع ہو چکی تھی'
خصوصاً جاوداں سیمنٹ فیکٹری کے قریب تو کئی بسیں اور چھوٹی بڑی گاڑیاں سڑک پر نظر
آئیں۔ کچھ ہی دیر بعد ہم پہاڑیوں کے پار نارتھ کراچی میں داخل ہو گئے۔ اب میں کسی
ایسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھا جہاں موٹر سائیکل کو چھوڑ سکوں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ
اس شریف آدمی کی موٹر سائیکل کسی چور اچکے کے ہتھے چڑھ جائے۔ میں نے نائمہ کو اپنی
پریشانی سے آگاہ کیا۔ "ارے! بس اتنی سی بات؟ آپ چلتے رہیے' میں آپ کو بتاؤں گی یہ

موٹرسائیکل آپ کہاں چھوڑیں؟"

میں نائمہ کی ہدایت کے مطابق موٹرسائیکل چلاتا ہوا ناگن چورنگی تک پہنچ گیا۔ بالاخر نائمہ نے موٹرسائیکل ایک طرف موڑنے کی ہدایت کی۔ یہ مختلف اخبارات کے لیے اشتہارات بک کرنے والی بڑی سی ایجنسی کا دفتر تھا۔ اتنی صبح سویرے تو وہاں کسی کی موجودگی کا سوال ہی نہیں تھا۔ میں نے موٹرسائیکل بند شٹر کے قریب لے جا کر روک دی۔ موٹرسائیکل کی چابی سیل بکس میں ڈال دی۔ ایجنسی کا فون نمبر نوٹ کریں اور یہاں سے چلیں۔ ہمارا مسئلہ حل ہو چکا ہے۔ مجھے خود بھی یہ انتظام خاصا تسلی بخش محسوس ہوا۔ چنانچہ میں نے نائمہ کی ہدایت پر بے چوں و چرا عمل کیا۔

"اب کہاں چلیں؟" ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے میں نے پوچھا۔ "بہتر یہی ہے کہ آپ اپنی پناہ گاہ میں جائیں۔ میں اپنے فلیٹ پر چلی جاتی ہوں۔ صورتحال سے پوری طرح واقف ہوئے بغیر میرا لی مارکیٹ کی طرف جانا مناسب نہ ہوگا۔ ریشم واپس آ گئی تو میں فون پر اسے اپنی خیریت کی اطلاع دے کر معاملہ رفع دفع کرنے کا کہہ دوں گی۔ بہرحال میں شاید خاصے عرصے تک وہاں نہ جا سکوں۔ فی الحال تو یہ دیکھنا ہے کہ اس منحوس اکرام کے معاملے کا کیا بنتا ہے۔ ہو سکے تو آپ بھی اخبار دیکھتے رہیے گا' میں ایک آدھ دن کے وقفے سے آپ کے پاس چکر لگاتی رہوں گی۔"

میں نائمہ کو اس کے فلیٹ تک چھوڑ کر آنا چاہتا تھا لیکن اس نے میری بات نہ مانی۔ اس کی ٹیکسی آگے بڑھتے ہی میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور لی مارکیٹ کا کہہ کر پچھلی نشست پر ڈھیر ہو گیا۔ میری آنکھ اس وقت کھلی جب ٹیکسی کمار سینما کے سامنے پہنچ کر رک چکی تھی۔ راستے سے کھانے پینے کا کچھ سامان خرید کر میں سیدھا اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔ پھر جو میں سویا تو اگلے روز صبح ہی آنکھ کھل سکی۔

اس روز کے تمام اخبارات میں نے چھان مارے لیکن ان میں کسی میں بھی اکرام اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری یا اسلحے کی برآمدگی کے حوالے سے کوئی خبر شائع نہیں ہوئی تھی۔ میں سخت حیران تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ میرے حساب سے تو اس خبر کو شہ سرخیوں میں شائع ہونا چاہیے تھا لیکن وہاں تو کوئی ایک سطری خبر بھی شائع نہیں ہوئی تھی۔ شاید پولیس کا چھاپہ ناکام رہا ہو اور اکرام اور اس کے ساتھی پہلے ہی فرار ہونے میں کامیاب ہو چکے ہوں لیکن اسلحے کی اتنی بڑی کھیپ ..... اسے تو اتنی جلدی' اتنی آسانی سے غائب نہیں کیا جا سکتا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ پولیس والوں نے نائمہ کی فراہم کردہ اطلاع کو مذاق سمجھ کر کوئی کارروائی کرنے کی زحمت ہی گوارہ نہ کی ہو ..... ایسا لگتا تو نہیں لیکن کون جانے .....ہمارے ملک کی پولیس کا کوئی اعتبار بھی تو نہیں .....

دوپہر کے وقت نائمہ آ گئی۔ وہ خاصی سنجیدہ اور پریشان نظر آ رہی تھی۔ اس کی یہ

حالت دیکھ کر میں خود بھی پریشان ہو گیا۔ "خیریت تو ہے؟ کوئی مسئلہ ہو گیا ہے کیا؟" نائمہ نے تھکی تھکی نظروں سے مجھے دیکھا۔ "خیریت نہیں ہے دانش' مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں لائی۔"

"کچھ بتائیں تو سہی کہ کیا ہوا ہے؟ کیا اکرام اور اس کے ساتھ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں؟" میں نے سخت اضطراب کے عالم میں پوچھا۔ نائمہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "مسئلہ یہ نہیں ہے' میرا خیال ہے اکرام اور اس کے ساتھی مع اسلحے کے گرفتار ہو چکے ہیں اور پولیس مزید گرفتاریوں اور برآمدگی کی امید میں ان گرفتاریوں کو راز رکھ رہی ہے۔ میں جو بری خبر سنانے والی ہوں' اس کا تعلق اکرام سے نہیں بلکہ آپ کے دوست کاشف سے ہے۔"

"کاشف ...... کیا ہوا اسے؟" میں نے اپنے ڈوبتے دل پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"وہ ..... وہ اسی دن سے لاپتہ ہے جس دن آپ اپنا گھر چھوڑ کر میرے ساتھ یہاں آ گئے تھے۔ مجھے پتا چلا ہے کہ اس روز وہ سکول بھی نہیں پہنچا حتیٰ کہ اس کی موٹرسائیکل کا بھی کوئی پتا نہیں ہے۔ خدا جانے اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ اس واقعے نے پورے علاقے میں سراسیمگی کی لہر دوڑا دی ہے۔"

"یہ تو واقعی بہت بری خبر سنائی آپ نے۔" میں نے شدید اضطراب کے عالم میں کہا۔ "آخر وہی ہوا ناں جس کا کہ مجھے خطرہ تھا' کاشف کے اغوا میں یقیناً انہی پراسرار لوگوں کا ہاتھ ہے جو ڈائری حاصل کرنے کے لیے میرے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کاشف کا اغوا منشیات فروش گروہ کا کارنامہ ہو' اس طرح وہ کاشف کے شاگردوں کو ان کی کارروائیوں سے باز رکھنا چاہتے ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے جو میں نے کہا' وہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ بہرحال یہ کارنامہ جس کسی کا بھی ہو' اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ کاشف کی زندگی شدید خطرے میں ہے۔ ہمیں جلد از جلد اس کی بازیابی کے لیے کوشش کرنا ہوگی۔ میں برداشت نہیں کر سکتا کہ کاشف کو کسی بھی قسم کی تکلیف پہنچے۔ اسے خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو میں اس کی بوڑھی ماں کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ وہ میری وجہ سے اس ناگہانی مصیبت میں گرفتار ہوا ہے اور میں ہی اسے نجات دلاؤں گا' چاہے اس کے لیے مجھے کوئی بھی قیمت ادا کرنا پڑے۔"

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے دانش! ہمیں جوش سے نہیں ہوش سے کام لینا ہوگا۔ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔ ان سے اندھا دھند ٹکرانے کا مطلب جانتے بوجھتے کنویں میں چھلانگ لگانا ہوگا' فی الحال آپ یہیں روپوش رہیں' ممکن ہے آپ کی طرف سے مایوس ہو کر وہ لوگ خود ہی کاشف کو رہا کر دیں۔ اتنا تو وہ سمجھ ہی چکے ہوں گے کہ کاشف آپ کے فرار سے "قطعاً" ناواقف ہے۔ کاشف کے اغوا پر آپ کا کوئی ردعمل سامنے نہ آیا تو وہ

ممکنہ طور پر اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ آپ فرار ہونے کے بعد کسی ایسے دور دراز مقام پر روپوش ہو چکے ہیں جہاں باقی دنیا کی کوئی خبر نہیں پہنچ پاتی۔"

"اگر اس دوران میں کاشف کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو میں زندگی بھر اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکوں گا۔" میں حقیقتاً شدید اضطراب میں مبتلا تھا۔ نائمہ کی کوئی تسلی' کوئی دلیل مجھے پرسکون نہیں کر پا رہی تھی۔ "آپ اطمینان رکھیں' کاشف کو وہ یرغمال کی حیثیت سے اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں۔ وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ وہ کاشف کے ذریعے آپ کو بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ روپوشی ترک کر کے سامنے آگئے تو ان کا یہ مقصد پورا ہو جائے گا۔ یہ بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ اگر اس بار آپ ان کے ہتھے چڑھ گئے تو ان کا رویہ دوستانہ ہرگز نہیں ہوگا۔ تھوڑا سا مزید صبر کر لیں۔ اس کے بعد ہم مل جل کر اس مسئلے کا کوئی مناسب حل نکالنے کی کوشش کریں گے۔ ویسے بھی فی الحال آپ کی جسمانی حالت اس قابل نہیں ہے کہ کسی قسم کی مشقت کا کام کر سکیں۔"

"میری جسمانی حالت کی آپ فکر نہ کریں' میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کا یہی اصرار ہے ناں کہ میں جلد بازی سے کام نہ لوں؟ تو چلیں میں چند دن مزید انتظار کر لیتا ہوں۔ آپ کاشف کے حوالے سے اس کے شاگردوں اور خصوصاً عمر کا ردعمل جاننے کی کوشش کریں۔ ممکن ہو تو اکرام والے معاملے کا بھی پتا چلانے کی کوشش کریں۔ ان بدبختوں کا بچ نکلنا آپ کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے' میں ابھی اور اسی وقت متحرک ہو جاتی ہوں۔ ویسے میرے حوالے سے زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنی حفاظت بخوبی کر سکتی ہوں۔ اس روز تو اچانک ہی اکرام نے کارروائی کر ڈالی تھی۔ اگر مجھے ذرا سی بھی مہلت مل جاتی تو وہ وہاں سے زندہ نہ نکل پاتا' خیر ابھی تو میں جاتی ہوں' اپنا خیال رکھیے گا۔"

نائمہ کے رخصت ہونے کے کچھ ہی دیر بعد حرکت میں آگیا۔ میں محض اپنی جان بچانے کے لیے کاشف کو ان خطرناک لوگوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اب اس الگ تھلگ گوشے میں ڈرپوک چوہے کی مانند چھپا رہنا میرے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔ میں نے کمرے کو مقفل کیا اور زینے سے اتر کر بازار میں آگیا۔ کچھ ہی دیر میں ٹیکسی مل گئی۔ میں نے گلستان جوہر کا پتا بتایا اور آرام دہ نشست پر نیم دراز ہو گیا۔ میرے ذہن سے ایک بوجھ سا ہٹ گیا تھا۔

بلڈنگ میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے شہباز حسین صاحب کا سامنا ہوا۔ وہ ریٹائرڈ سرکاری افسر تھے اور میرے فلیٹ سے تیسرے فلیٹ میں رہتے تھے۔ "ارے دانش میاں آج کل کہاں رہتے ہیں آپ؟ بہت دنوں سے دیکھا نہیں آپ کو۔"

"میں گھر گیا ہوا تھا' آج ہی واپس لوٹا ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے

ناں آپ کی؟" اس دوران میں' میں اپنے فلیٹ کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے لاک کھولا اور شہباز صاحب سے اجازت لے کر اندر داخل ہوا۔

فلیٹ بظاہر اسی حالت میں نظر آرہا تھا جس میں اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ میری نظریں موبائل فون تلاش کر رہی تھیں۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں نے اسے کہاں چھوڑا تھا۔ خاصی تلاش کے باوجود وہ مجھے نظر نہ آیا۔ وہ لوگ اپنا تحفہ واپس لے جا چکے تھے۔ فلیٹ میں کچھ دیر رکنے کے بعد میں ایک بار پھر باہر نکل گیا۔ مجھے فوری طور پر کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی' اس کے باوجود میں نے بلڈنگ کے آس پاس موجود تقریباً سبھی دکانوں سے کچھ نہ کچھ خریداری کر ڈالی حتیٰ کہ دو تین اسٹیٹ ایجنسیوں کا بھی چکر لگا لیا۔ میں چاہتا تھا کہ میرے شکاری میری موجودگی سے پوری طرح آگاہ ہو جائیں اور جلد از جلد اگلی کارروائی شروع کر دیں۔ کاشف کی جلد از جلد بازیابی کے لیے میں خود کو چارہ بنا کر پیش کر رہا تھا۔ اگر کاشف صحیح سلامت واپس گھر پہنچ جاتا تو میں مجرموں کے پنجے میں گرفتار ہونے کو فائدے کا سودا سمجھتا۔

شام ڈھلے میں کاشف کے گھر کی طرف چل پڑا۔ خلاف توقع کاشف کی اماں زبردست حوصلے کی مالک خاتون ثابت ہوئیں۔ وہ فکرمند تو تھیں تاہم عام عورتوں کی طرح رونے پیٹنے کے بجائے وہ اللہ تعالیٰ سے دعا پر انحصار کیے ہوئے تھیں۔ "مجھے یقین ہے میرا پروردگار میرے بیٹے کی حفاظت کرے گا اور وہ بہت جلد صحیح سلامت لوٹ آئے گا۔ تم بھی اس کی واپسی کے لیے دعا کرو دانش بیٹے' سچے دل سے کی جانے والی دعاؤں میں بڑا اثر ہوتا ہے۔"

"وہ تو صحیح ہے اماں لیکن پتا تو چلے' یہ سب کیسے ہوا؟" میں یہ ظاہر کر رہا تھا جیسے مجھے ابھی ابھی یہ خبر ملی ہے۔ کاشف کی اماں نے مجھے جو کچھ بتایا' وہ میں نائمہ کی زبانی پہلے ہی سن چکا تھا۔ اماں کو اچھی طرح تسلی دینے کے بعد میں گھر سے نکل آیا۔ میں عمر سے ملنا چاہتا تھا۔ کاشف کے بارے میں اس سے بہتر اور کوئی نہیں بتا سکتا تھا۔ تھوڑی سی تگ و دو کے بعد میں نے اسے ڈھونڈ نکالا۔ وہ حسب معمول نہایت خلوص اور محبت سے ملا۔

"عمر! کہیں یہ ان منشیات فروشوں کی حرکت تو نہیں ہے؟ کاشف بتا رہا تھا کہ وہ لوگ اب تم لوگوں کے خلاف عملی کارروائی کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے انہوں نے تمہیں خوفزدہ کرنے کے لیے کاشف کو اغوا کر لیا ہو؟"

"خدا جانے کیا چکر ہے دانش بھائی' میرا تو سوچ سوچ کر دماغ خراب ہو گیا ہے۔ یہ تو صاف ظاہر ہے کہ کاشف بھائی کو باقاعدہ منصوبہ بنا کر اغوا کیا گیا ہے اور یہ چھوٹے موٹے مجرموں کا کام نہیں ہے۔ وہ دو چار آدمیوں کے قابو میں تو آ بھی نہیں سکتے' انہیں یقیناً دھوکا دے کر گھیرا گیا ہوگا۔"

"یقیناً کچھ ایسا ہوا ہوگا' تم لوگوں نے تھانے میں رپورٹ وغیرہ تو درج نہیں کرائی؟ میرا مطلب ہے ...."

"پولیس ہمارے کس کام آسکتی ہے بھائی؟ ہم رپورٹ درج کرانے جاتے تو وہ ہمیں ہی مشکوک قرار دے کر بند کر دیتے' ویسے تھانے سے ایک حوالدار آیا تھا خالہ کے پاس لیکن خالہ نے ایف آئی آر درج کرانے سے انکار کر دیا۔"

"تم نے سن گن لگانے کی کوشش تو کی ہوگی کہ یہ منشیات فروشوں کا کارنامہ بھی ہو سکتا ہے؟" میں نے عمر کا خیال جاننا چاہا۔

"کوشش تو کی ہے لیکن کچھ پتا نہیں چل سکا' دراصل فائرنگ والے واقعے کے بعد سے ہم لوگ کچھ محتاط ہو گئے ہیں۔"

مجھے لگا کہ عمر مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے' وہ میرے ہر سوال کا سرسری انداز میں جواب دے رہا تھا۔ کاشف کے اغوا جیسے سنگین واقعے کے حوالے سے اس کی یہ سردمہری مجھے عجیب لگی حالانکہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کاشف کی خاطر اپنی جان بھی قربان کر سکتا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مجھے اس معاملے سے الگ رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "سچ سچ بتاؤ عمر اصل بات کیا ہے؟ تم مجھ سے کیا چھپانے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"ارے! دانش بھائی یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں بھلا آپ سے کیا چھپا سکتا ہوں؟"

"مجھے ناسمجھ بچہ مت سمجھو عمر! تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔ سچ سچ بتاؤ کیا واقعی تم کاشف کے اغوا کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے؟ میں کیسے مان لوں کہ تم کاشف کے لاپتا ہونے کے بعد سے اب تک چپ چاپ' ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہو۔ تم نے کچھ نہ کچھ تو دوڑ دھوپ کی ہوگی' مجھے صرف یہ بتا دو کہ اس دوڑ دھوپ کا کیا نتیجہ نکلا؟"

"دانش بھائی یقین کریں ایسی کوئی بات ...."

"بس بس میرے بھائی' خواہ مخواہ جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہیں بتانا ہے نہ بتاؤ' میں کون ہوتا ہوں تم سے سوال و جواب کرنے والا۔ تمہاری بڑی مہربانی کہ تم نے مجھے کم از کم پہچان تو لیا۔ اگر تم مجھے پہچاننے سے بھی انکار کر دیتے تو میں تمہارا کیا بگاڑ لیتا۔" میں حقیقتاً سخت جھنجلاہٹ محسوس کر رہا تھا۔ وہ خواہ مخواہ چالاک بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ میری بات سن کر وہ شرمندہ سا نظر آنے لگا۔ "ارے دانش بھائی' آپ تو سچ مچ ناراض ہو گئے۔ ٹھیک ہے میں آپ کو سب کچھ بتا دیتا ہوں لیکن آپ کو وعدہ کرنا ہوگا کہ آپ ہمیں اپنے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"پوری بات سنے بغیر میں یہ وعدہ نہیں کر سکتا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

پریشان سا نظر آنے لگا۔ "اسی لئے میں یہ بات آپ کو بتانا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے پتا تھا کہ آپ ہمیں روکنے کی کوشش کریں گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم لوگوں کی کارروائی کے نتیجے میں کاشف کی بازیابی کا معمولی سا بھی امکان نظر آیا تو میں تمہیں روکنے کی کوشش نہیں کروں گا بلکہ ممکن ہوا تو اس معاملے میں تمہاری مدد بھی کروں گا۔ سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ اس معاملے میں کون کون تمہارا شریک ہے؟ کیا انہی منشیات فروشوں کے اڈے پر چڑھائی کا ارادہ ہے؟"

"جی ہاں' آپ درست سمجھے' اس مہم میں صرف اشرف اور عمیر میرے ساتھ ہوں گے' یہ معاملہ ہم تینوں تک محدود رہنا تھا۔"

"کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ کاشف کے اغوا میں انہی لوگوں کا ہاتھ ہے؟"

"ان کے علاوہ کاشف بھائی کی کسی سے بھی دشمنی نہیں تھی۔ یہ حرکت ہم لوگوں کی کارروائیاں بند کروانے کے لیے کی گئی ہے۔ کاشف بھائی کی ان لوگوں سے دشمنی کی وجہ بھی دراصل میں ہی ہوں۔ انہیں میری سرپرستی کی سزا دینے کے لیے اغوا کیا گیا ہے' اب یہ میرا فرض ہے کہ انہیں اس مصیبت سے نجات دلاؤں۔" عمر بات کرتے کرتے سخت جذباتی ہو گیا تھا۔ میں نے اسے پرسکون رہنے کی تلقین کی۔ "کیا تمہیں اندازہ ہے کہ کاشف کو اغوا کر کے کہاں رکھا گیا ہوگا؟ ان منشیات فروشوں کا کاروبار کسی ایک مقام تک تو محدود نہیں ہوگا۔"

"کاشف بھائی کے غائب ہونے کے بعد سے ہم یہی معلومات اکٹھی کرتے رہے ہیں۔ ہم ان لوگوں کے تقریباً سبھی چھوٹے بڑے ٹھکانوں سے واقف ہو چکے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر عارضی اسٹیشن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہیڈ کوارٹر ایک ہی ہے اور وہی ان کی تمام تر کارروائیوں کا مرکز بھی ہے۔ اس ٹھکانے کی حفاظت کا زبردست نظام موجود ہے۔ پولیس کا تعاون بھی انہیں حاصل ہے' کاشف بھائی کو یقیناً وہیں رکھا گیا ہوگا۔"

"بالفرض اگر کاشف اس ٹھکانے سے بھی نہ ملا تو......"

"تو پھر ہماری کوشش ہوگی کہ وہاں موجود افراد سے کاشف کو چھپانے کی اصل جگہ کا پتا جان سکیں۔ ویسے بھی ہمارا مقصد کاشف کو بازیاب کرنے کے علاوہ منشیات فروشی کا یہ اڈا ختم کرنا بھی ہے۔ کاشف بھائی نہ بھی ملے تو ہم اپنا یہ مقصد پورا کرنے کی کوشش تو کر ہی سکتے ہیں۔ یہ بھی بہت بڑی نیکی ہوگی۔" عمر کے لہجے میں گہرا اطمینان تھا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تم لوگ اس خطرناک جگہ گھسنے اور پھر صحیح سلامت واپس آنے میں کامیاب ہو جاؤ گے؟ وہ لوگ اس ٹھکانے کی حفاظت سے تو غافل نہیں رہے ہوں گے۔ اپنی اس کوشش کے دوران میں تم لوگ اپنی زندگیوں سے بھی محروم ہو سکتے ہو۔"

"زندگی کی فکر کسے ہے دانش بھائی' اس نیک کام کے دوران میں موت آ بھی گئی تو

شہادت کا درجہ ملے گا اور اس سے بڑی سعادت کسی مسلمان کے لیے اور کیا ہو سکتی ہے؟"

"پھر بھی تم لوگوں نے کوئی منصوبہ تو بنایا ہوگا ناں؟"

"منصوبہ تو ہم نے اپنی عقل کے مطابق بہت کارگر اور صاف ستھرا بنایا ہے۔ اگر ہم اس پر پوری طرح عمل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور خدا نے ہماری مدد کی تو ہم اپنا ہدف حاصل کر لیں گے۔"

عمر نے تفصیل سے مجھے اپنا منصوبہ سمجھایا۔ مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ بے حد خطرناک ہونے کے باوجود وہ منصوبہ ناقابل عمل قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ میں یہ بھی سمجھ چکا تھا کہ میں کتنا بھی منع کروں، کتنا بھی سمجھاؤں، یہ پرعزم اور جذباتی نوجوان اپنے ارادے سے باز نہیں آئے گا۔ جو زندگی داؤ پر لگانے کا پختہ ارادہ رکھتا ہو، اسے بھلا کس چیز سے ڈرایا جا سکتا ہے؟ اب ایک ہی صورت تھی کہ میں اس مہم میں ان کی بھرپور مدد کروں تاکہ ان کی زندگیوں کو لاحق خطرات کچھ نہ کچھ تو کم ہو سکیں۔ ویسے بھی بھرپور کوشش کے باوجود میں اب تک کوئی بھی ایسی علامت تلاش نہیں کر پایا تھا جس سے میری نگرانی یا تعاقب کی نشاندہی ہو پاتی۔ یا تو وہ اس قدر مہارت سے میری نگرانی کر رہے تھے کہ میں انہیں ڈھونڈ نہیں پا رہا تھا یا پھر کسی نامعلوم وجہ سے انہوں نے جان بوجھ کر مجھے ڈھیل دے رکھی تھی۔ میں خود بھی اس بارے میں زیادہ دماغ کھپانا نہیں چاہتا تھا۔ روپوشی ترک کرکے میں نے خود کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ اب ان کی مرضی تھی مجھ سے جو چاہے سلوک کرتے، تب تک ان نوجوانوں کا ساتھ دینے سے بہتر بھلا کونسی مصروفیت ہو سکتی تھی۔ عمر بے چینی سے میرے بولنے کا انتظار کر رہا تھا

"اگر تم لوگ یہ سب کرنے کی دل میں پوری طرح ٹھان چکے ہو تو میں تمہیں روکنے کی کوشش نہیں کروں گا بلکہ اگر تم لوگ اس منصوبے میں میری مرضی کے مطابق چند چھوٹی موٹی تبدیلیاں کر لو تو میں خود بھی تمہاری اس مہم میں عملی طور پر شریک ہو سکتا ہوں بشرطیکہ تم لوگ بھی ایسا چاہو گے۔"

"اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے دانش بھائی، آپ جیسا چاہیں گے ہم ویسا ہی کریں گے۔ اب ہماری اس مہم کے لیڈر آپ ہیں۔" عمر نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "اب آپ یہ بتائیں کہ آپ اس منصوبے میں کیا تبدیلیاں کرنا چاہتے ہیں؟" میں نے اسے منصوبے میں موجود چند ایسی خامیوں اور کمزوریوں کے بارے میں بتایا جن سے باآسانی جان چھڑائی جا سکتی تھی۔ اس طرح غیر ضروری خطرات بھی کم ہو جاتے اور منصوبے کی کامیابی کے امکانات خاصی حد تک بڑھ جاتے۔ عمر نے خوشی خوشی میری ہر تجویز مان لی۔

"اگر تم لوگ واقعی تمام تیاریاں مکمل کر چکے ہو تو پھر یہ کام آج رات ہی کر ڈالنا بہتر ہوگا۔ تمہارے دونوں ساتھیوں سے کیسے رابطہ ہو سکتا ہے؟ کہیں انہیں اس مہم کی

تیاری کے لیے اضافی وقت تو درکار نہیں ہوگا؟

"وہ دونوں اب بھی اسی کام کی تیاری کے سلسلے میں گئے ہوئے ہیں۔ وہ کسی بھی وقت واپس لوٹ سکتے ہیں اور صرف چند منٹوں کے نوٹس پر ہم مکمل تیاری کے ساتھ اپنی مہم پر روانہ ہو سکتے ہیں۔" عمر نے پراعتماد لہجے میں بتایا۔ "ٹھیک ہے، پھر ان دونوں کا انتظار کر لیتے ہیں، حتمی فیصلہ ان کے واپس آنے پر کریں گے۔"

عمر کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اشرف اور عمیر واپس لوٹ آئے۔ وہ مجھ سے بخوبی واقف تھے، تاہم وہ مجھ سے بے تکلف نہیں تھے۔ مجھے عمر کے ساتھ دیکھ کر وہ مطلب کی بات کرنے کی بجائے ادھر ادھر کی بے مقصد باتیں کرنے لگے، تاہم عمر نے انہیں تازہ ترین صورتحال کے حوالے سے اعتماد میں لے لیا۔ "اب بتاؤ تم دونوں کیا خبر لائے ہو؟"

خبر تو بہت اچھی ہے یار گل ریز ابھی ابھی اپنی منظور نظر چھوکری کے ٹھکانے پر پہنچا ہے۔ وہاں سے اس کی واپسی آدھی رات کے بعد ہوگی۔" عمر نے بتایا "جبکہ ہمارے اندازے کے مطابق اڈے پر موجود کارندوں کی تعداد بھی پانچ سے زیادہ نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے حالات کارروائی کے لیے پوری طرح سازگار ہیں۔ تم دونوں اپنے اپنے گھروں کا چکر لگا لو۔ میں بھی گھر والوں کو شکل دکھا کر آجاتا ہوں۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر ہم یہاں سے چل پڑیں گے تاکہ مقررہ وقت سے پہلے ہی اپنے مطلوبہ مقام پر پہنچ جائیں۔"

وہ تینوں اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ میں وقت گزاری کے لیے ویڈیو گیم کی دکان میں گھس گیا۔ کچھ ہی دیر بعد عمر واپس لوٹ آیا۔ وہ پوری تیاری کرکے آیا تھا۔ ہم ویڈیو گیم کی تیسری سٹیج پر پہنچے تھے کہ اشرف اور عمیر بھی آگئے۔ اس کے ساتھ ہی ہم چاروں ایک دوسرے سے خاصا فاصلہ رکھتے ہوئے سہراب گوٹھ کی طرف چل پڑے۔ وہ تینوں اپنے حلیوں اور چال ڈھال سے مکمل طور پر ہیرونچی نظر آرہے تھے۔ ہم چاروں نے خاصے فاصلے سے، وقفے وقفے سے سپرہائی وے کراس کی، بسوں کے اڈوں اور چھوٹے بڑے چائے خانوں پر اس وقت بھی خاصی رونق نظر آرہی تھی۔ ہم لوگ خاصا طویل چکر کاٹ کر فلیٹس کے ایک بڑے سے سلسلے کے قریب پہنچ گئے۔

ہم سب کی رہنمائی کی ذمہ داری اشرف نے سنبھال رکھی تھی۔ وہ فلیٹس کے پاس سے چپ چاپ آگے بڑھ گیا۔ اب عمر کی باری تھی، فلیٹ کے قریب پہنچ کر اس کی رفتار ست ہوئی اور پھر ایک نیم تاریک گوشے میں پہنچ کر وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں اس نیم تاریک گوشے کے قریب پہنچا تو مجھے وہاں ایک پجیرو جیپ کھڑی نظر آئی۔ میں نے بغور آس پاس کا جائزہ لیا۔ دور دور تک کسی کی موجودگی کے آثار نہیں تھے۔ میں محتاط

قدموں سے جیپ کے قریب پہنچ گیا۔ عین اسی وقت میں نے سیٹی کی مدھم سی آواز سنی۔ عمر تھا جو اس جیپ کے نیچے گھسا ہوا تھا۔ چند ہی لمحوں بعد میں بھی جیپ کے نیچے پتھریلی [illegible] آلود زمین پر چت لیٹا ہوا تھا۔

اگلے دو گھنٹے ہم نے اس جگہ' اسی حالت میں گزارے۔ احتیاط کے تقاضوں کے پیشِ نظر ہم آپس میں باتیں بھی نہیں کر رہے تھے' بالآخر صبر و تحمل کے کڑے امتحان پر مبنی یہ انتظار ختم ہوا۔ ہمیں کسی کے بھاری بھرکم قدموں کی آواز سنائی دی۔ کوئی جیپ کی طرف آرہا تھا۔ ہم دونوں حرکت میں آنے کے لیے پوری طرح تیار ہو گئے۔ وہ شخص جونہی جیپ کے قریب پہنچ کر رکا' عمر نے برق رفتاری سے لوٹ لگائی۔ اگلے ہی لمحے وہ اس شخص کے پہلو میں کھڑا تھا۔ "اپنے دونوں ہاتھ گاڑی کی چھت پر ٹکا دو' خبردار کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو کھوپڑی اڑا دوں گا۔"

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" عمر کا حکم ماننے کے بجائے اس نے جوابی سوال کر ڈالا۔ "تم مجھے شاید جانتے نہیں ورنہ ایسی جرات ......"

"ہاں ہاں میں جانتا ہوں تم بہت بڑے تیس مار خاں ہو لیکن تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ گولی کسی کا لحاظ نہیں کرتی۔ اس سے پہلے کہ میں گولی چلا دوں' چپ چاپ میری ہدایت پر عمل کر ڈالو۔"

گل ریز شاید کسی قسم کی مزاحمت کا ارادہ رکھتا تھا لیکن عین اسی وقت میں بھی گاڑی کے نیچے سے نکل کر عمر کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔ خود کو بہ یک وقت دو پستولوں کے نشانے پر پا کر اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔ وہ مڑا اور تھکے تھکے انداز میں دونوں ہاتھ پجیرو کی چھت پر رکھ دیئے۔ میں نے اپنا پستول بیلٹ میں اڑس لیا اور گل ریز کی تلاشی لینے لگا۔ اس کی جیب کے نیچے ہولسٹر میں رشئین ٹی ٹی موجود تھی۔ ساتھ میں دو لوڈ میگزین بھی تھے۔ میں نے انہیں اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس کی جیبوں سے خاصی بڑی رقم بھی برآمد ہوئی۔ میں نے گاڑی کی چابی سے دروازہ کھول دیا تھا۔

"چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ ابھی گاڑی سٹارٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" عمر نے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا۔ اس دوران میں' میں جیپ کے درمیانی حصے کا دروازہ کھول کر ڈرائیور کے عین پیچھے والی سیٹ پر قبضہ جما چکا تھا البتہ گل ریز اب بھی ہم دونوں کی زد میں تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اب میرے ہاتھ میں نائن [illegible] نہیں بلکہ خود گل ریز کا پستول تھا۔ گل ریز نے چپ چاپ عمر کی ہدایت پر عمل کیا۔ چند لمحوں بعد عمر بھی میرے ساتھ والی سیٹ پر موجود تھا۔ میں نے جیپ کی کھڑکیوں پر موجود پردے کھینچ کر برابر کر دیئے۔ اب ہمیں باہر سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

"اب گاڑی سٹارٹ کر کے ہیڈ لائٹ دوبارہ آف اور آن کرو۔" عمر نے حکم دیا۔

"خبردار' فی الحال گاڑی آگے بڑھانے کی کوشش مت کرنا' میری اگلی ہدایت کا انتظار کرو۔"

گاڑی کی ہیڈ لائٹ دوبارہ فلیش ہونے کے بعد گل ریز نے سوالیہ نظروں سے ہماری طرف دیکھا۔

"ہمیں معلوم ہے تمہیں سخت نیند آرہی ہے لیکن تمہاری بدقسمتی ہے کہ آج رات تم نیند سے محروم ہونے والے ہو' ویسے بھی تم ہمیشہ کی نیند سونے کی بجائے ایک رات جاگتے رہنا پسند کرو گے۔"

"مجھے بتاؤ تو سہی کہ یہ سب چکر کیا ہے؟ تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ اگر رقم چاہیے تو مجھ سے سیدھی بات کرو' ایک لاکھ' دو لاکھ' تین لاکھ .... گل ریز نے کہا۔

"ہمیں معلوم ہے تمہارے پاس دولت کی کمی نہیں ہے' تم لاکھوں کیا کروڑوں بھی باآسانی دے سکتے ہو لیکن فی الحال ہم پر صرف اتنی مہربانی کرو کہ گاڑی آگے بڑھاؤ۔ رفتار تیس سے بڑھانے کی کوشش نہ کرنا فی الحال سیدھے چلتے رہو۔" عمر نے جیپ کی ونڈ سکرین سے باہر نظر دوڑاتے ہوئے حکم دیا۔

جیپ ست رفتاری سے آگے بڑھی۔ میں سیٹ پھلانگ کر جیپ کے عقبی حصے میں آگیا اور بغور آس پاس کا جائزہ لینے لگا۔ سرد رات کی تاریکی نے ماحول کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ تمام لوگ اپنے اپنے گھروں میں دبکے ہوئے تھے۔ گھپ اندھیرے میں جیپ کے انجن کی ہلکی سی گونج کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی البتہ سپرہائی وے کی جانب گاڑیوں کے ہارن کی آواز ضرور سناٹے کی چادر میں چھید ڈال جاتی تھی۔

"گاڑی کو دیوار کے ساتھ لگا کر انجن بند کر دو۔" میں نے عمر کی آواز سنی' اس کے ساتھ ہی میں واپس اپنی سیٹ پر آگیا۔

"خیریت تو ہے؟ کوئی مسئلہ ...." عمر نے پوچھا۔

"سب ٹھیک ٹھاک ہے۔" میں نے مطمئن لہجے میں کہا۔ گل ریز اضطراب کے عالم میں ہم دونوں کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اس نے کچھ بولنا چاہا لیکن عمر نے اسے سختی سے منع کر دیا۔ اس نے گاڑی کی اندرونی لائٹس بھی بند کرا دی تھیں۔ جس جگہ گاڑی کھڑی تھی' وہاں بھی گھپ اندھیرا تھا۔ اندرونی لائٹس بند ہوتے ہی جیپ میں گہری تاریکی پھیل گئی۔ گل ریز اس تاریکی سے فائدہ اٹھا کر کوئی کارروائی کر سکتا تھا۔ چنانچہ عمر نے اسے دونوں ہاتھ اٹھا کر سیٹ کے سر ٹکانے والے حصے پر رکھنے کا حکم دیا۔

"تم لوگ حد سے بڑھتے جا رہے ہو' میں اب تک صرف اس لیے چپ چاپ تمہاری بات مانتا رہا ہوں کہ معاملہ خون خرابے کے بغیر نمٹ جائے' ورنہ تم ان پستولوں سے کیا توپ سے بھی مجھے اپنی مرضی کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے ہو۔ جتنی جلد ہو سکے یہ ڈرامہ ختم کر دو ورنہ میرا دماغ کسی بھی وقت گھوم سکتا ہے۔" گل ریز کے لہجے میں غصے کی تپش نمایاں تھی البتہ اس نے اپنے ہاتھ ہدایت کے مطابق ہیڈ ریسٹ پر

رکھ دیئے تھے۔

"ہم بھی فی الحال تم پر کوئی سختی نہیں کرنا چاہتے اور جہاں تک دماغ گھومنے کا تعلق ہے تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ ہم گھومے ہوئے دماغ کو سیدھا کرنے کی تمام ترکیبیں جانتے ہیں' لہٰذا بہتری یہی ہے کہ تم اپنی زبان بند رکھو۔"

گل ریز مزید مکالمے بازی کرنا چاہتا تھا لیکن عمر نے پستول کی نال اس کی بغل میں رگڑ کر اسے خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ تقریباً دس منٹ تک ماحول پر خاموشی اور تاریکی کا قبضہ رہا۔ بالآخر عمر نے اسے گاڑی سٹارٹ کرنے کا حکم دیا۔

"ہمیں کہاں جانا ہے؟" گل ریز نے تھکے تھکے لہجے میں پوچھا۔ "اگلے چوراہے سے دائیں مڑنا ہے۔ فکر نہ کرو ہم تمہیں کسی اجنبی جگہ نہیں لے جائیں گے۔" عمر کے لہجے میں طنز کی جھلک موجود تھی' گل ریز چونک اٹھا۔

"کیا مطلب؟ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"تمہارے اڈے پر' دراصل آج رات ہم تمہارے مہمان بننا چاہتے ہیں۔"

"تم کس اڈے کی بات کر رہے ہو؟ کیا چاہتے ہو تم لوگ؟" گل ریز شاید پہلی بار پوری طرح ہوش میں آگیا تھا۔ "مجھے یقین ہے تم دونوں پولیس سے تعلق نہیں رکھتے ہو' پھر کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو ..... اور ..... اور تم لوگ وہاں کیسے پہنچ گئے ...... کیا تم لوگ میرا......"

"ہاں ہم لوگ تمہارا مسلسل پیچھا کرتے رہے ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تم ابھی کس کے پاس گئے تھے۔ اب تک تمہیں یہ بھی سمجھ آجانی چاہیے تھی کہ ہم لوگ کون ہو سکتے ہیں لیکن شراب کے نشے نے تمہارے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پر اچھا اثر نہیں ڈالا ہے خیر' تمہیں بہت جلد ہوش آجائے گا' فی الحال تو تم ہمیں اپنے ٹھکانے پر لے چلو۔"

"لگتا ہے تمہیں واقعی اپنی زندگی پیاری نہیں ہے۔ خیر مجھے کیا ......" گل ریز نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "چلو ابھی چلو۔" اس نے غصے میں آکر گاڑی کی رفتار تیز کر دی لیکن عمر نے ایک بار پھر پستول اس کی پسلیوں میں گاڑ دیا۔ "انسانوں کی طرح گاڑی چلاؤ' ایسا نہ ہو کہ جھٹکا لگنے سے انگلی دب جائے اور تم اوپر پہنچ جاؤ۔"

"تیری تو ......" گل ریز کے منہ سے ایک غلیظ گالی نکلی۔ عین اسی وقت عمر کا طمانچہ اس کی گدی پر پڑا۔ گل ریز نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ ایک بار پھر گاڑی چلانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ عمر کی دھمکیوں کے باوجود اس نے رفتار کم کرنے کی بجائے مزید بڑھا دی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مکمل طور پر ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے۔ عمر مسلسل اس کے سر اور گدی میں زوردار طمانچے لگا رہا تھا لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اسی اثناء میں ہم اس علاقے میں پہنچ گئے جہاں عمر کے کہنے کے

مطابق گل ریز کا منشیات فروشی کا اڈا واقع تھا۔ عمر پر وحشت طاری ہو چکی تھی جبکہ میں خود بھی سخت اضطراب محسوس کر رہا تھا۔ عمر کی ذرا سی غلطی سے جیتی جتائی بازی ہاتھ سے نکل جا رہی تھی۔ اس پوزیشن میں ہم گل ریز کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے کیونکہ گاڑی کا اسٹیرنگ اس وقت اسی کے ہاتھ میں تھا۔ عین اسی وقت گاڑی ایک چوڑی سی گلی میں مڑ گئی۔ گلی کے دوسرے سرے پر ایک بڑی سی عمارت نظر آرہی تھی جس کا بھاری بھرکم آہنی گیٹ اس وقت بند تھا۔ جیپ طوفانی رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی۔ گل ریز شاید گاڑی کو اسی بے پناہ رفتار کے ساتھ گیٹ سے ٹکرا دینے کا پختہ ارادہ کر چکا تھا......



مجھے فیصلہ کرنے میں محض ایک لمحہ لگا' میں چھلانگ لگا کر ڈرائیور کے ساتھ والی فرنٹ سیٹ پر پہنچا۔ قبل اس کے کہ گل ریز کچھ سمجھ پاتا' میں نے دونوں ہاتھ جیپ کے اسٹیرنگ پر مضبوطی سے جما کر بریک پر اپنے پاؤں کا پورا دباؤ ڈال دیا۔ گاڑی کو ایک زبردست جھٹکا لگا اور جیپ اس قدر بری طرح لہرائی کہ مجھے لگا کہ ابھی الٹ جائے گی لیکن خاصی دور تک کچی زمین پر گھسٹنے کے بعد بالاخر وہ ایک دھچکے سے ساکن ہو گئی۔ جیپ کا انجن پہلے ہی بند ہو چکا تھا۔ جیپ کو لگنے والے جھٹکے کے باعث اسٹیرنگ گل ریز کے سینے میں دھنس گیا تھا۔ مجھے لگا کہ جیسے اس کی پسلیاں ٹوٹ کر دل میں گھس چکی ہیں۔ میں خود بھی ڈیش بورڈ سے ٹکرا گیا تھا اور میرے سر میں خاصی زوردار چوٹ لگی تھی۔

چند لمحوں تک ہم میں سے کوئی بھی حرکت نہ کر سکا۔ عمارت کے آہنی گیٹ کا جیپ سے فاصلہ محض ساٹھ ستر گز رہ گیا تھا۔ اگر میں ذرا سی بھی دیر کر دیتا تو ہم اب تک اگلے جہاں پہنچ چکے ہوتے۔ پیجیرو کے بجائے کوئی اور چھوٹی گاڑی ہوتی تو اتنی رفتار پر بریک لگانے سے کب کی الٹ چکی ہوتی جبکہ ہم کچی گلی کے بجائے پختہ سڑک پر ہوتے تو ٹائروں کے رگڑ کھانے کی چیخ آس پاس کے گھروں کے تمام افراد کو سوتے سے بیدار کر چکی ہوتی۔ کچی زمین نے ہمارا بھرم رکھ لیا تھا البتہ گل ریز کا بیکار ہو جانا ہمارے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتا تھا۔ میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے اس کا جائزہ لیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور بظاہر اس کا سانس بھی نہیں چل رہا تھا۔

"جلدی کرو' اسے سیٹ پر لٹانے میں میری مدد کرو۔" میں نے عمر سے کہا' وہ جیسے گہری نیند سے بیدار ہو گیا۔ "یہ ...... یہ مر تو نہیں گیا؟" میں نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے گل ریز کو اگلی سیٹوں پر چت لٹا دیا اور پھر اس کی باچھوں میں انگلی ڈال کر اس کا منہ کھول دیا۔ عمر بے وقوفوں کی طرح منہ پھاڑے میری حرکتوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے گل ریز کی ناک چٹکی سے بند کی اور اس کے کھلے ہوئے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ کر پوری قوت سے پھونک ماری۔ گل ریز کے جسم کو ہلکا سا جھٹکا لگا لیکن اس کی ظاہری حالت میں کوئی خاص تبدیلی نہ آسکی۔ میں نے دھیرے سے اس کا سینہ دبا کر پھیپھڑوں سے ہوا خارج کی اور ایک بار پھر پوری قوت سے اس کے منہ میں پھونک ماری۔ اس مرتبہ گل ریز

کے جسم نے ایک جھرجھری سی لی۔ میرے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی' راہ اجل پر وہ ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا۔ اگر مصنوعی تنفس کا سلسلہ جاری رہتا تو وہ بچ سکتا تھا۔ میں وقفے وقفے سے اسے مصنوعی تنفس فراہم کرتا رہا' بالاخر اس کی سانسیں بحال ہوتی چلی گئیں۔ اس کے حلق سے وقفے وقفے سے کربناک کراہیں بھی بلند ہونے لگیں تھیں۔ چند منٹ بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔

وہ چند لمحوں تک خالی خالی نظروں سے میرا چہرہ دیکھتا رہا۔ اس کے دونوں ہاتھ سینے پر جمے ہوئے تھے۔ درد کی شدت سے اس کا چہرہ زرد پڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کے سینے پر دل کے مقام پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔ "اس جگہ زیادہ تکلیف تو نہیں ہے؟" گل ریز کے حلق سے ایک اور کربناک کراہ برآمد ہوئی۔ وہ شاید ابھی تک پوری طرح ہوش میں نہیں آیا تھا۔ میں نے تشویشناک نظروں سے عمر کی جانب دیکھا۔ "یار یہ تو سارا معاملہ ہی گڑبڑ ہو گیا' یہ تو شاید گیا کام سے......"

"مجھے افسوس ہے دانش بھائی' یہ سب میری حماقت سے ہوا ہے۔ مجھے اپنے غصے پر قابو رکھنا چاہیے تھا۔" عمر نے شرمندگی آمیز لہجے میں کہا۔

"وہ تو خیر جو ہوا سو ہوا' اب کیا کریں؟ اس خواہ مخواہ کی مصیبت سے کیسے جان چھڑائیں؟" میں نے گل ریز کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ عمر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ میں نے آنکھ کے اشارے سے اسے چپ رہنے کو کہا۔ "یار ایسا کرتے ہیں گاڑی کو ملیر کی طرف لے چلتے ہیں' اس کی حالت ٹھیک ہو گئی تو واپس یہاں آجائیں گے ورنہ اس کی کھوپڑی میں گولی اتار کر کسی کھڈے میں پھینک دیں گے۔"

"اسے کہیں لے جانے کی کیا ضرورت ہے' میرا خیال ہے اسے یہیں ختم کر دیں۔ اسی کی ٹی ٹی' اسی کی گولی' اسی کا سر......" عمر کی بات پوری طرح ختم بھی نہ ہو پائی تھی کہ گل ریز کے دونوں ہاتھ برق رفتاری سے حرکت میں آئے۔ وہ بائیں ہاتھ سے میرے چہرے پر گھونسا مارنا چاہتا تھا اور دائیں ہاتھ سے میری بیلٹ میں اڑسا ہوا پستول حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی ان کوششوں میں کامیاب ہو جاتا' اگر میں اس کی طرف سے غافل ہوتا۔ میں نے اس کے دونوں ہاتھوں پر یکے بعد دیگرے زوردار ترچھی ضربیں لگائیں۔ اس کے حلق سے کرب آمیز کراہ برآمد ہوئی' تاہم وہ بھرپور مزاحمت کا ارادہ کر چکا تھا۔ اس نے اپنے دونوں گھٹنے موڑ کر میری گردن کو اپنی گرفت میں لینا چاہا۔ میں نے اس کی رانوں پر کہنی کی زبردست ضرب لگا کر اس کی یہ کوشش بھی ناکام بنا دی۔ یہ ضرب اس کی مزاحمت ختم کرنے کے لیے فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ پہلے تو وہ درد کی شدت سے بلبلاتا' پھر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ عمر اسے خاموش کرانا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے منع کر دیا۔ "اس وقت یہ مکر نہیں کر رہا' اسے جی بھر کے رو لینے دو۔ ہو سکتا ہے پھر اسے رونے کا

موقع ملے یا نہ ملے- اتنا تو یہ سمجھ ہی چکا ہو گا کہ اب ہم نہ تو اس کے مکر و فریب پر آئیں گے اور نہ ہی اس پر رحم کریں گے- اس کے پاس واحد صورت یہ بچی ہے کہ ہم سے مکمل تعاون کرے ورنہ ہم کامیاب رہیں یا ناکام' کم از کم اسے تو زندہ نہیں چھوڑیں گے-"

"دیکھو' تم لوگ جو بھی ہو اور جو کچھ بھی چاہتے ہو' میں تم سے مکمل تعاون کرنے کو تیار ہوں لیکن اس سے پہلے تم لوگوں کو وعدہ کرنا ہوگا' کہ تم مجھے قتل نہیں کرو گے-"

"ہم تم سے وعدہ کر بھی لیں تو کیا تمہیں یقین ہے کہ ہم اپنا وعدہ پورا بھی کریں گے اگر کام پورا ہونے کے بعد ہماری نیت بدل گئی تو ......" میں نے شرارت بھرے لہجے میں پوچھا- گل ریز کے چہرے پر ایسے تاثرات ابھر رہے تھے جیسے کوئی چیز اس کے حلق میں پھنس گئی ہو- مجھے اس کی حالت دیکھ کر ہنسی آرہی تھی- "چلو ٹھیک ہے' ہم تم سے وعدہ کر لیتے ہیں لیکن اگر تم نے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو ہم اس وعدے سے خود بخود آزاد ہو جائیں گے- اب تم اچھے بچوں کی طرح گاڑی چلاؤ- گیٹ پر پہنچ کر تمہیں ہارن بجانا ہے- خبردار نیچے اترنے یا کوئی اشارہ بازی کرنے کی کوشش کا نتیجہ موت کی صورت میں نکلے گا- گیٹ کھلتے ہی گاڑی سیدھی اندر لے جانا- اگر کوئی ہمارے بارے میں پوچھے تو ہمیں اپنا دوست بتانا- ہمارے پستول چھپے ہوئے ہوں گے لیکن ان کا رخ مسلسل تمہاری کھوپڑی کی جانب رہے گا-"

گل ریز نے سعادت مندی سے گردن ہلا دی- وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا جبکہ میں اس کے برابر والی سیٹ پر قابض تھا- جیپ کا انجن دھیرے سے غرایا اور گاڑی ہلکے سے جھٹکے سے چل پڑی- دیوقامت آہنی گیٹ جوں جوں قریب آرہا تھا' میرے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی- گل ریز کی کوئی بھی شرارت ہماری موت ثابت ہو سکتی تھی- جیپ گیٹ کے عین سامنے پہنچ کر رک گئی البتہ گل ریز نے اس کا انجن اور ہیڈ لائٹس بند نہیں کی تھیں- اس کے چہرے سے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ سخت اعصابی تناؤ کا شکار ہے- میرا اشارہ ملنے پر اس نے جیپ کا ہارن بجایا' گہرے سناٹے میں ہارن کی آواز کچھ زیادہ ہی گونج دار اور کریہہ محسوس ہوئی- چند لمحوں کے توقف سے اس نے ایک بار پھر ہارن بجایا- میں نے اشارے سے مزید ہارن بجانے سے منع کر دیا- ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا- گیٹ میں ایک چھوٹی سی کھڑکی کھلی' کسی نے باہر جھانکا- میں نے پاؤں سے گل ریز کے پاؤں کو ہلکا سے ٹھوکا لگایا-

"اوئے کیا دیکھ رہے ہو شیراز خان' یہ میں ہوں گل ریز......"

"خیریت تو ہے گل لالہ ......" گل ریز نے قدرے تیز لہجے میں اس کی بات کاٹ دی-

"ہاں ہاں سب خیریت ہے' تم گیٹ کھولو- میں ایک کام سے آیا ہوں-"

"ٹھیک ہے گل لالہ ...... آپ ایک منٹ ٹھہریں' میں ابھی گیٹ کھولتا ہوں-"

اس نے مجھ پر زیادہ توجہ دینا مناسب نہیں سمجھا تھا- چند ہی لمحوں بعد گیٹ کے دونوں پٹ کھل گئے- گل ریز نے دھیرے سے جیپ آگے بڑھا دی- سامنے ہی ایک وسیع احاطہ موجود تھا جس کے ایک طرف ایک ٹرک کھڑا ہوا تھا- ٹرک میں پیٹیاں لدی ہوئی تھیں- جیپ احاطے میں چند گز ہی آگے بڑھی ہوگی کہ میں نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا اور چلتی گاڑی سے نیچے اتر گیا- جیپ کی کم رفتار کے باعث مجھے خود کو سنبھالنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی- اگلے ہی لمحے میں چیتے کی سی برق رفتاری سے گیٹ کی جانب جھپٹ پڑا- بھرپور کوشش کے باوجود میں شیراز خان کے حساس کانوں تک اپنے قدموں کی آہٹ پہنچنے سے نہ روک سکا- وہ گیٹ بند کرتے کرتے رکا اور چونک کر پیچھے مڑا- تب تک میں اس کے سر پر پہنچ چکا تھا- حیرت اور خوف سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں- اس نے اپنے شانے سے کلاشنکوف اتار کر سیدھی کرنا چاہی لیکن میں نے اسے مہلت نہ دی- میرا بایاں ہاتھ اس کے منہ پر جم گیا جبکہ دائیں ہاتھ میں موجود ٹی ٹی کا دستہ اس کے سر کے پچھلے حصے سے ٹکرایا- اس کی آنکھوں میں فوراً ہی اندھیرے اتر آئے- میں نے اسے بازوؤں میں سنبھالا اور آہستگی سے قریبی دیوار کا سہارا دے کر بٹھا دیا- اس کے پاس سے بھی ایک ٹی ٹی پستول برآمد ہوا جسے میں نے اپنی بیلٹ میں اڑس لیا- کلاشنکوف میں پہلے ہی شانے پر لٹکا چکا تھا- میں نے نائیلون کی ڈوری سے اس کے ہاتھ اور پاؤں اچھی طرح جکڑ دیئے- اس کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لمبی چھٹی پر چلا گیا ہے- میں تیز قدموں سے جیپ کے پاس پہنچا جو ٹرک کے پاس پہنچ کر رک چکی تھی-

"اس نے کوئی گڑبڑ تو نہیں کی؟" میں نے سرگوشی کی- عمر نے نفی میں گردن ہلا دی- گل ریز کے چہرے پر پھیلی زردی سے یہ اندازہ لگانا میرے لیے قطعاً مشکل نہ تھا کہ وہ شیراز خان کا معاملہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے- "اور کتنے لوگ ہیں اس جگہ؟" میں نے گل ریز سے پوچھا- قدرے ہچکچاہٹ کے بعد جواب ملا "تین یا چار ہوں گے-" عمر نے سر کے اشارے سے اس کی بات کی تصدیق کی-

"چلو اترو اور ہمیں باری باری ان کے پاس لے چلو-" میں نے دروازہ کھول کر اسے نیچے اترنے کا اشارہ کیا- "وہ سب سامنے والے دو بڑے کمروں میں ہوں گے-" گل ریز نے شکست خوردہ لہجے میں کہا- "میں نے اگر دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ سب ایک ساتھ جاگ جائیں گے' تمہیں جو کچھ لینا ہے' وہ میرے کمرے سے مل جائے گا- اس کے لیے ان لوگوں کو اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے' انہیں اسی طرح سویا رہنے دو-"

"ٹھیک ہے' چلو ہمیں اپنے کمرے میں لے چلو-" میں نے گل ریز کو رہنمائی کے لیے

آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے آگے بڑھا۔ ایک چھوٹی سی راہداری سے گزر کر ہم ایک بڑے سے کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ وہ دروازہ غیر معمولی حد تک مضبوط نظر آرہا تھا اور اس میں بیک وقت تین لاک لگے ہوئے تھے۔ گل ریز نے ایک بار پھر بے بسی بھری نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر چپ چاپ دروازے پر لگے لاک کھولنے میں مصروف ہو گیا۔

تینوں لاک کھلنے کے بعد میں نے اسے پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ گہرے سناٹے میں کواڑ کھلنے کی ہلکی سی چرچراہٹ بھی دور تک گونجتی محسوس ہوئی۔ میں نے ٹارچ کی طاقتور روشنی میں کمرے کا جائزہ لیا۔ وہ جدید فرنیچر سے آراستہ ایک وسیع و عریض ڈرائنگ روم نظر آرہا تھا۔ بظاہر وہاں کسی کی موجودگی کے آثار نہیں تھے۔ میں محتاط قدموں سے اندر داخل ہوا اور ان دونوں کو بھی اندر آنے کا اشارہ کیا۔ اندر گھستے ہی عمر نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

"تو یہ ہے تمہاری عیاشی کا اڈا......!" میں نے بغور آس پاس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

گل ریز نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ عمر خاصا مضطرب نظر آرہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ہم جلد از جلد اپنی کارروائی مکمل کر لیں۔ خود میں بھی اب اس ڈرامے بازی سے بور ہونے لگا۔

"اچھا تو اب تم اس کرسی پر بیٹھ جاؤ تاکہ تم سے کچھ بات چیت ہو سکے۔" میں نے ایک مضبوط سی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ گل ریز نے پریشانی کے عالم میں پہلے کرسی کی طرف اور پھر میری طرف دیکھا۔ "فکر نہ کرو ہم تمہیں کھائیں گے نہیں۔" میں نے اسے پچکارا۔

"تم لوگ ایسا کیوں کر رہے ہو' میں سیف کھول دیتا ہوں۔ اس میں موجود تمام رقم لے جاؤ' یقین کرو میں پولیس میں بھی اطلاع نہیں دوں گا۔"

"وہ سب بھی ہو جائے گا میرے لعل' فی الحال تو تم سے جو کہا جا رہا ہے وہ کرو۔ جلدی کرو ہمارے پاس ٹائم بہت کم ہے۔" گل ریز کو بادل نخواستہ ہماری ہدایت پر عمل کرنا پڑا۔ عمر نے چند ہی لمحوں میں نائیلون کی مضبوط ڈوری سے اسے کرسی کے ساتھ جکڑ دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں خود بھی کمرے کے دروازے میں آن کھڑا ہوا۔ عمر محتاط لیکن تیز قدموں سے عمارت کے گیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے اسے گیٹ میں موجود چھوٹا دروازہ کھولتے دیکھا۔ وہ باہر نہیں نکلا بلکہ دروازے میں کھڑے ہو کر ہاتھ ایک مخصوص انداز میں فضا میں لہرانے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد میں نے اسے پیچھے ہٹتے دیکھا۔ دروازے میں عمیر کو نمودار ہوتے دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ عمیر کے اندر آتے ہی عمر نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اشرف کو باہر رہ کر اڈے پر اور آس پاس کے علاقے پر نظر رکھنی تھی۔

"عمیر تمہیں اس پر کڑی نظر رکھنی ہے' اس سے فالتو بات کرنے کی ضرورت نہیں

ہے۔ چالاکی دکھانے کی کوشش کرے تو بلا جھجک گولی مار دینا۔ تمہیں کھلی اجازت ہے۔"

میری بات سن کر عمیر نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ عمر میرے ساتھ تھا۔ ہم دونوں کا رخ ان دو کمروں کی طرف تھا جن میں بقیہ تین یا چار افراد نیند کے مزے لوٹ رہے تھے۔ پہلے نسبتاً بڑے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر میں دستک دینے ہی والا تھا کہ اچانک مجھے رک جانا پڑا۔ کمرے کے اندر سے ٹی وی چلنے کی مدھم آواز آرہی تھی۔

"یہ لوگ تو جاگ رہے ہیں' شاید وی سی آر پر فلم دیکھ رہے ہیں۔" عمر نے دروازے سے کان لگاتے ہوئے کہا۔ عین اسی وقت میں نے کسی کے قہقہہ لگانے کی آواز سنی۔ دو افراد مزید اس کے قہقہے میں شریک ہو گئے۔ کمرے میں کم از کم تین افراد موجود تھے اور تینوں ہی پوری طرح بیدار تھے۔ میں نے عمر کو ہوشیار رہنے کا اشارہ کیا اور کمرے کے دروازے کو اندر دھکیلنے کی کوشش کی لیکن دروازہ اندر سے بند تھا۔ اب دروازہ کھٹکھٹانے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ میں نے پستول دائیں ہاتھ میں سنبھالتے ہوئے بائیں ہاتھ سے دروازے پر دستک دی۔ پہلی دستک کی آواز کمرے میں برپا طوفان بدتمیزی میں دب کر رہ گئی۔ میں نے دوسری بار قدرے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر لمحہ بھر کے لیے خاموشی طاری ہوئی۔ پھر کسی نے ایک غلیظ گالی کے ذریعے شیراز خان کو یاد کیا۔ "گل ریز لالہ کا بھی ڈر ہے' فلم دیکھنے کا بھی شوق ہے۔ اکرم خان دروازہ کھول کر بدبخت کو اندر بلا لو۔ تھوڑی دیر گرم کمرے میں بیٹھ جائے گا۔ ایک پیالہ کڑک پانی بھی پی لے گا۔"

دروازہ کھولنے والا ادھیڑ عمر کا پستہ قد شخص تھا۔ پستول پر نظر پڑتے ہی اس کی نیند سے بوجھل آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔ میں نے پستول کی نال اس کے سینے پر رکھ کر اسے پیچھے دھکیلا۔ وہ بری طرح لڑکھڑایا اور پشت کے بل گر پڑا' اسے گرتا دیکھ کر کمرے میں موجود باقی دو افراد بری طرح چونک پڑے۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ سوچ سمجھ پاتے' میں ان کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ "خبردار! جہاں بیٹھے ہو' وہیں بیٹھے رہو۔ ذرا سا بھی ہلنے کی کوشش کی تو حلق میں سوراخ کر دوں گا۔" وہ دونوں یوں حیرت سے آنکھیں جھپک رہے تھے جیسے انہیں یقین نہ آرہا ہو کہ یہ سب حقیقت ہے۔

کمرے میں عیاشی کے سب لوازم موجود تھے۔ رشین واڈکا' چکن بروسٹ کا تھال' ٹی وی' وی سی آر اور انگریزی اور پشتو فلموں کا ڈھیر.....اس وقت بھی ٹی وی پر ایک انگریزی فلم چل رہی تھی۔ میں نے جلدی سے وی سی آر کا سوئچ نکال دیا۔ تبھی میں نے ایک ہلکے سے پٹاخے اور پھر کسی بھاری چیز کے زمین پر گرنے کی آواز سنی۔ ان دونوں کو پستول کی زد میں رکھتے ہوئے میں نے پلٹ کر دیکھا۔ ادھیڑ عمر اکرم خان منہ کے بل فرش پر ڈھیر تھا جبکہ عمر اپنے پستول کا جائزہ لے رہا تھا۔ "مجھ سے ٹی ٹی چھیننا چاہتا تھا۔" اس نے مختصراً بتایا۔

میں نے اثبات میں گردن ہلا کر اس کی کارروائی کی تائید کی۔

"ساتھ والے کمرے میں کتنے لوگ ہیں؟" میں نے نشانے پر موجود نسبتاً بڑی عمر کے شخص سے پوچھا۔ اس نے اپنے سر کے بال مہندی سے رنگ رکھے تھے۔ "جھوٹ بولنے کا نتیجہ جاننے کے لیے تم زندہ نہیں بچو گے۔"

"کک ......کوئی نہیں ہے' وہاں میں سوتا ہوں۔" میں فیصلہ نہیں کر سکا کہ اس کی زبان میں نشے کی وجہ سے لڑکھڑاہٹ تھی یا اس کی یہ حالت خوف کی وجہ سے ہو گئی تھی۔

"تم کون ہو؟"

"ابھی پتا چل جائے گا' پہلے تم دونوں اپنے ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کر دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ تم لوگوں کو یہ بتانے کی تو ضرورت نہیں ہے کہ ہمارے پستول کے میگزین گولیوں سے فل ہیں اور کسی بھی بندے کو اوپر بھیجنے کے لیے صرف ایک گولی کافی ہوتی ہے۔" میری یہ لفاظی غیر ضروری ثابت ہوئی۔ وہ دونوں اس سے پہلے ہی اپنے ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کر دیوار کے ساتھ جا کر کھڑے ہو گئے۔

عمر کے تلاشی لینے سے ان کے پاس سے کوئی ہتھیار برآمد نہیں ہوا تھا۔ "ارے یار! تمھیں تو تلاشی لینا بھی نہیں آتی۔" میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "دیکھو ایسے لیتے ہیں تلاشی۔" میں سرخ بالوں والے کے عقب میں پہنچا اور پستول کے دستے سے اس کی کھوپڑی بجا دی۔ اسکے جسم کو زبردست جھٹکا لگا اور وہ منہ کے بل دیوار سے ٹکرا گیا۔ اس کے ساتھی نے کوئی ردعمل ظاہر کرنا چاہا لیکن عین اسی وقت اس کی کھوپڑی پر عمر کے پستول کا دستہ پڑا۔ وہ بری طرح لہرایا اور سرخ بالوں والے کے اوپر گر کر بے حس و حرکت ہو گیا۔

"ان تینوں کو یہیں چھوڑو البتہ کمرے کے دروازے پر باہر سے کنڈی چڑھا دینا بہتر ہوگا۔ اصل کام کا بندہ گل ریز ہے' چلو اس کے پاس چلتے ہیں۔"

ہم گل ریز کے کمرے میں پہنچے تو عمیر کو ہنستے ہوئے پایا جبکہ گل ریز کچھ کھسیانا شرمسار نظر آ رہا تھا۔ "کیا ہوا بھائی' خیریت تو ہے۔ کیوں پاگلوں کی طرح ہنس رہے ہو؟" میں نے عمیر سے پوچھا۔ اس نے بمشکل اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا "گل ریز لالہ مجھے رشوت کی پیشکش کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا دو لاکھ لے لو اور میرے ہاتھ پیر کھول کر آزاد کر دو۔ میں نے پوچھا کہ دو لاکھ روپے کی کتنی پاؤڈر کی پڑیاں آجائیں گی تو کہنے لگا کہ دو لاکھ کے ساتھ ساتھ یہ روزانہ دس پڑیاں بھی مجھے دیا کریں گے۔ اس پر میں نے کہا کہ میں اتنی پڑیاں کیا کروں گا جبکہ بورک پاؤڈر کی صرف ایک پڑیا سے سارا دن کیرم بورڈ اور ڈبو کھیلا جا سکتا ہے۔ اب یہ شرمندہ ہو رہا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے اس کے پاس واقعی لمبا مال موجود ہے۔ کیوں بھئی' اس وقت کتنی رقم ہوگی تیری تجوری میں؟" میں نے گل ریز سے پوچھا۔ اس نے مردہ آواز میں جواب

"چار ساڑھے چار لاکھ روپے ہوں گے۔"

"پھر دیر کس بات کی ہے؟ دیدار کراؤ ان کا۔"

"پہلے مجھے کھولو تو سہی' تبھی تو میں سیف کھولوں گا۔" گل ریز نے بے بسی کے عالم میں کہا۔

"ارے نہیں میری جان' تمھیں یہ زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم صرف کنجیاں ہمارے حوالے کر دو اور یہ بتا دو کہ وہ سیف کہاں چھپا ہوا ہے۔" میں نے پچکارتے ہوئے کہا۔

"سیف میں نمبروں والا لاک لگا ہوا ہے۔" گل ریز نے شدید اضطراب کے عالم میں کہا۔

"اور تم ہمیں وہ نمبر نہیں بتانا چاہتے کیونکہ تمھیں خطرہ ہے کہ ہم ایک بار بلکہ بار بار تمہارے مہمان بن کر تمہاری تجوری صاف کر جایا کریں گے۔" گل ریز نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

"دیکھو بھائی صاف بات ہے' ہم تمھیں کھولیں گے تو ہرگز نہیں البتہ تمہارے اطمینان کے لیے اتنا ضرور کر سکتے ہیں کہ ہم میں سے ایک تمہاری ہدایت کے مطابق نمبروں والے ڈائل گھمائے گا اور اس دوران میں نمبروں کے کامبی نیشن پر نظر نہیں ڈالے گا۔"

"سیف میں ڈائل والا نہیں بلکہ ڈیجیٹل نمبروں والا کمپیوٹرائزڈ لاک لگا ہوا ہے جسے صرف میں ہی صحیح طرح آپریٹ کر سکتا ہوں۔ یقین کرو میں تم لوگوں سے کوئی دھوکا نہیں کروں گا۔" مجھے اس کے لہجے میں سچ کی جھلک محسوس ہوئی۔

"اچھا ٹھیک ہے' ہم تمہارے ہاتھ کھول دیتے ہیں لیکن یہ یاد رکھنا کہ کوئی بھی جھوٹ' کوئی بھی دھوکا ہمیں تمھیں گولی مارنے کی آزادی دے دے گا۔" گل ریز نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ عمر نے اس کے ہاتھ کھول دیئے۔ "کس طرف ہے وہ سیف؟" میں نے پوچھا۔ گل ریز نے دیوار پر آویزاں ایک بڑے سے آئینے کی طرف اشارہ کیا۔ عمر اور عمیر اس کی کرسی کو دھکیل کر دیوار کے پاس لے گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا' گل ریز نے آئینے کو ایک طرف سے دبایا تو وہ الماری کی طرح کھل گیا۔

آئینے کے عقب میں دیوار کے اندر ایک فولادی سیف نصب تھا۔ گل ریز کے کہنے کے مطابق سیف میں کمپیوٹرائزڈ ڈیجیٹل لاک لگا ہوا تھا۔ گل ریز نے اجازت طلب نظروں سے مجھے دیکھا اور محو لاک کے ساتھ مصروف ہو گیا' اس کی انگلیاں بٹنوں پر ماہرانہ انداز میں گردش کر رہی تھیں' بالآخر اس کا کام پورا ہو گیا۔ اس نے مجھے آگے بڑھ کر چھوٹی سی سکرین پر موجود تحریر پڑھنے کو کہا' سکرین پر موجود تحریر کے مطابق سیف کا لاک کھل چکا تھا' بس دروازہ کھینچنا باقی تھا۔ "چلیں' یہ آخری کام آپ اپنے ہاتھ سے انجام دیں۔" گل

ریز نے خوشگوار لہجے میں مجھے دعوت دی- میں آگے بڑھ کر دروازے کا ہینڈل کھینچنے ہی والا
تھا کہ اچانک میری نگاہ گل ریز پر پڑی- اس کا دایاں ہاتھ اس انداز میں اس کی ناک کی
طرف اٹھ رہا تھا جیسے وہ اپنی ناک چٹکی میں دبانا چاہتا ہو- میں نے اپنا بڑھا ہوا ہاتھ واپس
کھینچ لیا- "یار جہاں اتنی محنت کی ہے' وہاں تھوڑی سی زحمت کر کے یہ کام بھی تم ہی کر
ڈالو' کمپیوٹر والا سیف ہے' کہیں غلط طریقے سے کھینچ تان کرنے سے خراب ہی نہ ہو
جائے' ہمارے پاس ٹائم ویسے ہی نہیں ہے-"

میری بات سن کر گل ریز کی آنکھوں میں جو مایوسی کی دھند اتری' اسے صرف میں دیکھ
سکا- "ہاں ہاں کیوں نہیں' اگر تم ایسا چاہتے ہو تو ایسا ہی ہوگا- یہ لو......" اس نے سیف
کا پٹ کھولا- بظاہر یہ عمل بے حد سیدھا سادہ تھا لیکن میری تیز نظریں دیکھ چکی تھیں کہ
ہینڈل پکڑتے ہوئے گل ریز نے ایک ابھرے ہوئے اسکریو کو نہایت صفائی سے دبا دیا تھا-
میں نے قطعاً ظاہر نہ ہونے دیا کہ میں اس کی یہ حرکت دیکھ چکا ہوں- "بہت بہت شکریہ
گل ریز خان' اب تم پیچھے ہٹ جاؤ تاکہ میں اندر کے ماحول کا جائزہ لے سکوں' بھائی اپنے
دوست کے ہاتھ دوبارہ باندھ دو-"

گل ریز نے احتجاج کیا لیکن عمر اور عمیر نے اس کی ایک نہ سنی- وہ دونوں اس کے
ہاتھ مضبوطی سے باندھ چکے تو میں نے عمیر کو باہر کے ماحول پر نظر رکھنے کے لیے کرے
سے باہر بھیج دیا- وہ شیراز خان کی کلاشنکوف بھی اپنے ساتھ لے گیا- سیف میں موجود
بڑے نوٹوں کی گڈیاں میں نے بغیر گنے جیکٹ کی جیبوں میں ٹھونس لیں- سیف میں کچھ
رجسٹر اور فائلیں وغیرہ بھی موجود تھیں جنہیں میں نے فوری طور پر چھیڑنا مناسب نہ سمجھا-
ابھی اصل کام کو تو ہم نے شروع ہی نہیں کیا تھا-

"اب یہ بتاؤ مسٹر گل ریز کہ کاشف کہاں ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں
ڈال کر پوچھا- اس کے چہرے پر حیرانی کے تاثرات ابھرے- "کون کاشف؟ میں تو کسی
کاشف کو نہیں جانتا ...... شاید ....." گال پر پڑنے والے زوردار طمانچے نے اسے بات
پوری نہ کرنے دی-

"بہت جھوٹ بول لیا تو نے خبیث' مزید ایک بھی غلط لفظ منہ سے نکالا تو حلق سے
زبان کھینچ لوں گا- کیا تو کاشف کو نہیں جانتا جسے تیرے پالتو کتے اغوا کر کے لائے ہیں' تو
جتنی جلدی زبان کھول دے گا اتنا ہی تیرے حق میں بہتر ثابت ہوگا- ہم تیری دولت تمہارے
لیے نہیں' کاشف کی خاطر یہاں آئے ہیں اور اسے اپنے ساتھ ہی لے کر واپس جائیں
گے-" میں نے اس کا گریبان پکڑ کر بری طرح جھنجھوڑتے ہوئے کہا-

"میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں کہ میرے بندے کسی کو اغوا کر کے نہیں لائے-
میں اس طرح کے دھندے نہیں کرتا اور میں نے تو آج تک کاشف نامی کسی شخص کو قریب

سے بھی نہیں دیکھا' وہ کون ہے' کیا کرتا ہے؟"

"ڈرامے بازی بند کرو-" اس بار میرے بجائے عمر نے اس کے گال پر طمانچہ رسید
کیا- "کاشف کے کلب کو بند کروانے کے لیے تم لوگ سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار رہتے
ہو' یہ کیسے ممکن ہے کہ تم اس کے نام سے بھی واقف نہ رہے ہو' خصوصاً مجھ سے تو
تمہارے گروہ کا ایک ایک فرد واقف ہے- میں عمر ہوں' عمر لاشاری-"

گل ریز کی آنکھیں حیرت اور خوف کی شدت سے پھٹی پھٹی رہ گئیں- "تت.... تم عمر
ہو؟ تم سب کراٹے کلب والے ہو؟"

"شکر ہے تم نے پہچانا تو سہی- اب یہ بھی بتا دو کہ کاشف بھائی کو تم لوگوں نے کہاں
قید کر رکھا ہے اور اس کے ساتھ تم نے کوئی بدسلوکی تو نہیں کی ہے؟"

"میں اپنی ماں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کاشف کے اغوا سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے-
مجھے تو یہ بھی پتا نہیں کہ اسے اغوا کر لیا گیا ہے- یہ درست ہے کہ میں نے اپنے کارندوں
کو تم لوگوں کی باری باری پٹائی کرنے کا حکم دے رکھا ہے اور تھانے والوں کو بھی تمہیں
سبق سکھانے کی ہدایت دے رکھی ہے لیکن کاشف کو اغوا کرنے کے بارے میں تو میں نے
کبھی سوچا ہی نہیں ہے- اسے یقیناً کسی اور نے اغوا کیا ہے' تم لوگ یہاں وقت ضائع
کرنے کی بجائے اسے کہیں اور تلاش کرو- تمہارے جانے کے بعد میں یہ معاملہ یہیں ختم
کر دوں گا-"

"لیکن ہم معاملہ یہیں ختم نہیں کرنا چاہتے-" عمر نے بے لچک لہجہ میں کہا- "تم کتنی
بھی قسمیں کھا لو' ہمیں اس وقت تک تمہاری بات کا یقین نہیں آئے گا جب تک ہم اس
بلڈنگ کی اچھی طرح تلاشی نہیں لے لیں-"

"پوری بلڈنگ تمہارے سامنے ہے' اچھی طرح دیکھ لو لیکن خدارا جلدی کرو- میرے
جسم میں خون کی گردش رکنے لگی ہے- میں مزید کچھ دیر اس حالت میں رہا تو مفلوج ہو
جاؤں گا-" بات مکمل ہونے تک گل ریز کی آواز بھرا گئی- "تو پھر جلدی سے تہہ خانے کا
راستہ بتا دو' کاشف اگر اس بلڈنگ میں ہے تو یقیناً تہہ خانہ میں ہوگا-" میری بات سن کر
گل ریز کا رنگ یک لخت سفید پڑ گیا' مجھے لگا کہ اسکے دل کی دھڑکن رک گئی ہے-

"تت.... تم کون سے تہہ خانے کی بات کر رہے ہو؟" اس کی آواز بری طرح لڑکھڑا
رہی تھی- "اس بلڈنگ میں تو کوئی تہہ خانہ نہیں ہے' تمہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے-"

"غلط فہمی میں تو تم مبتلا ہو مسٹر گل ریز-" میں نے ٹی ٹی کی نال اس کی دونوں آنکھوں
کے درمیان لٹکاتے ہوئے کہا- "تم شاید یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ ہم تمہیں قتل کرنے کی کھوکھلی
دھمکیاں دے رہے ہیں' اگر تم نے فوری طور پر زبان نہ کھولی تو ہم تمہاری یہ غلط فہمی بھی
دور کر دیں گے- ویسے بھی تمہاری طرف سے ہمیں دھوکا دینے کی ناکام کوشش کے بعد ہم

تمہیں قتل نہ کرنے کے وعدے سے آزاد ہو چکے ہیں۔"

"مم ....میں....میں نے تمہیں کب دھوکا دیا ہے۔ میں اب تک وہی کچھ کرتا رہا ہوں جو تم لوگ کہتے رہے ہو۔" گل ریز کے چہرے کی سفیدی مزید بڑھ گئی۔

"ہاں ہاں' واقعی تم تو وہی کچھ کر رہے ہو جو ہم کہہ رہے ہیں۔ یہ ہم نے ہی تو فرمائش کی تھی کہ سیف میں بند زہریلی گیس ہمیں سنگھا کر اگلے جہاں پہنچا دو۔ اگر میں بروقت تمہاری سازش نہ سمجھ پاتا تو ہم سب تو گئے تھے کام سے۔ پھر تو کل صبح سپرہائی وے کے کنارے ہماری لاوارث لاشیں ہی ملتیں۔" میری بات سن کر گل ریز کی پیشانی پر پسینہ چمک اٹھا البتہ عمر شدید حیرانی کے عالم میں میرا منہ دیکھ رہا تھا۔

میں چند لمحوں تک گل ریز کے زبان کھولنے کا انتظار کرتا رہا۔ جب وہ خاموش رہا تو میں نے عمر سے کہا۔ "میں دس تک گنتی گن رہا ہوں' اگر گنتی مکمل ہونے تک یہ تہہ خانے کا راستہ نہ بتائے تو بلاتکلف ایک گولی خرچ کر دینا۔ تھوڑی بہت جدوجہد کے بعد ہم راستہ تو ڈھونڈ ہی لیں گے۔ یہ نہ سہی' اس کا کوئی ساتھی بتا دے گا۔ اس کی لاش دیکھ کر ان سب کی زبانیں کھل جائیں گی۔ میں گنتی شروع کرنے لگا ہوں۔ ایک ......" گل ریز کی پیشانی پر موجود پسینے کے قطروں کی تعداد میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اس نے خوفزدہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ "عمر ذرا احتیاط سے گولی چلانا' خون کے چھینٹوں سے میرے یا تمہارے کپڑے نہ خراب ہو جائیں ......دو......" عمر نے پستول کی نال اس کی کنپٹی سے ہٹا کر پیشانی پر رکھ دی۔ گل ریز نے آنکھیں بند کر لیں' اس کا جسم بہت دھیرے دھیرے لرز رہا تھا۔

"تین ....." یوں لگ رہا تھا جیسے وہ زبان نہ کھولنے کا پختہ ارادہ کر چکا تھا۔ "چار....." شاید ہم نے اس کے بارے میں غلط اندازہ لگایا تھا۔ "پانچ......" اس کے ہونٹ بدستور سختی سے بند تھے۔ "چلو چھوڑو یار' گنتی وغیرہ کے چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہ زبان نہیں کھولے گا' گولی مار دو اسے ...." میں نے تیز لہجے میں کہا۔ گل ریز نے اچانک آنکھیں کھول دیں اور دہشت بھرے لہجے میں چیخ پڑا "ٹھہرو..... ٹھہرو......میں بتاتا ہوں....."

"بچ گیا بچو' ایک لمحے کی بھی دیر ہو جاتی تو میں گولی چلا چکا ہوتا۔" عمر نے اس سے دور ہٹتے ہوئے کہا "اب جلدی سے بتا دو کیونکہ ہمارے پاس وقت بالکل نہیں ہے۔"

"ٹی وی پر ایک چھوٹا سا ریموٹ کنٹرول رکھا ہوا ہے' اس پر موجود بڑا بٹن دبانے سے تہہ خانے کا راستہ ظاہر ہو جائے گا۔" گل ریز نے مردہ آواز میں کہا۔ میں نے ریموٹ کنٹرول اٹھا کر اس کا بغور جائزہ لیا۔ اس پر کئی بٹن موجود تھے لیکن میں ان میں سے دو کا مقصد ہی سمجھ سکا۔ وہ دونوں بٹن واضح طور پر دروازہ کھولنے اور بند کرنے کا کام کرتے تھے۔ میں نے عمر کو ہوشیار رہنے کا اشارہ کیا اور پھر اوپن والا بٹن دبا دیا۔ یکایک کمرے کے درمیان میں موجود بڑی میز میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ فرش سے تھوڑی سی اٹھ کر قالین

سمیت ایک طرف سرکتی چلی گئی۔ اب ہمارے سامنے فرش کے درمیان میں خاصا بڑا خلا موجود تھا' میں نے ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی۔ وہ ایک خوبصورت زینہ تھا جو یقیناً تہہ خانے میں اترتا تھا۔

میں نے کان لگا کر تہہ خانے میں کوئی آواز سننے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا' وہاں مکمل سناٹا طاری تھا۔ میں نے مشورہ طلب نظروں سے عمر کو دیکھا' اگلے ہی لمحے اس کے پستول کا دستہ گل ریز کی کھوپڑی کی پشت سے ٹکرایا۔ اس کے حلق سے ہچکی نما آواز برآمد ہوئی اور اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔

"میں عمیر کو تمام صورتحال سے آگاہ کر دیتا ہوں' اس کے بعد ہم دونوں تہہ خانے میں اتریں گے۔ آپ کا تنہا جانا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔" میں نے عمر کے خیال کی تائید کی۔ عمیر نے بتایا کہ باہر معاملات پوری طرح قابو میں ہیں۔ اسے واپس نگرانی کے لیے بھیج کر عمر نے کمرے کا دروازہ اندر سے لاک کر دیا۔

تہہ خانہ ہماری توقع سے زیادہ طویل و عریض ثابت ہوا۔ پہلی نظر میں وہ پھل محفوظ رکھنے کا سرد خانہ نظر آتا تھا۔ ایک طرف فرش سے لے کر تہہ خانے کی چھت تک پھلوں کی پیٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔ فضا میں سیب اور امرود کی مہک بسی ہوئی تھی۔ گل ریز نے سچ کہا تھا' تہہ خانے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ کاشف کو وہاں نہ پا کر عمر قدرے مایوس نظر آتا تھا' تاہم مجھے کچھ زیادہ مایوسی یا حیرت نہ ہوئی کیونکہ مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ کاشف کے اغوا میں منشیات فروشوں کے گروہ کا ہاتھ نہیں تھا۔ میں تو محض عمر اور اس کے ساتھیوں کی دلجوئی اور تحفظ کے لیے ساتھ چلا آیا تھا۔

عمر کی ٹارچ کی روشنی بیقراری سے تہہ خانے میں ادھر ادھر چکرا رہی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ کیا تلاش کر رہا ہے اور میری توقع کے عین مطابق وہ بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ "دانش بھائی' ادھر آئیں۔ دیکھیں ہیروئن کی کتنی بھاری مقدار یہاں موجود ہے۔" وہ گتے کے ایک بڑے سے کارٹن کے پاس کھڑا تھا۔ میں نے کارٹن میں ٹارچ کی روشنی پھینکی۔ وہ پلاسٹک کی چھوٹی چھوٹی تھیلیوں سے نصف سے زائد بھرا ہوا تھا۔ میرے لیے یہ جاننا مشکل نہ تھا کہ ان میں اجل آفرین پاؤڈر بھرا ہوا تھا۔

"یہ شاید ان کا پیکنگ کا ڈیپارٹمنٹ ہے۔" میں نے کہا اور پھر قریب ہی رکھی ہوئی ایک بڑی سی پیٹی کی جانب اشارہ کر کے عمر کو اسے کھولنے کو کہا۔ پیٹی کھولنے کے اوزار ہم پہلے دیکھ چکے تھے۔ تھوڑی سی محنت کے بعد عمر پیٹی کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ پیٹی میں عمدہ قسم کے سیب بھرے ہوئے تھے۔ عمر نے سیبوں کی پیٹی فرش پر الٹ دی۔ ہر طرف سیب بکھر گئے' تاہم ہماری نظریں سیبوں پر نہیں بلکہ پیٹی سے برآمد ہونے والی پلاسٹک کی پانچ بڑی تھیلیوں پر جمی ہوئی تھیں۔ ان تھیلیوں میں سے ہر ایک کا وزن ایک کلوگرام کے

لگ بھگ رہا ہوگا۔ "اس کا مطلب ہے ان تمام پیٹیوں میں ہیروئن بھری ہوئی ہے۔" عمر نے حیرانی سے پیٹیوں کی قطاروں کو دیکھا۔ "ہاں ممکن ہے یہ لوگ آس پاس کے علاقوں میں سپلائی کرنے کے علاوہ ملک سے باہر بھی منشیات سمگل کرتے ہوں گے۔ جانے کتنے گھروں کو اجاڑا ہوگا ان بدبختوں نے۔ یہ قانون کے ہی نہیں انسانیت کے بھی مجرم ہیں۔ انہیں جو بھی سزا دی جائے کم ہوگی۔"

"تو پھر دیر کس بات کی ہے دانش بھائی' سب سے پہلے تو منشیات کے اس ذخیرے کا انتظام کرتے ہیں۔ پھر ان سب کو ان کے اصل مقام یعنی جہنم پہنچائیں گے۔ گل ریز کا باپ رستم خان بچ جائے گا۔ اسے بعد میں کبھی مزہ چکھائیں گے۔" میں نے اس کی تائید کی۔ وہ فوراً ہی حرکت میں آگیا۔ تہہ خانے میں خالی بوریوں' پلاسٹک کے خالی ڈرموں اور لکڑی کی چھوٹی بڑی پیٹیوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ ہم نے منشیات کی پیٹیوں پر اور آس پاس کی جگہوں میں وہ کاٹھ کباڑ اچھی طرح پھیلا دیا۔ پھر عمر نے اپنی جیب سے ماچس نکالی اور ایک خالی بوری میں آگ لگا دی۔ جب وہ بوری اچھی طرح جل اٹھی تو عمر نے اسے اٹھا کر کاٹھ کباڑ کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ جلد ہی کئی پیٹیوں نے بھی آگ پکڑ لی۔ آگ اتنی پھیل چکی تھی کہ اب اسے آسانی سے نہیں بجھایا جا سکتا تھا۔

"چلو اب بھاگو یہاں سے ورنہ ہیروئن کا زہریلا دھواں ہمیں ہلاک کر دے گا۔" میں نے عمر کی پیٹھ تھپک کر کہا' وہ جیسے کسی گہرے خواب سے چونک اٹھا۔ "ہاں ہاں' جلدی نکلیں یہاں سے۔"

ہم دونوں سیڑھیاں چڑھ کر گل ریز کے کمرے میں پہنچے تو آگ اتنی پھیل چکی تھی کہ اس کا دھواں زینے کے راستے کمرے میں داخل ہونے لگا تھا۔ میں نے ریموٹ کنٹرول سے دروازہ بند کرنے والا بٹن آف کر دیا۔ میز ایک بار پھر حرکت میں آئی اور ایک بار پھر پہلے والی جگہ پر جا کر جم گئی۔ اب کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ وہاں کوئی خفیہ راستہ بھی ہو سکتا ہے۔ گل ریز ابھی تک بے ہوش پڑا تھا۔

"اسے گولی مار دوں؟" عمر نے مجھ سے پوچھا۔ "نہیں' اسے یہیں اسی حالت میں چھوڑ دو' کچھ ہی دیر میں یہ پوری عمارت دہکتا ہوا الاؤ بن جائے گی۔ یہ اور اس کے ساتھی خود ہی اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اس کے اور اس کے تمام ساتھیوں کے ہاتھ پاؤں کھول کر اسی کمرے میں بند کر دو تاکہ ان کی موت اور بلڈنگ میں آگ لگنا محض اتفاقی حادثہ معلوم ہو۔ اس طرح کسی ممکنہ پوچھ گچھ سے بچ جائیں گے۔"

"تجویز تو آپ کی اچھی ہے لیکن اگر یہ زندہ بچ گئے تو اچھا نہیں ہوگا' خیر جیسی ان کی قسمت' چلیں اس کے باقی ساتھیوں کو بھی اسی کمرے میں اکٹھا کرتے ہیں۔"

کچھ ہی دیر میں وی سی آر کے شوقین تینوں افراد گل ریز کے کمرے میں پہنچ چکے تھے

جبکہ عمیر چوکیدار کو لینے گیا ہوا تھا۔ اچانک کلاشنکوف کا برسٹ چلنے کی آواز نے ہمیں بری طرح چونکا دیا۔ عمر نے تشویش بھری نظروں سے مجھے دیکھا اور قبل اس کے کہ میں اسے روک پاتا' وہ بجلی کی سی تیزی سے باہر کی طرف لپکا۔ پستول اس کے ہاتھ میں چمک رہا تھا۔ اس کے دروازے تک پہنچتے پہنچتے ایک اور برسٹ چلنے کی آواز فضا میں گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی میں بھی حرکت میں آگیا۔ میں راہداری کے سرے پر پہنچا ہی تھا کہ فضا ایک بار پھر گولیوں کے دھماکوں سے لرز اٹھی۔ یکے بعد دیگرے گونجنے والی یہ کریہہ آوازیں پستول سے کیے گئے فائروں کی تھیں' تبھی میں نے عمر کو دیکھا۔ وہ صحن کے عین وسط میں ایک گھٹنے کے بل بیٹھا اپنے پستول کا رخ بلڈنگ کی چھت کی جانب کیے فائرنگ کر رہا تھا۔ فوری طور پر مجھے کوئی بھی اس کے نشانے کی زد میں نظر نہ آسکا۔ تبھی میری نظر عمیر پر پڑی' وہ عمر سے پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ بے ہوش چوکیدار ابھی تک اس کی پشت پر لدا ہوا تھا۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ شاید عمر نامعلوم کلاشنکوف بردار کی گولیوں کا نشانہ بن چکا تھا۔ میں اس کی جانب بڑھنے ہی والا تھا کہ عمر کے پستول کے میگزین میں گولیاں ختم ہو گئیں' وہ دوسرا پستول نکالنے ہی والا تھا کہ بلڈنگ کی چھت کی منڈیر پر ایک شخص کا ہیولا ابھرا۔ مجھے کلاشنکوف کی بھی دھندلی سی جھلک نظر آئی۔ اس کے ساتھ ہی میری ٹی ٹی گرج اٹھی۔ یکے بعد دیگرے تین گولیوں نے اس شخص کے آس پاس کی دیوار ادھیڑ ڈالی' وہ بچ تو گیا البتہ اسے ایک بار پھر منڈیر کے عقب میں دبک جانا پڑا۔ اس دوران میں عمر اپنا دوسرا پستول کاک کر چکا تھا۔ اس نے منڈیر کی جانب دو فائر کیے اور پھر برق رفتاری سے عمیر کے پاس پہنچا۔ وہ عمیر کو بازو سے پکڑ کر اٹھانے ہی والا تھا کہ عمیر چوکیدار کو ایک طرف پھینک کر کھڑا ہوگیا۔ اس کا لباس خون میں تر تھا لیکن شاید کوئی کاری زخم نہیں لگا تھا۔ عین اسی وقت کلاشنکوف بردار ایک بار پھر منڈیر پر نمودار ہوا۔ میں نے اس بار پورا میگزین اس پر خالی کر دیا۔ گولی تو شاید اسے نہ لگی تھی' تاہم اتنا ضرور ہوا کہ وہ ایک بار پھر منڈیر کے پیچھے دبک گیا۔

"عمیر ٹرک کے پیچھے چھپ جاؤ' جلدی کرو۔" عمر نے چیخ کر کہا' اس کی نظریں منڈیر پر جمی ہوئی تھیں۔ اس صورتحال نے مجھے شدید پریشان کر دیا تھا۔ چھت پر موجود شخص کی پوزیشن ہم سے زیادہ مضبوط تھی۔ اس کے پاس موجود ہتھیار بھی ہم سے زیادہ خطرناک اور لمبی مار والا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے کوئی جلدی نہ تھی۔ وہ جب تک چاہتا ہمیں مقابلے میں الجھائے رکھ سکتا تھا۔ کسی بھی وقت اسے کمک حاصل ہو سکتی تھی۔ فائرنگ کی آواز سن کر پوری آبادی بیدار ہو چکی ہوگی' اگلے چند منٹوں کے اندر آگ بھی اپنی موجودگی کا اعلان کرنے والی تھی۔ اس صورتحال سے نجات کی ایک ہی ترکیب تھی' میں نے فوراً ہی اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں راہداری میں پلٹا اور پھر تیز رفتاری سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ میرے اندازے کے عین مطابق راہداری کے آخری سرے پر چھت پر جانے کے لیے زینہ موجود تھا۔ میں ایک ایک جست میں کئی کئی سیڑھیاں' پھلانگتا' چند ہی لمحوں میں سیڑھیاں ختم ہو گئیں اور میں طویل و عریض چھت پر پہنچ گیا۔

فائرنگ کا تبادلہ ایک بار پھر شروع ہو چکا تھا۔ عمر کے ساتھ ساتھ اب شاید عمیر بھی فائرنگ کر رہا تھا۔ کلاشنکوف والا بھی چھوٹے چھوٹے برسٹ فائر کر رہا تھا لیکن جوابی فائرنگ کے باعث وہ صحیح طرح نشانہ نہیں لے پا رہا تھا۔ وہ چھت کے دوسری طرف مجھ سے پچاس ساٹھ گز کی دوری پر موجود تھا۔ اس تک پہنچنے کے لیے مجھے ایک موڑ بھی مڑنا پڑتا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس کا میگزین ختم ہوتے ہی اس کو جا لوں گا۔ چنانچہ میں موڑ پر پہنچ کر رک گیا۔ اس کی طرف سے فائر کیا گیا برسٹ غیر معمولی طور پر مختصر ثابت ہوا۔ اس کا میگزین اب خالی ہو چکا تھا۔ اگلے ہی لمحے میں اٹھ کھڑا ہوا' اسے محض اتفاق ہی کہنا چاہیے کہ عین اسی وقت اس نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اس کی کھوپڑی کا نشانہ لے کر فائر کرنا چاہا لیکن جانے کیوں میں ٹریگر دباتے دباتے رک گیا۔ وہ لمحہ بھر ساکن کھڑا رہا' پھر تیزی سے مڑ کر ناک کی سیدھ میں دوڑ پڑا۔ اس کا رخ ایک چھوٹے سے کمرے کی جانب تھا۔ میں اسے باآسانی نشانہ بنا سکتا تھا لیکن ایک بار پھر کسی نامعلوم جذبے نے میری انگلی بے جان کر دی۔ وہ شخص کمرے میں گھسا اور دھڑ سے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اس کی کلاشنکوف فرش پر لاوارث پڑی تھی۔ میں تیزی سے آگے بڑھا اور کمرے کے دروازے پر باہر سے کنڈی لگا دی۔

کلاشنکوف اور اس کا آخری لوڈیڈ میگزین اٹھائے میں زینے میں پہنچا تو اچانک مجھے شدید تپش کا احساس ہوا۔ آگ کسی بھی لمحے پوری عمارت کو اپنی لپیٹ میں لینے والی تھی۔ اگر ہم جلد از جلد عمارت سے باہر نہ نکل ائے تو ہم خود بھی اس آگ کی نذر ہو سکتے تھے۔

عمر اور عمیر ابھی تک ٹرک کی اوٹ میں چھپے ہوئے تھے۔ "جلدی سے نکلو یہاں سے' آگ پھیلتی جا رہی ہے۔" میں نے چیخ کر کہا' عمر نے حیرانی سے مجھے دیکھا' پھر منڈیر کی جانب نظر دوڑائی۔ "میں نے اس کا انتظام کر دیا ہے۔ اب جلد از جلد یہاں سے نکل چلو' گولیاں چلنے کی آواز سن کر پولیس بھی اس طرف آ سکتی ہے۔"

عمر نے مزید کچھ کہے بغیر گیٹ کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ عمیر بھی اس کے ساتھ تھا۔ میں نے گیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے ایک نظر منہ کے بل پڑے ہوئے چوکیدار پر ڈالی۔ وہ اپنے ہی خون کے چھوٹے سے تالاب کے وسط میں پڑا تھا۔ کلاشنکوف کے ابتدائی دونوں برسٹ شاید اسی کے جسم میں پیوست ہوئے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ چھت پر موجود شخص بھی چوکیدار رہا ہو گا جو دن بھر کی ڈیوٹی پوری کرنے کے بعد اپنے کمرے میں آرام کر رہا

ہو گا۔ کسی نامعلوم وجہ سے آنکھ کھلنے کے باعث وہ صورتحال سے کسی حد تک واقف ہو گیا لیکن بدحواسی کے عالم میں اپنے ہی ساتھی کو نشانہ بنانے کے علاوہ وہ کوئی خاص کارنامہ انجام نہ دے پایا۔

گیٹ سے باہر نکلتے ہی ہم تینوں تیزی سے دوڑنے لگے۔ پہلے ہی موڑ پر ہمیں اشرف بھی مل گیا۔ اس دوران میں وہ یقیناً سخت پریشان رہا ہو گا۔ ہم بلڈنگ سے دو سو گز دور ہی پہنچے ہوں گے کہ عمیر چکرا کر گر پڑا۔ ہم تینوں واپس اس کے پاس آئے۔ "خیریت تو ہے عمیر' کیا ہوا تمہیں؟" میں نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔ عمیر کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ اس نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا "مجھے .... گولی .... لگی ہے"

"کہاں .... جلدی بتاؤ' کہاں گولی لگی ہے تمہیں؟" عمر نے بیقرار لہجے میں کہا۔ عمیر نے اپنی پسلیوں کی طرف اشارہ کیا اور آنکھیں بند کر لیں' وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ "اسے جلد از جلد کسی ہسپتال لے چلو۔ اس کی زندگی شدید خطرے میں ہے۔" میں پاگلوں کی طرح چیخا۔

عمر اور اشرف نے اسے دونوں ہاتھ اور پاؤں پکڑ کر اٹھایا اور تقریباً دوڑتے ہوئے قریبی سڑک کی طرف بڑھنے لگے۔ میں ان سے بھی زیادہ تیز دوڑ رہا تھا تاکہ سڑک پر پہنچ کر کسی سواری کا انتظام کر سکوں۔ عمیر کے جسم سے تیزی سے خون بہہ رہا تھا' ہر گزرتا لمحہ اسے موت سے قریب اور زندگی سے دور لے جا رہا تھا۔



گہری تاریکی میں لپٹی سڑک پر دور دور تک کسی گاڑی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ اس کہر آلود سرد رات کے آخری پہر میں کسی کی شامت آئی تھی کہ ویران سڑکوں پر جھک مارنے نکل پڑتا البتہ سپرہائی وے پر کوئی نہ کوئی گاڑی ملنے کی امید کی جا سکتی تھی۔ بشرطیکہ عمیر اتنی دور تک ہمارا ساتھ دے پاتا.....

"سپرہائی وے کی طرف چلو۔" میں نے چلا کر عمر اور اشرف کو کہا اور پھر دوڑنے کے انداز میں آگے بڑھا۔ میں نے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ اچانک عقب سے کسی گاڑی کے طاقتور انجن کی غراہٹ سنائی دی۔ میں نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔ ہیڈ لائٹس کی تیز روشنی کے باوجود میں یہ اندازہ لگانے میں کامیاب رہا کہ وہ پجیرو کے قبیل کی کوئی بڑی گاڑی تھی۔ اس گاڑی کو دیکھ کر عمر اور اشرف بھی رک چکے تھے اور نہایت بیتراری کے عالم میں ڈرائیور کو گاڑی روکنے کا اشارہ کر رہے تھے' تاہم گاڑی ان کے پاس رکنے کے بجائے آگے بڑھتی چلی گئی۔ اس دوران میں' میں سڑک کے عین وسط میں آچکا تھا۔ میرے دونوں ہاتھوں نے پستول تھاما ہوا تھا جس کا رخ گاڑی کی ونڈ سکرین کی جانب تھا۔ خلاف توقع اس منظر کا ڈرائیور پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ سابقہ رفتار سے میری طرف بڑھتا رہا حتیٰ کہ گاڑی میرے بالکل قریب پہنچ گئی۔ شاید ڈرائیور کو اندازہ ہو چکا تھا کہ میں محض دھمکانے کے لیے پستول تانے ہوئے ہوں ورنہ گولی چلانا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ گاڑی جب خطرناک حد تک قریب پہنچ گئی تو میں چھلانگ لگا کر اس کے سامنے سے ہٹ گیا۔

وہ بے پناہ طاقتور انجن کی حامل لینڈ کروزر تھی۔ میں اس کے ڈرائیور کو نہیں دیکھ سکا البتہ یہ اندازہ لگانا میرے لیے قطعاً مشکل نہیں تھا کہ وہ بے حد تجربہ کار اور ماہر ڈرائیور تھا۔ میں حسرت بھری نظروں سے لینڈ کروزر کو جاتا دیکھ رہا تھا کہ اچانک مجھے لگا کہ اس کی رفتار کم ہوئی ہے۔ میرا خیال غلط نہیں تھا۔ تقریباً پچاس گز آگے جا کر گاڑی رک گئی۔ پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ریورس ہو کر پیچھے آنے لگی۔ میں یہ دیکھ کر محتاط ہو گیا۔ شاید گاڑی میں سوار افراد ہمیں گستاخی کا مزہ چکھانے کے ارادے سے واپس آ رہے ہیں۔ میں نے پستول کارک کر کے لینڈ کروزر کو نشانے پر لے لیا۔

کچھ ہی دیر میں لینڈ کروزر بالکل قریب آگئی۔ میں سڑک سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ میں لینڈ

کروزر میں موجود افراد کی جانب سے پہل کا منتظر تھا لیکن خلاف توقع گاڑی عین میرے سامنے آکر رک گئی۔ یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ گاڑی میں تیس بتیس سال کی ایک خوش شکل خاتون کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا۔ گاڑی رکتے ہی اس خاتون نے ہاتھ بڑھا کر کوئی بٹن دبایا اور میری طرف کے دروازے کا شیشہ نیچے اترتا چلا گیا۔ قبل اس کے کہ میں آگے بڑھتا یا کچھ کہتا' خاتون کی کھنکناتی' سریلی آواز فضا میں گونجی۔

"کم آن .... ہری اپ ......گاڑی کے اندر آجاؤ......" وہ آواز مجھے قدر مانوس لگی' تاہم مجھ پر حیرت آمیز مسرت کا اس قدر غلبہ تھا کہ میں اس پہلو پر زیادہ توجہ نہ دے سکا۔

"وہ ...میرے ساتھی....وہ بھی میرے ساتھ ہیں....." میں نے عمر اور اس کے ساتھیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ خاصے قریب آچکے تھے۔

"میں جانتی ہوں مسٹر دانش! انہیں بھی گاڑی میں بٹھا لو۔" وہ کھنک دار آواز ایک بار پھر میرے کانوں میں گونجی۔ اس کی زبان سے اپنا نام سن کر مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ تاریک رات کے اس آخری حصے میں اس دور دراز' نیم آباد علاقے میں میرے نام سے واقف یہ عورت کہاں سے آن ٹپکی....معاملہ کچھ زیادہ ہی پراسرار صورت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ میرا دل چاہا کہ پستول کی نال اس عورت کی کھوپڑی پر رکھ دوں۔ وہ شاید میری سوچ پڑھ رہی تھی' اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "کمال ہے' تم مجھے ابھی تک نہیں پہچانے' بھئی میں ڈولی ہوں۔ وہی جس سے تمہاری موبائل فون پر بات ہوئی تھی۔ میں نے کہا تھا ناں کہ ہم جس سے دوستی کرتے ہیں' اس سے آخری حد تک تعاون بھی کرتے ہیں۔ تمہیں مدد کی ضرورت تھی ناں' لو میں آگئی۔ اب اپنے ساتھیوں کو گاڑی میں بٹاؤ۔ زخمی کو فوری طبی امداد کی ضرورت ہے' دیر ہونے کی صورت میں اس کی جان بھی جا سکتی ہے۔"

اس اثناء میں عمر اور اشرف' عمیر کو اٹھائے لینڈ کروزر کے پاس پہنچ چکے تھے۔ ڈولی نے کوئی بٹن دبا کر لینڈ کروزر کے درمیانی حصے کے دروازے کھول دیئے۔ اس مرحلے پر ڈولی کی پیشکش ٹھکرانا میرے لیے کسی بھی طرح ممکن نہ تھا۔ میں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ لینڈ کروزر کی وسیع سیٹوں پر عمر کو چت لٹا دیا گیا۔ اس کا سر اشرف نے اپنی گود میں رکھ لیا جبکہ عمر اور میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئے۔ اگلے ہی لمحے ڈولی نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ "میرا خیال ہے کوئی سرکاری ہسپتال بہتر رہے گا۔" میں نے ڈولی سے کہا۔

جواب میں اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔ "سرکاری ہاسپٹل میں قانونی کارروائی کیے بغیر زخمی کو ایڈمٹ نہیں کریں گے جبکہ ایمرجنسی وارڈ میں بھی قابل اعتماد انتظامات نہیں ہوتے۔ آپ بے فکر رہیں' ہم ایک پرائیویٹ ہاسپٹل میں اس کا علاج کرائیں گے۔ وہاں علاج کی جدید ترین سہولتیں دستیاب ہوں گی جبکہ خواہ مخواہ کی قانونی الجھنوں کا بھی سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اس ہاسپٹل کا ایم ڈی میرا جاننے والا ہے۔"

عمر شاید ڈولی کے غیر معمولی طور پر ہمدردانہ رویئے سے حیران بلکہ پریشان تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ ڈولی نے اس کی موجودگی میں مجھ سے واقفیت کا اظہار نہیں کیا تھا جبکہ عمر خوف سے ہم دونوں کی گفتگو میں دخل نہیں دے رہا تھا کہ خدا جانے میں نے عمیر کے زخمی ہونے کے حوالے سے کیا کہانی گھڑ کر سنائی تھی۔ "آپ اس وقت ہمارے لیے رحمت کا فرشتہ بن کر آئی ہیں۔ ہم تو اپنے ساتھی کی زندگی کی طرف سے مکمل طور پر مایوس ہو جا رہے تھے۔" میں نے محض عمر کو مطمئن کرنے کی خاطر بات کو آگے بڑھایا۔ "آپ اتنی رات گئے کہاں گئی تھیں؟"

"اسی علاقے میں میری گارمنٹ فیکٹری ہے۔ کل صبح ایکسپورٹ کے مال کی ایک بڑی کھیپ کی ڈلیوری دینی ہے۔ پیکنگ کا آخری مرحلہ مکمل کروانے کے لیے میں فیکٹری میں رک گئی تھی۔ کچھ ہی دیر پہلے کام ختم ہوا تھا اور اب میں گھر جا رہی ہوں۔ میں سمجھی تھی کہ شاید تم لوگ میری گاڑی چھیننا چاہتے ہو' لہٰذا میں نے گاڑی نہیں روکی۔ پھر مجھے خیال آیا کہ کوئی دوسرا معاملہ بھی ہو سکتا ہے' لہٰذا میں واپس لوٹ آئی۔ ویسے کیا آپ لوگوں کو واقعی اندازہ نہیں کہ آپ کے دوست کو لگنے والی گولی کس طرف سے آئی تھی؟"

"نہیں جی' ہم سب تو فیکٹری کی چھت پر شیڈ میں سو رہے تھے۔ یہ باتھ روم سے کر واپس آرہا تھا کہ اسے گولی لگ گئی۔ اس کی چیخ سے میری آنکھ نہ کھلتی تو ہمیں پتا بھی چلتا کہ یہ کب اور کیسے مرگیا ہے۔"

سہراب گوٹھ پہنچ کر ڈولی نے گاڑی گلشن اقبال کی جانب موڑ دی۔ میں سوچ رہا تھا کہ کاشف کے بعد کہیں ہم بھی تو کسی ان دیکھے جال میں پھنسنے کے لیے رضاکارانہ طور پر گردنیں تو پیش نہیں کر رہے ہیں؟ تاہم اس صورتحال میں ہم اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتے ہیں؟

رفتہ رفتہ میری سمجھ میں آتا جا رہا تھا۔ اپنے فلیٹ پر واپس لوٹنے کے فوراً بعد ہی اس گروہ کے افراد کی نظروں میں آگیا تھا' تاہم انہوں نے مجھے چھیڑنے یا میرا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کی بلکہ دور دور سے میری نگرانی کرتے رہے۔ میرا' عمر اور اس کے ساتھیوں سے ملنا' گلریز کی گردن ناپ کر اسے اس کے اڈے تک لے کر جانا اور پھر اس کے اندر ہونے والا معرکہ اور دیگر کارروائیوں سمیت سبھی کچھ ان کی نظر میں تھا۔ وہ چپ چاپ اس وقت تک یہ سب دیکھتے رہے جب تک کہ ان کی مداخلت ناگزیر نہیں ہوگئی۔

وہ ایک چھوٹا سا لیکن انتہائی جدید ترین طبی سہولتوں سے آراستہ پرائیویٹ ہاسپٹل تھا جس کے گیٹ پر ریپٹرز سے لیس چاق و چوبند سیکورٹی گارڈ موجود تھے۔ ڈولی نے گیٹ نصب انٹرکام پر کسی سے بات کی۔ اگلے ہی لمحے سکیورٹی گارڈز نے گیٹ کھولکر گاڑی کو داخل ہونے کی اجازت دیدی۔

مجھے یہ اندازہ لگانے میں ذرا بھی دیر نہ لگی کہ ڈیوٹی پر موجود مختصر سے طبی عملے کو پہلے ہی زخمی کی آمد سے آگاہ کیا جا چکا تھا اور وہ لوگ پہلے ہی تمام تیاریاں مکمل کر چکے تھے۔ عمیر کو فوری طور پر آپریشن تھیٹر پہنچا دیا گیا جبکہ میں' اشرف اور عمر کے ساتھ ویٹنگ روم میں جا بیٹھا۔ ہاسپٹل پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد ڈولی چند منٹ بعد واپس آنے کا کہہ کر ہاسپٹل کے اندر ہی کہیں غائب ہو گئی تھی۔ اشرف اور عمر اطمینان اور پریشانی کی ملی جلی کیفیات کے ساتھ عمیر کا آپریشن مکمل ہونے کے منتظر تھے۔ ہم نے ہاسپٹل کے عملے کو پیشکش کی تھی کہ ضرورت پڑنے پر ہم تینوں اپنا خون دینے کو تیار ہیں لیکن یہ کہہ کر ہماری پیشکش مسترد کر دی گئی تھی کہ ہاسپٹل میں ہر گروپ کے خون کی وافر مقدار محفوظ ہے۔ ویسے بھی اس قدر ایمرجنسی کی حالت میں ہمارے بلڈ گروپ چیک کرنا اور پھر خون عمیر کے جسم میں منتقل کرنے کی قطعاً گنجائش نہ تھی۔

گزرتے وقت کا ہر لمحہ ہم پر قیامت بن کر گزر رہا تھا۔ عمیر کو ملنے والی طبی امداد سے مطمئن ہونے کے باوجود ہم تینوں ہی اچھی طرح جانتے تھے کہ عمیر موت کے بے حد قریب پہنچ چکا ہے۔ اتنے قریب کہ اب اس کا واپس لوٹنا آسان نہیں رہا تھا' تاہم ہم تینوں ہی اس بھیانک حقیقت سے آنکھیں چراتے ہوئے امید سے بھرپور باتیں کر رہے تھے۔ ہم دل میں تو عمیر کی زندگی کی دعائیں مانگ رہے تھے البتہ بظاہر خود کو مطمئن اور پراعتماد ظاہر کرنے کے لیے کوشاں تھے۔

ہمیں انتظار کرتے کرتے پورا ایک گھنٹہ گزر گیا لیکن عمیر کے حوالے سے کوئی اطلاع نہ مل سکی۔ اس دوران میں ڈولی چند منٹ کے لیے آئی تھی اور ہمیں تسلی دے کر ایک بار پھر غائب ہو گئی۔ صبح کا اجالا اب ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا تھا۔ ہماری بیقراری اپنی آخری حد تک پہنچ کر اب بے بسی آمیز اطمینان میں ڈھلنے لگی تھی۔ تن بہ تقدیر ہونے کے سوا ہمارے پاس کوئی دوسرا راستہ بھی تو نہیں تھا۔ تناؤ آمیز انتظار کا مزید ایک گھنٹہ گزر گیا۔ تبھی ہمیں ایک بار پھر ڈولی کی شکل نظر آئی۔ وہ خاصی پریشان دکھائی دیتی تھی۔

"آپ کے دوست کے جسم سے گولی نکال دی گئی ہے لیکن اسے ابھی تک ہوش نہیں آیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ جب تک اسے پوری طرح ہوش نہیں آجاتا' اس کی حالت اطمینان بخش قرار نہیں دی جا سکتی۔ ڈاکٹر کے اندازے کے مطابق اسے اب تک ہوش میں آجانا چاہیے تھا۔ خطرہ اس بات کا ہے کہ زیادہ مقدار میں خون بہہ جانے اور پھر خاصی دیر تک طبی امداد نہ ملنے کے باعث کہیں اس کے دماغ میں جانے والی خون کی رگوں کو نہ نقصان پہنچ گیا ہو۔ بہرحال آپ کے دوست کی حالت پر برابر نظر رکھی جا رہی ہے۔ خون بھی دیا جا رہا ہے' اب صرف دعا ہی کی جا سکتی ہے کہ وہ زندگی کی طرف لوٹ آئے۔"

"دعا تو ہم کر رہے ہیں میڈم۔ آپ یہ بتایئے ہمیں ڈاکٹر صاحب کو کیا ادائیگی کرنا

ہوگی۔ اس حوالے سے تکلف مت کیجئے گا کیونکہ ہمارے پاس ادا کرنے کے لیے خاصی بڑی رقم موجود ہے۔" میں نے اپنی جیکٹ کی اندرونی جیبیں تھپتھپا کر کہا۔ گلریز کے سیف سے حاصل ہونے والا مال میری جیبوں میں پوری طرح محفوظ تھا۔ میری بات سن کر ڈولی نے انکار میں گردن ہلا دی۔ "نہیں فی الحال اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کی یہ پریشانی اب میری بھی پریشانی ہے۔ آپ کے دوست کی حالت خطرے سے باہر ہو جائے تو باقی معاملات اس کے بعد بھی طے کیے جا سکتے ہیں۔" آخری الفاظ اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے معنی خیز انداز میں ادا کیے تھے۔ میرے لیے ان الفاظ میں پوشیدہ پیغام سمجھنا ذرا بھی مشکل نہ تھا۔ وہ مناسب موقع ملتے ہی زیبی کی ڈائری کا قصہ چھیڑنے والی تھی۔ میں خود بھی جلد از جلد اس سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا تھا تاکہ کاشف کی رہائی کے معاملے کو فوری طور پر عملی شکل دینے پر مجبور کر سکوں۔ چنانچہ ڈولی کے ویٹنگ روم سے باہر نکلتے ہی میں بھی اس کے پیچھے پیچھے لاؤنج میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہاں ہم دونوں کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا۔ مجھے دیکھ کر ڈولی ٹھہر گئی۔

"میڈم ڈولی' میں آپ سے ابھی اور اسی وقت بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"اگر تم مجھے صرف ڈولی کہو تو مجھے زیادہ اچھا لگے گا' ویسے میرے خیال میں میری عمر اتنی زیادہ تو نہیں ہے کہ مجھے میڈم جیسے بھاری بھرکم لقب سے پکارا جائے' خیر تم کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے دوست کاشف نے تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اس کا تو اس معاملے میں کوئی تعلق نہیں ہے' لہٰذا بہتر یہی ہے کہ تم لوگ اسے رہا کر دو' اگر تم اسے اپنے قبضے میں رکھ کر مجھے سامنے آنے پر مجبور کرنا چاہتے تھے تو تمہارا یہ مقصد بھی پورا ہو چکا ہے۔ میں تمہارے سامنے موجود ہوں' مجھ سے جو چاہے سلوک کرو لیکن کاشف کو رہا کر دو۔" ڈولی میری بات پوری توجہ سے سن رہی تھی لیکن اس کے چہرے کے تاثرات سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سخت الجھن میں مبتلا ہے۔ "آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"جواب تو تب دوں ناں جب میری سمجھ میں کچھ آئے۔ تمہارا دوست ہماری قید میں نہیں ہے بلکہ ہم لوگ اس کا علاج کر رہے ہیں۔ وہ شدید زخمی ہے' اس کی حالت جونہی بہتر ہوئی' ہم اسے رخصت کر دیں گے۔ ہم بھلا اسے کیوں قید کرتے؟ نہ ہی ہم اتنے احمق اور گھٹیا لوگ ہیں کہ ایک شدید زخمی نوجوان کو یرغمال بنا کر تم پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کریں جبکہ مجھے پورا یقین ہے کہ ہم اس طرح کے گھٹیا ہتھکنڈے استعمال کیے بغیر بھی تم سے اپنی مطلوبہ چیز حاصل کر سکتے ہیں۔"

اب میرے حیران ہونے کی باری تھی۔ ڈولی کی باتوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کاشف

کے وجود سے ہی واقف نہیں تھی۔ وہ عمیر کو کاشف سمجھ کر اپنی صفائی پیش کر رہی تھی۔

"میرے زخمی دوست کا نام عمیر ہے' میں اس کی نہیں بلکہ اپنے اس دوست کی بات کر رہا ہوں جو میرے ساتھ سکول میں جاب کرتا ہے اور جس کے ساتھ میں موٹر سائیکل پر سکول آتا جاتا ہوں اور جسے تم لوگوں نے اسی روز اغوا کر لیا تھا جس روز میں چھپ کر فرار ہوا تھا۔ وہ ہر روز کی طرح مجھے ساتھ لے جانے کے لیے آیا ہوگا اور تمہارے ان ساتھیوں کی نظر میں آگیا ہو گا جو میری نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ اسے یقیناً اس لیے اغوا کیا گیا ہو گا تاکہ اسے قابو میں رکھ کر تم لوگ مجھے سامنے آنے پر مجبور کر سکو۔" میں بات کرتے کرتے خاصا جذباتی ہو چلا تھا۔ ڈولی نے میری زبان سے نکلنے والا ایک ایک لفظ غور سے سنا تھا' تاہم اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی نظر آ رہی تھی۔

"میں یہ نہیں کہوں گی کہ تم جھوٹ بول رہے ہو البتہ یہ ضرور کہنا چاہوں گی کہ تم کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہو۔" ڈولی کے لہجے میں سچائی کی جھلک نمایاں تھی۔ "اگر واقعی تمہارا دوست اغوا ہے تو یہ یقیناً تمہارے کسی دشمن کی کارستانی ہوگی۔ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں اور ایک بار پھر دہرانا چاہوں گی کہ ہم تمہیں دشمن نہیں بلکہ اپنا دوست سمجھتے ہیں اور ہماری خواہش ہے کہ تم بھی ہمیں اپنا دوست سمجھو۔ اس دوطرفہ دوستی میں ہم سب کا فائدہ ہے۔ جہاں تک تمہارے دوست کے اغوا کا تعلق ہے تو تمہارا دوست ہونے کے ناطے وہ ہمارے لیے بھی محترم ہے۔ ہم نے اسے اغوا تو نہیں کیا البتہ اسے بازیاب کرانے میں ہم تمہاری بھرپور مدد کریں گے تاکہ ہماری دوستی مزید مضبوط ہو سکے۔"

"لیکن تم فون پر ہونے والی گفتگو میں واضح طور پر ظاہر کر چکی ہو کہ زیبی کی ڈائری حاصل کرنے کے لیے تم لوگ کسی بھی حد تک جا سکتے ہو۔ میں کیسے مان لوں کہ میرے غائب ہونے کے باوجود تم لوگ خاموش بیٹھے رہے ہو گے۔ مجھ تک پہنچنے کے لیے تم لوگوں کے پاس واحد راستہ کاشف تھا جسے تمہارے ساتھیوں نے فوری طور پر قابو کر لیا کیونکہ وہ میرے اچانک غائب ہونے کے باعث پریشان ہو گئے ہوں گے۔"

"میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ یہ ہم لوگوں کا سٹائل نہیں ہے' نہ ہی ہم نے تمہاری نگرانی کے لیے لاٹھی بردار چوکیدار بٹھا رکھے ہیں' وہ دور بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ سائنسی ترقی نے سب کچھ بدل ڈالا ہے۔ ہم تمہاری نگرانی ضرور کرتے رہے ہیں لیکن اس کا طریقہ بالکل مختلف ہے' بس یہ سمجھ لو کہ تم ہماری نظروں سے اوجھل ہونے کے باوجود ہماری پہنچ سے باہر نہیں تھے۔ ہم بہت معمولی کوشش سے تم تک پہنچ سکتے تھے لیکن ہم نے اس کی کوشش ہی نہیں کی یا یہ سمجھ لو کہ ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ میں تمہیں جو کچھ سمجھانا چاہتی تھی' فون پر اچھی طرح سمجھا چکی تھی۔ اب فیصلہ تمہیں کرنا تھا' ہم چاہتے تھے تم خوب سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کرو۔ اب تمہاری مرضی کہ تم اپنے فلیٹ میں رہو یا کسی اور

جگہ البتہ موبائل فون میں نے ضرور واپس منگوا لیا تھا کیونکہ اس کی بیٹری ختم ہو گئی تھی۔ میں تم سے اب بھی ڈائری کے متعلق بات نہیں کروں گی کیونکہ مجھے یقین ہے تم ابھی تک کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے ہو جونہی کسی فیصلے پر پہنچے تم خود ہی مجھے بتا دو گے۔" ڈولی کے لہجے میں حسب معمول بے پناہ اعتماد تھا۔

"اچھا یہ بتائیں، کل یعنی گزشتہ شام میرے گھر واپس لوٹنے کی خبر آپ کو کب اور کیسے ہوئی؟" میں نے دوستانہ لہجے میں پوچھا۔ ڈولی کے چہرے پر اس کی مخصوص مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ "تمہارے بلڈنگ میں داخل ہوتے ہی مجھے اطلاع مل گئی تھی البتہ فی الحال یہ نہیں بتاؤں گی کہ یہ اطلاع مجھے کیسے ملی۔ بس یہ سمجھ لو کہ کل شام سے لے کر اب تک تم گویا ہر لمحے میری نظروں کے سامنے رہے ہو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم گلریز کے اڈے میں ہونے والی تمام کارروائی سے بھی پوری طرح واقف ہو؟" میں نے اپنا اضطراب چھپاتے ہوئے پوچھا۔ "ارے بھئی، یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔" مجھے کوئی خواب تو نہیں آیا تھا کہ فلاں علاقے کی فلاں سڑک پر تمہیں ضرورت ...... میرا مطلب ہے میری مدد کی ضرورت ہے۔ البتہ ہم نے بلڈنگ کے اندر کے معاملات میں دخل دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ تم لوگ اپنے مقصد میں باآسانی کامیابی حاصل کر لو گے البتہ آخر میں تھوڑی سی گڑبڑ ہو گئی۔"

"تم لوگ واقعی بہت خطرناک ہو، اس کا مطلب میں اور میرے دوست حقیقتاً مکمل طور پر تمہارے رحم و کرم پر ہیں اور تمہاری دوستی کی پیشکش قبول کرنے یا نہ کرنے پر ہی ہماری زندگی کا دار و مدار ہے۔"

"میں یہ بات اس انداز میں کہوں گی کہ ہم سب کا فائدہ دوست بننے اور دوستی نبھانے میں ہی ہے اور جلد یا بدیر تم بھی اسی نتیجے پر پہنچ جاؤ گے۔ ویسے تمہاری طرح تمہارے دوست بھی مجھے اچھے لگے ہیں۔ ایسے بہادر اور نڈر دوست کسی خوش نصیب کو ہی ملتے ہیں۔ ویسے تم بے فکر رہو، تمہارے دوستوں کا ہمارے آپس کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ جب چاہیں اپنے گھروں کو جا سکتے ہیں اور تم پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے۔ بس اتنی سی گزارش ہے کہ ہماری پیشکش پر غور کرتے رہو۔ اس بار جو موبائل فون تمہارے فلیٹ پر پہنچ چکا ہے، اس کے ہمراہ ایک چھوٹا سا ریموٹ کنٹرول ٹائپ کا آلہ بھی ہو گا۔ تم جب بھی مجھ سے بات کرنا چاہو، اس آلے پر موجود بٹن دبا دینا۔ میں کال کر کے تم سے بات کر لوں گی۔ تم بس اتنا کام ضرور کرنا کہ جونہی موبائل فون کی بیٹری ختم ہونے لگے، اسے فون کے ساتھ ہی موجود چارجر پر لگا کر چارج کر لینا۔ یہ ڈیوٹی تو موبائل فون رکھنے والے ہر شخص کو ادا کرنا ہی پڑتی ہے۔ اس بار کہیں جانا ہو تو اسے چھوڑ کر جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تمہاری ملکیت ہے۔"

ڈولی کچھ دیر بعد پھر آنے کا کہہ کر ہاسپٹل کے اندرونی حصے میں غائب ہو گئی۔ میں واپس عمر اور اشرف کے پاس آ گیا۔ وہ دونوں شدید افسردہ اور پریشان نظر آ رہے تھے۔ میں ان کی سوالیہ نظروں کا سامنا نہ کر پایا۔ انہوں نے شاید میرے چہرے پر لکھی تحریر پڑھ لی تھی۔ چنانچہ انہوں نے کوئی سوال کرنا مناسب نہ سمجھا۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد ڈولی واپس لوٹی تو اس کے پاس ہمارے لیے زبردست خوشخبری موجود تھی۔ عمیر کی حالت خطرے سے باہر ہو چکی تھی اور امید تھی کہ وہ بہت جلد ہوش میں آنے والا ہے۔ عمر اور اشرف بھیگی آنکھوں کے ساتھ مجھ سے لپٹ گئے۔ پھر ہم تینوں نے نہایت جذباتی لہجے میں ڈولی کا شکریہ ادا کیا۔

"مجھے بے حد خوشی ہے کہ میں آپ کے دوست کی زندگی بچانے میں آپ کی کچھ مدد کر سکی۔ میرا نام و پتا جاننا آپ کے لیے بیکار ہے کیونکہ میں خود کو اس معاملے سے الگ تھلگ رکھنا چاہتی ہوں۔ آپ کا دوست جب تک پوری طرح صحت مند نہیں ہوتا، اسے اعلیٰ طبی سہولتیں حاصل رہیں گی۔ اس سلسلے میں آپ لوگوں کو کوئی ادائیگی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہاں سے جانے کے بعد اس واقعے کو ہمیشہ کے لیے بھولنے کی کوشش کروں گی اور آئندہ کبھی آپ لوگ سامنے آئے تو میں آپ کو پہچانوں گی بھی نہیں۔ براہ مہربانی آپ لوگ بھی ایسا ہی کیجیے گا، اسی میں سب کی بھلائی ہے۔" ڈولی بات مکمل کرنے سے پہلے مجھے شرارتی انداز میں آنکھ مارنا نہیں بھولی تھی، میں نے چونک کر عمر اور اشرف کو دیکھا، ان دونوں کی گردنیں احسان کے بوجھ سے اس قدر دب چکی تھیں کہ وہ ڈولی کے دلکش چہرے پر نظر ڈالنے کے روادار نہ تھے۔

ڈولی کے جانے کے نصف گھنٹے بعد ایک نرس نے آ کر بتایا کہ عمیر کو ہوش آ چکا ہے اور ہم اس سے مل سکتے ہیں البتہ زیادہ بات چیت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہم تینوں نہایت بیقراری کے عالم میں عمیر کے پاس پہنچے۔ وہ ایک چھوٹے سے لیکن خوبصورت کمرے میں ایک صاف ستھرے بیڈ پر دراز تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ابھی تک ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر زردی بکھری ہوئی تھی۔ ہمیں دیکھ کر اس کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ ابھری۔ اس نے کچھ بولنا چاہا لیکن میں نے اسے منع کر دیا۔ "آج شام تک کمزوری کچھ کم ہو جائے گی، اس کے بعد جی بھر کے بات کر لینا۔ فی الحال تم خوب آرام کرو اور جلدی سے ٹھیک ہونے کی کوشش کرو۔ آج شام تک تو تمہارے بھائی اور بھابھی کو تمہاری فکر نہیں ہو گی لیکن اگر آج رات اور کل صبح بھی تم گھر نہیں پہنچے تو وہ پریشان ہو جائیں گے۔"

میری بات سن کر عمیر نے دھیرے سے نفی میں گردن ہلائی۔ پھر دھیمے لہجے میں رک رک کر کہا "ان سے کہنا کہ سوہن شریف سے واپسی پر میں اپنی خالہ کے پاس میرپور خاص

چلا گیا ہوں۔ وہ مطمئن ہو جائیں گے۔"

عمر اور اشرف نے اس کی تائید کی۔ انہوں نے بتایا کہ عمیر کے والدین اسے چند سال کا چھوڑ کر ایک حادثے کا شکار ہو گئے۔ اس کے بعد عمیر کی پرورش اس کی خالہ کے گھر میرپور خاص میں ہی ہوئی تھی اور اس نے میٹرک تک تعلیم بھی وہیں حاصل کی تھی۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے وہ کراچی آگیا جہاں اس کا بڑا بھائی ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہے۔ عمیر اب بھی اکثر میرپور خاص جاتا رہتا تھا جہاں سے اس کی واپسی کئی ہفتوں بعد ہوتی تھی۔ اس دوران میں اس کا کراچی میں اپنے بھائی اور بھابھی سے کوئی رابطہ نہیں ہوتا تھا۔ یہ سب جان کر میرے ذہن سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا۔ میں یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ اس حادثے کی اطلاع عمیر کے بھائی اور بھابھی تک پہنچ گئی تو ہمیں جوابدہی کرنا مشکل ہو جائے گی اور بظاہر زیادہ دیر تک یہ حادثہ عمیر کے گھر والوں سے پوشیدہ بھی نہیں رکھا جا سکتا تھا کیونکہ عمیر کے گھر نہ پہنچنے پر اس کا بھائی عمر اور اشرف سے پوچھ گچھ کرتا اور مناسب جواب نہ ملنے پر ہنگامہ برپا کر دیتا۔ کون جانے وہ عمر اور اشرف کو حوالات کی سلاخوں کے پیچھے ہی پہنچا دیتا کیونکہ عمر اور اشرف مجھے بتا چکے تھے کہ عمیر کا بھائی ان دونوں کو کچھ زیادہ پسند نہیں کرتا کیونکہ بقول اس کے' انہوں نے عمیر کو بھی اپنی طرح آوارہ گرد اور سرپھرا بنا ڈالا تھا جبکہ میرپور خاص سے کراچی پہنچنے تک وہ بے حد سیدھا سادہ اور اپنی کتابوں میں گم رہنے والا نوجوان ہوا کرتا تھا۔

ہم تینوں شام تک عمیر کے پاس بیٹھے رہے۔ وہ زیادہ تر نیند کی دوا کے زیر اثر رکھا جا رہا تھا' تاہم اس کی حالت میں نمایاں بہتری نظر آ رہی تھی۔ شام ہوتے ہی میں نے عمر اور اشرف کو عمیر کے گھر بھیج دیا تاکہ اس کے گھر والوں تک عمیر کے میرپور خاص جانے کی اطلاع پہنچا دیں۔ میں نے عمر اور اشرف کو کہا تھا کہ وہ دونوں بھی رات اپنے اپنے گھروں پر گزاریں کیونکہ عمیر کے پاس میں موجود ہوں لیکن نو بجے کے قریب وہ واپس لوٹ آئے۔

"معاملہ پوری طرح قابو میں ہے۔" عمر نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ "بلکہ بشیر بھائی تو شاید یہ خبر سن کر دل میں خوش ہو رہے تھے کہ عمیر میرپور خاص چلا گیا ہے کیونکہ اس طرح یہ لوگوں کی بری صحبت سے بچا رہتا ہے۔" کچھ دیر بعد میں نے اصرار کر کے ان دونوں کو واپس بھیج دیا۔

وہ سرد رات میں نے خاصی بے چینی کے عالم میں گزاری۔ ڈولی کی جانب سے کاشف کے اغوا سے صاف انکار کے بعد یہ سوال مسلسل میرے ذہن کی دیواروں سے ٹکرا رہا تھا کہ پھر کاشف کو کن لوگوں نے اغوا کیا ہے۔ ایک ہی جواب تھا جو میرے ذہن کے پردے پر ابھرتا لیکن میں فی الحال اس پر غور نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس صورت میں کاشف کی خیریت کے حوالے سے خاصے تشویشناک خیالات ذہن میں کلبلانے لگتے تھے۔ میں چاہتا تھا

کہ اس بارے میں ڈولی سے بھی جلد از جلد بات کروں لیکن صبح سے پہلے ایسا ممکن نہ تھا۔

صبح ہوتے ہی عمر اور اشرف ہاسپٹل آن پہنچے۔ میرا ناشتہ وہ اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ عمیر بھی بیدار ہو چکا تھا اور خاصا ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔ میں نے ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر سے عمیر کی حالت کے بارے میں بات کی۔ اس کا کہنا تھا کہ زخم گہرا ہونے کے باعث اسے چند دن مزید بستر پر رہنا ہوگا۔ اس کے بعد وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گا۔ میں نے اپنے تینوں ساتھیوں تک یہ اطمینان بخش اطلاع پہنچائی۔ ہم چاروں کچھ دیر تک گپ شپ کرتے رہے۔ پھر میں نے دوپہر تک کے لیے ان سے اجازت طلب کی اور ہاسپٹل سے باہر نکل آیا۔

میں فلیٹ میں پہنچا تو سامنے ہی میز پر موبائل فون سجا ہوا نظر آیا۔ اس کے ساتھ ہی چارجر اور ریموٹ کنٹرول نما آلہ بھی موجود تھا۔ میں نے ریموٹ کنٹرول نما آلے پر موجود بٹن دبا دیا۔ مجھے محض چند منٹ انتظار کرنا پڑا۔ فون کی بیل بجتے ہی میں نے انٹینا کھینچ کر رابطہ قائم کر لیا۔

"اچھا تو بالآخر تم گھر پہنچ ہی گئے' تمہارے دوست کا کیا حال ہے؟" ڈولی نے شگفتہ لہجے میں پوچھا۔ "بالکل ٹھیک ہے' ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ وہ بہت جلد اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے گا۔"

"اگر وہ کہہ رہے ہیں تو پھر یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ ان کا شمار شہر کے بہترین سرجنوں میں ہوتا ہے۔ تمہارے دوست کی خوش قسمتی ہے کہ اسے بروقت اتنا عمدہ سرجن مل گیا۔ آپریشن میں ذرا سی بھی دیر ہو جاتی تو اس کا بچنا ناممکن تھا۔ بہرحال تم یہ بتاؤ کہ کسی کام سے مجھے کال کیا تھا یا پھر محض گپ شپ لڑانے کے لیے؟"

"جب تک کاشف اپنے گھر واپس نہیں آجاتا تب تک میں سکون سے نہیں سو سکتا۔ اب جبکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کاشف کو گلریز اور تم لوگوں نے اغوا نہیں کیا ہے تو پھر میرے ذہن میں انہی لوگوں کا خیال آ رہا ہے جو میرے فلیٹ میں گھس کر میرے ساتھ دھینگا مشتی کرتے رہتے تھے اور جنہیں بعد میں ......" میں نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ہاں ہاں بولو' گھبرانے کی ضرورت نہیں' کھل کر بات کرو۔ ویسے جو بات تمہارے ذہن میں آئی' وہی میرے ذہن میں بھی آچکی ہے۔ تاہم میں اس معاملے میں تھوڑی سی چھان بین کرنے کے بعد کوئی رائے قائم کرنا چاہتی ہوں۔ دراصل ان چار بندوں کا پتا صاف ہونے کے بعد وہ لوگ مکمل طور پر روپوش ہو گئے ہیں اور انہوں نے دوبارہ ہمارے راستے میں آنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اگر یہ کارروائی انہی لوگوں کی ہے تو اس کا مطلب ہے' وہ لوگ ایک بار پھر اپنی پہلی والی حرکتوں پر اتر آئے ہیں اور ہمیں ایک بار پھر

انہیں مزہ چکھانا پڑے گا۔ بہرحال تم اپنی حفاظت کے حوالے سے محتاط ہو جاؤ۔ میں دو بندوں کی ڈیوٹی لگا دیتی ہوں' وہ تم سے کچھ فاصلہ رکھ کر تمہاری حفاظت کرتے رہیں گے۔"

"مجھے اپنی نہیں بلکہ کاشف کی فکر ہے۔ کہیں وہ اپنے چار بندوں کے قتل کا انتقام کاشف سے لینے پر نہ تل جائیں۔ وہ بے حد گھٹیا اور بے رحم لوگ ہیں۔ اگر اس بار میں ان کے ہتھے چڑھ گیا تو وہ میری بوٹیاں نوچ کر کھا جائیں گے۔ وہ تو میرے حلق میں ہاتھ ڈال کر ڈائری برآمد کر لینا چاہتے تھے۔ پتا نہیں انہیں اور آپ لوگوں کو یقین کیوں نہیں آتا کہ میں اس ڈائری کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"فی الحال اس موضوع کو رہنے دیں' تمہارا دوست کاشف رہا ہو جائے' اس کے بعد اس معاملے پر کھل کر بات کریں گے۔ میں ان لوگوں کا پتا کراتی ہوں۔ اگر ان میں سے کوئی تمہاری نگرانی کے لیے موجود ہوا تو پھر کھیل ابھی اور اسی وقت شروع ہو جائے گا۔ بس تم اتنی احتیاط رکھنا کہ کہیں بھی جانے سے پہلے مجھے ضرور اطلاع دے دینا تاکہ میں اپنے ساتھیوں کو ہوشیار کر سکوں۔ اگر تمہارے خدشات درست ثابت ہوئے اور کاشف کے اغوا میں انہی لوگوں کا ہاتھ ہوا تو پھر ہم ان لوگوں کا پکا علاج کر دیں گے۔"

"فی الحال تو میں عمیر کی تیمارداری کے لیے ہاسپٹل جا رہا ہوں۔ آپ چاہیں تو مجھے وہاں فون کر سکتی ہیں۔ میں فون اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ریموٹ سگنل ڈیسپچو بھی اپنے ساتھ لے لو تاکہ بوقت ضرورت مجھے کال کر سکو۔ اگلے ایک دو روز کے اندر اندر تمہاری گاڑی ہم تم تک پہنچا دیں گے۔ بغیر گاڑی کے ادھر ادھر خواری کچھ زیادہ خوشگوار تجربہ نہیں ہوتا' گاڑی تو چلانی آتی ہے ناں تمہیں؟" ڈولی نے کہا۔

"گاڑی تو خیر چلا لیتا ہوں لیکن فی الحال آپ یہ زحمت نہ کریں تو زیادہ بہتر ہے۔"

"چلو جیسے تمہاری مرضی' تم جب کہو گے گاڑی تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔ ویسے کیا تم یہ نہیں جاننا چاہو گے کہ کل رات تم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر جو کارنامہ انجام دیا تھا' اس کا نتیجہ کیا نکلا؟"

"اوہ! کیا آپ کو معلوم ہے ہمارے وہاں سے فرار ہونے کے بعد وہاں کیا ہوا تھا؟ کیا گلریز اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں مل گئی ہیں؟"

"لاشیں تو تب ملتیں ناں جب وہ ہلاک ہوتے' چوکیدار کے علاوہ ان میں سے کوئی بھی نہیں مرا البتہ تہہ خانے میں موجود تمام مال جل کر راکھ ہو گیا ہے اور بلڈنگ کو بھی شدید نقصان پہنچا ہے۔"

"وہ سب کیسے زندہ بچ گئے؟ جب ہم وہاں سے فرار ہوئے تو آگ بری طرح پھیل چکی تھی۔" میں نے سخت حیرانی کے عالم میں پوچھا۔

"تم شاید اس شخص کو بالکل فراموش کر چکے ہو جس نے گولی چلا کر تمہارے دوست عمیر کو شدید زخمی کر دیا تھا۔ تم لوگوں کے فرار ہونے کے فوراً بعد وہ روشن دان کے راستے کمرے سے باہر نکل آیا تھا اور اس نے اپنی جان پر کھیل کر گلریز اور اس کے ساتھیوں کو بچا لیا تھا۔"

"کیا آپ جانتی ہیں اس بلڈنگ کے تہہ خانے میں منشیات کا بہت بڑا ذخیرہ تھا جسے ہم نے جلا کر راکھ کر دیا۔"

"معلوم ہے' سب کچھ معلوم ہے۔ منشیات کے علاوہ گلریز اور اس کا باپ اسلحے کی سمگلنگ بھی کرتے ہیں' بہرحال گلریز جیسے خطرناک دشمن کو زک پہنچا کر تم لوگوں نے اپنی اور اپنے گھر والوں کی زندگیاں داؤ پر لگا دی ہیں۔ گلریز پہلی فرصت میں اس شکست کا بدلہ لینے کی کوشش کرے گا۔"

"اوہ! یہ تو واقعی بے حد خطرناک صورتحال پیدا ہو گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے گلریز اور اس کے ساتھیوں کو زندہ چھوڑ کر ہم نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ میری تو خیر کوئی بات نہیں البتہ ان تینوں کے گھر والوں کو وہ ضرور اپنے انتقام کا نشانہ بنانے کی کوشش کرے گا۔ مسئلہ یہ ہے کہ ان سب لوگوں کو کیسے قائل کیا جائے کہ ان کی زندگیاں خطرے میں ہیں بلکہ اتنے بہت سے لوگوں کو پوشیدہ رکھنا بھی تو بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ خصوصاً اس صورت میں کہ ہمارے پاس وقت بھی بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ گلریز کسی بھی وقت کوئی انتقامی اقدام کر سکتا ہے۔"

"ارے! تم بھی اس طرح کی باتیں کر رہے ہو؟ تم تو روپوش ہونے میں غیر معمولی مہارت رکھتے ہو۔ اس طرح اچانک غائب ہوتے ہو کہ ہم جیسے گھاگ لوگ بھی باوجود کوشش کے تمہارا ٹھکانہ نہیں ڈھونڈ پاتے۔ ان لوگوں کو بھی اپنی اسی پناہ گاہ' اسی ٹھکانے پر لے جاؤ جہاں تم اتنے دنوں تک چھپے رہے ہو۔"

"یہ طنز و طعنے بازی کا وقت نہیں ہے۔ اتنے بہت سے لوگوں کی زندگیاں خطرے میں ہیں۔ اگر آپ میری کوئی عملی مدد نہیں کر سکتی ہیں تو کم از کم کوئی مفید مشورہ ہی دے دیں۔ میرا دماغ تو مفلوج ہو کر رہ گیا ہے۔"

"اگر تم چاہو تو میں ان تمام لوگوں کے لیے پناہ گاہ کا بندوبست کر سکتی ہوں لیکن ایسا کرنا مسئلے کا حل نہیں ہے۔ وہ لوگ کتنے دن تک روپوش رہ سکتے ہیں؟ کبھی نہ کبھی تو ان کی واپسی ہو گی' اس کے بعد وہ مکمل طور پر گلریز کے رحم و کرم پر ہوں گے۔"

"اوہ! پھر اس مسئلے کا کیا حل ہو سکتا ہے؟" میں نے جھنجلا کر کہا' ڈولی شاید میری جھنجلاہٹ سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہی تھی۔ "حل تو میرے سامنے ہی موجود ہے اتنا زیادہ مشکل بھی نہیں ہے' تمہارے پستول کے میگزین خالی تو نہیں ہیں ناں؟"

"تمہارا مطلب ہے....." ڈولی نے میری بات کاٹ دی۔ "مطلب صاف ہے' گلریز کے خطرے کا واحد اور مستقل علاج بس یہی ہے کہ اسے ختم کر دیا جائے۔"

"لیکن اب تک تو وہ اپنے باپ رستم خان سمیت سبھی لوگوں کو بتا چکا ہوگا کہ یہ کارروائی کن لوگوں نے کی ہے۔ ایسے میں ہم کتنے لوگوں کو ختم کر سکیں گے؟ اگر کل رات ہی وہ سب مر جاتے تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو پاتی کہ اس کارروائی کے پیچھے ہمارا ہاتھ ہے۔" میں نے سخت پچھتاوے کے عالم میں کہا۔

"یہ سب کچھ تو تمہیں کل سوچنا چاہیے تھا ناں؟ اسی لیے میں تم سے بار بار کہتی ہوں کہ ہم سے دوستی کر لو' اس میں ہم سب کا بھلا ہے۔ خیر میں تمہیں مزید پریشان نہیں کروں گی۔ تم ہمیں دوست سمجھو نہ سمجھو' ہم تم سے مسلسل دوستی نبھاتے رہیں گے۔ بے فکر ہو جاؤ' تمہارے دوستوں اور ان کے گھر والوں کی زندگیاں گلریز کے خطرے سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو چکی ہیں کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت جل کر بھسم ہو چکا ہے۔"

"لیکن آپ تو کہہ رہی تھیں....." میرے بات پورا کرنے سے پہلے ہی ڈولی بول پڑی۔

"میں نے جو کچھ کہا' وہ جھوٹ نہیں ہے' گلریز کا ساتھی واقعی سب کو بچانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے ان سب کو پیجیرو میں لاد لیا تھا لیکن وہ انہیں ساتھ لے کر بلڈنگ سے باہر نہ نکل سکا کیونکہ میرے ساتھیوں نے اس کی کھوپڑی میں گولی اتار دی اور اسے اور باقی تمام افراد کو واپس اسی کمرے میں پہنچا کر دروازہ لاک کر دیا۔ اس طرح وہ سب اپنے انجام کو پہنچ گئے۔"

"اوہو! یہ تو واقعی ہمارے لیے زبردست خوشخبری ہے۔ آپ نے ہمیں بہت بڑے خطرے سے نجات دلا دی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کن الفاظ میں آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

"ہمیں شکریے کی نہیں بلکہ تعاون کی ضرورت ہے مسٹر دانش' ہم نے تمہارے مفادات کی حفاظت کی ذمہ داری سنبھال رکھی ہے اور ہم اس وقت کے منتظر ہیں جب تم بھی رضاکارانہ طور پر ہمارے مفادات کی تکمیل کرنے پر آمادہ ہو جاؤ گے۔" ڈولی کے لہجے میں ہلکی سی شکایت پوشیدہ تھی۔ اس کے انداز گفتگو نے مجھے شرمندہ سا کر دیا۔ گزشتہ چند دنوں کے دوران میں وہ لوگ جو کچھ میرے لیے کر چکے تھے' اس کے پیش نظر وہ لوگ شکوہ کرنے میں حق بجانب تھے۔

"میں بے حد شرمندہ ہوں ڈولی۔ کاش آپ کے کسی کام آنا میرے بس میں ہوتا۔ یقین کرو....." میری توقع کے عین مطابق ڈولی نے مجھے ڈائری کے حوالے سے لاعلمی کے اظہار کا موقع نہیں دیا۔ "اچھا' میں پھر کسی وقت فون کروں گی' میں نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا ہے کہ وہ تمہارا خیال رکھیں اور تمہاری نگرانی کے لیے متعین ممکنہ افراد پر بھی نظر

رکھیں۔ وہ لوگ اگر نظر میں آ گئے تو میرے ساتھی اسی صورت میں مداخلت کریں گے جب تمہاری زندگی کو کوئی خطرہ لاحق ہوگا ورنہ وہ ان افراد پر نظر رکھنے پر اکتفا کریں گے اور ان کی کوشش ہوگی کہ نگرانی کرنے والوں کا تعاقب کر کے ان کے ٹھکانے تک پہنچا جا سکے۔ کسی ہنگامی صورتحال میں میرے ساتھی تم سے براہ راست بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں وہ خود کو ایمپائر کہہ کر متعارف کرائیں گے۔ تم ان سے مکمل تعاون کرنا کیونکہ وہ یقیناً تمہیں کسی ممکنہ خطرے سے بچانے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے' میں آپ کی تمام ہدایات پر عمل کروں گا' اب میں عمیر کے پاس ہاسپٹل جا رہا ہوں۔"

میں نے موبائل فون اور سگنل بھیجنے والا آلہ اپنی جیکٹ کی جیب میں ڈالا اور فلیٹ سے اتر کر سامنے والی سڑک پر آ گیا۔ میں باوجود کوشش کے اپنی نگرانی پر متعین کوئی بھی شخص تلاش نہ کر پایا۔ بالآخر میں نے ایک خالی ٹیکسی کو ہاتھ دے کر روکا اور عمیر کے پاس ہاسپٹل پہنچ گیا۔

عمیر کی حالت مزید بہتر ہو چکی تھی۔ ہم چاروں شام ڈھلے تک آپس میں گپ شپ کرتے رہے البتہ میں نے انہیں گلریز اور اس کے ساتھیوں کے عبرتناک انجام کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ یہ خبر ٹی وی یا اخبارات کے ذریعے ان تک پہنچتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔ اس دوران میں نے اپنا موبائل فون بھی آف رکھا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے پاس موبائل فون جیسی غیرمانوس چیز دیکھ کر وہ خواہ مخواہ کے تجسس میں مبتلا ہو جائیں۔ رات ہونے پر میں نے عمر اور اشرف کو اپنے گھروں میں جانے کی ہدایت کی۔ وہ دونوں ہی رات رکنے پر بضد تھے لیکن میں نے اجازت نہ دی۔ ان کے جانے کے کچھ دیر بعد میں واش روم میں گھس گیا اور ڈولی کو کال کرنے کا سگنل دے دیا۔ کچھ ہی دیر میں میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"میں نے یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ میں آج رات عمیر کے پاس ہاسپٹل میں ٹھہروں گا' میری نگرانی کرنے والوں کے بارے میں آپ کے ساتھیوں نے کیا رپورٹ دی ہے؟" ڈولی کی آواز سنتے ہی میں نے کہا۔

"میں خاصی دیر سے تمہاری کال کا انتظار کر رہی تھی' خیر مجھے تمہیں یہی بتانا تھا کہ میرے ساتھی تمام تر کوشش کے باوجود کوئی ایسا شخص تلاش نہیں کر پائے ہیں جس پر تمہاری نگرانی کا شبہ کیا جا سکے۔ تمہارے گھر سے لے کر ہاسپٹل تک کسی نے تمہارا تعاقب نہیں کیا۔ گویا فی الحال تم پوری طرح محفوظ ہو۔ اگر آج رات تم ہاسپٹل کے اندر ہی رہنا چاہتے ہو تو میں اپنے ساتھیوں کو صبح تک کے لیے تمہاری نگرانی سے ہٹا دیتی ہوں۔ ہاسپٹل کی سکیورٹی کا نظام بہت عمدہ ہے' تمہیں وہاں کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔"

"میرا خیال ہے یہی بہتر ہوگا کیونکہ میں رات کے وقت ہاسپٹل سے باہر نکلنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ ویسے بھی میں اپنی حفاظت بخوبی کر سکتا ہوں۔"

عمیر کو خواب آور انجکشن لگانے کے بعد نرس دو گھنٹے بعد پھر آنے کا کہہ کر چلی گئی۔

میں اپنے ساتھ لائی ہوئی کتاب پڑھتا رہا تھا۔ نیند کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ میرا ذہن بار بار کتاب سے ہٹ کر ادھر ادھر بھٹکنے لگتا تھا۔ گزشتہ کچھ عرصے کے دوران میں میری زندگی کی کہانی میں جو حیرت انگیز موڑ آئے تھے' ان کے بارے میں کسی کو بتاتا تو وہ شاید یقین نہ کر پاتا۔ میری سیدھی سادی' روکھی پھیکی زندگی ایکشن اور سسپنس سے بھرپور انگلش فلم بن کر رہ گئی تھی۔ کتنے ہی کردار انتہائی ڈرامائی انداز میں میری زندگی میں داخل ہوئے اور پھر اسی ڈرامائی انداز میں رخصت ہو گئے۔ زیبی' صلاح الدین' روشن نصیر' کرامت علی اور ......

میں شاید نیند کی گرفت میں آنے ہی والا تھا کہ فضا میں گونجنے والے دھماکوں نے میرا دماغ جھنجھنا کر رکھ دیا' میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ مجھے اندازہ لگانے میں ذرا بھی دیر نہ لگی کہ یہ دھماکے دراصل ریپٹر کے فائروں کے ہیں۔ شاید ہاسپٹل کے گیٹ پر متعین سکیورٹی گارڈ فائرنگ کر رہے تھے۔ عین اسی وقت قدرے فاصلے سے کلاشنکوف کا برسٹ چلانے کی آواز سنائی دی۔ اگلے ہی لمحے فضا ایک کربناک چیخ سے گونج اٹھی۔ گولیوں کی بوچھاڑ چاروں سکیورٹی گارڈز میں سے کسی ایک کا جسم چھلنی کر چکی تھی۔ فائرنگ کی آواز نے ہاسپٹل کے اندر ہلچل مچا دی تھی۔ کئی افراد پریشانی کے عالم میں اپنے کمروں سے جھانک رہے تھے' مجھے دیکھ کر ان میں سے ایک دو نے صورتحال جاننا چاہی لیکن میں کوئی بھی جواب دیئے بغیر سیڑھیوں کے راستے ہاسپٹل کی چھت پر پہنچ گیا۔

چاروں سکیورٹی گارڈز میں سے ایک گیٹ کے سامنے منہ کے بل پختہ فرش پر ڈھیر ہو چکا تھا۔ اس کے جسم میں زندگی کے آثار ناپید تھے جبکہ باقی تینوں سکیورٹی گارڈز دیوار کی آڑ لیے اپنی ریپٹرز سے وقفے وقفے سے فائر کر رہے تھے' تاہم ان کی ریپٹرز سو گز کے فاصلے پر موجود ان کے ہدف تک مار نہیں کر پا رہی تھیں۔ وہ ایک بڑی سی سیاہ وین تھی۔ کلاشنکوف کا برسٹ اسی وین سے چلایا گیا ہوگا۔ چند ہی لمحوں بعد میں نے وین کو حرکت میں آتے دیکھا۔ اس کا رخ ہاسپٹل کی طرف تھا۔ وہ جیسے کچھ قریب آئی' میں بری طرح چونک پڑا۔ وین کی اگلی کھڑکی میں مجھے راکٹ لانچر کی جھلک نظر آئی تھی ......

وہ لوگ شاید پورے ہاسپٹل کو راکھ کا ڈھیر بنانے کا ارادہ رکھتے تھے' اتنے بہت سے مسلح سکیورٹی گارڈز کی موجودگی میں اتنی دیدہ دلیری سے حملہ آور ہونے والے کوئی معمولی افراد نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کا مقصد بھی یقیناً بہت بڑا رہا ہوگا' تاہم اس وقت تو مجھے اپنی اور اپنے سے بھی بڑھ کر عمیر کی زندگی کی فکر لگی ہوئی تھی۔ راکٹ لانچر جیسا خطرناک ہتھیار جو تباہی مچا سکتا تھا' اس سے میں بخوبی واقف تھا۔

سیاہ وین قریب آنے پر سکیورٹی گارڈز کی فائرنگ میں مزید شدت آگئی' تاہم ان کی فائرنگ وین پر بے اثر ثابت ہو رہی تھی۔ شاید وہ وین بلٹ پروف تھی۔ اس صورتحال کے پیش نظر مجھے یقین ہو چلا تھا کہ اب ان تمام سکیورٹی گارڈز کی زندگیاں مکمل طور پر وین میں موجود افراد کے رحم و کرم پر ہیں۔ وہ راکٹ لانچر بھی یقیناً انہی تینوں سکیورٹی گارڈز کا بیک وقت اور مکمل صفایا کرنے کی غرض سے استعمال ہونے والا تھا۔ اس کے بعد ہاسپٹل مکمل طور پر وین میں سوار مسلح افراد کے قبضے میں آجاتا۔ کون جانے وہ کس نیت سے ہاسپٹل پر حملہ آور ہوئے تھے۔ شاید انہیں میری ہی تلاش ہو' اب تو ڈولی اور اس کے ساتھی بھی میرے تحفظ کی طرف سے مطمئن بیٹھے ہوں گے۔ میری گردن ناپنے کا اس سے بہتر وقت کونسا ہو سکتا تھا؟

اپنی فائرنگ بے اثر ہوتے اور وین کو مسلسل آگے بڑھتے دیکھ کر سکیورٹی گارڈز پر دہشت سی طاری ہو گئی تھی کیونکہ اگر وین ہاسپٹل کے عین سامنے پہنچ جاتی تو ان کے چھپنے کے لیے کوئی جگہ نہ رہ جاتی۔ وہ وین سے چلائی جانے والی گولیوں کے عین نشانے پر ہوتے۔ ان کے ساتھ مجھ پر بھی شدید ترین اضطراب کی کیفیت طاری تھی۔ تینوں سکیورٹی گارڈز کے مانند میں بھی بالکل بے بس تھا۔ جس وین کا بارہ بور کے تباہ کن کارتوس کچھ نہیں بگاڑ پا رہے تھے' اس پر بھلا میرے پستول کی گولیاں کیا اثر کر پاتیں جبکہ وین مسلسل حرکت بھی کر رہی تھی۔ تاہم میں نے وین کو مسلسل نشانے پر رکھا ہوا تھا' صرف اس امید پر کہ شاید کوئی کام دکھانے کا موقع مل جائے۔

سکیورٹی گارڈز بیچارے مزید مزاحمت نہ کر پائے۔ وین کے ہاسپٹل کے عین سامنے پہنچنے سے محض لمحہ بھر پہلے وہ دیوار کی آڑ سے نکلے اور دوڑتے ہوئے ہاسپٹل کے اندر گھس گئے۔ تقریباً فوراً ہی وین سے کلاشنکوف کا برسٹ مارا گیا لیکن تینوں سکیورٹی گارڈز بال بال

بچ گئے۔ مجھے یقین تھا کہ ان تینوں کی نظر راکٹ لانچر پر نہیں پڑی تھی ورنہ وہ اس سے پہلے ہی راہ فرار اختیار کر چکے ہوتے۔

سیکورٹی گارڈز کا زندہ اور مسلح حالت میں بچ نکلنا شاید وین میں سوار مسلح افراد کے لیے غیر متوقع تھا۔ اس نئی صورتحال نے غالباً انہیں تذبذب میں مبتلا کر دیا تھا۔ بلٹ پروف وین میں بیٹھ کر گولی چلانے اور دو بدو مقابلے میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ سیکورٹی گارڈز کے تعاقب کا نتیجہ موت کی صورت میں بھی نکل سکتا تھا۔

وین چند لمحوں تک ہسپتال کے عین سامنے کھڑی رہی، پھر اس کا عقبی دروازہ کھلا اور تین افراد چھلانگ لگا کر اترے۔ ان کے جسم پر چست سیاہ لباس تھا جس نے ان کا چہرہ بھی چھپا رکھا تھا۔ وہ تینوں کلاشنکوف سے مسلح تھے۔ وین کی اگلی کھڑکی میں موجود راکٹ لانچر بردار نے البتہ گاڑی سے نیچے اترنے کی کوشش نہیں کی۔ میں ان نقاب پوشوں پر گولی چلانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے بہت سے افراد کے دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا، وہ تینوں سیکورٹی گارڈز تھے جو حملہ آوروں کے خلاف مورچہ جمانے کے لیے ہاسپٹل کی چھت پر چلے آئے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ محض لمحہ بھر کے لیے جھجکے، پھر وہ لپک کر منڈیر پر پہنچ گئے۔ اس دوران میں کلاشنکوف بردار نقاب پوش ہاسپٹل کے قریب پہنچ گئے تھے، تاہم احتیاطی تدبیر کے طور پر وہ فوراً اندر نہیں گھسے تھے۔ عین اسی وقت ایک سیکورٹی گارڈ نے اپنی ریپیٹر کا رخ ان چاروں میں سے ایک کی طرف کرکے فائر کر دیا۔ زبردست دھماکے سے میرے کان سنسنا اٹھے، تاہم مجھے فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ جلد بازی میں لگایا گیا نشانہ خطا ہو گیا ہے البتہ اس فائر نے حملہ آوروں کو ہماری پوزیشن سے آگاہ کر دیا۔ چاروں نقاب پوش برق رفتاری سے دوڑتے ہوئے سیاہ وین کے عقب میں جا چھپے۔ جھنجلاہٹ کے عالم میں اسی سیکورٹی گارڈ نے یکے بعد دیگرے تین فائر مزید کیے لیکن وہ تینوں وین کی باڈی سے ٹکرا کر بے اثر ہو گئے۔ اس دوران میں میری نظریں وین کی اگلی کھڑکی پر جمی ہوئی تھیں جس کے بلٹ پروف شیشے بند ہو چکے تھے۔ سیکورٹی گارڈ کی جانب سے فائرنگ میں وقفے سے لمحہ بھر کے اندر وین کے عقب سے ایک کلاشنکوف کی نال نمودار ہوئی۔ میں فوراً ہی منڈیر سے نیچے ہو گیا۔ برسٹ سیدھا منڈیر سے ٹکرایا تھا، خیر یہ ہوئی کہ سیکورٹی گارڈز بھی کلاشنکوف کی جھلک پا کر نیچے بیٹھ چکے تھے ورنہ ان میں سے ایک آدھ مزید کم ہو چکا ہوتا۔

”کریم خواہ مخواہ ایمونیشن ضائع مت کرو، گاڑی پر آرمڈ شیٹ چڑھی ہوئی ہے۔ اس پر بارہ بور کی فائرنگ اثر نہیں کرے گی۔“ تینوں سیکورٹی گارڈز میں سے نسبتاً پختہ عمر شخص نے فائرنگ کرنے والے کو تنبیہہ کی۔ ”کوشش کرو کہ یہ لوگ ہاسپٹل کے اندر نہ گھسنے پائیں۔ شاف نے پولیس کو فون کر دیا ہوگا، وہ کچھ دیر میں پہنچنے والی ہوگی۔“

”میں انہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا صوبیدار صاحب۔“ کریم نے غصے اور رنج سے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ”انہوں نے میرے یار کو مار دیا......“

”حوصلہ رکھو کریم! اندھا دھند گولیاں چلانے سے ان کا کچھ نہیں بگڑے گا لیکن اگر ہمارا ایمونیشن ختم ہو گیا تو یہ بدبخت ہاسپٹل میں گھس کر نہ جانے کتنے معصوموں کو ختم کر دیں گے۔“

خدا جانے سینئر افسر کی تنبیہہ کا اثر تھا یا بات واقعی سمجھ میں آ گئی تھی، بہرحال اس کے بعد کریم نے اندھا دھند فائرنگ نہیں کی۔ البتہ اس کی آنکھوں سے گاہے گاہے ٹپک پڑنے والے آنسو ظاہر کر رہے تھے کہ مرنے والے گارڈ کی موت نے واقعی اسے شدت غم سے نڈھال کر رکھا تھا۔ ادھر وین کے عقب میں پوشیدہ نقاب پوش اس قدر تواتر سے فائرنگ کر رہے تھے کہ ہمیں جھانک کر صورتحال کا جائزہ لینے کا بھی موقع نہیں مل پا رہا تھا۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں اس دوران میں ان میں سے کوئی آنکھ بچا کر ہاسپٹل کے اندر گھسنے میں کامیاب نہ ہو جائے۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ چھت کا میدان سیکورٹی گارڈز کے حوالے کرکے خود نیچے چلا جاؤں، ویسے بھی میں ان کی موجودگی میں گولی چلانے سے گریز ہی کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے میں عمیر کی جانب سے بھی فکرمند تھا۔ اس اندھا دھند فائرنگ نے اسے سخت پریشان کر دیا ہوگا۔

ہاسپٹل میں موجود تمام مریض اور ان کی دیکھ بھال پر مامور عملہ دہشت کے مارے نیم مردہ نظر آ رہا تھا۔ ہاسپٹل کا داخلی دروازہ اندر سے لاک کیا جا چکا تھا۔ اس کے باوجود مختلف کاٹھ کباڑ دروازے کے ساتھ اکٹھا کیا جا رہا تھا تاکہ لاک کھلنے یا ٹوٹنے کے باوجود دروازہ آسانی سے نہ کھل سکے۔ بہت سے لوگ کلمے اور مختلف قرآنی آیتوں کی تلاوت بلند آواز میں کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر چند افراد نے الٹے سیدھے سوالات کی بارش کر دی۔ ان کے تمام سوالات کا مختصر ترین جواب دے کر میں سیدھا عمیر کے پاس پہنچا۔ مجھے دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے منع کر دیا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے دانش بھائی؟ کیا دہشت گردوں نے حملہ کر دیا ہے اس ہاسپٹل پر؟“

”یہی سمجھ لو بھائی، وہ جو کوئی بھی ہیں پوری تیاری سے آئے ہیں اور پہلے ہی ہلے میں ایک سیکورٹی گارڈ کا کام تمام کر چکے ہیں۔“

”وہ کیا چاہتے ہیں؟ ایک ہاسپٹل پر چڑھائی کرکے انہیں کیا مل جائے گا؟“ عمیر کے سوال کے جواب میں، میں نے شانے اچکا دیئے۔ ”یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں، یہ کوئی عام مجرم نہیں لگتے۔“

”کہیں یہ......“ عمیر اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ فضا کلاشنکوف کی تڑتڑاہٹ اور ریپیٹرز کے دھماکوں سے گونج اٹھی۔ اس بار فائرنگ میں کچھ زیادہ ہی شدت محسوس ہو رہی تھی۔ شاید

خطرہ سر پر آن پہنچا تھا۔ میں نے عمیر کے کمرے کا دروازہ اندر سے لاک کر دیا اور پھر تیزی سے کھڑکی کی جانب بڑھا۔ یہ کھڑکی ہاسپٹل کے عقبی لان میں کھلتی تھی۔ میں کھڑکی سے چھلانگ لگا کر چھوٹے سے لان میں پہنچ گیا۔ یہاں سے ایک چھوٹی سی گلی نما راہداری گھوم کر ہاسپٹل کے سامنے والے حصے کی طرف جا رہی تھی لیکن آگے جا کر پرانے ٹوٹے پھوٹے فرنیچر اور دیگر کاٹھ کباڑ کے ڈھیر نے رستہ تقریباً مکمل طور پر بند کر ڈالا تھا جبکہ آخری سرے پر گرل کی طرز کا چھوٹا سا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ کاٹھ کباڑ کا ڈھیر پھلانگتے ہوئے مجھے بہت سی کھرونچیں اور رگڑیں برداشت کرنا پڑیں۔ بمشکل تمام دروازے پر پہنچا تو یہ دیکھ کر سر پیٹ لینے کو جی چاہا کہ اس میں چھوٹا سا لیکن مضبوط تالا لگا ہوا تھا۔ میں واپس لوٹنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ فائرنگ نے ایک بار پھر زور پکڑ لیا البتہ میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ ریپیٹر سے کی جانے والی فائرنگ میں پہلے جیسی شدت نہیں ہے، شاید سیکیورٹی گارڈز کے پاس ایمونیشن ختم ہو رہا تھا۔ اگر میں مزید کچھ دیر لگا دیتا تو پھر نقاب پوشوں کے لیے راستہ بالکل صاف ہو جاتا۔

میں نے پستول کی نال قفل پر رکھی اور بے چینی سے مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا۔ جلد ہی کلاشنکوف کی تڑتڑاہٹ ایک بار پھر فضا میں گونجی۔ عین اسی وقت میں نے پستول کا ٹرائیگر دبا دیا، حسب توقع گولی چلنے کی آواز برسٹ کی گونج میں دب کر رہ گئی اور قفل ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ سامنے ہی ہاسپٹل کا سامنے کا پختہ احاطہ جسے پارکنگ کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا تھا، گیٹ ذرا بائیں ہاتھ پر پندرہ بیس گز کے فاصلے پر تھا جو اس وقت چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ گیٹ کی طرف جانا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ میں نے احاطے میں ہی کوئی پناہ گاہ تلاش کرنا چاہی لیکن ناکام رہا، وہاں کچھ بھی نہیں تھا سوائے پہیوں والے ایک اسٹریچر اور دو وہیل چیئرز کے، اس کے علاوہ میرے پاس کوئی صورت باقی نہیں بچی تھی کہ میں انہی کی آڑ میں چھپنے کی کوشش کروں تاکہ ہاسپٹل کے احاطے میں گھسنے والے حملہ آوروں کی نظر فوری طور پر مجھ پر نہ پڑ سکے۔

میں خود کو پوری طرح چھپا بھی نہ پایا تھا کہ ایک زبردست دھماکے نے گویا میرے کانوں کے پردے پھاڑ ڈالے۔ اس کے ساتھ ہی منڈیر کا بہت سا ملبہ ٹوٹ کر احاطے میں آن گرا۔ میں اگر دیوار کے بالکل ساتھ نہ لگا ہوتا تو شاید شدید زخمی ہو جاتا۔ مجھے یہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ وین میں سوار افراد نے راکٹ فائر کیا ہے جس کا نشانہ وہ منڈیر بنی تھی جس کے عقب میں سیکیورٹی گارڈز مورچہ لگائے ہوئے تھے۔ خدا جانے اس راکٹ نے ان کا کیا حشر کیا تھا۔ مجھے تو یہ فکر تھی کہ اب وہ نقاب پوش ہاسپٹل پر ہلہ بولنے ہی والے ہوں گے۔ مجھے ہر صورت میں انہیں ہاسپٹل کے اندر گھسنے سے روکنا تھا۔

میرا اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ چند ہی لمحوں بعد میں نے تین نقاب پوشوں کو گیٹ سے

اندر گھستے دیکھا۔ ابتداء میں وہ کچھ محتاط تھے لیکن جب انہیں مزاحمت کا کوئی خطرہ نظر نہ آیا تو وہ سیدھے ہاسپٹل کی عمارت کے داخلی دروازے کی جانب بڑھتے چلے گئے۔ اس کے ساتھ ہی میں بھی حرکت میں آ گیا۔ برق رفتاری سے دوڑتا ہوا میں پورچ کے کونے پر پہنچا۔ میں نے تسلی کر لی تھی کہ وین میں سوار افراد کی نظر سے پوری طرح محفوظ تھا۔ میں نے نہایت احتیاط کے ساتھ کونے سے سر نکال کر ہاسپٹل کے داخلی دروازے پر نظر ڈالی۔ تینوں نقاب پوش دروازے سے زور آزمائی کر رہے تھے لیکن پرانی لکڑی کا بے حد مضبوط دروازہ اتنی آسانی سے ٹوٹنے والا نہیں تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ان تینوں نے اپنی رائفلیں اپنے شانوں سے لٹکائیں اور دروازے کو بیک وقت ٹکر مارنے کے لیے پیچھے ہٹنے لگے۔ میں اتنی دیر سے ایسے ہی کسی مناسب موقع کا منتظر تھا۔ میں نے تھوڑا سا آگے بڑھ کر ان میں سے سب سے پیچھے والے کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ اتنے قریب سے نشانہ خطا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میرے شکار کے جسم کو زبردست جھٹکا لگا اور وہ چکرا کر پختہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ میں نے اس کے دونوں ساتھیوں کو بھی حیرت کے اس اچانک حملے سے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ قبل اس کے کہ وہ اپنی رائفلیں شانے سے اتارتے اور مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کرتے، میں نے ان کے جسموں میں بھی دو دو گولیاں اتار دیں۔ اپنے پہلے ساتھی کے برعکس ان کے حلق سے برآمد ہونے والی چیخیں بڑی بھیانک اور زوردار تھیں۔ اس کے علاوہ وہ جس زاویئے سے ڈھیر ہوئے تھے، اس کے پیش نظر ان کا وین میں سوار حملہ آوروں اور چوتھے نقاب پوش کی نظر میں آنا یقینی تھا۔ اب میرا وہاں ایک لمحے کے لیے بھی مزید رکنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا۔ چنانچہ میں نے بغلی راہداری کی طرف دوڑ لگا دی۔ قبل اس کے کہ نشانہ بننے والے نقاب پوشوں کے ساتھی ان تک پہنچ پاتے، میں راہداری میں گھس کر دروازہ اندر سے بند کر چکا تھا۔ ایک بار پھر کاٹھ کباڑ کو پھلانگنا نہایت اذیت ناک تجربہ تھا لیکن عقب میں آنے والی موت کے خوف نے میرے جسم میں بجلی بھر دی تھی۔ کاٹھ کباڑ کا ڈھیر عبور کرنے کے بعد میں نے اسے اس انداز میں ترتیب دینے کی کوشش کی کہ اسے پھلانگنے میں زیادہ سے زیادہ وقت لگے۔ اس کے بعد میں راہداری کے موڑ پر گھات لگا کر بیٹھ گیا، تاہم یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے حملہ آور میرے فرار ہونے کے راستے سے قطعاً لاعلم تھے۔ میں نے چند لمحوں سے زیادہ انتظار بے سود سمجھا کیونکہ مجھے اصل فکر یہ تھی کہیں وہ لوگ داخلی دروازے پر بھی راکٹ نہ داغ دیں۔ چنانچہ میں جلد از جلد چھت پر پہنچنا چاہتا تھا۔

عمیر کے کمرے کی کھڑکی حسب سابق کھلی ہوئی تھی۔ میں اندر داخل ہوا تو اسے سخت پریشان اور مضطرب پایا۔ مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر رونق آ گئی۔ وہ مجھ سے تمام صورتحال کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا لیکن میں اسے مختصر الفاظ میں تسلی دے کر کمرے

سے باہر نکل گیا۔ ہاسپٹل میں موجود افراد غالباً اپنی زندگیوں کی طرف سے مکمل طور پر مایوس ہو چکے تھے۔ چنانچہ ان میں سے کسی نے بھی میری موجودگی کا نوٹس نہیں لیا۔ انہیں قطعاً علم نہیں ہو سکا تھا کہ چند ہی لمحوں پہلے ان سب کی زندگیاں بچانے کے لیے میں اپنی زندگی داؤ پر لگا چکا تھا۔

چھت پر موجود تینوں سکیورٹی گارڈز شدید زخمی حالت میں چھت پر ادھر ادھر پڑے ہوئے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ ان میں سے شاید کوئی بھی نہیں بچ پائے گا۔ فوری طور پر میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر میں منڈیر کی طرف بڑھا۔ یہ دیکھ کر لحہ بھر کے لیے میں چکرا کر رہ گیا کہ سیاہ وین سامنے سڑک پر نظر نہیں آ رہی تھی۔ پہلے تو میں سمجھا کہ وہ لوگ فرار ہو چکے ہیں لیکن اگلے ہی لمحے مجھے اپنا خیال تبدیل کرنا پڑا۔ وین نہ صرف موجود تھی بلکہ اب وہ ہاسپٹل کے گیٹ کے اندر داخل ہو چکی تھی۔ اس منظر نے میرے جسم میں اضطراب کی لہر دوڑا دی۔ بلٹ پروف وین کا تو میں کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ وہ لوگ یقیناً دروازہ توڑ کر ہاسپٹل کے اندر داخل ہونے والے تھے۔ میں واپس نیچے جانے کے ارادے سے اٹھنے ہی والا تھا کہ وین کے طاقتور انجن کی غراہٹ نے مجھے رکنے پر مجبور کر دیا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے وین حرکت میں آئی اور ہاسپٹل کے گیٹ سے نکل کر تیز رفتاری سے ایک طرف بھاگتی چلی گئی' چند ہی لمحوں بعد وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

میں کئی لمحوں تک گم صم اپنی جگہ پر بت بنا بیٹھا رہا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میں کوئی بھیانک سپنا دیکھ کر ابھی بیدار ہوا ہوں۔ فضا میں چھایا سناٹا بے حد اجنبی اجنبی سا لگ رہا تھا۔ میں شاید مزید کچھ دیر اس پرسکون فضا سے مانوس ہونے کی کوشش کرتا لیکن ایک سکیورٹی گارڈ کے کراہنے کی آواز نے مجھے حقیقت کی دنیا میں لوٹ آنے پر مجبور کر دیا۔ وہ کریم تھا جس کے سر اور شانوں پر زخم آئے تھے۔ وہ پوری طرح ہوش میں تھا البتہ اس کے دونوں ساتھی بے ہوش تھے' تاہم اگر فوری طبی امداد مل جاتی تو شاید وہ بچ جاتے۔

میں ایک ایک جست میں کئی کئی سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچا۔ حواس باختہ ڈاکٹر اور اس کی ساتھی نرس کو صورتحال سمجھنے میں خاصا وقت لگ گیا۔ وہ یقین کرنے کو تیار نہ تھے کہ حملہ آور جا چکے ہیں۔ بالآخر جب میں داخلی دروازہ کھول کر دکھانے پر تل گیا تو انہیں میرا بات ماننا پڑی۔ تینوں سکیورٹی گارڈز کو چھت سے نیچے لے کر آنے میں ہمیں اور بھی کئی افراد کی مدد حاصل کرنا پڑی۔ ڈاکٹر کے مطابق ان تینوں کی حالت تشویشناک تھی۔ اگر جلد از جلد ان تینوں کے آپریشن نہ کیے جاتے تو ان کا بچنا مشکل تھا جبکہ اس ہاسپٹل میں بیک وقت تین تین آپریشن کرنے کی گنجائش نہ تھی۔ ان میں سے کم از کم دو کو کسی بڑے ہاسپٹل میں منتقل کرنا لازمی تھا۔

"آپ ان میں سے سب سے زیادہ خطرناک کنڈیشن والے گارڈ کا آپریشن شروع کریں' اس دوران میں ہم باقی دو کو کسی ہاسپٹل میں پہنچانے کا بندوست کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔" میں نے اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ فضا سائرن کی آوازوں سے گونج اٹھی۔ "شاید پولیس آگئی ہے' آپ آپریشن کا انتظام کریں' میں دروازہ کھلواتا ہوں۔"

دروازہ کھلنے سے پہلے میں چند لمحوں کے لیے عمیر کے کمرے میں گیا اور اپنا پستول اس کے حوالے کر کے باہر آگیا۔ کچھ ہی دیر بعد ہاسپٹل پولیس والوں سے بھر چکا تھا۔ ان میں متعدد اعلیٰ افسران بھی موجود تھے۔ ڈاکٹر کی ہدایت پر دو سکیورٹی گارڈز کو سول ہسپتال بھجوا دیا گیا جبکہ خود وہ تیسرے کے آپریشن میں مصروف ہو گیا۔ وہ پورے دو گھنٹے بعد آپریشن تھیٹر سے باہر آیا۔ اس دوران میں پولیس والے ہاسپٹل میں موجود دیگر افراد کو اپنے سوالات کا نشانہ بناتے رہے' تاہم ان میں سے کوئی بھی صورتحال سے پوری طرح واقف نہیں تھا۔ خوش قسمتی سے ان میں سے کسی نے بھی میری سرگرمیوں کو نوٹس لینے کے قابل نہیں سمجھا تھا۔ ظاہر ہے خود میں تو اپنی زبان کھولنے کی حماقت کر ہی نہیں سکتا تھا۔ میں نے پوچھ گچھ کرنے والے اے ایس آئی کو بس اتنا بتایا کہ اس دوران میں کمرے کا دروازہ اندر سے بند کیے بیٹھا رہا تھا' مجھے نہیں معلوم ہاسپٹل سے باہر کیا ہوتا رہا تھا۔ باقی تمام لوگوں نے بھی تقریباً اسی قسم کے بیانات دیئے تھے' لہٰذا اے ایس آئی نے میرے بیان کے حوالے سے کوئی خاص دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ اس دوران میں گولی کا نشانہ بننے والے سکیورٹی گارڈ کی لاش اندر لائی جا چکی تھی البتہ میری گولیوں کا نشانہ بننے والے تینوں نقاب پوش پورچ سے غائب ہو چکے تھے۔ سیاہ وین شاید انہیں اٹھانے کے لیے ہی ہاسپٹل کے اندر داخل ہوئی تھی۔ یہ صورتحال میرے لیے خاصی اطمینان بخش تھی۔ اس طرح یہ راز کھلنے نہیں پایا تھا کہ اس معرکے میں دو گارڈز کے علاوہ کسی اور نے بھی حملہ آوروں کے خلاف مزاحمت کی تھی۔ پولیس کے سوال و جواب سے فارغ ہو کر میں عمیر کے کمرے میں آگیا۔

میں نے مختصر الفاظ میں اسے پوری صورتحال بتا دی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے لگیں۔ "مجھے تو یقین ہو چلا ہے کہ یہ حملہ رستم خان کے آدمیوں نے کیا ہے اور وہ یقیناً ہمیں ختم کرنے کے لیے ہی اتنی تیاریوں کے ساتھ آئے تھے۔" عمیر نے مضطرب لہجے میں کہا۔

"لیکن انہیں کیسے پتہ چلا ہو گا کہ گلریز کا مع ساتھیوں کے خاتمہ اور منشیات کے ذخیرے کی تباہی ہم لوگوں کا کارنامہ ہے۔ بالفرض کسی طرح وہ یہ بات جان بھی گئے ہوں تو اس قدر جلدی ہم تک کیسے پہنچ گئے؟ انہیں کس نے بتایا ہے کہ ہم ہاسپٹل میں ملیں گے؟" میں نے عمیر کے خیال کی تردید کرنے کی کوشش کی' تاہم میں خود بھی اس پہلو کو مکمل طور پر نظرانداز نہیں کر پا رہا تھا۔ قدرے توقف کے بعد عمیر نے کہا "میرا دل بری طرح گھبرا رہا ہے' خدا کرے عمر اور اشرف خیریت سے ہوں۔ اگر یہ حملہ رستم خان کے کارندوں کی

کارروائی تھی تو انہوں نے پہلے ان دونوں پر ہاتھ ڈالا ہوگا۔ ممکن ہے وہ لوگ شدید تشدد کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہم دونوں کا پتا بتانے پر مجبور ہو گئے ہوں۔"

عمیر کے اس نظریئے نے مجھے دہلا کر رکھ دیا تھا۔ اگر یہ سب واقعی درست تھا تو پھر عمر اور اشرف کا انجام جاننے کے لیے ذہن پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں فوری طور پر اس اندیشے کی تصدیق یا تردید کرنا چاہتا تھا لیکن عمیر کو ان حالات میں تنہا چھوڑ کر جانا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ چنانچہ میں نے ڈولی کی مدد حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ویسے بھی میں اسے فوری طور پر ہاسپٹل پر حملے کے حوالے سے اعتماد میں لینا چاہتا تھا۔ میں عمیر کو پرسکون رہنے کی تلقین کر کے باتھ روم میں گھس گیا۔

"ہاں جناب، فرمایئے اس وقت کیسے یاد کر لیا آپ نے؟" ڈولی کی آواز میں نیند کا ہلکا سا خمار بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ مجھے لگا کہ وہ کوئی خودکار مشین ہے جسے کبھی نیند کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ "میں نے آپ کو یہ بتانے کے لیے کال کیا تھا کہ چند ہی منٹ پہلے یہ ہاسپٹل میدان جنگ بنا ہوا تھا، بس یہ سمجھ لیں کہ موت ہم سے بال برابر فاصلے سے گزری ہے۔"

"اوہ! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ ذرا تفصیل سے بتاؤ، اس ہاسپٹل کی سکیورٹی کا نظام تو بہت عمدہ ہے۔ حملہ آور کون تھے اور انہوں نے سکیورٹی گارڈز کی موجودگی میں ہاسپٹل پر حملہ کرنے کی جرات کیسے کی؟"

میں نے ڈولی کو سب کچھ تفصیل سے بتا دیا۔ حسب توقع اس نے بھی شدید حیرت کا اظہار کیا۔ "اس کا مطلب ہے وہ لوگ واقعی بے حد خطرناک ارادے سے آئے تھے۔ تمہارے اس خیال میں بھی خاصا وزن ہے کہ ان لوگوں کا اصل نشانہ غالباً تم اور عمیر تھے۔ جہاں تک ان حملہ آوروں کا تعلق رستم خان سے ہونے کی بات ہے تو میں اس کی تصدیق کروانے کی کوشش کرتی ہوں۔ تم مجھے عمر اور اشرف کے گھروں کا محل وقوع بتا دو تاکہ میں سب سے پہلے ان کی خیریت کی تصدیق کر کے تمہیں آگاہ کر سکوں۔ ویسے میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ اصل معاملہ کوئی اور ہے۔ ٹھیک ہے تم فون بند کر دو، ایک گھنٹے بعد دوبارہ مجھے کال کر لو۔ امید ہے تب تک معاملہ کھل کر سامنے آجائے گا۔"

اگلا ایک گھنٹہ شدید اضطراب کی کیفیت میں گزرا۔ عمیر بھی سخت فکر مند اور پریشان نظر آرہا تھا۔ اس نے مجھ سے ذکر نہیں کیا، تاہم میں بخوبی جانتا تھا کہ وہ مسلسل عمر اور اشرف کی سلامتی کی دعائیں کر رہا ہے۔ یہ قسمت کا کیسا عجیب و غریب کھیل تھا کہ دو دن پہلے تک اشرف اور عمر اپنے جگری دوست عمیر کی زندگی کی دعائیں کر رہے تھے اور اب عمیر اپنے دوستوں کی خیریت کے لیے دست بہ دعا تھا۔ گھنٹہ پورا ہوتے ہی میں باتھ روم میں گھس گیا۔ ڈولی سے رابطہ قائم ہونے میں زیادہ دیر نہ لگی۔

"میرے پاس تمہارے لیے کچھ زیادہ اچھی خبر نہیں ہے مسٹر دانش!" ڈولی کی زبان سے نکلنے والے پہلے ہی جملے نے میرے دل کی دھڑکنوں کی رفتار خطرناک حد تک سست کر دی۔

"یہ ..... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ کیا عمر.....؟" میں کوشش کے باوجود جملہ پورا نہ کر سکا۔

ڈولی چند لمحے خاموش رہی، پھر اس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ "ہاں، تم نے درست اندازہ لگایا۔ عمر اور اشرف ابھی تک اپنے گھروں تک نہیں پہنچ سکے۔ شاید تم لوگوں نے صحیح اندازہ لگایا ہے، ہاسپٹل پر حملہ رستم خان نے کروایا ہے اور اس کا مقصد یقیناً تم دونوں تک پہنچنا یا دوسرے الفاظ میں تم دونوں کو قتل کرنا رہا ہوگا۔ یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ اسے تم دونوں کا پتہ عمر اور اشرف سے ملا ہوگا جنہیں پہلے ہی قابو کیا جا چکا ہوگا۔ انہیں بدترین اذیت کا نشانہ بنا کر تم دونوں کا پتا بتانے پر مجبور کر دیا گیا ہوگا۔ مجھے خدشہ ہے کہ عمر اور اشرف رستم خان کے انتقام کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ جوان بیٹے کی موت نے اسے دیوانہ کر رکھا ہوگا۔ وہ اپنے بیٹے کی موت کا انتقام لینے کے لیے ساری دنیا کو آگ کی نذر کرنے پر آمادہ ہوگا۔"

ڈولی کی آواز میرے کانوں میں لحہ بہ لحہ دھیمی پڑتی جا رہی تھی۔ میرے دماغ میں رنج و غم کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ دل تھا کہ ڈوبتا ہی چلا جا رہا تھا۔ جیسے کسی بھی لمحے خاموش ہو جائے گا۔ عمر اور اشرف کے شگفتہ و شاداب چہرے میرے آنکھوں میں جھلملا رہے تھے۔ کیا یہ ان کے مرنے کی عمر تھی؟ کرب، اذیت اور پچھتاوے پلٹ پلٹ کر میرے دل و دماغ پر حملے کر رہے تھے۔ میں نے انہیں ان خطرناک لوگوں سے ٹکرانے کی اجازت کیوں دی تھی؟ بجائے انہیں روکنے کے میں خود بھی ان کی خودکشی پر مبنی کارروائی میں شریک ہو گیا۔ بالواسطہ نہ سہی، بلاواسطہ میں بھی ان کی موت کا ذمہ دار ہوں۔ عمر اور اشرف کے بعد اب میری اور عمیر کی باری ہے۔ وہ لوگ قبر تک ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ ایک حملہ ناکام ہو گیا تو کیا، اب وہ دوبارہ زیادہ بھرپور حملہ کریں گے۔

ڈولی گویا میرے دماغ میں آنے والے تمام خیالات پڑھ رہی تھی۔ "اس صورتحال میں تم دونوں کا وہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ میں ڈاکٹر سے کہہ کر عمیر کو ڈسچارج کروا دیتی ہوں، تم دونوں تیار رہنا۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر میں تم دونوں کو پک کر لوں گی۔ اس سے پہلے تم ہاسپٹل سے باہر نکلنے کی کوشش مت کرنا۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ ہاسپٹل کے آس پاس گھات لگائے بیٹھے ہوں۔ تمہارے بیان کے مطابق اگر تم نے واقعی ان کے تین بندے صاف کر دیئے ہیں تو وہ تمہارے خون کے مزید پیاسے ہو گئے ہوں گے۔"

اس موقع پر خواہ مخواہ کی دلیری دکھا کر میں اپنی اور عمیر کی زندگی داؤ پر نہیں لگانا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے ڈولی کے کہنے پر عمل کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔ تقریباً چالیس منٹ بعد

ڈولی ہمارے پاس پہنچ گئی۔
"میں تم لوگوں سے دوبارہ کبھی نہ ملنے کے ارادے سے رخصت ہوئی تھی لیکن ڈاکٹر نے مجھے تازہ ترین صورتحال بتائی تو مجھ سے رہا نہیں گیا اور مجھے یہاں آنا پڑا۔ میرا خیال ہے تم دونوں یہاں غیر محفوظ ہو۔ میں نے ڈاکٹر سے بات کر لی ہے' تم دونوں میرے ساتھ چل رہے ہو۔"

ڈولی کی ہدایت پر حرف بہ حرف عمل ہوا۔ عمیر کو نہایت احتیاط سے ڈولی کی لینڈ کروزر کی سیٹ پر لٹا دیا گیا۔ اس کی گلوکوز کی ڈرپ پہلے ہی ہٹائی جا چکی تھی۔ میں نے ڈولی کے ساتھ والی فرنٹ سیٹ پر قبضہ جما لیا۔ ہاسپٹل پر پولیس کی نفری تعینات تھی' تاہم انہوں نے ہم سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ ویسے بھی اس دوران میں نصف سے زائد ہاسپٹل خالی ہو چکا تھا اور باقی مریض بھی بہت جلد رخصت ہونے والے تھے۔ ایسے ہاسپٹل میں بھلا کون علاج کروانے پر آمادہ ہوتا جس پر راکٹ لانچروں سے حملے ہوتے ہوں؟

ڈولی سے یہ پوچھنا بے سود تھا کہ وہ ہمیں کہاں لے جا رہی ہے۔ فوری طور پر اہم صرف اس بات کی تھی کہ اس کی گاڑی بلٹ پروف تھی اور اس کے ساتھی بھی حفاظت کے لیے آس پاس موجود رہے ہوں گے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہی اس نازک صورتحال میں ہم دونوں کو ایسی پناہ گاہ مہیا کر سکتی تھی جہاں ہم دونوں کی زندگیاں بھی محفوظ رہتیں اور عمیر کے علاج کا انتظام بھی ہو جاتا۔

ڈولی یوں ظاہر کر رہی تھی جیسے اسے حملہ آوروں سے کوئی خطرہ نہ ہو۔ گاڑی ہاسپٹل سے باہر نکلنے کے بعد میں نے چہرہ چھپانے کے لیے اسکارف لپیٹنا چاہا تو اس نے منع کر
"اس کی ضرورت نہیں ہے' تم دونوں اس گاڑی میں ہر قسم کے خطرے سے محفوظ ہو۔ محض اتفاق ہی ہے کہ میں نے آج رات تم لوگوں کے تحفظ پر مامور افراد واپس بلا لیے ورنہ حملہ آوروں میں سے ایک بھی زندہ بچ کے نہ نکل پاتا۔" ڈولی نے یہ بات سرگوشی کے انداز میں کہی تھی۔ میں نے دھیرے سے گردن ہلا کر ڈولی کی تائید کی۔

ڈولی کا کہا درست ثابت ہوا' کچھ ہی دیر بعد ہم بحفاظت اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ کہکشاں کلفٹن میں واقع ایک بڑا سا بنگلہ تھا۔ اس وقت وہاں ہم لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ میں نے ڈولی کے ساتھ مل کر عمیر کو اپنے ساتھ لائی ہوئی وہیل چیئر پر بٹھایا اور اسے لے کر ڈولی کی رہنمائی میں ایک بے حد پر آسائش خوابگاہ میں لے آیا۔ وہاں دو بڑے اور پر آسائش آرام دہ بیڈ موجود تھے۔ ہم نے اسے ایک بیڈ پر لٹا دیا۔ "تم لوگ الحال اسے اپنا ہی گھر سمجھو' میں تم لوگوں کے لیے کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں۔ پر چوکیدار موجود ہے' مزید کسی چیز کی ضرورت ہو تو اس سے کہہ دینا۔ شام تک خدمت گاروں کا انتظام ہو جائے گا فی الحال تم لوگوں کا گھر کے اندر رہنا ہی مناسب

تاہم تم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ گیراج میں گاڑی موجود ہے' ضرورت پڑنے پر اسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔"

ڈولی صبح ہونے تک ہمارے ساتھ رہی' پھر شام کو دوبارہ آنے کا کہہ کر رخصت ہو گئی۔ جاتے جاتے وہ گھر اور گاڑی کی چابیاں میرے حوالے کرنا نہیں بھولی تھی۔ "یہ سب اب تمہاری ملکیت ہے۔ ماسٹر بیڈ روم کے سیف میں کافی کیش موجود ہے' مزید کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ میرے ساتھی تم لوگوں کی حفاظت کے لیے موجود ہیں' تاہم تم خود کو قیدی مت سمجھنا۔ یہ محض عارضی بندوبست ہے' خطرہ ٹلتے ہی میں اپنے ساتھیوں کو واپس بلا لوں گی۔ میں نے رستم خان کا دماغ درست کرنے کی ہدایات جاری کر دی ہیں' امید ہے کہ اسے بہت جلد اوقات میں رہنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔"

میں نے ڈولی سے نہیں کہا' تاہم میں اپنے دل میں عہد کر چکا تھا کہ رستم خان کو اپنے ہاتھوں سے سسکا سسکا کر ماروں گا۔ عمر اور اشرف کے قتل کی اسے جتنی کڑی سزا ملتی' کم تھی۔ تاہم میں عمیر کے صحت یاب ہونے تک کسی قسم کی عملی کارروائی میں حصہ لینے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اگلے چند دن تک "اپنے" بنگلے تک محدود رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ڈولی کے بیان کے عین مطابق ماسٹر بیڈ روم کے سیف میں دو لاکھ روپے موجود تھے' چار لاکھ روپے کا مال غنیمت پہلے ہی میرے پاس موجود تھا۔ بقول ڈولی پانچ لاکھ روپے پہلے ہی میرے بینک اکاؤنٹ میں جمع کرائے جا چکے تھے' گویا میں چند ہی دنوں میں لاکھوں میں کھیلنے لگا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ڈولی کی ان مہربانیوں کے بدلے میں میرے پاس دینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ ظاہری بات ہے یہ یکطرفہ کرم فرمائیوں کا سلسلہ بہت جلد اپنے اختتام کو پہنچنے والا تھا۔ زیبی کی ڈائری نہ ملنے کی صورت میں ڈولی کا رویہ بدلتے دیر نہ لگتی۔

عمیر اپنے ساتھیوں اشرف اور عمر کی جانب سے سخت پریشان تھا۔ اسے ان کے انجام کے بارے میں بتانے کی گنجائش نہ تھی۔ میں نے تسلی تشفی دے کر بمشکل اسے سلایا اور ٹی وی لاؤنج میں آگیا۔ کرنے کو اور کچھ تو تھا نہیں' میں ٹی وی پر دنیا کے مختلف ملکوں کے چینل دیکھ رہا تھا۔ اگر چاہتا تو فون پر نائمہ سے بات کر سکتا تھا لیکن اس کے سوالات کا سامنا کرنے کی ہمت مجھ میں نہیں تھی۔ ویسے بھی میں اس جگہ سے فون کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ کون جانے میری کس کس انداز میں نگرانی ہو رہی ہو' میں نہیں چاہتا تھا کہ نائمہ ان لوگوں کی نظروں میں آئے۔ مفاد پر مبنی دوستی کے رشتوں کو دشمنی میں بدلتے بھلا کیا دیر لگتی ہے؟

گزشتہ کئی روز اتنی افراتفری اور ہنگامہ آرائی کی حالت میں گزرے تھے کہ مجھے اخبارات پڑھنے کا موقع بھی نہیں مل پایا تھا۔ ذرا سکون سے بیٹھنے کی مہلت ملی تو میں نے چوکیدار کے ذریعے تازہ اور گزشتہ دو روز کے اخبارات منگوا لیے۔ مجھے یہ جان کر شدید

حیرت ہوئی کہ میرے زیرِ مطالعہ دونوں اخباروں میں گلریز کو محض پھلوں کا تاجر ظاہر کیا گیا تھا جو اپنے کارندوں کے ہمراہ جل کر ہلاک ہو گیا تھا۔ اخبارات میں ان اموات کو پرانی دشمنی کا شاخسانہ قرار دیا گیا تھا۔ اس صورتحال کے پیشِ نظر میں رستم خان کے اثر و رسوخ کا بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا۔ اس نے منشیات کے اتنے بڑے ذخیرے کی تباہی کو نہایت صفائی سے پھلوں کے گودام میں آتشزدگی کے واقعے تک محدود کروا دیا تھا۔ ہاسپٹل پر حملہ رات کے تیسرے پہر کے لگ بھگ ہوا تھا' لہٰذا صبح کے اخبارات میں اس کے بارے میں کچھ بھی موجود نہیں تھا۔ میں نے چوکیدار کو ہدایت کی کہ وہ شام کے اخبارات بھی مجھ تک پہنچا دے۔ دوپہر کے کھانے تک میری یہ فرمائش بھی پوری کر دی گئی۔

میری توقع کے عین مطابق ہاسپٹل پر حملے کی خبر کو شہ سرخیوں میں جگہ دی گئی تھی۔ کلاشنکوف اور راکٹ لانچر جیسے خطرناک ترین ہتھیاروں کے ذریعے نہایت منظم انداز میں کیے جانے والے اس حملے کو تقریباً متفقہ طور پر دہشت گردی کی کارروائی قرار دیا گیا تھا۔ سکیورٹی گارڈز کی فرض شناسی اور بہادری کے بھی خوب گن گائے گئے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر ہاسپٹل میں موجود مریضوں اور دیگر افراد کی قیمتی زندگیاں بچا لی تھیں۔ حکومت کی طرف سے ہلاک ہونے والے سکیورٹی گارڈ کے لواحقین کے لیے خطیر رقم بطور امداد فراہم کرنے کا اعلان کیا گیا تھا جبکہ زخمیوں کی بھی مالی امداد کا اعلان کیا گیا تھا۔ اخبارات کے مطابق تینوں سکیورٹی گارڈز ابھی تک خطرے کی حد سے باہر نہیں آئے تھے۔ مجھے سب سے زیادہ اطمینان یہ جان کر ہوا کہ اس تمام واقعے میں میرا یا عمیر کا کہیں ذکر نہیں تھا۔

اس طویل و عریض بنگلے میں جو بقول ڈولی میری ہی ملکیت تھا' پہلی رات گزارنا میرے لیے کچھ زیادہ خوشگوار تجربہ نہ تھا۔ نرم و گداز بستر میرے لیے کانٹوں کی سیج بن کر رہ گیا تھا۔ شدید احساسِ بے بسی اور احساسِ جرم کی چبھن مجھے کسی پل چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ خدا جانے کاشف کس حال میں ہو گا؟ زندہ بھی ہے یا .... عمر اور اشرف کے گھر والوں پر ان کی اچانک گمشدگی نے کیا کیا قیامتیں ڈھائی ہوں گی اور جب ان کی لاشیں گھر پہنچیں گی تو کیا وہ سب زندہ درگور نہیں ہو جائیں گے؟ عمر کے گھر والے تو پہلے ہی ایک نوجوان بیٹے کی ناگہانی موت کا زخم سینے پر کھائے بیٹھے ہیں' یہ نیا زخم وہ کس طرح برداشت کر پائیں گے؟ کاش .... کاش میں ان بانکے چھبیلے نوجوانوں کو کسی طرح واپس لا سکتا! لیکن نہیں مجھے یہ سب سوچنے کا حق نہیں ہے۔ ایک بیش قیمت بنگلہ' گاڑی اور لاکھوں روپے.... یہ سب جس کے قبضے میں ہوں' اسے کیا پڑی ہے کہ کسی اور کے بارے میں سوچے گا؟ جن کے دل میں احساس کی آگ بھڑک رہی ہوتی ہے' وہ اس طرح اطمینان کی نیند نہیں سوتے۔ میں واقعی احساس کی دولت سے محروم ہو گیا ہوں' قدم قدم پر ڈولی کا سہارا!

ڈھونڈنے لگا ہوں۔ وہ کاشف کو ڈھونڈ کر میرے حوالے کر دے گی' رستم خان سے میرے دوستوں کی موت کا بدلہ چکا دے گی اور....

رات بھر جاگنے کی علامات شاید میرے چہرے پر بے حد واضح تھیں' تبھی عمیر مجھے دیکھ کر چونک سا گیا۔ اس کے استفسار کو میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ ٹال دیا۔ گزشتہ روز اخبار میں شائع ہونے والی خبریں وہ بھی پڑھ چکا تھا۔ تازہ اخبارات میں بھی اس سلسلے میں خبریں موجود تھیں۔ ہم دونوں اس معاملے کے بارے میں تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ میں اس روز کے اخبارات کی ایک ایک سطر کا بغور مطالعہ کر چکا تھا۔ میرے دل کو یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ جلد یا بدیر عمر اور اشرف کے حوالے سے کوئی منحوس خبر میری نظروں کے سامنے آنے والی ہے۔ یہ خدشہ عمیر کے دل میں بھی رہا ہو گا لیکن اس نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ وہ میری توقع سے زیادہ حوصلہ مند اور بہادر ثابت ہو رہا تھا۔ میری نسبت وہ عمر اور اشرف کے زیادہ قریب تھا لیکن اپنی شکست و ریخت کو وہ نہایت کامیابی سے اپنے آپ تک محدود رکھے ہوئے تھا۔

"دانش بھائی' میں کب تک چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤں گا؟" عمیر نے پوچھا۔

"چل پھر تو تم اب بھی سکتے ہو' بس احتیاط کرنا ہو گی۔"

"میرا مطلب ہے میں کب تک پوری آزادی سے چل پھر سکوں گا؟"

"کیوں کیا گھر جانے کو دل کر رہا ہے؟" میں نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

" عمیر کے لبوں پر پھیکی مسکراہٹ ابھری۔ "دراصل میں بستر پر پڑے پڑے تنگ آ گیا ہوں' جی چاہتا ہے ....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "بس کچھ دن مزید صبر کر لو..... اچھا یہ بتاؤ تم گلریز اور رستم خان کے اور کس کس ٹھکانے سے واقف ہو؟ کیا تم رستم خان کی رہائش سے بھی واقف ہو؟"

میری بات سن کر عمیر نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ "میرا خیال ہے ان کے تمام اڈوں سے میں واقف ہوں جبکہ رستم خان کا بنگلہ تو یہیں کلفٹن میں واقع ہے۔ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو کلو میٹر فاصلہ رہا ہو گا یہاں سے۔ بنگلہ کیا اسے تو قلعہ کہنا چاہیے' بڑا سخت پہرہ ہوتا ہے وہاں۔"

اچھا یہ بات ہے! تم ٹھیک ہو جاؤ تو مجھے دکھانا وہ جگہ۔ ویسے وہ بنگلہ ہے کس طرف؟"

عمیر نے مجھے اچھی طرح محل وقوع سمجھایا۔ میں نے اس بنگلے کے بارے میں تمام ممکنہ تفصیلات معلوم کر لیں۔ میں نے پوری کوشش کی کہ میرے لہجے سے اسے میرے کسی ارادے کی خبر نہ ہو سکے۔ خدا جانے میں اپنی کوشش میں کامیاب رہا یا ناکام' تاہم مجھے اس کی زیادہ پروا بھی نہیں تھی۔ خاصا وقت عمیر کے پاس گزارنے کے بعد میں اپنے کمرے میں

آگیا۔

رات ہوتے ہی میں نہایت بے چینی سے عمیر کے سونے کا انتظار کرنے لگا۔ خدا خدا کرکے اس کی آنکھ لگی تو میں بنگلے سے باہر نکل آیا۔ چوکیدار کو مطمئن کرنے کے لیے میں نے عبداللہ شاہ غازی کے مزار پر حاضری کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس نے گاڑی لے جانے کا مشورہ دیا جو میں نے فاصلہ کم ہونے کا جواز پیش کرکے نرمی سے مسترد کر دیا۔ جمعرات ہونے کے باعث مزار پر خاصی بھیڑ تھی۔ میں نے نصف شب تک کا وقت وہیں پر گزارا اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

مختصر سے راستے کے دوران میں غیر معمولی طور پر محتاط تھا۔ رات اتنی گزر چکی تھی کہ امیروں کی اس بستی میں گھومنے والا کوئی بھی شخص چور اور ڈاکو ہی سمجھا جاتا جبکہ میرے پاس تو پستول بھی موجود تھا۔ یہ اطمینان تو میں کر چکا تھا کہ ڈولی کا کوئی کارندہ میری نگرانی نہیں کر رہا ہے' ڈر صرف یہ تھا کہ کہیں پولیس سے سامنا نہ ہو جائے یا کوئی مہم جو چوکیدار نہ للکار بیٹھے' خوامخواہ الجھن پیدا ہو جاتی۔ خوش قسمتی سے ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ میری نظریں سامنے واقع وسیع و عریض بنگلے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس بنگلے کو قدیم و جدید طرز تعمیر کا حسین امتزاج قرار دیا جا سکتا تھا۔ پہلی نظر میں وہ واقعی ایک چھوٹا سا قلعہ دکھائی دیتا تھا جس کی فصیلوں پر بوقت ضرورت درجنوں افراد مورچے جما سکتے تھے۔ دونوں گیٹوں کے ستونوں پر چار برجیاں بنی ہوئی تھیں جن پر بہت زیادہ پاور کے بلب نصب تھے۔ گیٹوں اور چار دیواری کی بلندی اتنی زیادہ تھی کہ گیٹوں پر تعینات گارڈز کی تعداد اور ان کی نقل و حرکت کا باہر سے جائزہ لینا ممکن نہ تھا۔ عمیر کے مطابق ان کی تعداد دن میں چار اور رات میں چھ ہوتی تھی۔ اتنے بہت سے افراد کی نظروں سے بچ کر بنگلے میں گھسنا تقریباً ناممکن تھا لیکن میں اس ناممکن کام کو ممکن بنانے کا مصمم ارادہ کرکے گھر سے نکلا تھا۔ مجھے ہر قیمت پر اس بنگلے میں گھسنا تھا۔ عمر' اشرف اور ہاسپٹل کی حفاظت کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے زندگی کی قربانی دینے والے سکیورٹی گارڈ کا خون اتنا بے وقعت نہیں تھا کہ ان کا قتل کرنے والا خونی درندہ اپنی پرآسائش کچھار میں سکون کی نیند سوتا رہے اور اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑنے والا بھی کوئی نہ ہو۔

میں خاصی دیر تک صورتحال کا جائزہ لیتا رہا۔ ماحول پر ہو کا عالم طاری تھا۔ رستم کے علاوہ آس پاس کے بنگلوں میں بھی زندگی کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ یہ میری خوش فہمی ہوتی کہ رستم خان کے بنگلے کے تمام گارڈز لمبی تان کے سو رہے ہوں گے۔ اس کے باوجود مجھے اتنا اعتماد ضرور تھا کہ اگر میں ان سے آنکھ بچا کر ایک بار چار دیواری کے اندر داخل ہونے میں کامیابی حاصل کرلوں تو پھر میں ان سب کو سنبھال لوں گا۔ تھوڑی دیر مزید انتظار کرنے کے بعد میں اپنی پناہ گاہ سے نکل آیا۔ یہ چھوٹا سا پارک جسے اس

عرصے کے دوران میں اپنی آغوش میں چھپائے رہا تھا۔

دیوار پر ہاتھ جمانے کے لیے مجھے پوری قوت سے اچھلنا پڑا۔ گرفت مضبوط کرنے کے بعد میں نے کلائیوں اور بازوؤں پر زور ڈال کر اپنے جسم کو اوپر اٹھانا شروع کیا۔ سخت مشقت بھری یہ ورزش مجھے جلد از جلد مکمل کرنی تھی۔ کسی بھی لمحے میں نظروں میں آسکتا تھا۔ اس کے بعد میرا جو حشر ہوتا' اس سے میں اچھی طرح واقف تھا۔ میری برسوں کی کسرت' کراٹے کی ایکسرسائز اور تیراکی کا معمول اس لمحے میرے لیے بہت بڑا اثاثہ ثابت ہوئے۔ چند ہی لمحوں بعد میں دیوار کے اوپر پہنچ چکا تھا۔

میرا پستول میرے ہاتھ میں آچکا تھا اور میں دیوار پر سینے کے بل دراز نہایت غور سے چار دیواری کے اندر کے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا۔ بڑے گیٹ کے ساتھ ایک چھوٹا سا کیبن تھا جس میں تین گارڈز بیک وقت ڈیوٹی دے سکتے تھے۔ کیبن سے ذرا ہٹ کے لان کے اختتام پر کونے میں ایک نسبتاً بڑا کیبن موجود تھا۔ چھوٹے کیبن کا رخ مخالف سمت میں تھا۔ چنانچہ اس کے اندر موجود افراد میری نظروں سے اوجھل تھے البتہ بڑے کیبن کے دروازے کا رخ میری طرف تھا اور میں دیکھ سکتا تھا کہ اس کا دروازہ اس وقت بند ہے شاید سخت سردی اور سرد ہواؤں نے انہیں کیبن کی گرم فضا میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں نے اسے اپنے خدا کی غیبی امداد سمجھا' اب میں پہلے چھوٹے کیبن میں ڈیوٹی دینے والے گارڈز سے نمٹ سکتا تھا۔ بڑے کیبن میں دبکے ہوئے افراد کو قابو کرنا میرے لیے زیادہ آسان ثابت ہوتا۔

میں بے آواز لیکن تیز قدموں سے چلتا ہوا چھوٹے کیبن کے عقب میں پہنچا۔ میں نے کیبن کی دیوار سے کان لگا کر اندر کی آوازیں سننے کی کوشش کی لیکن وہاں مکمل خاموشی طاری تھی شاید وہ لوگ بھی میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہے تھے۔ میں وقت ضائع کیے بغیر بجلی کی سی تیزی سے کیبن کے سامنے والے حصے تک پہنچا اور پھر یکلخت مجھ پر ایک حیرت انگیز انکشاف ہوا' کیبن میں کوئی گارڈ موجود نہیں تھا۔ خالی کیبن مجھے اپنا منہ چڑاتا محسوس ہوا شاید تمام گارڈز بڑے کیبن میں پناہ لیے ہوئے تھے اور کسی بھی لمحے ان میں سے کوئی فرض شناسی کے جذبے کے تحت اس کیبن کی جانب آسکتا تھا۔ میں پلک جھپکتے میں ایک فیصلے پر پہنچ گیا اور پھر میں نے اپنے فیصلے پر عمل بھی کر ڈالا۔ میں بے آواز لیکن تیز رفتار قدموں سے دوڑتا ہوا بڑے کیبن کے دروازے پر پہنچ گیا لیکن وہاں ایک اور حیران کن منظر میرا منتظر تھا۔ کیبن کے دروازے پر باہر سے ایک قفل پڑا ہوا تھا شاید میں کوئی بڑی غلطی کر بیٹھا تھا......

اس عجیب و غریب صورتحال نے میرا دماغ چکرا کے رکھ دیا تھا۔ یہ چھ عدد گارڈز بیک وقت کہاں جا چھپے تھے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ بنگلہ مکینوں سے خالی ہو..... لیکن نہیں۔ یہ تو میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ بنگلے کے پورچ میں ایک پجیرو جیپ اور ایک کار موجود ہے۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ بنگلے میں متعدد افراد موجود ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ گارڈز بنگلے کی چھت پر مورچے جمائے بیٹھے ہوں اور میری تمام حرکتوں کا نہایت دلچسپی سے جائزہ لے رہے ہوں؟

میں نے چونک کر بنگلے کی چھت کی طرف دیکھا لیکن کوشش کے باوجود مجھے کوئی ایسی علامات نظر نہ آسکیں جن سے کسی ذی روح کی وہاں موجودگی کا شبہ ہوتا۔ ویسے بھی اگر گارڈز وہاں موجود ہوتے تو میں اتنی آسانی سے بنگلے کے احاطے میں مٹرگشت نہ کر رہا ہوتا۔ وہ اب تک میرا جسم گولیوں سے چھلنی کر چکے ہوتے' یہ کوئی اور ہی چکر تھا۔ کسی نامعلوم وجہ سے وہ تمام گارڈز وہاں سے ہٹا دیئے گئے تھے حالانکہ گلریز کی موت کے بعد تو بنگلے کے مکینوں کو اپنی حفاظت کی طرف سے مزید محتاط ہو جانا چاہیے تھا۔ کہیں یہ میرے جیسے بن بلائے مہمان کو پھانسنے کی کوئی چال تو نہیں ہے؟ ایسا تو نہیں کہ میں بنگلے کی اصل عمارت میں گھستے ہی دھر لیا جاؤں؟

ان شبہات کی تصدیق یا تردید میرے لیے فوری طور پر ممکن نہیں تھی۔ اگر بنگلے میں میرے لیے کوئی جال بچھایا بھی گیا تھا تو میں یہاں تک آنے کے بعد خالی ہاتھ' ناکام و نامراد واپس لوٹنے پر آمادہ نہیں تھا۔ مجھے اتنا تو اعتماد تھا ہی کہ میں کم از کم دو تین افراد کو تو خاک چاٹنے پر مجبور کر ہی سکتا تھا۔ ویسے بھی اگر وہ لوگ واقعی بنگلے کے اندر گھات لگائے بیٹھے تھے تو اس مرحلے پر وہ مجھے ہرگز فرار ہونے نہ دیتے۔ صرف ایک گولی چلنے کا تو مسئلہ تھا' اس کے بعد تو سارا مسئلہ ہی حل ہو جاتا۔

تمام تر اندیشوں کو پس پشت ڈال کر میں بنگلے کی اصل عمارت میں گھسنے کا راستہ تلاش کرنے لگا۔ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ انسان اپنے دل میں ٹھان لے تو ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے تو میں بھی بنگلے کے اندر گھسنے کا ایک راستہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ بنگلے کے عقبی حصے میں وہ چھوٹی سی کھڑکی شاید باورچی خانے میں کھلتی

ہوئی۔ میں نے اسے دھکیلا تو وہ نصف کھل گئی۔ اسے پورا کھولنے کے لیے مجھے اندر ہاتھ ڈال کر چٹخنی تلاش کرنا پڑی۔ کھڑکی کھلنے پر میں نے اندر گھسنے کی کوشش کی۔ تب مجھے احساس ہوا کہ کھڑکی اس سے کہیں زیادہ چھوٹی ہے جتنی کہ بظاہر نظر آتی تھی' تاہم اس موقع پر کراٹے اور تیراکی کی مسلسل مشق میرے کام آئی۔ جسم کی لچک کا فائدہ اٹھا کر کئی مشکل زاویوں سے اپنا جسم موڑ توڑ کر کھڑکی کے مختصر راستے سے گزرنے میں کامیاب ہو گیا۔

یہ جدید طرز کا بڑا سا کچن تھا۔ نیم تاریکی میں دروازے تک پہنچنے کے دوران میں نے پوری کوشش کی کہ برتنوں وغیرہ سے نہ ٹکراؤں لیکن اس کے باوجود میں ایک کرسی سے ٹکرا کر گرتے گرتے بچا۔ خدا جانے وہ کرسی وہاں کس مقصد کے تحت رکھی گئی تھی؟ خیریت یہ رہی کہ میں نے اپنے آپ اور کرسی کو فوراً ہی سنبھال لیا ورنہ چند ہی لمحوں میں پورا گھر جاگ اٹھتا۔ کچن کا دروازہ ایک بڑے سے ٹی وی لاؤنج میں کھلتا تھا۔ وہاں مدھم روشنی کا ایک بلب روشن تھا' مجھے اس وقت وہاں کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ سامنے ہی قیمتی لکڑی سے بنا داخلی دروازہ نظر آرہا تھا۔ داہنی طرف ایک بڑا سا زینہ بھی نظر آرہا تھا۔ لاؤنج کی طرف سیڑھیوں پر بھی دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ زینے سے ذرا ہٹ کر مزید ایک دروزاہ نظر آرہا تھا جو اس وقت بند تھا۔ میں محتاط قدموں سے آگے بڑھا۔ خوب کان لگا کر سننے کے باوجود مجھے اس کمرے سے کسی قسم کی ہلکی سی آواز بھی سنائی نہ دی۔ میں نے ہینڈل گھما کر دروازے کو اندر دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ لاؤنج سے آنے والی ہلکی روشنی میں مجھے یہ اندازہ لگانے میں مشکل نہ ہوئی کہ وہ جدید طرز کا ایک ڈرائنگ روم ہے۔ اس وقت وہاں بھی کوئی موجود نہیں تھا۔ گویا بنگلے کا نچلا پورشن بالکل خالی تھا۔

زینہ چڑھتے ہوئے میں مزید محتاط ہو گیا۔ گھر کے تمام افراد اوپری پورشن میں تھے اور ان میں سے کسی سے بھی میرا سامنا ہو سکتا تھا۔ اوپری منزل کے وسط میں درمیانے سائز کے ڈرائنگ روم کی طرز کی نشست گاہ تھی جبکہ اس کے چاروں طرف چار کمروں کے دروازے نظر آرہے تھے۔ میں نے اپنا پستول مزید مضبوطی سے تھاما اور تیز لیکن محتاط قدموں سے قریب ترین کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس کمرے کے اندر سے بھی کسی قسم کی آواز سنائی نہ دی۔ میں نے ہینڈل گھما کر دھکا دیا تو دروازہ اندر کھلتا چلا گیا۔ کمرے میں تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سامنے ایک طویل و عریض بیڈ موجود تھا جو اس وقت خالی تھا' تاہم یوں لگ رہا تھا جیسے سونے والا ابھی ابھی اس بیڈ سے اٹھ کر کہیں گیا ہے۔ میں نے سوچا کہ شاید یہی رستم خان کی خوابگاہ ہے۔ ممکن ہے اس وقت وہ غسل خانے میں ہو۔

میں نے بے آواز انداز میں دروازہ بند کیا اور دبے پاؤں غسل خانے کے دروازے کی جانب بڑھا۔ غسل خانے سے کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میں نے ہینڈل پر

دباؤ ڈال کر دروازہ دھکیلا تو وہ کھلنے لگا۔ میں نے ایک جھٹکے سے پورا دروازہ کھول دیا۔ میری ساری پھرتی بیکار ثابت ہوئی' غسل خانہ بالکل خالی تھا۔

میں غسل خانے کا دروازہ بند کرکے کمرے سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ میں نے دروازے کے باہر کسی کے بولنے کی آواز سنی۔ کوئی دروازہ کھول کر کمرے کے اندر آنے والا تھا۔ صورتحال ایسی تھی کہ میں کمرے سے باہر نکلنے کی کوشش کرتا تو لازماً کمرے میں داخل ہونے والے سے سامنا ہو جاتا۔ غسل خانے میں بھی گھسنے کی گنجائش نہ رہی تھی۔ اب ایک ہی جگہ باقی بچی تھی جہاں میں فوری طور پر چھپ سکتا تھا۔ اگلے ہی لمحے میں پیٹ کے بل قالین پر گر چکا تھا اور کسی بڑی سی چھپکلی کی مانند رینگتا ہوا بیڈ کے نیچے گھستا چلا جا رہا تھا۔ قبل اس کے کہ کمرے کا دروازہ کھلتا' میں اپنے آپ کو طویل و عریض بیڈ کے نیچے چھپا چکا تھا۔ میری نظریں دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دروازے سے اندر داخل ہونے والے افراد کے پاؤں دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ وہ دونوں جواں عمر ہیں اور غالباً آپس میں بیوی اور شوہر کے رشتے سے منسلک ہیں۔

"یہ بڈھے کو ہو کیا گیا ہے؟ اتنی رات تک تو یہ کبھی نہیں جاگتا تھا۔" خاصی بھاری مردانہ آواز میں نے سنی۔ وہ سیدھا بیڈ کے کنارے پر آکر بیٹھ گیا۔ قدرے توقف کے بعد نسوانی آواز سنائی دی۔ "گلریز بھائی کی موت نے رستم چچا کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے' وہ سخت ذہنی عذاب میں مبتلا ہیں۔ جواں بیٹے کی موت کا صدمہ برداشت کرنا بچوں کا کھیل تو نہیں ہے۔"

"تو مر کیوں نہیں جاتا یہ کمبخت بڈھا؟" مردانہ آواز میں جھنجلاہٹ کی واضح جھلک موجود تھی۔ میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ دونوں افراد کون ہیں اور ان کا رستم خان سے کیا رشتہ ہے اور یہ شخص رستم خان کو کیوں کوس رہا تھا۔ "میں تو سوچ کر گیا تھا کہ اب اس کا قصہ پاک کرکے ہی آؤں گا لیکن وہ تو شاید آج رات سونے کا ارادہ ہی نہیں رکھتا۔"

"تو پھر کیا ہوا' کل رات کام کر دینا اس کا' جلدی کیا ہے تمہیں؟"

"جلدی ہے ساجدہ! بڑے میاں جو سوچ رہے ہیں' اگر اس پر مکمل طور پر عمل ہو گیا تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔ اسے تو شاید دولت سے نفرت ہو گئی ہے۔ جبھی تو ہر گارڈ کو پورے ایک لاکھ روپے دے کر ان سب کی چھٹی کر دی ہے۔ رحیم خان اور رقیہ بی بی کو پتا نہیں کتنا پیسہ دیا ہے۔ یہ بنگلہ بھی وہ کسی خیراتی ادارے کو دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ہے ہم سے بھی پورا انصاف کرے گا۔ زیادہ سے زیادہ کتنی رقم دے سکتا ہے یہ ہمیں؟ پانچ لاکھ ..... دس لاکھ..... باقی کروڑوں یہ فقیروں میں بانٹ کر خود ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سعودی عرب چلا جائے گا اور باقی تمام عمر اللہ اللہ کرے گا۔ یہ ہم سے سراسر ناانصافی ہے؟ اگر گلریز مر گیا ہے تو اب اس دولت اور جائیداد کا وارث مجھے ہونا چاہیے۔"

"تمہاری اس بات سے تو مجھے پورا اتفاق ہے' بھتیجا بھی تو بیٹے کی طرح ہوتا ہے۔ گلریز نہیں رہا تو اب سب کچھ تمہیں ملنا چاہیے۔"

"یہ سب کچھ اب بھی میرا بلکہ ہمارا ہو سکتا ہے۔ اگر آج صبح ہونے سے پہلے ہم بڈھے کا خاتمہ کر دیں۔ تکیہ سے منہ دبا کر اسے ہلاک کر دوں گا تو ڈاکٹر یہی کہے گا کہ اس کا ہارٹ فیل ہو گیا ہے۔ جوان بیٹے کی موت برداشت نہیں ہو سکی غریب سے۔ اس صدمے نے بالآخر بوڑھے باپ کی جان لے کر چھوڑی۔ بڈھے کے مرنے کے بعد اس کا سگا بھتیجا اور قریب ترین رشتے دار ہونے کے حوالے سے میں ہی اس کا واحد وارث قرار پاؤں گا۔"

"کہیں وہ ہوشیار نہ ہو جائے۔ تم اس کے کمرے کا دروازہ غیر مقفل چھوڑ آئے ہو۔" ساجدہ کی آواز میں گہری تشویش کی جھلک نمایاں تھی۔

اس نئی اور دلچسپ صورتحال نے میری توجہ پوری طرح اپنی جانب مبذول کرا لی تھی۔ یہ شخص جو بھی تھا' اس وقت بالکل انہی ارادوں کا اظہار کر رہا تھا جنہیں دل میں چھپائے میں اس بنگلے میں گھسا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کا انتقام لینے کی خاطر بڑے میاں کا جھٹکا کرنا چاہتا تھا جبکہ اس شخص نے اپنا نام نہاد حق حاصل کرنے کے لیے رستم خان کو اگلے جہاں پہنچانے کا ارادہ باندھ رکھا تھا البتہ اس کی گفتگو سے میں یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ اگر رستم خان خونخوار بھیڑیا تھا تو حرص' لالچ اور کمینے پن میں یہ شخص بھی گیدڑ تو ضرور قرار دیا جا سکتا ہے۔

میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ رستم خان کے حوالے سے میرے دل میں بے نام سی ہمدردی کے جذبات کیسے پیدا ہونے لگے ہیں۔ ممکن ہے اس کا اس شخص کے ہاتھوں بے بسی کی موت مرنا مجھے بھلا نہ لگ رہا ہو یا پھر شاید رستم خان کی سخاوت اور دریا دلی کا مظاہرہ مجھے اس کے بارے میں نرمی سے سوچنے کی طرف مائل کر رہا تھا' بہرحال اس وقت وہ مجھے مظلوم اور قابل رحم محسوس ہو رہا تھا۔ ایک ایسا ناتواں بوڑھا جس کا جواں بیٹا اس کی دھندلائی ہوئی نظروں کے سامنے منوں مٹی کے نیچے جا سویا تھا' میں جوں جوں ان دونوں میاں بیوی کی خباثت آمیز گفتگو سنتا جا رہا تھا' میرے دل میں ان دونوں کے لیے نفرت اور رستم خان کے لیے یگانگت کا جذبہ طاقتور ہوتا جا رہا تھا۔

"میرا خیال ہے بڈھے کو ختم کرنے کا بہترین وقت صبح کے پانچ' ساڑھے پانچ بجے کا ہے۔ اس وقت تک وہ نہایت گہری نیند سو چکا ہوگا۔ تب تک ہم دونوں بھی نیند پوری کرکے پوری طرح تر و تازہ ہو جائیں گے۔ اس وقت تک مجھے اپنے دماغ کی رگیں بری طرح اکڑی ہوئی محسوس ہو رہی ہیں۔" ساجدہ ایک انسان کے قتل کی بات اتنی روانی اور اطمینان سے کر رہی تھی جیسے صبح کا ناشتہ تیار کرنے کا پروگرام بنا رہی تھی۔ سفاکی اور

خودغرضی میں وہ اپنے شوہر سے ذرہ برابر بھی پیچھے نہ تھی۔

"میرا خیال ہے یہی بہتر ہوگا' ویسے بھی اس وقت گھر میں ہم تینوں کے علاوہ کوئی بھی نہیں۔ اچھا ہوا بڈھے نے رحیم خان اور رقیہ کو بھی چھٹی دے دی۔ اب میرا ہاتھ روکنے والا یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ ٹھیک ہے میں ٹائم پیس میں پانچ بجے کا الارم لگا دیتا ہوں۔"

عین اسی لمحے میں ایک عجیب و غریب فیصلے پر پہنچ گیا۔ عجیب و غریب اس لیے کہ یہ اس فیصلے سے' اس ارادے سے بالکل الٹ تھا جس کے تحت میں اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اس بنگلے میں گھسا تھا......جی ہاں! میں رستم خان کو اس وحشی فطرت اور طمع گزیدہ جوڑے کی زد سے بچانے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔ گناہوں بھری زندگی گزارنے کے بعد اگر یہ شخص اب سیدھے راستے پر چلنا اور اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا تو اسے اس کا پورا موقع ملنا چاہیے تھا۔

ساجدہ اور اس کا شوہر کچھ دیر مزید آپس میں باتیں کرتے رہے' پھر کمرے میں رفتہ رفتہ مکمل خاموشی طاری ہو گئی۔ وہ دونوں یکے بعد دیگرے نیند کی آغوش میں کھوتے چلے گئے۔

ان دونوں کی تازہ گفتگو سے میں ساجدہ کے شوہر کا نام جاننے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کا نام اکبر خان تھا۔ وہ منشیات اور اسلحے کی سمگلنگ اور خرید و فروخت میں رستم خان اور گلریز خان کی معاونت کرتا تھا اور اب وہ رستم خان کی تمام دولت اور منشیات فروشی کے لیے چوڑے کاروبار پر قبضہ جمانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ گویا وہ رستم خان کا جوان اور تازہ دم روپ بننا چاہتا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں اس بدفطرت شخص کو بھی مناسب سزا دے کر رہوں گا۔

ان دونوں کے سونے کا یقین ہو جانے کے باوجود میں نے بیڈ کے نیچے سے نکلنے کی کوشش نہیں کی۔ مجھے کوئی جلدی نہیں تھی۔ پانچ بجنے میں ابھی خاصی دیر تھی' تب تک میں اسی آرام دہ اور محفوظ جگہ پوشیدہ رہ سکتا تھا۔ اس دوران میں مجھے صرف یہ خیال رکھنا تھا کہ کہیں نیند کی دیوی مجھ پر فتح نہ حاصل کر لے۔ ایسی صورت میں' میں سوتا رہ جاتا اور یہ دونوں رستم خان کا قصہ تمام کر ڈالتے جو مجھے کسی صورت گوارا نہ تھا۔

میں ٹھیک چار بجے تک اکبر خان اور ساجدہ کے بیڈ کے نیچے چھپا رہا۔ اس کے بعد اس بیڈ کے نیچے سے نکل آیا۔ اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد کہ وہ دونوں گہری نیند سو رہے تھے' میں بے آواز قدموں سے کمرے کے دروازے کی جانب بڑھا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ کمرے کے دروازے کی اندر سے چٹخنی نہیں لگائی گئی تھی۔ صرف اندر سے بٹن دبا کر دروازہ لاک کیا گیا تھا۔ ہینڈل گھماتے ہی ہلکے سے کھٹکے کی آواز سے دروازے کا لاک کھل گیا۔ میں نے گہری نظروں سے اکبر خان اور ساجدہ کا جائزہ لیا۔ ہلکی سی آواز ان کی نیند میں خلل انداز نہیں ہوئی تھی۔ میں نے نہایت آہستگی سے دروازہ اپنی طرف کھینچا تو

وہ بے آواز کھلتا چلا گیا۔ میں نے دروازے کے لاک کا بٹن دبایا اور پھر باہر نکل کر دروازہ ایک بار پھر بند کر دیا۔ اکبر خان اور ساجدہ بدستور گہری نیند سو رہے تھے۔ میں نے دروازہ پوری طرح بند کرنے کے بعد اسے دھکا دے کر دیکھا' وہ ایک بار پھر لاک ہو چکا تھا۔

رستم خان کا کمرہ تلاش کرنے میں مجھے زیادہ کوشش نہ کرنی پڑی۔ میں نے نہایت آہستگی سے ہینڈل گھما کر دروازے کو ہلکا سا دھکا دیا۔ اکبر خان اور ساجدہ کے بیان کے عین مطابق دروازہ لاک نہیں تھا۔ میں نے پتلی سی جھری سے کمرے کے اندر جھانکا۔ کمرے میں دودھیا روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سامنے بڑے سے بیڈ پر محو خواب شخص یقیناً رستم خان رہا ہوگا۔ وہ اپنی کروٹ کے بل لیٹا ہوا تھا اور اس وقت اس کا چہرہ مجھ سے مخالف سمت میں تھا' تاہم اس کے سفید بالوں سے میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس کی عمر ساٹھ سال سے زائد رہی ہوگی۔ اس عمر میں بھی وہ خاصا چاق و چوبند اور صحت مند محسوس ہوتا تھا۔ میں کمرے کے اندر داخل ہوا اور بنا کسی آواز کے دروازہ بند کر دیا۔ میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اسے فوری طور پر اٹھا کر تمام صورتحال سے آگاہ کر دوں یا مزید کچھ دیر انتظار کروں۔ عین اسی وقت اس کے جسم میں جنبش ہوئی' وہ شاید کروٹ بدلنے والا تھا۔ میں نے وہی کیا جو اکبر خان کے کمرے میں کر چکا تھا یعنی برق رفتاری سے بیڈ کے نیچے گھستا چلا گیا۔ اس اثنا میں' میں اس فیصلے پر پہنچ چکا تھا کہ رستم خان کو جگا کر صورتحال سے آگاہ کرنے کے بجائے عین وقت پر مداخلت کر کے اکبر خان کا بنا بنایا کھیل بگاڑ دوں گا۔ اس طرح میں رستم خان کے غیر ضروری سوال و جواب سے بھی بچ جاؤں گا اور رستم خان پر اس کے بھتیجے کا شیطانی منصوبہ بھی کھل جائے گا۔ اس کے بعد اس سے وہ خود ہی نمٹ لے گا۔

مجھے بیڈ کے نیچے گھسے ہوئے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ میں نے محسوس کیا کہ رستم خان بیدار ہو چکا ہے' شاید وہ پوری طرح سویا ہی نہ تھا۔ میں نے اسے بیڈ سے اترتے اور پھر سلیپر پہن کر باتھ روم کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ کچھ دیر بعد باتھ روم سے باہر آگیا لیکن دوبارہ بیڈ کی طرف آنے کے بجائے وہ بیڈ کے قریب ہی جاء نماز بچھا کر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ وہ شاید تہجد کی نماز پڑھ رہا تھا۔ اس کا مجھ سے فاصلہ محض چند فٹ رہا ہوگا۔ وہ اگر ذرا سا جھک کر غور سے بیڈ کے نیچے جھانکتا تو میں اسے نظر آجاتا لیکن وہ جس خشوع و خضوع سے نماز پڑھ رہا تھا' اس کے پیش نظر بظاہر ایسا کوئی امکان نہیں تھا۔

نماز پڑھنے کے بعد وہ دعا کرنے لگا۔ شدید جذبات سے اس کی آواز کبھی بلند ہو جاتی' کبھی دھیمی پڑ جاتی۔ وہ اپنی اور اپنے بیٹے کی مغفرت کی دعا کر رہا تھا۔ اپنی باقی تمام زندگی یاد الٰہی میں گزارنے کے ارادے ظاہر کر رہا تھا۔ دعا کرتے کرتے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ آواز اس حد تک گلوگیر ہو گئی کہ الفاظ سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ پھر وہ سجدے میں گر گیا اور ہچکیاں لے لے کر رونے لگا۔ اس کا سجدہ اور دعائے مغفرت طویل سے

طویل تر ہوتی چلی گئی۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا' میرے اضطراب میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اگر اکبر خان اور ساجدہ کو وہ جاگتا ہوا ملتا تو وہ دونوں دروازے سے ہی واپس لوٹ جاتے اور اپنا "پروگرام" کسی مناسب موقع تک کے لیے ملتوی کر دیتے۔ ایسی صورت میں رستم خان کو ان سے بچانا میرے لیے ناممکن ہو جاتا' اگر میں رستم خان کو ان کے خطرناک ارادوں سے خبردار کرنے کی کوشش کرتا تو اول تو وہ میری بات ہی نہ سنتا۔ بالفرض سن بھی لیتا تو ضروری نہیں اسے اس پر یقین بھی آجاتا۔ اسے حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے ضروری تھا کہ میں اکبر خان اور ساجدہ کو رنگے ہاتھوں پکڑوا دیتا۔

خاصے انتظار کے باوجود جب رستم خان کے جاء نماز سے اٹھنے کے کوئی آثار نظر نہ آئے تو میں فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گیا کہ بلا پس و پیش اسے صاف صاف تمام بات بتا دوں' اس کی مرضی یقین کرے یا نہ کرے۔ میں بیڈ کے نیچے سے نکل آیا اور بیڈ کے کنارے پر بیٹھ کر رستم خان کے سلام پھیرنے کا انتظار کرنے لگا۔ سلام پھیرتے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی' وہ بری طرح چونک پڑا۔

"تم کون ہو' کیا چاہتے ہو؟" اس کے لہجے میں خوف یا اضطراب کی ہلکی سی جھلک بھی نہ تھی۔ میں نے پستول لہرا کر کہا "اتنی رات گئے آنے والے بن بلائے مہمان کو ڈاکو کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے ڈاکہ ڈالنے کے لیے اتنی مصیبتیں جھیل کر یہاں پہنچا ہوں۔"

اس نے مزید غور سے مجھے دیکھا۔ "شکل سے تو پڑھے لکھے لگتے ہو' پھر اس دھندے میں کیسے پڑ گئے؟"

"ویسے ہی جیسے میری طرح کے غریب گھرانوں کے پڑھے لکھے' مسلسل اور ختم نہ ہونے والی بیروزگاری سے تنگ آجانے والے نوجوان پڑا کرتے ہیں۔ ہم جیسے سفارش اور رشوت کی طاقت سے محروم نوجوانوں کے پاس دو ہی راستے ہوتے ہیں یا تو منشیات کی لعنت گلے لگا کر اپنے ماں باپ کی بے بسی اور مایوسی فراموش کرنے کی کوشش کریں یا پھر ہتھیار اٹھا کر سیدھی انگلیوں سے نہ نکلنے والے گھی کو ٹیڑھی انگلیوں سے نکالنے کی کوشش کریں۔"

"کبھی سوچا ہے کسی ڈکیتی کے دوران میں گولی کا نشانہ بن گئے تو تمہارے والدین پر کیا گزرے گی؟" رستم خان نے دھیمے لہجے میں پوچھا' وہ بالکل پرسکون نظر آرہا تھا۔ میں نے طنزیہ لہجے میں اس کے سوال کا جواب دیا۔ جو بھی گزرے گی' اس کا زور کچھ ہی دنوں میں ٹوٹ جائے گا۔ اس کے بعد ان کی زندگی پہلے سے کہیں زیادہ پرسکون ہو جائے گی۔"

"تم مجھے بہت دکھی نظر آتے ہو' چلو اٹھو میں تمہیں تمہاری محنت کا صلہ دیتا ہوں"

میں تمہاری توقع سے بھی زیادہ روپیہ دے سکتا ہوں لیکن تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ آج کے بعد تم کبھی ڈکیتی نہیں کرو گے۔ تم اکیلے ہو یا کوئی اور بھی تمہارے ساتھ ہے؟"

"میں اکیلا ہوں اور یہ میری پہلی واردات ہے۔ اگر آپ واقعی بغیر کسی مزاحمت کے میرا مطالبہ پورا کرنا چاہتے ہیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ میری زندگی کی پہلی اور آخری واردات ثابت ہوگی۔ مجھے خود بھی یہ سب پسند نہیں ہے' انتہائی سخت مجبوری نے مجھے یہ راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"ٹھیک ہے تم بیٹھو' میں رقم نکالتا ہوں۔" وہ خوابگاہ کی دیوار کی جانب بڑھا اور اگلے ہی لمحے بالکل اسی قسم کی تجوری میری نظروں کے سامنے تھی جیسی میں منشیات کے اڈے پر گلریز کے کمرے میں دیکھ چکا تھا۔ میرے دل کی دھڑکن یک لخت تیز ہو گئی۔ شاید وہ مجھ پر وہی داؤ استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا تھا جو گلریز نے استعمال کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

رستم خان کی انگلیاں مہارت سے ڈیجیٹل بٹنوں پر حرکت کر رہی تھیں' تاہم میں نے اسے روکنے یا اس کے کام میں مداخلت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں چاہتا تھا کہ اس کی نیت پوری طرح بے نقاب ہو جائے۔ اگر وہ مجھ پر خواب آور گیس کا داؤ آزمانا چاہتا تو اس کے توڑ سے میں پوری طرح واقف تھا۔ اگر عین وقت پر میں ناک بند کر لیتا تو گیس میرا کچھ بھی نہ بگاڑ پاتی البتہ اس طرح میرے دل میں اس کے لیے پیدا ہونے والا نرم گوشہ ضرور ختم ہو جاتا۔

اسے اپنا کام مکمل کرنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ اس نے جونہی تجوری کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا' میں نے اپنی ناک مضبوطی سے بند کر لی۔ تاہم میری توقع کے برعکس رستم خان نے اپنا سانس روکنے یا ناک بند کرنے کی کوشش نہیں کی' نہ ہی وہ میری طرف متوجہ تھا۔ اس نے نہایت اطمینان سے تجوری کا ہینڈل گھمایا اور تجوری کھلتی چلی گئی۔ سامنے ہی بڑے نوٹوں کی کئی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے ہزار ہزار کے نوٹوں کی پانچ گڈیاں اٹھا لیں اور تجوری کو دوبارہ بند کر کے میری طرف متوجہ ہوا' تاہم تب تک میں اپنی ناک پر سے ہاتھ ہٹا چکا تھا البتہ میں بدستور سانس روکے ہوئے تھا۔ مجھے پوری طرح ہوش و حواس میں دیکھ کر رستم خان نے کسی قسم کی حیرت اور تعجب کا اظہار نہیں کیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ ہینڈل گھمانے سے پہلے ہی گیس کا اخراج روکنے والا بٹن دبا چکا تھا۔

"یہ لو' میرے خیال میں یہ رقم تمہیں کوئی شریفانہ کاروبار کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔ اب تم یہاں سے بھاگنے کی سوچو ......اور ہاں یہاں سے نکلتے ہوئے ذرا احتیاط کرنا' میرے بھتیجے کی نظر تم پر پڑ گئی تو تمہیں گولی سے اڑا دے گا۔" رستم خان کی بات سن کر میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "مجھے چھوڑیں' آپ اپنی خیر منائیں۔ آپ کا لاڈلا بھتیجا اور اس

کی بیوی کچھ ہی دیر بعد آپ کو اگلے جہاں پہنچانے والے ہیں؟" میری توقع کے عین مطابق یہ اطلاع اس کے لیے قطعاً ناقابل یقین ثابت ہوئی۔ "یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟ میں نے تم سے نیکی اور تم ......"

"آپ کی اسی نیکی کا بدلہ تو میں اتارنا چاہتا ہوں۔ میں نے جو کچھ کہا' اس کا ایک ایک لفظ درست ہے۔ آپ کا بھتیجا اکبر اور اس کی بیوی ساجدہ آپ کے منہ پر تکیہ جما کر آپ کا کام تمام کرنے کا مکمل پروگرام بنا چکے ہیں۔ آپ کے قتل کے لیے انہوں نے پانچ بجے کا وقت مقرر کیا ہے۔ وہ آج رات کے دوران دوسری بار آپ کے قتل کے ارادے سے اس کمرے میں آنے والے ہیں۔ اکبر کے پاس آپ کے کمرے کی چابی موجود ہے' وہ دونوں چند گھنٹے پہلے بھی کمرے کا دروازہ کھول کر کمرے میں گھسنے والے تھے لیکن آپ کو جاگتا پا کر انہیں بے نیل و مرام واپس لوٹنا پڑا۔"

رستم خان میری زبان سے نکلنے والا ایک ایک لفظ غور سے سن رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شدید ذہنی کشمکش کے آثار نمایاں تھے۔ "لیکن وہ ایسا کیوں کرنا چاہتے ہیں؟ میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے؟"

"آپ اس دولت کو بے دریغ بانٹ رہے ہیں جس پر وہ دونوں اب اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اکبر کا خیال ہے کہ آپ کے سگے بیٹے کی موت کے بعد بھتیجا ہونے کے ناطے سے اب وہ آپ کی جائیداد کا وارث ہے۔ قبل اس کے کہ آپ یہ تمام دولت لوگوں میں بانٹ دیں' وہ آپ کا خاتمہ کر دینا چاہتے ہیں تاکہ باقی تمام جائیداد اور دولت خود بخود ان کے ہتھے چڑھ جائے۔"

"لیکن تمہیں ان سب باتوں کا پتا کیسے چلا؟" میری باتوں نے رفتہ رفتہ اس پر اثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ "میں نے یہ سب کچھ ان دونوں کی زبانی سنا ہے۔ آپ کے کمرے میں آنے سے پہلے میں اچھا خاصا وقت ان دونوں کے کمرے میں چھپا رہا ہوں۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ کروڑوں کی مالیت کا یہ بنگلہ کسی خیراتی ادارے کے حوالے کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔؟"

"تم درست کہہ رہے ہو۔" اس کے لہجے میں یک لخت شدید تھکن جھلکنے لگی۔ "اس کا مطلب ہے تمہاری باقی باتیں بھی سچ ہیں۔"

"جی ہاں...... اور اگر اب بھی یقین نہ آئے تو اپنے بستر پر آنکھیں بند کر کے لیٹ جائیں۔ پانچ بجنے میں صرف چند منٹ باقی ہیں۔ آپ کا بھتیجا اور بہو بس آنے ہی والے ہوں گے۔"

رستم خان نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔ "میرا خیال ہے یہی بہتر ہے' تم باتھ روم میں چھپ جاؤ۔ اگر تمہاری بات سچ ہوئی تو میں ان دونوں کو ابھی اور اسی وقت دھکے دے کر

نکال دوں گا۔ میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں لیکن نمک حرامی اور غداری میری برداشت سے باہر ہے۔ یہ بدبخت اس وقت سے میرے گھر ہے جب اس نے بولنا بھی نہیں سیکھا تھا۔"

باتھ روم کے بجائے میں نے بیڈ کے نیچے چھپنا زیادہ بہتر سمجھا۔ میں ان لوگوں کی باتوں کا ایک ایک لفظ اپنے کانوں سے سننا چاہتا تھا۔ اگلے چند منٹ مجھے زیادہ ہی طویل محسوس ہوئے۔ بالآخر میں نے دروازے کا ہینڈل گھومنے اور دروازہ کھلنے کی بے حد ہلکی آواز سنی۔ ان دونوں نے رستم خان کی کیفیت کا جائزہ لینے میں کئی منٹ لگا دیئے۔ آخرکار وہ دونوں دروازہ کھول کر کمرے کے اندر آگئے' دروازہ بند ہونے کی آواز نہ ہونے کے برابر تھی۔

وہ دونوں بے آواز قدموں سے رستم خان کے بیڈ کی جانب بڑھے۔ اکبر آگے تھا' وہ دونوں پوری طرح مطمئن ہو چکے تھے کہ رستم خان گہری نیند میں ہے۔ اکبر خان بیڈ کے دائیں طرف اور ساجدہ بائیں آکر کھڑی ہو گئی۔ ان کے ہر انداز سے ان کے ارادے کا اظہار ہو رہا تھا لیکن رستم خان نہ جانے کس چیز کا انتظار کر رہا تھا۔ اگر چند لمحے مزید دیر ہو جاتی تو اکبر خان اور ساجدہ اسے بے بس کر دیتے۔ چند تناؤ آمیز لمحوں کے بعد میں نے اچانک بیڈ پر ہلچل کی سی کیفیت محسوس کی۔ شاید رستم خان اٹھ کر بیٹھ گیا' میں نے ساجدہ کی گھٹی گھٹی چیخ سنی۔ رستم خان کو اٹھتا دیکھ کر وہ دونوں بدحواس ہو گئے ہوں گے۔ میں نے رستم خان کی گونج دار آواز سنی۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنے بڑے نمک حرام اور آستین کے سانپ ثابت ہو گے۔ دولت کی ہوس نے تم دونوں کو اتنا اندھا کر دیا کہ تم میرے خون سے ہاتھ رنگنے پر تل گئے ہو" اس کے لہجے میں غصے کی بجائے رنج کی جھلک نمایاں تھی۔ "تمہیں اتنا بھی خیال نہ آیا کہ......" اچانک ہی اس کی آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ اس کے ساتھ ہی بیڈ پر زبردست دھینگا مشتی ہونے لگی۔ اکبر خان بیڈ کے اوپر چڑھ چکا تھا اور شاید رستم خان سے زور آزمائی کر رہا تھا۔

"ساجدہ تم اس کے پیر جکڑ لو' جلدی کرو۔" اکبر خان نے چیخ کر کہا۔

"تم کتنا ہی زور لگا لو' آج تمہیں میرے ہاتھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔" اس مرتبہ وہ رستم خان سے مخاطب تھا۔ "تم ہمیشہ مجھے بیوقوف کہتے تھے' اب میں تمہیں بتاؤں گا کہ اصل بیوقوف کون ہے؟" جواب میں اسے بھاری بھرکم گالیاں سننا پڑیں۔ رستم خان بوڑھا ہونے کے باوجود خاصا تنومند اور طاقتور تھا۔ وہ سخت مزاحمت کر رہا تھا لیکن مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ وہ اس جدوجہد کے دوران میں شدید زخمی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ دونوں مل کر واقعی اسے ختم کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔

میرا مداخلت کرنا ناگزیر ہو چکا تھا' میں نے تیزی سے لوٹ لگائی اور بیڈ کے نیچے سے نکل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ دونوں رستم خان کو دوبارہ چت لٹانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اکبر

خان اس وقت رستم خان کے سینے پر بیٹھا ہوا تھا جبکہ ساجدہ اس کے پیروں سے لپٹی ہوئی تھی۔ رستم خان اور اکبر خان کے درمیان پنجہ آزمائی ہو رہی تھی۔ "بس' بس بہت ہو چکی یہ دھینگا مشتی۔ تم تینوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاؤ ورنہ ....." میری آواز کمرے میں گونج اٹھی۔ اکبر خان اور ساجدہ پر تو جیسے بجلی گر پڑی تھی۔ ان کے منہ حیرت کی شدت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ رستم خان نے ایک زبردست جھٹکا دے کر اپنے آپ کو چھڑایا اور بیڈ سے اتر کر میرے پاس آن کھڑا ہوا۔ اب اس کے ہاتھ میں ایک ریوالور نظر آرہا تھا جو اس نے اپنے لباس سے برآمد کیا تھا۔

"جی تو چاہتا ہے کہ تم دونوں کو ابھی اور اسی وقت گولی سے اڑا دوں لیکن نہیں۔ یہ تو کوئی بڑی سزا نہ ہوگی۔ تمہاری اصل سزا یہ ہے کہ تم دونوں بے گھر' بے در ہو کر سڑکوں پر مارے مارے پھرو۔ ابھی اور اسی وقت میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جاؤ' آئندہ کبھی مجھے اپنی شکل دکھانے کی کوشش کی تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" رستم خان غصے سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اکبر خان اور ساجدہ اب رفتہ رفتہ حیرانی پر قابو پاتے جا رہے تھے' یک لخت مجھے اکبر خان کے چہرے پر مسکینی کے تاثرات پھیلتے نظر آئے۔ "لالہ جی ہم سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے۔" اس نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ "خدا کے واسطے ہمیں معاف کر دیں۔" وہ رستم خان کے پیر پکڑنے کے لیے آگے بڑھنا چاہتا تھا لیکن رستم خان نے ریوالور لہرا کر اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔

"کیا تم مجھے اتنا ہی بے وقوف سمجھتے ہو کہ میں ایک بار تمہارے زہریلے وار سے بچنے کے بعد بھی تمہیں دودھ پلاتا رہوں گا تاکہ تم موقع ملتے ہی مجھے دوبارہ ڈسنے کی کوشش کرو۔ آج تو یہ اجنبی نوجوان رحمت کا فرشتہ بن کر میری مدد کو آگیا ورنہ تم تو اپنا کام کر ہی گزرے تھے۔"

رستم خان کا لہجہ اس قدر ٹھوس' اس قدر فیصلہ کن تھا کہ اکبر خان کو یقین ہو گیا کہ اس کا واویلا اور گریہ زاری کسی کام نہیں آئیں گے۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایک بار پھر تیزی سے بدلنے لگے۔ اب وہ خونخوار نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ میرے ذہن میں یک لخت خطرے کی گھنٹی بج اٹھی' تاہم اکبر خان میری توقع سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا۔ میری نظروں کے سامنے بجلی سی کوند گئی۔ اس نے اپنی جیب سے پستول نکالا اور بلاتوقف گولی چلا دی۔ یہ سب اس قدر برق رفتاری سے ہوا کہ مجھے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ میں نے اس کے پستول کی نال سے چنگاریاں چھوٹتی دیکھیں۔ اس کے ساتھ ہی کمرہ ایک زبردست دھماکے کی آواز سے گونج اٹھا۔ گولی کا رخ میرے سینے کی جانب تھا لیکن حیرت انگیز طور پر مجھے کسی قسم کا درد یا تکلیف محسوس نہیں ہو رہی تھی شاید نشانہ خطا ہو گیا تھا..... لیکن نہیں..... نشانہ خطا نہیں ہوا تھا بلکہ میرے سینے کی جانب سفر کرنے والی گولی

رستم خان نے اپنے سینے پر روک لی تھی۔ وہ عین وقت پر مجھے گولی سے بچانے کے لیے میرے سامنے آگیا تھا اور اکبر خان کے پستول سے نکلنے والی گولی اس کے سینے میں پیوست ہو گئی تھی۔ رستم خان کے جسم کو زور دار دھچکا لگا' وہ لڑکھڑا کر گرنے لگا لیکن میں نے اسے تھام لیا۔ اس کا جسم اذیت و کرب کی شدت سے ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ "اپنے محسن کو اپنے گھر میں اپنی نظروں کے سامنے مرتے دیکھنا بے غیرت انسان کا کام ہوتا ہے۔" اس نے سرسراتے لہجے میں میرے کان میں کہا۔ "میں کتنا بھی برا آدمی سہی لیکن میں بے غیرت نہیں ہوں۔" پھر اس نے اکبر خان کی طرف دیکھا جو پاگلوں کی طرح کبھی رستم خان کو اور کبھی اپنے پستول کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک رستم خان نے میری گرفت سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا' اس کا ریوالور اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

"میں جانتا ہوں اب میں نہیں بچ سکوں گا لیکن تیری موت بھی میرے ہی ہاتھوں لکھی ہے۔" رستم خان کے ہاتھوں میں حیرت انگیز طور پر کوئی لرزش نہ تھی۔ اس نے ریوالور کا رخ اکبر خان کی جانب کر دیا۔ اکبر خان نے پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔ رستم خان کے ریوالور سے شعلہ نکلا۔ گولی کے دھماکے نے میرے کان سن کر دیئے تھے لیکن میں یہ ضرور دیکھ چکا تھا کہ گولی اکبر خان کے پہلو میں دھنس چکی تھی' وہ تیورا کر منہ کے بل گر پڑا۔ اسے گرتا دیکھ کر ساجدہ نے اس قدر زور سے چیخ ماری کہ کمرہ گونج اٹھا۔ وہ دیوانوں کی طرح اکبر خان سے لپٹ گئی۔ میں نے رستم خان کو اس کے بستر پر لٹانے کی کوشش کی تب مجھے احساس ہوا کہ وہ زندگی کی قید سے آزاد ہو چکا ہے۔

اس غیر متوقع صورتحال نے مجھے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کس ردعمل کا اظہار کروں۔ پھر یکایک جیسے میں گہری نیند سے جاگ اٹھا۔ مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ میں کس قدر شدید خطرے سے دوچار ہوں۔ رستم خان مر چکا تھا شاید اکبر خان بھی مر جاتا۔ اس کے بعد جو کچھ ہونے والا تھا' وہ میرے لیے کچھ زیادہ خوشگوار نہ ہوتا۔ میرا اس بنگلے میں مزید ایک پل بھی ٹھہرنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا۔

میں نے رستم خان کے مردہ جسم کو قالین پر لٹایا اور تیزی سے کمرے کے دروازے کی طرف لپکا۔ ساجدہ اکبر خان سے لپٹی گریہ و زاری میں مصروف تھی۔ چنانچہ اس نے میری طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ میں کمرے سے نکل کر لاؤنج میں پہنچا اور پھر اس دروازے کی جانب بڑھا جو میرے اندازے کے مطابق اوپری منزل کی گیلری کی طرف کھلتا تھا۔ میرے ہینڈل گھماتے ہی دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی برفانی ہوا کا تھپیڑا میرے چہرے سے ٹکرایا۔ میں دو ہی چھلانگوں میں گیلری کی ریلنگ تک پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر مجھے رک جانا پڑا۔ گیلری کی زمین سے بلندی پندرہ فٹ سے زائد تھی۔ یہاں سے چھلانگ لگانے کی صورت میں میرے پاؤں کی ہڈیاں بھی ٹوٹ سکتی تھیں۔

اگلے چند لمحوں کے اندر میں ایک فیصلے پر پہنچ گیا- میں ریلنگ کی دوسری طرف سے اترا اور پھر دونوں ہاتھ کنارے پر جما کر نیچے لٹک گیا- اب بھی میری پیروں کی زمین سے بلندی سات آٹھ فٹ کے لگ بھگ رہی ہوگی- میں نے اپنے جسم کو ہلکورا دیا اور ریلنگ کے کنارے سے گرفت ختم کر دی- میری کراٹے کی پریکٹس اس وقت میرے کام نہ آتی تو شاید میں شدید زخمی ہو جاتا البتہ پیروں میں دوڑ جانے والی تیز سنسناہٹ مجھے ضرور برداشت کرنا پڑی- میں بہت جلد خود پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا- چند لمحوں کے اندر اندر میں بنگلہ کی فصیل نما چار دیواری پھلانگ کر سڑک پر پہنچ چکا تھا-

رستم خان کے بنگلے سے اپنے ٹھکانے تک پہنچنا میرے لیے کچھ زیادہ دشوار ثابت نہ ہوا- ابتدائے سحر کا دھندلکا پھیلنے لگا تھا- اکا دکا گاڑیاں بھی سڑکوں پر نظر آ رہی تھیں- راستے میں کسی قسم کی رکاوٹ میرے لیے زحمت کا سبب نہ بنی- مجھے دیکھ کر چوکیدار حیرت زدہ سا رہ گیا-میں نے اسے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ مزار پر مجھے اپنا ایک دوست مل گیا تھا جو مجھے اپنے ساتھ لے گیا تھا- چوکیدار اس وضاحت سے کچھ زیادہ مطمئن تو نہیں نظر آتا تھا' تاہم اس نے زیادہ کریدنے کی کوشش نہیں کی- عمیر اپنے کمرے میں سویا ہوا تھا- میں دوسرے کمرے میں جا کر لیٹ گیا- تمام رات جاگنے کے باوجود مجھے نیند نہیں آ رہی تھی- رستم خان کی شکل بار بار میری نظروں کے سامنے گھومنے لگتی تھی- کتنی عجیب بات تھی' میں اسے قتل کرنے کے ارادے سے گھر سے نکلا تھا لیکن صورتحال نے ایک ایسا عجیب و غریب رخ اختیار کیا کہ میں جو اس کی جان لینا چاہتا تھا' اس کی جان بچانے پر تل گیا لیکن میری تمام تر کوششیں بیکار ثابت ہوئیں- وہ موت کی آغوش میں جا سویا لیکن کس طرح .....میرے سینے کا رخ کرنے والی گولی اس نے اپنے سے میں اتار لی تھی- وہ مرتے مرتے مجھ پر اتنا بڑا احسان کر گیا تھا کہ جسے اتارنا میرے لیے ممکن ہی نہ تھا' میں بھلا اس کے لیے کیا کر سکتا تھا- سوائے اس کی مغفرت کی دعا کرنے کے.....سو میں اس کی مغفرت کے لیے خشوع و خضوع سے دعائیں کرتا رہا.....پھر نہ جانے کب میں نیند کی آغوش میں کھو گیا-

مجھے دوپہر کے کھانے پر عمیر نے بیدار کیا- "آج تو آپ خوب گھوڑے بیچ کر سوئے ہیں' اگر میں نہ اٹھاتا تو شاید شام تک سوتے رہتے-"

"ہاں بھئی' دراصل میں صبح سویرے ہی سویا تھا-" میں نے انگڑائی لے کر کہا-

"کیوں کیا رات بھر آپ کو نیند نہیں آئی؟" عمیر نے شدید حیرت سے پوچھا-

"ہاں کچھ ایسا ہے دراصل میں رات بھر ایک اہم کام میں مصروف رہا تھا' اس کام سے فارغ ہونے کے بعد ہی سونے کی فرصت مل سکی-"

عمیر میری بات سن کر بری طرح چونک پڑا' پھر اس نے غور سے میری طرف دیکھا-

"کیا.....کیا آپ رات کو گھر سے باہر کہیں گئے تھے؟"

"ہاں" میں نے اثبات میں گردن ہلا دی- عمیر میرے مزید بولنے کا انتظار کرتا رہا- پھر اس نے اپنے ذہن میں چکرانے والا سوال اگل ہی دیا-

"آپ.....آپ رستم خان کے بنگلے کی طرف گئے تھے؟"

"تم نے صحیح اندازہ لگایا-" میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی-

"تو پھر آپ دیکھ آئے اس کا بنگلہ؟ ویسے آپ میری حالت مزید اچھی ہونے کا انتظار کر لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا' وہ بہت خطرناک لوگ ہیں' آپ کا وہاں اکیلے جانا ٹھیک نہیں ہے-"

"اگر خطروں کا ڈر ہوتا تو ان لوگوں سے ٹکر ہی کیوں لیتے میرے بھائی؟" میں نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا- ویسے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے- میں نے پوری احتیاط سے کام لیا تھا- بس دور سے بنگلے کا جائزہ لینا تھا جو لے لیا البتہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ تمہارے کہنے کے مطابق رستم خان کے بنگلے پر سیکیورٹی کا انتظام بے حد سخت ہے' لیکن مجھے تو وہاں ایک بھی چوکیدار نظر نہیں آیا-"

"اچھا! یہ تو بہت حیرت کی بات ہے' خیر آپ نے کیا اندازہ لگایا' اس بنگلے میں گھسنا ممکن ہے؟" عمیر نے پوچھا-

"ناممکن تو خیر کچھ بھی نہیں البتہ مشکل ضرور ہے' وہ واقعی بنگلہ نہیں بلکہ ایک چھوٹا موٹا قلعہ ہے- ٹھوس قسم کی منصوبہ بندی کیے بغیر وہاں قدم رکھنا موت کو دعوت دینا ہوگا-"

"میری آپ سے صرف اتنی گزارش ہے کہ آئندہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے مجھے ضرور اعتماد میں لے لیجیے گا- اچھا آپ یہ بتائیے کہ ہمیں یہاں مزید کتنے دن قیام کرنا ہوگا؟ میرا تو اب یہاں دم گھٹنے لگا ہے-""

"تمہارے ٹانکے کھلنے میں کم از کم آٹھ دس دن مزید لگیں گے' تب تک ہم یہاں سے کہیں جانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں-" دانش بھائی میں کتنے دنوں....." عمیر کچھ کہتے کہتے رک گیا- میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا- "کہو بھئی' رک کیوں گئے' کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ عمر اور اشرف کی گمشدگی کو کئی دن گزر چکے ہیں لیکن....." وہ ایک بار پھر کہتے کہتے رک گیا' قدرے توقف کے بعد اس نے پھر کہنا شروع کیا- "میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اب تک عمر اور اشرف کے حوالے سے کوئی بھی خبر اخبار میں شائع نہیں ہوئی ہے- کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ دونوں ابھی تک زندہ ہوں....."

"خدا کرے تمہارا یہ خیال درست ہو- کاش وہ ابھی تک زندہ سلامت ہوں اور اچانک ہی ہماری نظروں کے سامنے آجائیں- اگر ایسا ہو جائے تو یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہوگی-" میں نے خلوص دل سے کہا- "واقعی یہ بات قابل غور ہے- اگر

واقعی رستم خان نے ان کی جان لے لی ہے تو پھر اب تک ان کی لاشیں کہیں نہ کہیں مل
جانی چاہیے تھیں' ہمیں اس پہلو پر غور کرنا چاہیے کہ کہیں وہ دونوں ابھی تک رستم خان
کی قید میں نہ ہوں۔"

"میں آپ کو رستم خان کے تمام اڈوں کے پتے بتا دیتا ہوں۔ آپ موقع ملتے ہی ان
میں سے جتنوں کی ممکن ہو سکے' چھان بین کرنے کی کوشش کریں۔ ویسے میرا خیال ہے ان
دونوں کو شاید اسی بنگلے میں کسی جگہ رکھا گیا ہے۔"

"ہاں ممکن ہے۔" میں نے نیم دلی سے کہا۔ میں اسے کیا بتاتا کہ میں اس بنگلے کی کس
قدر تفصیلی سیر کر چکا ہوں۔ میں چاہتا تھا کہ اسے واقعے کی خبر اخبارات کے ذریعے ملے
میں اسے ایک خوشگوار سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ میں نے محض اس کی دلجوئی کی خاطر اس خیال
کا اظہار نہیں کیا تھا کہ ضروری تو نہیں کہ عمر اور اشرف کی لاشیں کہیں سڑک وغیرہ پر
پھینک دی جاتیں۔ ان کی لاشیں کسی دور دراز جگہ پر قبریں کھود کر بھی تو دفن کی جا سکتی
تھیں۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد عمیر نے رستم خان کے اڈوں کے پتے مجھے نوٹ کرا
دیئے۔ اس کے بعد میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ میں ڈولی سے بات کرنا چاہتا تھا۔ حسب
معمول چند ہی منٹوں میں رابطہ قائم ہو گیا۔"

"میرے اتنا سمجھانے کے باوجود تم باز نہیں آئے۔ واقعی تمہارا کوئی علاج نہیں ہے۔"
ڈولی کے لہجے میں اپنائیت بھری خفگی تھی۔

"میں سمجھا نہیں' یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ میں نے کیا کیا ہے؟"

"اتنا بننے کی کوشش نہ کریں' ہم لوگ اتنے بے وقوف نہیں ہیں۔"

"پھر بھی کچھ تو پتا چلے۔" میں نے سچ مچ حیران ہوتے ہوئے کہا۔ میرے وہم و گمان
میں نہ تھا کہ رستم خان کے بنگلے میں ہونے والی کارروائی اتنی جلدی ڈولی کے علم میں
آ جائے گی۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تمہارے کس کارنامے کا ذکر کر رہی ہوں' تم واقعی
احمقانہ حد تک بے خوف اور بہادر ہو۔ یقین نہیں آتا کہ ایک شخص تن تنہا اتنی خطرناک
کارروائی مکمل کر کے صحیح سلامت واپس لوٹ سکتا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ پولیس
والے رستم خان کے بھتیجے کی بیوی کے بیان پر یقین کرنے کو تیار نہیں کہ اس کارروائی
ذمہ دار باہر کا کوئی شخص ہے۔"

"وہ' تو آپ سب کچھ جان چکی ہیں۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
"پولیس کا اس کارروائی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

انہوں نے اکبر خان اور اس کی بیوی کو گرفتار کر لیا۔ رستم خان اکبر کی گولی سے ہلاک

ہوا جبکہ اکبر خان کو لگنے والی گولی رستم خان کے ریوالور سے چلی تھی۔ معاملہ بالکل صاف
ہے۔ اکبر خان اپنے چچا کی دولت اور جائیداد پر قبضہ کرنا چاہتا تھا' لہٰذا اس نے اسے گولی مار
دی لیکن مرتے مرتے رستم خان نے اسے بھی زخمی کر دیا۔ اس طرح اکبر خان کہ یہ کہانی
بھی پھسی ہو گئی کہ بنگلے میں ڈاکو گھس آئے تھے۔ پولیس اس نکتے پر بھی تفتیش کر رہی
ہے کہ بنگلے کے سیکورٹی گارڈز کو چھٹی دینے میں کہیں اکبر خان کا ہاتھ تو نہیں ہے' ویسے تم
نے یہ سب کچھ کیا کیسے؟"

میں ڈولی کے سوال کا جواب دینے ہی والا تھا کہ میں نے اپنے عقب میں آہٹ محسوس
کی۔ پلٹ کر دیکھا تو عمیر کو کمرے میں موجود پایا۔ وہ جانے کب سے وہاں موجود تھا۔ اس
کی شک آمیز نظریں میرے ہاتھ میں موجود موبائل فون پر جمی ہوئی تھیں۔ قبل اس کے کہ
میں کچھ کہہ پاتا' اس نے نفرت بھری نظروں سے مجھے گھورا اور کمرے سے باہر نکل گیا....



عمیر کا مجھ پر شک کرنا میرے لیے لاکھ تکلیف دہ سہی' میں یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے شک کی بنیاد دراصل میرا پراسرار اور رازداری پر مبنی رویہ ہی تھا۔ اس جیسے ذہین نوجوان سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رہی ہوگی کہ ڈولی سے میری واقفیت اتنی سرسری نہیں ہے جتنی ہم ظاہر کرتے تھے' کوئی اجنبی عورت خواہ مخواہ کسی پر اتنی مہربان نہیں ہو سکتی کہ اپنی جان و مال نچھاور کرنے پر تل جائے۔ ممکن ہے میری زبان سے نکلنے والے کسی جملے یا میرے اور ڈولی کے درمیان ہونے والی گفتگو کے کسی حصے سے وہ سمجھ چکا ہو کہ ہم دونوں نہ صرف پہلے سے ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف ہیں بلکہ ہم دونوں میں خاصی بے تکلفی بھی ہے۔ ممکن ہے اسے یہ بھی سن گن مل گئی ہو کہ ڈولی کا تعلق کسی بڑے گینگ سے ہے اور وہ مجھے بھی اسی گینگ کا کارندہ سمجھ رہا ہو۔ اس کی بدگمانی کو اصل تقویت میرے اور ڈولی کے موبائل فون پر خفیہ رابطے سے پہنچی ہوگی۔ وہ غالباً پہلے بھی ہمیں موبائل فون پر باتیں کرتے سن چکا تھا۔ وہ مسلسل میری ٹوہ میں لگا رہا حتیٰ کہ آج اس نے مجھے اپنی سمجھ کے مطابق رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔

عمیر کو ناراضگی کے عالم میں کمرے سے جاتے دیکھ کر میرا دل چاہا کہ اسے آواز دے کر روک لوں لیکن میری سمجھ میں نہ آیا کہ اسے روک کر اس تمام صورتحال کی کیا وضاحت پیش کروں گا؟ ڈولی سے میرے تعلق کی بنیاد زیبی کی ڈائری تھی جسے حاصل کرنے کے لیے ڈولی مجھے ہر طریقے سے احسان کے بھاری بوجھ تلے دباتی چلی جا رہی تھی۔ ڈولی کے متعلق بتانے کا مطلب اپنی آج تک کی تمام کارروائیاں کھول کر سنانا تھا جو مجھے کسی طرح گوارا نہ تھا۔ عمیر اس وقت خاصے غصے میں تھا' ممکن ہے اس حالت میں وہ میری مجبوریوں کا ادراک نہ کر پاتا۔ خفگی کے عالم میں اگر وہ کوئی ایسی ویسی بات کہہ دیتا تو خواہ مخواہ ہمارے تعلقات میں تلخی پیدا ہو جاتی جس کا نتیجہ ہم دونوں ہی کے حق میں اچھا نہ نکلتا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس کا غصہ کم ہونے پر اسے سمجھانے اور ممکنہ حد تک اعتماد میں لینے کی کوشش کروں گا۔ مجھے امید تھی کہ میں اسے اپنی نازک پوزیشن سمجھانے میں کامیاب ہو جاؤں گا' اگر وہ پھر بھی نہ مانا تو میں کوئی اور راستہ سوچتا۔

ڈولی تازہ ترین صورتحال سے بے خبر "ہیلو' ہیلو" کیے جا رہی تھی۔ "مسٹر دانش' کیا تم لائن پر موجود ہو؟ پلیز جواب دو۔"

"ہاں میں لائن پر موجود ہوں' دراصل میں ایک چھوٹے سے مسئلے میں الجھ گیا تھا۔ آپ ایسا کریں ٹھیک ایک گھنٹے بعد مجھے فون کر لیں۔" میری بات سن کر ڈولی کچھ پریشان ہو گئی۔ "تم کس مسئلے میں الجھ گئے ہو مسٹر دانش؟ پلیز مجھ سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہ کرو' تم ہمارے لیے بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہو۔ ہم گوارا نہیں کر سکتے کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔"

"ارے بھئی ایسی کوئی بات نہیں ہے' دراصل میرے ساتھی عمیر نے مجھے موبائل فون پر آپ سے باتیں کرتے دیکھ لیا ہے۔ وہ اپنے دل میں جانے کیا کیا سوچ رہا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ پہلے اسے مطمئن کر دوں' اس کے بعد آپ سے گفتگو کروں۔"

"ارے! تم بس اتنی سی بات سے پریشان ہو گئے! میری بات کراؤ اس سے' میں خود اسے سمجھا لوں گی۔ تمہیں آخر ضرورت کیا ہے مجھ سے اپنا تعلق چھپانے کی؟" ڈولی کے لہجے میں اس بلا کا اعتماد تھا کہ میں اس کی ہدایت پر عمل کرنے پر مجبور ہوگیا۔ میں موبائل فون لے کر عمیر کے کمرے میں پہنچا لیکن وہ اپنے کمرے میں موجود نہیں تھا۔ میں نے یکے بعد دیگر بنگلے کے تمام کمرے چھان مارے' عمیر کہیں بھی نہیں تھا۔ میں دوڑتا ہوا چوکیدار کے پاس پہنچا۔ اس نے بتایا کہ عمیر کچھ ہی دیر پہلے بنگلے سے باہر نکلا تھا۔ چوکیدار نے پوچھا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے لیکن عمیر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بنگلے سے نکل کر کچھ ہی دور چلا تھا کہ اسے ایک ٹیکسی مل گئی اور وہ اس ٹیکسی میں بیٹھ کر کسی نامعلوم منزل کی جانب روانہ ہوگیا۔

میں نے ڈولی کو تمام صورتحال سے آگاہ کر دیا۔ "اوہ' یہ تو بہت برا ہوا' اسے کم از کم تمہیں وضاحت کرنے کا تو موقع دینا چاہیے تھا۔ بہرحال تم میری کال کا انتظار کرو۔ میں اپنے ساتھیوں سے بات کر کے تمہیں بتاتی ہوں شاید ان میں سے کسی نے عمیر کا تعاقب کیا ہو۔ ویسے اس کا امکان کم ہے کیونکہ میرے ساتھیوں کی اصل توجہ تم پر ہے' تمہارے ساتھی پر انہوں نے توجہ نہیں دی ہوگی۔"

"مجھے اصل پریشانی یہ ہے کہ اس کے ٹانکے ابھی تک پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئے ہیں' ذرا سی بے احتیاطی کا نتیجہ بے حد خطرناک نکل سکتا ہے۔ آپ اپنے ساتھیوں سے تصدیق کروائیں کہ وہ یہاں سے نکل کر اپنے گھر ہی گیا ہے یا کہیں اور۔ اگر وہ اپنے گھر پہنچ جائے تب بھی فکر کی کوئی بات نہیں ہے البتہ اگر وہ کسی اور طرف نکل گیا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے میں پتا کراتی ہوں۔" ڈولی نے کہا اور رابطہ منقطع کر دیا۔ میں نے اسے عمیر کا پتا کرانے کا کہہ تو دیا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ عمیر اپنے گھر نہیں گیا ہوگا۔ مجھے اس کی منزل کا علم تھا' وہ یقیناً اپنی خالہ کے پاس میرپور خاص جانے کے ارادے سے یہاں سے رخصت ہوا ہوگا۔ میرے اندازے کے مطابق اسے ٹرین کے ذریعے یہ طویل اور آرام دہ سفر طے کرنا چاہیے تھا۔ اسے خود بھی اندازہ ہوگا کہ بس میں سفر کرنا اس کے کچے ٹانکوں کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ڈولی کا فون آگیا۔ اس کا جواب میرے اندازے سے مختلف نہیں تھا۔ عمیر اپنے گھر نہیں پہنچا تھا۔ میں نے اس اطلاع پر تشویش کا اظہار کیا اور کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد میں نے نیند آنے کا بہانہ کرکے رابطہ منقطع کر دیا۔

کچھ ہی دیر بعد میں "اپنی" گاڑی میں سوار کینٹ اسٹیشن کی جانب رواں دواں تھا۔ میرپور خاص جانے والی ٹرین کی روانگی میں گھنٹہ بھر باقی تھا۔ میں چاہتا تھا کہ عمیر سے مل کر اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کروں۔ ہم دونوں نے بہت نازک وقت ایک ساتھ گزارا تھا۔ اس دوران میں ہم دونوں کے درمیان غیر محسوس انداز میں ایک حساس جذباتی رشتہ استوار ہو چکا تھا۔ اس رشتے کا اس انداز میں منقطع ہونا میرے لیے خاصا تکلیف دہ تھا۔ اگر راستے الگ کرنا ناگزیر ہو جائے تو مناسب ترین طرز عمل یہی ہے کہ ایک دوسرے کے لیے نیک خواہشات کے اظہار کے ساتھ خوشگوار انداز میں ایک دوسرے کو الوداع کہا جائے تاکہ یاداشت کے پردے پر ابھرنے والی تصویریں ہمیشہ مسکراتی رہیں۔

ایرانی تو ہلیٹ کے پاس سے گزر کر دو تلوار چورنگی پہنچنے تک مجھے احساس ہو چکا تھا کہ میرا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ وہ سرخ رنگ کی ڈبل کیبن' فور ویل ڈرائیو پک اپ تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس گاڑی میں ڈولی کے ساتھی ہوں گے جنہیں ڈولی نے میری حفاظت کے لیے متعین کر رکھا ہے' تاہم میں محتاط ہو گیا۔ سپر مارکیٹ تک کا فاصلہ میں نے غیر معمولی سست رفتاری سے طے کیا لیکن سرخ گاڑی نے مجھے اوور ٹیک کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ وہ گاڑی واقعی میرا تعاقب کر رہی تھی۔ اگر اس گاڑی میں واقعی ڈولی کے ساتھی سوار تھے تو میرے لیے فکر کی کوئی بات نہیں تھی البتہ دوسری صورت میں معاملہ خاصا تشویشناک تھا۔ میرے تعاقب میں آنے والوں کا مقصد مجھے زندگی سے محروم کرنا بھی ہو سکتا تھا۔

تین تلوار چورنگی پر پہنچ کر میں سیدھا پل کی طرف جانے کے بجائے دائیں طرف مڑ گیا۔ اس نسبتاً کم رش والی سڑک پر بھی وہ سرخ گاڑی بدستور میرا پیچھا کرتی رہی البتہ گاڑی میں موجود افراد نے دونوں گاڑیوں کا درمیانی فاصلہ کم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس

مسلسل تعاقب سے اب مجھے جھنجلاہٹ ہونے لگی تھی۔ بالآخر میں نے ان لوگوں سے پیچھا چھڑانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ بڑے نالے کے پل سے گزر کر سیدھا کینٹ اسٹیشن کی طرف جانے کی بجائے میں نے گاڑی کا رخ بائیں جانب کر دیا اور اس کے ساتھ ہی رفتار میں یکدم اضافہ کر دیا۔ سرخ گاڑی کی رفتار میں بھی اضافہ ہو گیا۔ میں نے آس پاس کی سڑکوں پر کئی چکر لگائے۔ اس کے بعد میں کلفٹن برج کی ریلوے کراسنگ کی جانب بڑھا۔ حسب توقع اس روڈ پر منی بسوں اور دیگر مسافر گاڑیوں کا خاصا رش تھا۔ میں کراسنگ پر پہنچا تو ریلوے پھاٹک بند ہونے ہی والا تھا' نہایت جلد بازی میں کراسنگ سے گزرنے والی گاڑیوں کے ہمراہ میں نے بھی ریلوے کراسنگ پار کی۔ اس کے ساتھ ہی ریلوے پھاٹک بند ہو گیا۔ میں اطمینان کا سانس لینے ہی والا تھا کہ یہ دیکھ کر میری ساری خوشی ہوا ہو گئی کہ سرخ گاڑی بھی اس دوران میں ریلوے کراسنگ سے گزر چکی تھی۔ وہ مجھ سے اتنی قریب تھی کہ میں اس میں موجود تینوں افراد کو دیکھ سکتا تھا۔ یہ حربہ ناکام ہونے کے باوجود میں نے ہمت نہ ہاری بلکہ گاڑی ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ کینٹ اسٹیشن کی جانب جانے والی سڑک پر دوڑانے لگا۔ سرخ گاڑی میں موجود افراد بھی شاید اس آنکھ مچولی سے لطف اندوز ہو رہے تھے لیکن جلد ہی میں نے ایک ایسا داؤ استعمال کر ڈالا جس نے انہیں بے بس کر کے سارا مزہ کرکرا کر دیا۔ تھوڑا سا آگے بڑھتے ہی گورنمنٹ آفیسرز کی کالونی شروع ہو گئی۔ اس کالونی میں داخل ہونے والے تمام راستوں پر ریل کی پٹڑیوں کے ذریعے ایسی محرابیں کھڑی کی گئی تھیں جن میں صرف میری کار جیسی چھوٹی گاڑیاں داخل ہو سکتی تھیں۔ میں نے ایسے ہی ایک راستے پر اپنی گاڑی ڈال دی۔ سرخ گاڑی نے بھی اندر داخل ہونے کی کوشش کی لیکن اس کی اونچی چھت اور اس پر نصب اضافی لائٹس محراب کے اوپری حصے سے زیادہ اونچی تھیں' نتیجتاً" گاڑی اندر نہ داخل ہو سکی۔ میں عقبی آئینے میں یہ سب دیکھتا اور ان کی جھنجلاہٹ محسوس کر کے لطف اندوز ہوتا رہا۔ میں نے آگے جا کر دائیں طرف گاڑی موڑی تو وہ سرخ گاڑی وہیں موجود تھی۔

دائیں طرف مڑ کر میں تھوڑا سا آگے گیا' پھر میں نے گاڑی روک دی۔ چند سیکنڈ انتظار کرنے کے بعد میں نے گاڑی ریورس کی اور ایک بار پھر موڑ پر پہنچ گیا۔ حسب توقع سرخ گاڑی وہاں سے غائب تھی۔ وہ لوگ آگے جا کر میرا انتظار کرنا چاہتے ہوں گے اور یہ میرے منصوبے کے عین مطابق تھا۔ میں گاڑی ریورس کر کے ایک بار پھر محراب والے راستے پر آیا اور اس کے بعد بائیں طرف گاڑی موڑ کر رفتار بڑھا دی۔ چند موڑ مڑنے کے بعد میں ایک بار پھر کلفٹن برج والی کراسنگ پر پہنچ چکا تھا۔ میں کراسنگ سے گزرا اور پھر برج کے پہلو والی سڑک کے ذریعے مین روڈ پر آگیا۔ تین تلوار سے میں ایک بار پھر بائیں

ہاتھ مڑا اور سیدھا ریس کورس گراؤنڈ کے پاس سے گزر کر کینٹ اسٹیشن کے پاس پہنچ گیا۔ اپنی گاڑی ایک الگ تھلگ گوشے میں ٹھہرا کر میں ریلوے لائن پار کرکے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر پہنچ گیا۔

میرپور خاص جانے والی ٹرین پلیٹ فارم پر لگ چکی تھی اور روانگی میں اچھا خاصا وقت ہونے کے باوجود لوگ اس میں بیٹھنے لگے تھے۔ میں نے ٹرین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس طرح چکر لگایا کہ ٹرین کے اندر اور باہر موجود کوئی فرد میری نظروں سے بچا نہ رہا' عمیر ان میں موجود نہیں تھا۔ میں نے ایک بار پھر ٹرین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر لگایا لیکن اس بار بھی نتیجہ وہی رہا۔ اس کے بعد میں نے اسٹیشن کے ہر کونے' ہر گوشے کا اچھی طرح جائزہ لیا' پارکنگ اور انتظار گاہوں حتیٰ کہ سبز مسجد تک کو کھنگال ڈالا لیکن عمیر نظر نہ آیا۔ میں ریلوے پلیٹ فارموں کو آپس میں ملانے والے پل کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر ٹرین کی جانب دوڑتے بھاگتے مسافروں کا جائزہ لیتا رہا حتیٰ کہ ٹرین کی روانگی میں محض چند منٹ رہ گئے۔ عمیر کو اگر اس ٹرین کے ذریعے روانہ ہونا ہوتا تو وہ اب تک یقیناً ٹرین میں سوار ہو چکا ہوتا۔ میں نے ایک بار پھر ٹرین کے اندر گھس کر پہلی بوگی سے آخری بوگی تک اچھی طرح جائزہ لیا۔ آخری بوگی میں میرا جائزہ مکمل ہوتے ہی ٹرین حرکت میں آگئی۔ میں مایوسی کے عالم میں ٹرین سے نیچے اتر آیا۔ میرا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا۔ عمیر نے اپنے سفر کے لیے اس ٹرین کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ ممکن ہے وہ بس کے ذریعے سفر کر رہا ہو ...... اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شہر سے جانے کا سرے سے کوئی ارادہ ہی نہ رکھتا ہو؟ میں خوامخواہ اندھیرے میں تیر چلانے پر کیوں تل گیا تھا؟

مجھے خود پر غصہ آنے لگا۔ ایک کمزور سے مفروضے کی تصدیق کے لیے خوامخواہ اپنا وقت ضائع کر ڈالا۔ اسی جھنجلاہٹ اور بیزاری کے عالم میں اسٹیشن کی حدود سے نکلا اور اپنی گاڑی تک پہنچ گیا۔ میں گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھا ہی تھا کہ کوئی سرد اور ٹھوس شے میری کنپٹی سے چپک گئی۔ "اپنی زندگی چاہتے ہو تو کوئی غیر ضروری حرکت کرنے کی کوشش نہ کرنا۔" اس غیر متوقع صورتحال نے میرے سر سے پیر تک سنسنی پھیلا دی۔ اس شخص کے لہجے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے' اس پر عمل کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرے گا۔ میں نے عقب نما آئینہ میں اس کا جائزہ لیا۔ وہ چالیس بیالیس برس کا خوش شکل و خوش پوش شخص تھا البتہ اس کے چہرے پر کسی بھی قسم کے تاثرات نہ تھے۔ اس کے ہاتھ میں موجود پستول ایک خوش رنگ رومال کی آڑ میں پوشیدہ تھا۔ وہ پوری طرح چوکنا اور محتاط نظر آرہا تھا۔ مزاحمت کی فوری طور پر کوئی گنجائش نظر نہیں آرہی تھی' رہی سہی کسر اس وقت پوری ہو گئی جب مزید دو افراد بے تکلفانہ انداز میں میری گاڑی میں گھس

ے۔ ان میں سے ایک نے میرے ساتھ والی نشست پر قبضہ جما لیا تھا۔ اس کی عمر پینتیس ل کے لگ بھگ رہی تھی۔ چہرے پر گھنی داڑھی اور مونچھیں تھیں' اس کا بایاں ہاتھ ٹ کی جیب میں موجود ریوالور یا پستول کے دستے پر جما ہوا تھا' ظاہر سی بات تھی ہتھیار کا خ بھی میرے سینے کی جانب ہی رہا ہوگا۔

"چلو گاڑی آگے بڑھاؤ' رفتار مناسب رکھنا۔" خوش شکل شخص نے دھیمے لیکن ٹھوس ہ میں حکم دیا۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اس کی ہدایت کے مطابق آگے بڑھا دی۔ ی انگلیوں کے اشارے پر ناچنے کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ میں اس وقت کو س رہا تھا جب میں نے تنہا گھر سے نکلنے کا فیصلہ کیا اور اس سے بڑی عقلمندی یہ کی تھی ۔ اپنی حفاظت پر مامور ڈولی کے ساتھیوں کو نہایت جانفشانی سے ڈاج دے دیا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد گاڑی کورنگی روڈ پر پہنچ چکی تھی۔ مسجد طوبیٰ کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ہم گے بڑھتے چلے گئے۔ سن سیٹ بلیوارڈ کا سگنل پار کرکے ہم تھوڑا سا ہی آگے بڑھے تھے لہ مجھے گاڑی سروس روڈ پر لینے کا حکم ملا۔ اختر کالونی کی زیرو نمبر گلی کے سرے پر گاڑی نچتے ہی گاڑی سائیڈ پر رکوا دی گئی۔ چند ہی سیکنڈ کے وقفے سے ایک اور گاڑی میری گاڑی کے عقب میں آکر رک گئی۔ "چلو اترو۔" میرے مہمانوں میں سے ایک نے پستول کی ملک دکھا کر کہا۔ اس کے دونوں ساتھی پہلے ہی گاڑی سے اتر چکے تھے۔ ان میں سے ایک نے نہایت احترام سے میرے لیے پچھلی گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ میرے اندر داخل ہوتے ی انہوں نے نہایت ماہرانہ انداز میں میری تلاشی لے ڈالی۔ پستول کے علاوہ انہوں نے باقی سب چیزیں واپس میری جیبوں میں ڈال دیں۔ موبائل فون میں گھر سے لایا ہی نہ تھا۔ میری طرف سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد انہوں نے مجھے ایک ایسا سیاہ چشمہ پہنا دیا جس کے شیشوں سے آرپار دیکھنا ناممکن تھا۔ اس چشمے نے میری آنکھوں کو اس طرح ڈھانپ لیا کہ آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ انہوں نے مزید ستم یہ کیا کہ میرے دونوں ہاتھ نائیلون کی ڈوری سے پشت پر جکڑ دیئے اور مجھے اپنے پیروں میں کار کے فرش پر لیٹنے پر مجبور کر دیا۔

قدرے توقف کے بعد گاڑی حرکت میں آئی اور درمیانی رفتار سے آگے بڑھنے لگی۔ ابتدائی چند منٹ تک میں گاڑی کے مڑنے سے راستے کا تعین کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر میں نے یہ بے سود کوشش ترک کر دی۔ اس کا فائدہ بھی تو کچھ نہیں تھا۔ نہ جانے مجھے ان لوگوں کے چنگل سے زندہ سلامت بچ نکلنا بھی نصیب ہوتا یا نہیں۔ اس کے بعد ہی راستے اور منزلوں کی تلاش کا معاملہ اٹھتا ناں! اگر میرا اندازہ درست تھا جس کا غالب امکان بھی تھا' تو یہ وہی لوگ تھے جو زیبی کی گمشدگی کے کچھ ہی دن بعد ڈائری کے چکر میں میرے

پیچھے پڑ گئے تھے۔ میری ان کے ساتھیوں سے جھڑپ بھی ہوئی تھی اور بالآخر وہ ڈولی کے گروہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ تاہم اتنا فرق ضرور تھا کہ پہلے جن چار افراد سے میرا سابقہ پڑا تھا' وہ خطرناک اور تربیت یافتہ مجرم نظر آتے تھے۔ ان کے لب و لہجے میں جارحیت اور طرزِ عمل سے تشدد جھلکتا تھا جبکہ یہ تینوں اپنے حلیوں اور چال ڈھال سے بہت بڑے بزنس مین نظر آتے تھے۔ مجھے واضح طور پر احساس ہو رہا تھا کہ یہ لوگ پہلے والوں کی نسبت زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہیں۔

وہ اندھا سفر گھنٹے بھر سے زائد جاری رہا بالآخر گاڑی رک گئی۔ مجھے اٹھنے کا حکم ملا لیکن اتنی دیر تک بے حد تکلیف دہ حالت میں پڑے رہنے کے باعث میرے جسم میں خون کی گردش تقریباً مکمل طور پر تھم چکی تھی' لہٰذا میں فوری طور پر کھڑا نہ ہو سکا۔ تب پہلی مرتبہ مجھے ان کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ بننا پڑا۔ وہ جو کوئی بھی تھا' اس نے بھاری بھرکم فوجی ٹائپ کے بوٹ پہنے ہوئے تھے جن کی ٹھوکریں میری کمر اور رانوں پر برس رہی تھیں' جب معاملہ حد سے بڑھنے لگا تو مجھے مجبوراً مزاحمت پر آمادہ ہونا پڑا۔ میری محض اندازے سے لگائی بیک کک خالی نہیں گئی۔ اس شخص کے حلق سے کربناک چیخ برآمد ہوئی۔ عین اسی وقت دو تین افراد نے مل کر مجھے گاڑی سے باہر گھسیٹ لیا۔ اس کے بعد میرے پیٹ اور سینے پر گھونسے برسنے لگے۔ میں نے اپنے سر کو زبردست جھٹکا دے کر اندھے چشمے سے نجات حاصل کرنا چاہی اور اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو گیا۔ مجھ پر گھونسے برسانے والا شخص انہی تینوں میں سے ایک تھا۔ میری آنکھوں پر سے چشمہ ہٹتے دیکھ کر اس کے ہاتھ تھم گئے لیکن تب تک میں حرکت میں آچکا تھا۔ میں نے اپنا جسم اپنے بائیں پاؤں پر متوازن کیا' اور دائیں پاؤں کی سیدھی کک اس کی طرف اچھال دی۔ اس نے تیزی سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی لیکن اس میں صرف اس حد تک کامیاب ہو سکا کہ میری کک اس کے چہرے پر پڑنے کی بجائے اس کے سینے سے ٹکرائی۔ ضرب کی طاقت قدرے کم ہو جانے کے باوجود میرا وار کارگر رہا۔ اس کے ہاتھ سینے پر جم گئے اور وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ اس کے دونوں ساتھی اس دوران میں مجھ پر پستول تان چکے تھے' لہٰذا میں نے مزید کارروائی کا ارادہ ترک کر دیا۔ ویسے بھی مجھ پر گھونسے برسانے والا اب میرے قریب آنے کا خطرہ مول لینے پر تیار نہیں تھا۔ تبھی میں نے اس شخص کو بھی پہچان لیا جو مجھ پر ٹھوکریں برساتا رہا تھا۔ اس کی صورت میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ وہ شاید اس بنگلے کے اندر سے گاڑی میں سوار افراد کی مدد کے لیے آیا تھا۔ وہ رہ رہ کر اپنا پیٹ سہلا رہا تھا۔ چوتھا شخص جو گاڑی چلا کر لایا تھا' اس تمام معاملے سے لاتعلق پورچ میں دیوار سے ٹیک لگائے سگریٹ پی رہا تھا۔

جدید طرز کے بنگلے کی چار دیواری اور گیٹ کی بلندی اتنی زیادہ تھی کہ میں بنگلے کے

محل وقوع کے بارے میں کوئی اندازہ نہ لگا سکا۔ مجھے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے دیکھ کر وہ سب چونک اٹھے۔ "مزید ہاتھ پاؤں چلانے کی ضرورت نہیں ہے' چلو آگے بڑھو۔" یہ وہی شخص تھا جو اب تک مجھ سے گفتگو کی ذمہ داری نبھاتا رہا تھا۔ ہم بنگلے کی عمارت کے داخلی دروازے کے بجائے نسبتاً چھوٹے دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ اس وسیع و عریض بنگلے میں فرنیچر بہت کم اور معمولی درجے کا نظر آرہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ جگہ باقاعدہ رہائش گاہ کے طور پر استعمال میں نہیں تھی۔ وہ سب مجھے اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچے۔ اس کمرے میں ایک آہنی چارپائی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ چارپائی پر سے میٹریس غائب تھا' صرف تاروں کا جال باقی تھا۔ "بیڈ پر لیٹ جاؤ۔" حکم ملا' تین عدد ہتھیاروں کی موجودگی میں انکار کی گنجائش ہی کہاں تھی۔ میں نے چپ چاپ حکم کی تعمیل میں عافیت سمجھی۔ آہنی تاروں کے جال کی لچک دار آغوش میں پہنچتے ہی مجھے نیا حکم ملا۔ "اپنے ہاتھ سرہانے کی جانب لے جاؤ۔"

میں نے جونہی اپنے ہاتھ سرہانے کی جانب کیے۔ ان میں سے ایک نے اپنی جیب میں سے ایک ہتھکڑی نکالی اور آہنی چارپائی کے سرہانے سے گزار کر اسے میرے ہاتھوں میں پہنا دیا' اس کے بعد اس نے بالکل اسی طرح کی ایک دوسری ہتھکڑی میرے پیروں میں ڈال کر انہیں پائنتی سے جکڑنے لگا۔ اس دوران میں اس کے دونوں ساتھی مجھے مسلسل گھورتے رہے۔ مجھے ان کے گھورنے کی تو پروا نہیں تھی البتہ میں ان کے پستولوں کی گھورتی آنکھ کو نظرانداز کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ میں نے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی۔ میری طرف سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد وہ مجھے اسی حالت میں چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

تنہا ہوتے ہی شدید افسردگی اور مایوسی نے مجھے گھیر لیا۔ جانے کیوں یہ اذیتیں' یہ قید و بند کی صعوبتیں اور خونریز ہنگامے میری زندگی کو بار بار اپنا نشانہ بناتے تھے۔ میں تیز ہوا کے رحم و کرم پر فضاؤں میں آوارہ اڑتا پھرنے والا' کاغذ کا پرزہ بن کر رہ گیا۔ ہوا کا ایک تھپیڑا مجھے بلندیوں پر لے جاتا تھا تو دوسرا پستیوں میں دھکیل دیتا تھا' میرے بس میں تو کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔ زیبی سے ملاقات نے میری پرسکون زندگی کو ہنگاموں کے نہ ختم ہونے والے طوفان کا نشانہ بنا ڈالا تھا۔

دوپہر شام میں اور شام رات میں ڈھل گئی لیکن ان لوگوں نے دوبارہ میری خبر نہ لی۔ سردی کی شدت میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ آہنی چارپائی کی پائنتی' سرہانے اور تاروں کے جال کی برفانی ٹھنڈک میری ہڈیوں میں اترنے لگی تھی۔ مجھے لگا کہ صبح ہونے تک میرا خون رگوں میں جم جائے گا اور مجھے اغوا کرنے والے افراد کو میری اکڑی ہوئی لاش

کے سوا کچھ بھی نہیں مل پائے گا۔ مزید کئی گھنٹے اسی حالت میں گزر گئے۔ اب ایک اور نیا اور زیادہ خطرناک عذاب مجھے اپنا نشانہ بنا رہا تھا۔ یہ ایک ایسا عذاب تھا جس کی شدت لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔ میں نے صبح سویرے ہلکا پھلکا ناشتہ کیا تھا اور اس خوشگوار واقعے کو بیتے کم از کم سترہ اٹھارہ گھنٹے ضرور ہو چکے تھے۔ وہ لوگ شاید مجھ پر سب سے پہلے بھوکا رکھنے کا اذیت ناک حربہ استعمال کرنا چاہتے تھے' وہ یقیناً جانتے ہوں گے کہ میں اتنی آسانی سے زبان نہیں کھولوں گا۔ میری مزاحمت کمزور کرنے کے لیے وہ بھوک اور پیاس کا سفاکانہ استعمال کرنے والے تھے۔

سردی اور بھوک کی شدت جب برداشت سے باہر ہونے لگی تو میں نے اپنی تمام تر ذہنی صلاحیت استعمال کرکے سونے کی کوشش شروع کر دی' یہ کوئی آسان کام نہیں تھا' تاہم خاصی جدوجہد کے بعد مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ میں نے نیند کی دہلیز پر پہلا ہی قدم رکھا تھا کہ کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ "نواب صاحب بیدار ہو جایئے' آپ کے حساب کا وقت آن پہنچا ہے۔" نرم لہجے میں چھپے زہریلے طنز نے مجھے فوری طور پر آنکھیں کھولنے پر مجبور دیا۔ وہ شخص گرم تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا۔ اس کی عمر چالیس برس کے لگ بھگ رہی ہوگی' باقی تینوں افراد بھی اس کے ہمراہ تھے۔ ان تینوں کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اس شخص کے سامنے خود کو زیادہ سے زیادہ مودب رکھنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔

یہ شخص اس گروہ میں خاصی اہمیت کا حامل معلوم ہوتا ہے۔ "یہ تو تم سمجھ ہی چکے ہو کہ ہم کون ہیں اور تمہیں کس مقصد کے لیے یہاں لائے ہیں؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "مجھے تمہیں صرف یہ بتانا ہے کہ ہم تم پر زیادہ وقت ضائع نہیں کریں گے جو کچھ تم اب تک کر چکے ہو' وہ تمہیں اذیت ناک موت کا حق دار ثابت کرنے کے لیے کافی ہے لیکن اگر تم اب بھی سیدھے راستے پر آجاؤ ہم سے تعاون کرو تو ہم تمہارے بارے میں اپنے فیصلے پر نظرثانی کر سکتے ہیں۔"

"ایک طرف تو تم مجھے موت کی دھمکی دے رہے ہو اور دوسری طرف مجھ سے تعاون کی بھی توقع کر رہے ہو' یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ دوسری بات یہ کہ ہم نے تم لوگوں کو کوئی ایسا نقصان پہنچایا کہ تم مجھے موت بلکہ اذیت ناک موت کے منہ میں دھکیل دو۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"تم شاید ہمیں بے وقوف سمجھتے ہو' تمہارا خیال ہے ہم آنکھیں بند کرکے تمہاری ہر بات پر یقین کرلیں گے۔ تمہارا اب تک ہمارے ہاتھوں سے بچے رہنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم تمہیں ایک عام سا' سیدھا سادہ نوجوان سمجھ بیٹھے تھے۔ اپنی اس غلط فہمی کا ہمیں

بے حد سخت خمیازہ بھگتا پڑا ہے۔ ہم نہ صرف اپنے بہت سے کارندوں سے ہاتھ دھو بیٹھے بلکہ مالی طور پر بھی ہمیں خاصا بڑا نقصان سہنا پڑا۔" اس کے لہجے میں غصے کی واضح جھلک موجود تھی۔

"میں ایک بار پھر یہی کہوں گا کہ تمہیں جب نہیں بلکہ اب غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میری تم لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور میں نے تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا' شاید تمہارا تعلق انہی لوگوں سے ہے جو بار بار میرے گھر میں گھسا کرتے تھے اور مجھ پر تشدد کرکے کوئی نامعلوم ڈائری طلب کرتے تھے۔ میں انہیں بھی کہتا ہوں اور تمہیں بھی یقین دلاتا ہوں کہ میں اس ڈائری کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ اگر وہ میرے پاس ہوتی تو میں اسے بہت پہلے تمہارے حوالے کر چکا ہوتا۔"

"یوں لگتا ہے جیسے تم کسی بہت بڑی خوش فہمی میں مبتلا ہو' شاید تم سمجھ رہے ہو کہ تمہارے ساتھی تمہیں یہاں سے چھڑا کر لے جائیں گے لیکن افسوس تمہاری یہ حسرت کبھی پوری نہیں ہو سکتی' اس عمارت پر پوری فوج بھی حملہ کر دے تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ بالفرض ہمیں پسپائی پر مجبور بھی ہونا پڑا تو اس سے پہلے تمہیں ضرور جہنم میں پہنچا دیں گے' تمہیں شاید پتا نہیں کہ میرا ایک ایک ساتھی تمہارے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔"

"لیکن میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے؟ اگر وہ ....." اس نے مجھے جملہ مکمل نہیں کرنے دیا۔ "کیا تم سمجھتے ہو' وہ اپنے ساتھیوں کے قاتل کو معاف کر دیں گے؟ اگر ہمیں علم ہوتا کہ تم تنہا نہیں ہو بلکہ تمہارے ساتھ پورا گروہ ہے تو ہم تمہارے ساتھ تمہارے پورے گروہ کا بھی پکا علاج کر دیتے' بہرحال اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو ہم پہلے تمہیں اور اس کے بعد تمہارے ساتھیوں کو چن چن کر ختم کر دیں گے۔"

"میرا تمہارے ساتھیوں کے قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے' یہ درست ہے کہ انہیں میرے گھر کے قریب ہی قتل کیا گیا تھا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ مجھے ان کے قتل کی اطلاع اخبار کے ذریعے ملی تھی۔ میرا کوئی گروہ نہیں ہے' تم لوگ خوامخواہ میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔"

"تم واقعی بہت ڈھیٹ ہڈی کے انسان ہو' نہ جانے تم نے اپنے دل میں کیا ٹھان رکھی ہے' نہ تم نے وہ ڈائری پولیس کے حوالے کی ہے' نہ ہمیں دینے کو تیار ہو۔ بس اس کی مدد سے ہم لوگوں کے خلاف الٹی سیدھی کارروائیوں کے باعث میرے ساتھی اس حد تک برافروختہ ہو چکے ہیں کہ وہ مجھے اطلاع دیئے بغیر ہی تمہارا خاتمہ کرنے کی ایک ناکام کوشش کر چکے ہیں۔ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ ہاسپٹل کے سیکیورٹی گارڈز نے اپنی جان پر کھیل کر میرے ساتھیوں کا حملہ ناکام بنا دیا۔ اس حملے میں میرے تین کارندے شدید زخمی ہوئے تھے' کیا تم اس حقیقت سے بھی انکار کرو گے کہ تم اس وقت اس ہاسپٹل کے اندر موجود

نہیں تھے؟"

"اوہ! تو وہ حملہ تمہارے ساتھیوں نے کیا تھا؟" حیرت کا جھٹکا اتنا شدید تھا کہ میری زبان سے اچانک جملہ پھسل گیا۔ اس شخص کے چہرے پر اطمینان کی جھلک ابھری۔ "اب یہ بھی مان لو کہ گلریز کے اڈے کی تباہی اور وہاں موجود تمام افراد کی ہلاکت کا کارنامہ بھی تم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر انجام دیا تھا۔ انکار کرنے کی کوشش مت کرنا کیونکہ میں جانتا ہوں گلریز کے اڈے کا پتا تمہیں اس ڈائری سے ملا ہوگا۔ اسی ڈائری سے تمہیں اس اڈے سے چلائی جانے والی ڈرگز کی فروخت کے ٹھکانوں کا علم ہوا ہوگا جو اب بند ہو چکے ہیں۔"

اس انکشاف نے مجھے اس قدر حیرت زدہ کر دیا تھا کہ خاصی دیر تک سمجھ میں نہیں آیا کہ کس ردعمل کا اظہار کروں۔ گلریز کے اڈے پر حملے کا منصوبہ عمر اور اس کے ساتھیوں نے تیار کیا تھا' میں تو آخری وقت میں اس منصوبے میں شریک ہوا تھا۔ اس روز سے پہلے تو میں نے گلریز کا نام تک نہیں سنا تھا۔ کتنا عجیب و غریب اتفاق تھا کہ گلریز کے منشیات فروشی کے اڈے کے حوالے سے تمام تفصیل اس ڈائری میں درج تھی جو ان لوگوں کے خیال میں زیبی نے میری تحویل میں دیدی تھی۔ اس سے یہ بھی واضح ہو گیا تھا کہ یہ لوگ اس ڈائری کی تلاش میں کیوں پاگل ہوئے پھر رہے تھے۔ اس ڈائری میں یقیناً منشیات فروشوں اور دیگر جرائم پیشہ گروہوں کے پتے اور دیگر تفصیلات درج ہوں گی۔ اس ڈائری کا قانون نافذ کرنے والے اداروں کے پاس پہنچنا تمام جرائم پیشہ گروہوں کے لئے مشکلات پیدا کر سکتا تھا۔ ڈولی کا گروہ بھی یقیناً اسی طرح کے دھندوں میں ملوث تھا۔ چنانچہ وہ بھی مجھ سے ڈائری حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے۔ فرق صرف طریقہ کار کا تھا۔ میں فی الوقت جس گروہ کی قید میں تھا' وہ سطحی قسم کے حربے استعمال کر کے ڈائری ہتھیانا چاہتا تھا جبکہ ڈولی کا گروہ مجھے دولت کا لالچ دے کر اور مختلف طریقوں سے احسان مندی کا بوجھ لاد کر اس ڈائری پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔

صورتحال اس قدر گھمبیر ہو چکی تھی کہ میں مکمل طور پر بے دست و پا ہو کر رہ گیا تھا' مجھے پورا یقین ہو چکا تھا کہ میں کسی طرح بھی ان لوگوں کو ڈائری کے بارے میں اپنی بے خبری کا یقین نہیں دلا سکتا تھا۔ یہ لوگ اس ڈائری کو حاصل کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتے تھے جس میں بدترین تشدد بھی شامل تھا۔ اس تشدد کا نتیجہ بالآخر میری موت کی صورت میں بھی نکل سکتا تھا کیونکہ وہ خود میرے علم میں بھی نہیں تھی' واحد صورت یہی باقی بچی تھی کہ میں ان سے زیادہ سے زیادہ مہلت حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ بالکل ویسے ہی جیسے ڈولی کے گروہ سے حاصل کرتا رہا ہوں' شاید اس دوران میں میری قسمت کوئی

بہتر رخ اختیار کر لے۔

"لگتا ہے تم اتنی آسانی سے اپنی زبان نہیں کھولو گے۔" میری مسلسل خاموشی نے یک لخت میرے میزبان کا پارہ ہائی کر دیا۔ "مجھے تمہیں تھوڑا سا مزہ چکھانا ہی پڑے گا' صالح' یامین...... جاؤ لے کر آؤ۔"

میں نے اس کے دونوں گرگوں کو کمرے سے باہر نکلتے دیکھا۔ نہ جانے کیا لینے گئے تھے؟ کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں واپس آئے۔ ان کے ہاتھوں میں دو دو عجیب سے اسٹینڈ تھے۔ ان دونوں نے وہ چاروں اسٹینڈ ماہرانہ انداز میں میرے چاروں ہاتھ پیروں کے عین نیچے فرش پر اس طرح فٹ کر دیئے کہ ان کا میرے جسم سے فاصلہ تین چار انچ کے لگ بھگ رہا ہوگا' وہ اگر چاہتے تو ان اسٹینڈز کے چپٹے سرے میرے جسم کو چھو سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ میں ابھی ان تمام تیاریوں کا مقصد نہیں سمجھ پایا تھا البتہ مجھے الجھن آمیز پریشانی ضرور ہو رہی تھی۔

باس میری کیفیت سے بے خبر تمباکو نوشی میں مصروف تھا۔ پھر قدرے توقف کے بعد اس نے اپنے ساتھی صالح کو کوئی اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی اس کے گرگے نے اپنی جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کا ہاتھ جیب سے برآمد ہوا تو اس میں ایک چھوٹی سی لیکن موٹی موم بتی موجود تھی۔ باس نے موم بتی اس سے لے کر معنی خیز نظروں سے مجھے گھورا۔ پھر اپنی جیب سے بیش قیمت سنہری لائٹر نکال کر وہ موم بتی روشن کر دی۔

"تم نے نہایت ماہرانہ انداز میں گلریز کے اڈے کو آگ میں جھونکا تھا ناں؟ پورے اڈے کو راکھ کا ڈھیر بنا ڈالا' کروڑوں کا مال شعلوں کی نذر کر دیا۔ گلریز کو بھی اس کے ساتھیوں سمیت بے رحم شعلوں کی آغوش میں دھکیل دیا' شاید تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ آگ کے شعلے جب گوشت چاٹتے ہیں تو ان پر کیا گزرتی ہے' بہرحال فکر نہ کرو' اب تمہیں عملی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ شعلوں کا قرب کیسا ہوتا ہے' زیادہ چیخ و پکار کی کوشش مت کرنا' مجھے شور پسند نہیں ہے۔"

صالح نے جلتی موم بتی اپنے باس کے ہاتھ سے لے لی اور اسے میرے دائیں شانے کے نیچے موجود سٹینڈ پر رکھ دیا۔ موم بتی کا شعلہ میرے شانے کے گوشت سے محض ایک انچ نیچے تھا' شدید تپش نے میرے شانے میں آگ سی لگا دی' اگلے ہی لمحہ میں نے اپنا شانہ ممکنہ حد تک اوپر اٹھا لیا۔ میری حالت دیکھ کر ان تینوں نے زوردار قہقہہ لگایا۔ پھر صالح نے اپنے باس کے اشارے پر میرے جسم کے اوپری حصے کو کپڑوں کی قید سے مکمل آزادی دلا دی۔

"ہم مہمان نوازی کے آداب سے پوری طرح واقف ہیں۔ سردی کا بہترین علاج آگ

ہے۔ دیکھو ہم نے تمہیں سردی سے مکمل نجات دلا دی ہے۔ صالح' صاحب کی چارپائی کے نیچے ایک اور انگیٹھی روشن کر دو' انہیں کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔"

صالح نے بالکل اسی قسم کی ایک دوسری موم بتی جلا کر میرے بائیں شانے کے نیچے اسٹینڈ پر رکھ دی۔ میں نے اپنا بایاں شانہ بھی چارپائی سے اوپر آخری حد تک اٹھا لیا۔ اب میرے جسم کے اوپری حصے کا تمام تر بوجھ میرے بازوؤں اور سر نے سہار رکھا تھا۔ یہ پوزیشن میرے لیے بے حد تکلیف دہ تھی۔ ہتھکڑی کے حلقے کلائیوں میں بری طرح گڑھے جا رہے تھے جبکہ چارپائی کے تاروں کی چبھن بھی سر کے لیے بے حد اذیت ناک تھی۔ موم بتیوں کے شعلوں کی تپش اس کے علاوہ تھی۔

"میں جانتا ہوں تمہارے بازوؤں میں بڑی جان ہے اور تمہاری کھوپڑی میں بھی بھیجے کی کمی نہیں لیکن یہ دونوں چیزیں فی الحال تمہارے کسی کام نہیں آسکتیں۔ میں چاہوں تو اسٹینڈ مزید اونچے کروا کر تمہارے جسم تک پہنچا سکتا ہوں لیکن میں تمہیں دل کی حسرتیں نکالنے کا موقع دینا چاہتا ہوں۔ میرا وعدہ ہے کہ اگر یہ دونوں موم بتیاں ختم ہونے تک تم اسی طرح سر کے سہارے کھڑے رہ سکو میں نئی موم بتیاں نہیں جلاؤں گا' کم از آج شام نہیں۔"

موٹی موٹی موم بتیاں پگھلنے میں کئی گھنٹے لگ سکتے تھے۔۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے احمقانہ کھیل کا حصہ بننے کے بجائے اسے اپنی باتوں میں الجھانے کی کوشش کروں گا۔ میں اس دوران میں گفتگو کی ایسی سمت کا تعین کر چکا تھا جو کم از کم عارضی طور پر تو مجھے ان لوگوں کے تشدد سے بچا سکتی تھی۔

"ٹھہرو' یہ موم بتیاں میرے جسم کے نیچے سے ہٹا لو' میں تم سے بات کرنے کو تیار ہوں۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں تقریباً چیختے ہوئے کہا۔ باس نے شک آمیز نظروں سے مجھے گھورا جیسے میرا اس قدر جلدی ہار مان لینا اس کے لیے مایوس کن رہا ہو۔ پھر اس نے صالح کو موم بتیاں چارپائی کے نیچے سے ہٹانے کا حکم دیا۔ موم بتیاں ہٹنے کے باوجود میں فوری طور پر کمر کے بل دراز نہ ہو سکا کیونکہ موم بتیوں کے شعلوں نے چارپائی کے تاروں کو سرخ کر ڈالا تھا۔ باس میری زبان کھلوانے کے لئے اتنا بے تاب تھا کہ۔اس نے ان تاروں پر پانی ڈلوا دیا۔

"جلدی بولو کیا بولنا ہے' بتاؤ ڈائری تم نے کہاں چھپا رکھی ہے؟" میری پیٹھ چارپائی سے ٹکتے ہی باس نے نہایت بے تابی کے عالم میں پوچھا۔

پہلے مجھے کچھ کھلاؤ پلاؤ' میں شدید کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔"

"بکواس مت کرو جو بکنا ہے جلدی بکو ورنہ میں موم بتیاں دوبارہ چارپائی کے نیچے رکھوا دوں گا اور اس بار ان کی تعداد دو کے بجائے چار ہوگی۔"

"تم جو جی چاہے کرو لیکن میں بغیر کھائے پیئے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالوں گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ میری بات سن کر باس کی آنکھوں میں خون اتر آیا لیکن اس نے جلد ہی اپنے آپ پر قابو پا لیا۔ "صالح' اس کمینے کے لیے کچھ کھانے پینے کو لاؤ۔ یہ کھا پی کر مرنا چاہتا ہے تو ایسے ہی سہی۔ اگر اس نے پھر بھی زبان نہیں کھولی تو مزید رعایت نہیں کروں گا۔"

صالح کھانے پینے کا بندوبست کرنے چلا گیا' باس کچھ دیر تو بے قراری سے ٹہلتا رہا' پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کہانی کو مزید مربوط بنانے کی کوشش کرنے لگا جو مجھے کچھ دیر بعد سنانی تھی۔ صالح واپس لوٹا تو اس کے ہاتھوں میں ریڈی میڈ کھانا موجود تھا۔ باسی ڈبل روٹی کے چند توس اور دو تین انڈوں کا جلا بھنا آملیٹ۔ صالح اس عظیم الشان ڈنر کو نہایت بے دردی سے میرے منہ میں ٹھونسنے لگا۔

"آرام سے میری جان' اتنی بے رخی سے کیوں حلق میں ٹھونس رہے ہو؟ مہمان نوازی کرنا ہے تو پوری طرح کرو۔" میں نے صالح کو مخاطب کیا۔ اس نے گھور کر مجھے دیکھا۔ "بک بک مت کر' چپ چاپ کھاتا رہ' ایسا نہ ہو کہ باس کے آنے سے پہلے ہی میں تیرے ٹوٹے کر دوں۔"

"کیوں بھئی' تو کیوں مجھ سے خار کھائے بیٹھا ہے؟ میں نے اسے باتوں میں الجھانے کی کوشش کی۔ اس نے کوئی جواب دینے کے بجائے مجھے محض گھورنے پر اکتفا کیا اور ایک بار پھر نوالہ میرے منہ میں ٹھونس دیا۔ کھانے کا ہر نوالہ' پانی کا ہر گھونٹ میرے حوصلوں کی شکستہ دیوار کو مضبوطی بخش رہا تھا۔ مجھے لگا جیسے میری آنکھوں میں روشنی لوٹ آئی ہو۔

"ہاں' اب بتاؤ تم نے وہ ڈائری کہاں چھپا رکھی ہے؟" میرے کھانے سے فارغ ہوتے ہی باس ایک بار پھر کمرے میں آن دھمکا۔ میں نے ایک اطمینان بھری ڈکار لیتے ہوئے کہا۔

"وہ ڈائری اب میرے پاس نہیں ہے۔"

"اب تمہارے پاس نہیں ہے' کیا مطلب؟" باس حلق پھاڑ کر چیخا۔

"مطلب یہ کہ وہ ڈائری مجھے ملی تو میں نے اپنے گروہ کی مدد سے اس ڈائری میں درج منشیات فروشی کے اڈوں کا خاتمہ کرنے کا تہیہ کر لیا لیکن گلریز کے اڈے کی تباہی کے دوران میں ہمارا ایک ساتھی شدید زخمی ہو گیا اور ہم سبھی مرتے مرتے بچے' اس کے بعد میرے ساتھیوں کے حوصلے ٹوٹ گئے اور ایک ایک کر کے میرا ساتھ چھوڑ گئے۔" اتنا کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔

"پھر.....پھر کیا ہوا؟ جلدی بکو' ڈائری کے بارے میں بتاؤ۔" باس ایک بار پھر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"وہی تو بتا رہا ہوں بھائی' ذرا سکون سے سنو' گروہ ختم ہونے کے بعد میں خاموش ہو کر بیٹھ گیا البتہ میں اس دوران میں مسلسل اس ڈائری کے لیے کوئی مناسب گاہک تلاش کرتا رہا۔ دراصل میں اس ڈائری کے ذریعے زیادہ سے زیادہ مال کمانا چاہتا تھا۔ گلریز کے اڈے پر حملہ کرنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ مجھے وہاں سے لمبا مال ہاتھ لگنے کی امید تھی لیکن وہاں سے صرف تین لاکھ روپے ہاتھ لگ سکے جو ہم چاروں نے آپس میں بانٹ لیے۔ میرے دو ساتھی تو اپنی رقم لے کر نہ جانے کہاں چلے گئے جبکہ میں اپنے تیسرے ساتھی کے صحت یاب ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ جب تمہارے ساتھیوں نے ہاسپٹل پر حملہ کیا تو میں خوفزدہ ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے ساتھی کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کروایا اور ایک محفوظ جگہ روپوش ہو گیا۔ اس دوران میں مجھے ایک پارٹی ٹکرا گئی۔ میں نے منہ مانگی قیمت پر وہ ڈائری اس پارٹی کے حوالے کر دی۔"

خلاف توقع باس نے میری بات سن کر کسی فوری ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں گرفتار تھا۔ ایک طویل سانس لے کر اپنے خیالات کی دنیا سے واپس لوٹ آیا۔

"اب میری سمجھ میں آیا کہ تم اچانک راتوں رات بنگلے اور گاڑی کے مالک کیسے بن گئے۔ خیر تم سے تو میں بعد میں نمٹوں گا' پہلے مجھے اس ڈائری کے خریداروں کا پتا چلانا ہے' ویسے سچ ....." باس کی بات ادھوری ہی تھی کہ ایک زبردست دھماکے سے در و دیوار لرز اٹھے' شاید کہیں بہت قریب کوئی طاقتور بم پھٹا تھا۔

دھماکے کی آواز اس قدر زور دار تھی کہ مجھے کانوں میں سیٹیاں بجتی محسوس ہوئیں۔ مجھ سے محو گفتگو شخص بھی چند لمحوں کے لئے گویا اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔ دھماکے کی گونج ابھی پوری طرح معدوم بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ کسی خود کار ہتھیار سے کی جانے والی فائرنگ نے فضا مکدر کر دی۔ پہلا برسٹ چلنے کے بعد محض چند لمحوں تک فضا پرسکون رہی۔ اس کے بعد تو جیسے قیامت ہی آ گئی۔ ایک یا دو نہیں بلکہ شاید درجنوں آتشیں ہتھیاروں کے منہ بیک وقت کھول دیئے گئے تھے' تڑتڑاہٹ اور متفرق دھماکوں کی آواز لمحہ بھر کے لئے بھی نہیں تھم رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ہم کسی محاذ جنگ پر دو متحارب فریقوں کی کراس فائرنگ کے درمیان پھنس گئے ہوں۔

ہوش ٹھکانے آتے ہی باس نے اپنے کوٹ سے جدید ترین اوزی سب مشین گن برآمد کی اور تیز قدموں سے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے پر پہنچ کر وہ ایک دم ٹھہر گیا اور پھر تیزی سے مڑ کر میری طرف دیکھا۔ مجھے اس کی آنکھوں میں نفرت اور غیظ و غضب کے شعلے بھڑکتے نظر آئے۔ "اگر یہ سب تمہارے ساتھیوں کی کارستانی ہے تو پھر تم ابھی سے اپنے آپ کو مردہ سمجھ لو۔ اگر اس جگہ کی اینٹ سے اینٹ بج گئی تب بھی میں کم از کم تجھے زندہ......" وہ نہ جانے کن ارادوں کا اظہار کرنے والا تھا لیکن فائرنگ کی شدت میں یک لخت قیامت خیز اضافے نے اسے بات ادھوری چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ مجھے لگا کہ وہ مجھ پر گولی چلانے ہی والا ہے لیکن وہ مجھے خونخوار نظروں سے گھورتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

حملہ آور جو بھی تھے' وہ پوری تیاری سے آئے تھے' کچھ ہی دیر میں مجھے بنگلے کے اندر سے کی جانے والی فائرنگ میں کمی محسوس ہوئی۔ شاید بنگلے کی حفاظت پر مامور افراد پسپائی پر مجبور ہو رہے تھے۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ میرے دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ یہ حملہ آور یقینی طور پر ڈولی کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے' جنہیں مجھے چھڑانے کے لئے بھیجا گیا ہو گا۔ ان لوگوں کی طاقت اور وسائل کے پیش نظر مجھے یقین تھا کہ وہ بنگلے کا دفاع کرنے والوں کو شکست فاش دے دیں گے۔ مجھے اصل خطرہ یہ تھا کہ اپنی شکست کا یقین ہونے پر باس سچ مچ میرے خاتمے کی دھمکی پر عمل نہ کر ڈالے۔ اس سے

بسی کے عالم میں میرے لئے اپنا دفاع کرنا کسی بھی طرح ممکن نہ ہوتا۔

فائرنگ کم ہوتے ہوتے بالآخر بالکل تھم گئی۔ قیامت خیز شور کے بعد یہ سناٹا بے حد غیر فطری اور ہولناک محسوس ہو رہا تھا۔ مجھے اپنے رگ و پے میں سنسنی دوڑتی محسوس ہوئی۔ شاید باس مجھے قتل کرنے کے ارادے سے اس طرف بڑھ رہا ہو۔ اوزی سب مشین گن جیسے ہولناک ہتھیار کی موجودگی میں اسے بس میری جانب انگلی کا صرف ہلکا اشارہ کرنا تھا۔ اس کے ساتھ ہی چند لمحوں میں میرا انتظار ختم ہو جاتا۔

خلاف توقع خاموشی کا وقفہ طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی بہت بڑے جادوگر نے سحر پھونک کر ہر جیتی جاگتی چیز کو پتھر کا بنا دیا ہو۔ میں ہزار کوشش کے باوجود سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ آخر یہ چکر کیا ہے۔ اگر ڈولی کے گروپ کے ارکان جھڑپ میں کامیابی حاصل کر چکے تھے' تو انہیں اب تک بنگلے میں گھس آنا چاہئے تھا' تاکہ مجھے ان عذاب ناک بندشوں سے نجات مل جاتی لیکن.......

بالآخر سکوت کی فضا میں ارتعاش پیدا ہونے لگا۔ میں نے بہت دور کہیں سائرن بجنے کی آواز سنی۔ کچھ ہی دیر میں یہ آواز مزید واضح ہو گئی۔ یہ پولیس کی موبائل کے سائرن کی آواز تھی جو لحہ بہ لحہ قریب آتی جا رہی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ ایک کے بجائے کئی موبائلوں کے سائرن چیخنے لگے۔ میں ایک بار پھر فائرنگ شروع ہونے کا منتظر تھا' لیکن میرا یہ انتظار بے سود ثابت ہوا۔ سائرن کی چیخ و پکار اب بنگلے کے ارد گرد سنائی دے رہی تھی۔ شاید پولیس کے اہلکار بنگلے کو گھیرے میں لے کر بنگلے کے اندر سے کسی رد عمل کے منتظر تھے۔ پھر میں نے لاؤڈ اسپیکر پر کسی کی گونج دار آواز سنی۔ "اس بلڈنگ میں موجود تمام افراد اپنے ہتھیار پھینک کر باہر نکل آئیں۔ بلڈنگ کو چاروں طرف سے گھیرا جا چکا ہے۔ کسی قسم کی مزاحمت کا ارادہ بھی حماقت ہو گی۔"

اس کے لہجے میں موجود رعونت صاف ظاہر کر رہی تھی کہ وہ کوئی بڑا عہدہ رکھتا ہے۔ اگلے ہی لمحے اس نے میرے اندازے کی تصدیق کر دی۔ "میں ایس پی رشید احمد تم سب کو وارننگ دیتا ہوں کہ اگلے پانچ منٹ کے اندر بلڈنگ خالی نہ کی گئی' تو بلڈنگ پر ریڈ کر دی جائے گی اور اس دوران تمام جانی اور مالی نقصان کی ذمے داری خود تم پر ہو گی۔"

یہ اعلان یکے بعد دیگرے درجن بھر مرتبہ دوہرائے گئے۔ وارننگ کے پانچ منٹ گزرے پھر دس منٹ گزر گئے۔ ایس پی کے لہجے سے ٹپکنے والی جھنجلاہٹ آخری حدوں کو چھو رہی تھی' لیکن وہ اپنے ماتحتوں کو بنگلے میں گھسنے کا حکم دینے سے ہر ممکن پہلو تہی کر رہا تھا۔ وجہ احتیاط بھی ہو سکتی تھی اور خوف بھی۔ بالآخر اس نے دھمکی آمیز اعلانات کا سلسلہ بند کر دیا۔ غالباً اسے یقین ہو چلا تھا کہ بنگلے میں اس وقت کوئی موجود نہیں ہے لیکن مسئلہ وہی پرانا تھا۔ یعنی بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کی جرات کون کرے گا؟ تاہم وہ قدرے

دقت کے بعد اپنے اس مسئلے پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے۔ میں نے اپنی پوری قوت سماعت مرکوز کر کے بنگلے میں داخل ہونے والے پولیس اہلکاروں کے بھاری بوٹوں کی آوازیں سن لیں۔ پھر یہ آوازیں بنگلے کے اندر گونجنے لگیں۔ یہ یقین ہونے کے بعد کہ بنگلہ بالکل خالی ہے وہ بڑی دیدہ دلیری سے بنگلے کا چکنا فرش روندتے پھر رہے تھے۔ اب وہ زور زور سے آپس میں باتیں اور ہنسی مذاق بھی کر رہے تھے۔ چند ہی لمحوں بعد میں نے اپنے کمرے کے سامنے بھی بھاری بھرکم قدموں کی آوازیں سنیں۔ پھر کسی نے زور دار ٹھوکر مار کر دروازہ کھول دیا۔ وہ وردی پوش دندناتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے لیکن مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ ایک جھٹکے سے رک گئے۔ انہیں اپنی حیرت پر قابو پانے میں کئی لمحے لگ گئے۔

"اوئے یہ کیا شے ہے بھئی؟" حوالدار کے عہدے والے فربہ اندام سیاہ فام اہلکار نے میری آہنی چارپائی کی پائنتی کے پاس پہنچ کر کہا۔ یہ دیکھنے کے باوجود کہ میں ہتھکڑیوں کے ذریعے اس آہنی چارپائی سے جکڑا ہوا ہوں۔ اس نے اپنی کلاشنکوف کا رخ بدستور میرے سینے کی جانب کیا ہوا تھا۔ اس کا ماتحت اس کی نسبت زیادہ پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔

"عنایت اللہ صاحب مجھے تو یہ بے چارہ ان مجرموں کا قیدی لگتا ہے جو اپنا یہ اڈا چھوڑ کر بھاگ نکلے ہیں۔"

حوالدار کو اپنے ماتحت کا یہ پراعتماد اور بے باکانہ اظہار خیال کچھ زیادہ اچھا نہیں لگا۔ اس کی پیشانی پر موجود تیوریاں مزید چڑھ گئیں۔ "اوئے تمہیں کیا خواب آیا ہے کہ یہ بے چارہ اور مظلوم ہے؟ کیا اس کے ماتھے پر لکھا ہے کہ یہ ان مجرموں کا ساتھی نہیں ہے۔ میں تمہیں کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ اپنی اوقات میں رہ کر بات کرو۔ تم انسپکٹر افتخار نہیں سنتری افتخار ہو اپنی خیریت چاہتے ہو تو تفتیش و تحقیق کا کام افسر لوگوں کو ہی کرنے دو۔"

اس طویل ڈانٹ کا نوجوان سنتری پر محض اتنا اثر ہوا کہ اس نے اپنی مسکراہٹ کو ہونٹوں میں مقید رکھا۔ "جناب عالی! اگر یہ مجرموں کا ساتھی ہوتا تو اس طرح بندھا ہونے کے بجائے ان کے ساتھ ہی فرار ہو چکا ہوتا۔ ویسے بھی اس کے حلیے سے لگتا ہے کہ اس پر تشدد ہوتا رہا ہے۔ آپ اس کے سوجے ہوئے ہونٹ تو دیکھیں۔"

سنتری افتخار کے دلائل نے حوالدار کو حقیقتاً" شرمندہ کیا ہو گا' لیکن اس نے اپنی شرمندگی کو غصے کی آڑ میں چھپا لیا۔ "اوئے تم بک بک سے باز نہیں آؤ گے۔ جاؤ صاحب کو اس کے بارے میں بتاؤ ...... لیکن ٹھہرو۔ میں خود صاحب کو اس کے بارے میں بتا کر آتا ہوں۔ تم اس کی کڑی نگرانی کرو۔"

حوالدار تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے فوراً" بعد افتخار

نے کلاشنکوف جھکا لی۔ وہ دلچسپی بھرے انداز میں میرا جائزہ لے رہا تھا۔

"تم کون ہو بھائی؟ یہاں کیسے پھنس گئے؟"

اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔ اس دوران میں ایک ایسی کہانی تیار کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا جو اس نئی مصیبت میں میرے کام آ سکتی۔

"تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ مجھے ان ظالموں نے تاوان حاصل کرنے کے لئے قید کر رکھا ہے۔ وہ لوگ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے مجھ پر شدید تشدد کرتے تھے۔" میں نے کمزور لہجے میں اپنی مختصر روداد سنائی۔ "اگر پولیس نہ آتی تو وہ خدا جانے میرا کیا کرتے بہت خطرناک لوگ ہیں وہ۔"

"وہ تو خطرناک ہوں گے ہی لیکن یوں لگتا ہے کہ ان پر حملہ آور ہونے والے لوگ ان سے بھی زیادہ طاقتور اور خطرناک تھے۔ انہوں نے اس بنگلے کو مٹی کا ڈھیر بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ہمیں بنگلے کی چھت پر سے تین مسلح افراد کی لاشیں ملی ہیں۔

"اوہ تو کیا اس جگہ پر حملہ ہوا تھا؟" میں نے اپنے لہجے میں مصنوعی حیرت سموتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو ذرا بھی علم نہیں' مجھے تو تم لوگوں کے آنے سے چند ہی لمحوں پہلے ہوش آیا ہے۔"

"اچھا؟ پھر تو ......" افتخار کی گفتگو بہت سے قدموں کی چاپوں سے ادھوری رہ گئی۔ اس نے فوراً" اپنی کلاشنکوف کا رخ میرے سینے کی طرف کر دیا۔ کمرے میں داخل ہونے والوں میں سب سے آگے آگے غالباً ایس پی رشید تھا۔ اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ اس نے اپنی سوچی سوچی سرخ آنکھوں سے بغور میرا جائزہ لیا۔ "تم کون ہو جوان اور تمہیں کس نے باندھ کر یہاں ڈال رکھا ہے؟" خلاف توقع اس کا لہجہ خاصا نرم تھا۔

"میں ایک شریف آدمی ہوں جناب' مجھے یہ بدمعاش تاوان حاصل کرنے کے لئے اغوا کر کے لائے تھے۔ انہوں نے مجھ پر تشدد بھی کیا ہے۔ میں چوبیس گھنٹے سے یہ عذاب برداشت کر رہا ہوں۔ مجھے جلد از جلد اس سے نجات دلائیں۔ پھر میں آپ کو سب کچھ تفصیل سے بتا دوں گا۔"

ایس پی نے میری ایک ایک بات نہایت غور سے سنی۔ اس دوران میں اس کی آنکھیں مسلسل میرے چہرے پر جمی رہیں۔ شاید وہ میری باتوں کا وزن جانچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر وہ شاید کسی نتیجے پر پہنچ گیا۔

انسپکٹر سلیم' تم اس کی ہتھکڑیاں کھلوانے کی کوشش کرو۔ تب تک میں باہر کی صورت حال پر ایک نظر ڈال کر واپس آتا ہوں۔ تم نے ہیڈ کوارٹر اور ایمبولینس کے لئے میسج (پیغام) بھیج دیا ہے ناں؟" ایس پی نے دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"دراز قامت انسپکٹر نے جلدی سے کہا۔" "یس سر' میں وائرلیس پر میسج بھیج چکا

ہوں۔ ڈی آئی جی صاحب کے پی اے سے بھی رابطہ قائم کرنے کی کوشش جاری ہے۔ ڈی آئی جی کو اطلاع کرنے کے بعد ان کی اجازت سے اخبارات والوں کو بھی آپریشن کی خبر جاری کر دی جائے گی۔" ایس پی مطمئن انداز میں سرہلا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

"آپ کا کیا نام ہے جناب اور آپ کیا کام کرتے ہیں؟" انسپکٹر سلیم نے میری ہتھکڑیوں کا بغور جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔ میں نے نپے تلے لہجے میں کہا۔ "دانش اقبال ہے جی میرا نام' چھوٹا موٹا بزنس کرتا ہوں۔ کلفٹن میں رہائش ہے میری۔ ان لوگوں نے مجھے کورنگی روڈ سے اغوا کیا تھا۔ میری گاڑی انہوں نے وہیں چھوڑ دی تھی۔"

انسپکٹر نے نیم دلچسپی کے عالم میں میری بات سنی' میں مزید وضاحت کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے مجھے موقع نہ دیا۔ "یہ خاصی جدید قسم کی ہتھکڑیاں ہیں' چابی کے بغیر کھلنا کافی مشکل ہو گا۔ آپ کو تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔ اس جگہ زبردست خون خرابہ ہوا ہے۔ گولیاں' دستی بم اور راکٹ لانچر سمیت سبھی ہتھیاروں کا اندھا دھند استعمال ہوا ہے' کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ سب چکر کیا ہے؟"

"مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ یہ بہت بڑا اور خطرناک گروہ ہے جو بڑے منظم اور جدید انداز میں وارداتیں کرتا ہے۔ یہ مجھے اپنی قید میں رکھ کر میری دولت اور جائیداد پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں زیادہ امیر آدمی نہیں ہوں لیکن یہ میری بات کا یقین کرنے کو تیار نہیں تھے۔ انہوں نے مجھ پر شدید تشدد کیا جس کے نتیجے میں' میں بے ہوش ہو گیا۔ مجھے قطعاً" علم نہیں ہے کہ میری بے ہوشی کے دوران میں یہاں کیا کچھ ہوتا رہا ہے۔"

انسپکٹر نے اپنے مخصوص بے نیازانہ انداز سے میرا بیان سنا۔ اسی اثناء میں ایس پی واپس لوٹ آیا۔ اس کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں نمایاں تھیں۔ اس نے انسپکٹر کو اشارے سے ایک طرف بلایا۔ وہ دونوں وسیع و عریض کمرے کے دور افتادہ کونے میں خاصی دیر تک کھسر پھسر کرتے رہے۔ وہ بار بار چونکنے کے انداز میں مجھے دیکھنے لگتے تھے جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کی راز دارانہ گفتگو کا موضوع میں ہی ہوں۔ خدا جانے وہ میرے بارے میں کیا مشورے کر رہے تھے۔ مجھے شدید الجھن اور بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ بالآخر ان دونوں کی یہ "کارنر میٹنگ" اپنے اختتام کو پہنچی اور وہ نپے تلے قدموں سے میری طرف بڑھے۔ ان کے چہروں سے جذباتی تناؤ کے آثار ہویدا تھے۔

گفتگو کی ابتداء ایس پی رشید نے کی۔ "مسٹر دانش' جن حالات میں آپ ہمیں یہاں ملے ہیں وہ آپ کو بھی شک و شبے کی زد میں لا سکتے ہیں۔ اس بلڈنگ پر بھاری آتشیں اسلحے کے ساتھ حملہ کیا گیا تھا۔ ممکن ہے ان حملہ آوروں کا یہ حملہ آپ کو یہاں سے آزاد کرانے کی غرض سے کیا گیا ہو۔ یعنی آپ اس جرائم پیشہ گروہ میں خاص اہمیت کے حامل

ہوں۔" اس نے توقف کر کے بغور میرے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ میرے دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر کر رہا تھا لیکن میں نے اپنے دلی جذبات چہرے پر عیاں نہیں ہونے دیئے۔ میرا بے تاثر' سپاٹ چہرہ دیکھ کر اس کی حوصلہ شکنی ہوئی تھی۔

"اس حملے میں تین افراد ہلاک ہوئے ہیں۔ ممکن ہے میں نے اب تک آپ کے بارے میں جو قیاس آرائی کی ہے وہ بالکل غلط ہو لیکن اس کے باوجود آپ کو اس کیس کے اہم گواہ کی حیثیت سے بار بار ہمارے سوالات کے جوابات دینے کے لئے پولیس اسٹیشن میں حاضری دینا پڑے گی۔" اس کا لہجہ گھمبیر سے گھمبیر تر ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر میرے چہرے کا جائزہ لیا۔ مجھے پوری طرح متوجہ پا کر اس نے بات آگے بڑھائی۔ "یقین کریں آپ کو ان خواہ مخواہ کی الجھنوں میں مبتلا دیکھ کر ہمیں کوئی خوشی نہیں ہو گی۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ مجرموں کی قید سے چھوٹنے کے بعد قانونی ضابطوں کی الجھنوں سے بھی محفوظ رہیں اور یہاں سے جانے کے بعد نئے سرے سے اپنی کاروباری اور ذاتی زندگی کی ابتداء کریں لیکن اس کے لئے ہمیں آپ کا تعاون درکار ہے۔"

ایس پی کے پراسرار انداز نے مجھے محتاط ہونے پر مجبور کر دیا۔ میں نے نپے تلے الفاظ میں پوچھا۔ "آپ مجھ سے کس قسم کے تعاون کے طلب گار ہیں؟"

"ہم چاہتے ہیں کہ یہاں سے آزاد ہونے کے بعد آپ پریس اور ہمارے اعلیٰ حکام کے سامنے ہمارا بتایا ہوا بیان دہرا دیں۔ اس طرح آپ کو مفت کی شہرت بھی مل جائے گی اور خواہ مخواہ کی الجھنوں اور بکھیڑوں سے بھی نجات مل جائے گی اور اس طرح ہمارا بھی کچھ بھلا ہو جائے گا۔"

"میں پوری بات جانے بغیر کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ آپ مجھے بتائیں کہ آپ مجھ سے کیا بیان دلوانا چاہتے ہیں' اس کے بعد ہی میں کسی فیصلے پر پہنچ سکوں گا۔"

"میرا فیصلہ کن لہجہ ایس پی کو اچھا نہیں لگا تھا۔ تاہم اپنے چہرے سے اس نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا۔ "دیکھیں ہم چاہتے ہیں کہ یہ پورا معاملہ ایک پولیس مقابلے کے طور پر پیش کیا جائے یعنی آپ کے یہاں یرغمال کے طور پر موجود ہونے کی خبر ملنے پر پولیس اس بلڈنگ پر ریڈ کیا' باہمی فائرنگ کے زوردار تبادلے کے دوران تین ملزمان ہلاک ہوئے جبکہ باقی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور اس کے بعد آپ کو بخیریت بازیاب کرا لیا گیا۔"

اپنی بات ختم کرنے کے بعد وہ خاموشی سے میرے ردعمل کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے چہرے سے ابھی تک جذباتی ہیجان کے آثار ہویدا تھے۔ میرا ذہن برق رفتاری سے تمام معاملے پر غور کر رہا تھا۔ ایس پی ڈھکے چھپے الفاظ میں مجھے جو دھمکی دے رہا تھا۔ وہ بلاشبہ اس پر پوری طرح عمل بھی کر سکتا تھا۔ اگر وہ مجھے مشکوک قرار دے کر قانونی بکھیڑوں میں

الجھا دیتے تو میرے لئے جان چھڑانا مشکل ہو جاتی اور اگر خدانخواستہ اس دوران میرا ڈولی کے گروہ سے کوئی تعلق ثابت ہو جاتا تو مجھے لینے کے دینے پڑ جاتے۔ اس کے علاوہ بھی کئی مراحل ایسے تھے جن سے میں ہر قیمت پر ان فرض شناس افراد کی باتوں پر من و عن عمل کرنے پر مکمل آمادگی ظاہر کر دیتا۔ اس طرح یہ لوگ خواہ مخواہ ہیرو بن جاتے لیکن ساتھ ساتھ میری نجات کا بھی سہل راستہ نکل آتا۔

"مجھے آپ کی تجویز منظور ہے جناب۔ آپ جیسا کہیں گے میں ویسا ہی کروں گا' بس آپ مجھے جلد از جلد اس عذاب سے نجات دلا دیں۔" میری بات سن کر ایس پی اور انسپکٹر کے چہروں پر خوشیوں کے پھول کھل اٹھے۔

"میں نے بندے کو قفل ساز کو لانے کے لئے بھیج دیا ہے' آپ فکر نہ کریں' چند منٹوں کے اندر اندر آپ کی جان چھوٹ جائے گی۔ تب تک آپ وہ باتیں ذہن نشین کر لیں جو آپ کو پریس اور ہمارے اعلیٰ حکام کے روبرو کہنی ہیں۔"

اس نے نہایت تفصیل سے ایکشن بھرپور فلم کا یہ اسکرپٹ مجھے ذہن نشین کرا دیا جس میں مجھے مظلوم یرغمالی کا کردار نبھانا تھا۔ تقریباً پچاس منٹ بعد قفل ساز بھی آ گیا۔ لیکن وہ تنہا نہیں پہنچا تھا۔ اس کے ہمراہ دو اخباری رپورٹرز اور ان کے کیمرہ مین بھی موجود تھے۔ میرے چارپائی سے جکڑے ہونے اور پھر قفل ساز کی مہربانی سے آزاد ہونے کے مراحل کی متعدد تصاویر بنائی گئیں۔ ایس پی نے میرے اور اخباری نمائندوں کے کھانے پینے کا بھی پرتکلف بندوبست کر لیا تھا۔ میں نے اخبار رپورٹرز کو من و عن وہی بیان دیا جو ایس پی نے مجھے رٹایا تھا۔ اخباری نمائندے کے موقع واردات اور تینوں لاشوں کی تصویریں بنانے کے بعد فوراً ہی رخصت ہو گئے۔ کیونکہ وہ یہ گرما گرم خبر اپنی اسی روز کی اشاعت میں شامل کرنا چاہتے تھے۔

ایس پی مجھے اپنے ساتھ متعلقہ پولیس اسٹیشن لے گیا جہاں مجھ سے کوائف دریافت کرنے کے بعد ایک بیان تیار کیا گیا اور اس پر میرے دستخط کرا لئے گئے' صبح ہونے سے ذرا پہلے ایس پی نے اپنی سرکاری گاڑی پر مجھے میرے گھر چھوڑ دیا۔ اس دوران میں ہم دونوں میں خاصی یگانگت پیدا ہو گئی تھی اور اس کا رویہ خاصا دوستانہ تھا۔ اس طویل اور ہنگامہ خیز رات کے اختتام پر میں اپنے گھر کے گیٹ پر پہنچا تو نیند اور تھکن کے مارے میرے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ میرے اچانک اور بغیر اطلاع گھر سے رات بھر غائب رہنے کے باعث چوکیدار خاصا پریشان تھا۔ میں نے سرسری انداز میں اسے تسلی دی۔ اس نے ناشتے کے متعلق پوچھا لیکن میں نے اسے منع کر دیا۔ میں اپنے کمرے میں پہنچا۔ میں شکستہ دیوار کی طرح اپنے بستر پر گرا۔ اس کے بعد مجھے دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔

میں شام سات بجے تک سوتا رہا اور اگر ڈولی آ کر مجھے بیدار نہ کرتی تو شاید میں اگلی

صبح تک سوتا رہتا۔ وہ سرخ رنگ کا نہایت خوبصورت لباس زیب تن کئے ہوئے تھی۔ سانولے سلونے دلکش چہرے پر ہلکا پھلکا لیکن نفیس میک اپ تھا۔ خلاف توقع اس کا موڈ خاصا خوشگوار تھا۔ "اب اٹھ بھی جائیں ہیرو جی۔ کیا کسی سے شرط باندھ کر سوئے ہیں؟ میں صبح سے دو بار آ کر واپس جا چکی ہوں۔"

"اوہ! مجھے افسوس ہے۔" میں نے شرمندہ لہجے میں کہا۔ "دراصل میں پوری رات میں لمحے بھر کے لئے بھی نہیں سو سکا تھا اور ...." اس نے جھٹ سے میری بات کاٹ دی۔ "اور کچھ میزبانوں کے حسن سلوک کا بھی اثر ہے رہی سہی کسر سرکاری مہمان نوازی نے پوری کر دی۔ ویسے میرا خیال ہے میرے ساتھیوں نے بہت جلد بازی کا مظاہرہ کیا ہے۔ آپ کے میزبانوں کو کم از کم دو چار دن تو آپ کی خدمت کا موقع ملنا چاہئے تھا۔"

"کیا آپ یہاں طعنے بازی کے لئے آئی ہیں؟" میں نے نیم خفگی کے عالم میں پوچھا" میں جانتا ہوں مجھ سے غلطی ہوئی تھی لیکن میں یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ اجنبی لوگ میری ہر حرکت پر نظر رکھیں اور میں کہیں جاؤں تو میرے تعاقب میں لگے رہیں۔"

"ایسا صرف آپ کے تحفظ کے لئے کیا جاتا ہے۔" ڈولی ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔ " اب تو آپ کو احساس ہو جانا چاہئے کہ آپ کی زندگی شدید خطرے میں ہے' وہ لوگ کوئی بھی موقع ضائع کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ اگر میرے ساتھی بروقت آپ کا پتا لگانے میں کامیاب نہ ہو جاتے تو خدا جانے آپ پر اب تک کیا قیامت گزر چکی ہوتی۔"

ڈولی کی بات سن کر مجھے یک لخت شدید پشیمانی کا احساس ہوا۔ واقعی میرا رویہ قطعاً غیر مناسب اور غیر فطریٰ تھا۔ مجھے چھڑانے کے لئے ان لوگوں نے آگ اور خون کا طوفان برپا کر دیا۔ خواہ وہ یہ سب کسی بھی نیت سے کر رہے ہوں۔ کم از کم ایک عذاب سے تو مجھے نجات دلا دی تھی۔

"میں تم سے شرمندہ ہوں ڈولی۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "مجھے تم سے اس انداز میں بات نہیں کرنا چاہئے تھی۔ دراصل تمہاری یہ مہربانیاں مجھے اس لئے زیادہ کھلتی ہیں کہ میں جانتا ہوں۔ میں ان کے بدلے میں تمہیں کچھ بھی نہیں دے سکتا۔"

"چلو چھوڑ دو یہ قصہ" یہ اخبار پڑھو میں تو سمجھی تھی تم صبح سویرے ہی یہ اخبار چاٹ چکے ہو گے۔" ڈولی کے چہرے اور لہجے کی شگفتگی لوٹ آئی۔

"آج کے اخبار میں کیا شہد لگا ہوا ہے جسے میں چاٹوں گا' اگر ایسا ہے تو پھر تمہارے چاٹنے کے بعد میرے لئے کیا بچا ہو گا۔" میں نے اس کے ہاتھ سے اخبار لیتے ہوئے کہا۔ میری بات سن کر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ میں یہ دلکش جلترنگ سن کر مسحور سا ہو گیا۔ مجھے اپنا ذہن اخبار پر مرکوز کرنے میں کئی لمحے لگ گئے۔

دونوں اخبارات نے "پولیس مقابلے" کو خاصی گرما گرم سرخیوں کے ساتھ شائع کیا

تھا۔ تینوں ہلاک شدہ افراد اور ایس پی اور انسپکٹر کی تصویریں بھی شائع کی گئی تھیں لیکن حیرت انگیز طور پر میری تصویر شائع نہیں کی گئی تھی۔ جبکہ خبروں میں بھی میرا نام دانش اقبال کے بجائے صرف اقبال شائع ہوا تھا۔ زیادہ زور پولیس مقابلے کی شدت اور پولیس کی بہادری پر دیا گیا تھا۔ ہلاک شدگان کے قبضے سے اور بنگلے کے اندر سے برآمد ہونے والے اسلحے کی بھی تفصیل مع تصویر موجود تھی۔ ڈولی میری حیرت کا پہلے ہی اندازہ لگا چکی تھی۔

"ایسا میری ایماء پر ہوا ہے۔ میں تمہیں پبلسٹی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی خواہ مخواہ کی الجھنوں سے بچانا چاہتی ہوں۔ تصویر شائع ہونے کی صورت میں تم ملک بھر کی توجہ کا مرکز بن جاتے۔"

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔" میں نے سچ مچ خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "میں خود بھی یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ میری تصویر شائع ہونے کے بعد میں خواہ مخواہ تماشا بن جاؤں گا۔ میرے جاننے والے مجھے ایک سکول کے چھوٹے موٹے ملازم کی حیثیت سے پہچانتے ہیں۔ یہ اغواء برائے تاوان اور میرے وسیع بزنس کی خبریں تو میرے لئے مصیبت بن جاتیں۔"

ڈولی نے میری بات سن کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ سب باتیں تو اپنی جگہ لیکن میرے لئے سب باتیں تو اپنی جگہ لیکن میرے لئے سب سے زیادہ تشویشناک بات یہ ہے کہ ان لوگوں کے قبضے سے کاشف برآمد نہیں ہوا ہے۔ خدا جانے اس پر اب تک کیا کچھ گزر چکی ہو گی' ادھر عمر اور اشرف بھی نہ جانے کہاں اور کس حال میں ہیں۔ جب میں ان کے بارے میں سوچتا ہوں تو مجھے یہ جگہ قید خانہ لگنے لگتی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ان لوگوں کو تہس نہس کر ڈالوں جنہوں نے میرے دوستوں کی آزادی سلب کر رکھی ہے' کاش ...." میری آواز جذبات کی شدت سے رندھنے لگی۔ ڈولی نے میرا شانہ تھپتھپا کر مجھے تسلی دینے کی ناکام کوشش کی۔

"تم فکر نہ کرو' میرے ساتھی مسلسل ان کی کھوج میں لگے ہوئے ہیں۔ جوں ہی ان کے ٹھکانے کا علم ہو گا۔ ہم تمہیں دل کی حسرتیں نکالنے کا پورا موقع دیں گے۔ اب وہ تمہارے ہی نہیں بلکہ ہمارے بھی دشمن ہیں۔ میرے ساتھیوں نے کل بھی انہیں قابو کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن عین وقت پر پولیس کی ایک موبائل کی آمد نے سب کچھ گڑ بڑ کر دیا تھا۔ وہ لوگ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور پولیس کی موجودگی کے باعث میرے ساتھی ان کا تعاقب بھی نہ کر سکے' خیر بچ کر کہاں جائیں گے۔ اگر وہ اسی شہر میں ہیں تو ایک نہ ایک دن ہمارے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ ہی جائیں گے اور اس کے بعد ہم تم پر کوئی پابندی نہیں لگائیں گے' بس تب تک صبر کر لو۔"

ڈولی کی بات کے جواب میں' میں محض سر ہلا کر رہ گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس

ماحول میں اب مجھے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا' اگر میں کچھ عرصہ مزید وہاں گزار لیتا تو شاید پاگل ہو جاتا۔ مجھے جلد از جلد اس ماحول سے نجات حاصل کرنا تھی۔ خواہ اس کے لئے مجھے ایک بار پھر ڈولی کی ناراضگی مول لینا پڑتی۔

رات کا کھانا ہم دونوں نے ایک ساتھ کھایا۔ اس کے بعد وہ رخصت ہو گئی البتہ جاتے جاتے مجھے محتاط رہنے اور موبائل فون اپنے ساتھ رکھنے کی تاکید کرنا نہیں بھولی تھی۔ اس کے جانے کے بعد میں اپنا آئندہ کا لائحہ عمل مرتب کرنے لگا۔ گزشتہ روز مجھے جس انداز میں اغوا کیا گیا تھا۔ اس سے یہ بات تو کھل کر سامنے آگئی تھی کہ ڈولی کے ساتھیوں کے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی مسلسل میری نگرانی کر رہے تھے۔ یہ بنگلہ بھی ان کی نظر میں تھا۔ صرف ڈولی کے ساتھیوں کی مسلسل موجودگی کے باعث وہ میرے خلاف براہ راست کارروائی نہیں کرپا رہے تھے۔ اگر وہ گزشتہ روز کی طرح مجھے کہیں تنہا پاتے تو یقیناً ایک بار پھر مجھ پر قابو پانے کی کوشش کرتے۔ اس طرح وہ مجھ تک یا دوسرے الفاظ میں' میں ان تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا۔ ان میں کوئی میرے قابو آ جاتا تو میں اسے کاشف اور اس کے دونوں ساتھیوں کے بارے میں زبان کھولنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ یہ خطرناک طریقہ کار تھا۔ خود کو چارے کے طور پر پیش کرنا میری آخری حماقت بھی ثابت ہو سکتی تھی لیکن اس کے علاوہ مجھے کوئی صورت بھی تو نہیں سجھائی دے رہی تھی۔ اگر کاشف' عمر اور اشرف کی زندگیوں کو کوئی نقصان پہنچ جاتا تو مجھے ویسے بھی اپنی زندگی سے نفرت ہو جاتی۔ وہ اب تک جن عذابوں سے گزر رہے تھے ان کا اصل ذمے دار میں ہی تو تھا۔ میری وجہ سے ان کی پرسکون زندگی طوفانی تھپیڑوں کی زد میں آئی ہوئی تھی۔

دن بھر سونے کی وجہ سے رات کو نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں دنیا بھر کے سیٹلائٹ چینلز دیکھتا رہا' لیکن ذہنی انتشار کی وجہ سے مجھے کسی بھی پروگرام میں دلچسپی محسوس نہیں ہوئی۔ تھک ہار کر میں نے ٹی وی کو ایک چینل پر سیٹ کیا اور ریموٹ کنٹرول ایک طرف رکھ دیا۔ اس وقت اس چینل پر ایک بہت ہی پرانی' ست رفتار قسم کی انگلش فلم دکھائی جا رہی تھی۔ مجھے اس وقت اس قدر بے زاری کا احساس ہو رہا تھا کہ اگر کوئی بے حد اچھی فلم دکھائی جا رہی ہوتی تب بھی مجھے دلچسپی محسوس نہ ہوتی لیکن میں خود کو سزا دینے کے انداز میں سکرین پر نظر جمائے بیٹھا رہا۔ اس سے اتنا فائدہ ہوا کہ میری بے زاری غنودگی میں تبدیل ہو گئی اور میں وہیں بیٹھے بیٹھے سو گیا۔

علی الصباح میری آنکھ کھلی تو میرا جسم درد کر رہا تھا۔ البتہ ذہنی کشیدگی دور ہو چکی تھی۔ کچھ ہی دیر میں فجر کی اذان میرے کان میں پہنچی۔ جانے کون سی ذہنی کیفیت تھی کہ مجھے اپنے جسم میں کپکپی کی لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔ جیسے میں عین چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا ہوں۔ مجھے یاد آیا کہ مجھے ایک بار پہلے بھی اس تجربے سے گزرنا پڑا تھا۔ جب آٹھویں

جماعت کے ششماہی امتحان کے دوران اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ نقل کرنے کی ناکام کوشش کی تھی اور رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ وہ ایک چھوٹا سا جرم تھا لیکن اب میں نہایت دیدہ دلیری سے سب کچھ کر گزرنے پر آمادہ تھا۔ بھلا اس سے بڑا جرم بھی کیا ہو گا کہ انسان اپنے اصل مالک' اپنے خالق حقیقی کو بھول کر خود کو سب کچھ کر گزرنے پر قادر سمجھنے لگے۔ میرا بھی تو کچھ یہی حال تھا' غیر شعوری طور پر ہی سہی' میں اپنی سلامتی اپنے مسائل کے حل اور اپنی کامیابی و ناکامی کے لئے محض اپنی قوت ارادی' اپنے زور بازو کو سب کچھ سمجھ بیٹھا ہوں۔ اگر رب کریم کی مدد شامل نہ ہو تو کیا میرے یہ ارادے تکمیل کو پہنچ سکتے ہیں؟ شاید یہی میرے بے گھر' دربدر ہونے کی اصل وجہ ہے کہ میں اپنے خدا کو تقریباً فراموش کر بیٹھا ہوں۔

خوف اور شرمندگی کا احساس اتنا شدید تھا کہ میں سر جھکائے' لرزتے لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ اپنے گھر سے نکل کر قریبی مسجد کی جانب چل پڑا۔ چوکیدار شاید پہلے ہی میری منزل سے واقف تھا۔ لہٰذا اس نے استفسار نہیں کیا۔ مسجد میں پہنچ کر میں نے نہایت خشوع و خضوع سے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ دعا کے دوران میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔ اپنی بے مائیگی اور بے بسی کا احساس' رب کریم کے بے پناہ لطف و کرم کا خیال۔ اپنی سرکشی اور گمراہی کی ندامت' میرے آنسو تھے کہ تھمنے میں نہ آتے تھے۔ بالآخر طغیانی میں کمی آتی گئی حتیٰ کہ میں پرسکون ہو گیا۔ مجھے لگا کہ میرے ذہن پر سے دھند چھٹ گئی ہے۔ میں صحیح سمت میں سوچنے کے قابل ہو گیا ہوں۔

مسجد سے نکلنے کے لئے میں نے سامنے کے دروازے کے بجائے عقبی دروازے کا انتخاب کیا۔ اس دروازے سے میرے علاوہ محض دو افراد باہر نکلے تھے۔ میں نے دروازے سے نکلنے کے بعد نہایت غور سے آس پاس کے ماحول کا جائزہ لیا۔ اس وقت وہاں دور دور تک کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔ میری نگرانی پر مامور ڈولی کے ساتھی شاید مسجد کے سامنے کے دروازے کے آس پاس میرے منتظر ہوں گے۔ میں کم از کم عارضی طور پر ان سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ میں نہایت تیز رفتاری سے ایک طرف بڑھنے لگا۔ میں جان بوجھ کر ایسے راستوں سے گزر رہا تھا جن پر آمدورفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ پندرہ منٹ کی تیز رفتار چہل قدمی کے بعد میں' میں بوٹنگ بیسن پر پہنچ گیا۔ چند ہی منٹ میں مجھے ٹاور جانے والی منی بس مل گئی۔ ٹاور پہنچ کر میں گلشن اقبال جانے والی کوچ میں سوار ہو گیا۔ میری منزل ناعمہ کا گھر تھا۔

میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی ناعمہ کے چہرے پر ہزاروں گلاب کھل اٹھے لیکن اپنی بے ساختہ خوشی کو اس نے فوراً ناراضگی اور بے گانگی کی آڑ میں چھپا لیا۔ "جی فرمائیے' آپ کو کس سے ملنا ہے؟" اس کا انداز اس قدر روکھا تھا کہ میں پوری صورتحال سمجھنے کے

باوجود لمحہ بھر کے لئے گڑبڑا سا گیا۔ پھر میں نے بھی اسی کا سا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"بی بی آپ مجھے گھر کی تلاشی لینے کا موقع دیں۔ ہمیں پتا لگا ہے کہ اس گھر میں ایک خطرناک قسم کی پاگل لڑکی چھپی ہوئی ہے جسے فوراً پاگل خانے نہ پہنچایا گیا تو وہ لوگوں کے جان و مال کے لئے خطرہ بن سکتی ہے۔"

"مجھے تو آپ خود پاگل خانے سے بھاگے ہوئے لگتے ہیں۔ اگر آپ اپنی دماغی صحت کی درستی کا سرٹیفکیٹ پیش کر دیں تو مجھے گھر کی تلاشی دینے پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"محترمہ اگر میں یہی فرمائش آپ سے کروں تو؟"

"خیر میں تو ایسا سرٹیفکیٹ پیش کرنے میں قطعاً" ناکام رہوں گی کیونکہ اگر میں صاحب عقل ہوتی تو اجنبی اور بیگانے لوگوں کو اپنا سمجھنے اور ان پر استحقاق جتانے کی حماقت ہرگز نہ کرتی۔ یہ میرا پاگل پن ہی تو ہے کہ خواہ مخواہ ایسے لوگوں کے لئے پریشان و فکر مند ہو کر اپنی راتوں کی نیند اور دن کا چین برباد کرتی رہی جنہیں اپنے علاوہ کسی کی پروا ہی نہیں ہے۔" بات مکمل ہوتے ہوتے اس کی آنکھ سے آنسو چھلک پڑے اور آواز بری طرح بھرا گئی۔ آنسو چھپانے کے لئے وہ تیزی سے پیچھے مڑی اور اپنے کمرے کے باتھ روم میں گھس گئی۔

نائمہ کی یہ حالت دیکھ کر مجھے شدید ندامت کا احساس ہوا۔ اس کا یہ گلہ شکوہ بے جا نہیں تھا' لیکن حالات کی جس چکی میں میں پس رہا تھا اس میں میری مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ میں چاہتا بھی تو نائمہ کو اپنی مصیبتوں میں حصے دار نہیں بنا سکتا تھا' کیونکہ اس طرح وہ خود بھی ان عذابوں کا شکار ہو سکتی تھی۔ بہتر یہی تھا کہ میں یہ سب پیچیدگیاں اپنے آپ تک محدود رکھتا۔

نائمہ نے حسب معمول اپنے آپ پر بہت جلد قابو پا لیا تھا۔ وہ میرے لئے ناشتہ لے کر آئی تو بالکل پرسکون نظر آ رہی تھی۔ ناشتے کے دوران میں اس نے کسی قسم کا سوال جواب نہیں کیا۔ اس کی خاموشی میرے لئے اذیت ناک ہوتی جا رہی تھی۔ بالآخر مجھ سے رہا نہ گیا۔ "اگر میرا آنا آپ کو ناگوار گزرا ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔" میری بات سن کر اس نے زخم زخم نظروں سے مجھے دیکھا۔ میرے لئے اس کی آنکھوں میں لکھی تحریر پڑھنا قطعاً" مشکل نہ تھا۔ اسے میری بے رخی سخت اذیت ناک لگی تھی۔ "میں آپ سے بے حد شرمندہ ہوں۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "آپ تو جانتی ہیں کہ میں کن حالات کا شکار ہوں۔ میں جان بوجھ کر آپ سے لاتعلق نہیں ہوا بلکہ میں ایسے چکروں میں پھنسا رہا ہوں کہ مجھے سنبھلنے اور اطمینان سے سانس لینے کا موقع نہیں مل سکا۔"

نائمہ کے چہرے پر یک لخت تفکر اور تشویش کے آثار نمودار ہو گئے۔ "اوہ میں معافی چاہتی ہوں۔ میں خواہ مخواہ جذباتی ہو گئی تھی۔ آپ مجھے تفصیل سے سب کچھ بتائیں'

شاید میں آپ کو کوئی بہتر مشورہ دے سکوں۔"

میں بات ٹالنا چاہتا تھا لیکن اس کی ناراضی کے خیال سے مجھے زبان کھولنا پڑی' جوں جوں میری کہانی آگے بڑھتی گئی' نائمہ کے چہرے کی رنگت بھی بدلتی رہی۔ "اس کا مطلب ہے اب آپ کی زندگی کو ایک نہیں بلکہ دو اطراف سے خطرہ ہے۔ ڈولی کا گروہ بھی اب زیادہ عرصے تک آپ کو ڈھیل نہیں دے گا۔"

"مجھے اپنی جان کی پروا نہیں ہے۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ کاشف' عمر اور اشرف کو ان لوگوں کے چنگل سے چھڑا کر بہ حفاظت ان کے گھروں تک بھیج دوں۔ اس کے بعد مجھ پر جو بھی گزرے مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔"

نائمہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کے جذبات بخوبی سمجھتی ہوں لیکن ...... اگر خدانخواستہ یہ لوگ اب اس دنیا میں نہیں ہوئے تو ......"

"تو پھر میری زندگی کا واحد مقصد ان کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچانا ہو گا۔" میں نے پتھریلے لہجے میں کہا۔ "ان پر جو بھی مصیبت گزری ہے اس کا باعث میں ہی ہوں۔ میں ان کے خون کا قرض چکانے کے لئے اپنے خون کا ہر قطرہ بہا دوں گا۔"

"خدا کرے میرے یہ اندیشے غلط ثابت ہوں۔ یہ بتائیے اب آپ کے کیا ارادے ہیں؟ آپ ان لوگوں تک کیسے پہنچیں گے؟"

"میری سمجھ میں یہی تو نہیں آ رہا ہے کہ میں کس طرح ان لوگوں کا پتا لگاؤں۔ میں تو ان کے کسی بھی ٹھکانے سے واقف نہیں ہوں' نہ ہی ان کا کوئی آدمی میری نظر میں ہے جس سے میں ان کا پتا اگلوا سکوں۔" اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ "میں جانتا ہوں آپ باقاعدگی سے اخبار پڑھنے کی عادی ہیں۔ کیا آپ نے اس تمام عرصے کے دوران میں اکرام اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری کے حوالے سے بھی کوئی خبر پڑھی ہے؟"

میری بات سن کر وہ بری طرح چونک اٹھی۔ "اوہ! اس بات پر تو میں نے غور ہی نہیں کیا۔ اصولاً" تو اسے اسی روز گرفتار ہو جانا چاہئے تھا جب ہم اسے اور اس کے ساتھیوں کو باندھ کر چھوڑ آئے تھے اور ہم نے پولیس کو بھی اطلاع کر دی تھی لیکن ان لوگوں کی گرفتاری کے بارے میں کوئی خبر شائع نہیں ہوئی حالانکہ ان کے اڈے پر اسلحے کی بہت بڑی کھیپ موجود تھی۔"

"اس کا مطلب ہے وہ پولیس کے آنے سے پہلے ہی فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہو گا' یا پھر اس نے پولیس کی آمد سے پہلے ہی تمام قابل اعتراض اشیاء وہاں سے ہٹا دی ہوں گی جس کے نتیجے میں پولیس اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکی ہو گی۔" میں نے متفکر لہجے میں کہا۔ "اگر واقعی ایسا ہی ہے تو اس کا مطلب ہے آپ کی زندگی شدید خطرے میں ہے۔ اکرام سے جو سلوک ہم نے کیا ہے اس کے بعد وہ آپ کے اور میرے خون کا پیاسا بن چکا

ہو گا۔ ہو سکتا ہے وہ آپ کی تلاش میں لی مارکیٹ کے چکر لگاتا رہا ہو۔"

"ہاں بالکل ممکن ہے' میں تو اسی واقعے کے بعد دوبارہ وہاں گئی ہی نہیں' پتا نہیں اب وہاں کوئی ہو گا بھی یا نہیں۔ آپ نے بتایا ہے کہ اکرام اسی گروہ کا کارندہ ہے جس نے آپ کو اغوا کیا تھا۔ اس کا مطلب ہے ہم اکرام کے ذریعے اس گروہ تک پہنچ سکتے ہیں اور اگر کاشف' عمر اور اشرف ان کے قبضے میں ہیں تو انہیں چھڑانے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔"

"یہ خیال میرے ذہن میں بھی آ چکا ہے۔" میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "لیکن میں نے اس پر اس لئے زیادہ توجہ نہیں دی کہ میں سمجھ رہا تھا اکرام پولیس کی حراست میں پہنچ چکا ہے۔ اب میں اس خبیث کی گردن دبوچ کر اسے زبان کھولنے پر مجبور کر دوں گا۔"

خلاف توقع نائمہ پر میرے جوش و خروش کا کچھ زیادہ اثر نہیں ہوا۔ "میرا خیال ہے اب اس کی گردن دبوچنا اتنا آسان نہیں ہو گا۔" اس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے یقین ہے پولیس کی آمد اور پھر خالی ہاتھ واپس جانے کے بعد اس نے پہلی فرصت میں قصبہ کالونی والا اڈا چھوڑ دیا ہو گا اور اس کے نئے اڈے کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے۔ اس تک پہنچنے کی اب ایک ہی ترکیب ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔ نائمہ نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں چھپ جائے۔ وہ میرا پیچھا کسی قیمت پر نہیں چھوڑے گا۔ مجھ تک پہنچنے کے لئے وہ اپنی جان پر کھیلنے سے بھی باز نہیں آئے گا۔ میں اس کی فطرت کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ اس دوران میں مسلسل میرے اس ٹھکانے کی نگرانی کر رہا ہو گا۔ میں نے جوں ہی وہاں محفل جمانا شروع کی وہ موقع ملتے ہی مجھے اچکنے کی کوشش کرے گا' بس اسی وقت آپ اسے قابو میں کر لیں۔ مجھے پورا یقین ہے آپ یہ کر سکتے ہیں۔"

"نہیں' میں آپ کی زندگی کو اس طرح خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ ہمیں کوئی اور ترکیب سوچنا ہو گی۔" میں نے اس کی تجویز مسترد کرتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی اور اسی وقت قصبہ کالونی میں اس کے ٹھکانے کا جائزہ لینے جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے ہماری قیاس آرائیں غلط ہوں اور وہ ابھی تک وہیں موجود ہو۔ بالفرض وہ اپنے اس اڈے سے رخصت ہو چکا ہے تب بھی شاید وہاں سے مجھے اس کے نئے ٹھکانے کا پتا چل جائے۔"

"میرے خیال میں تو آپ کی یہ کوشش محض وقت کے ضیاع کا باعث ہو گی لیکن اگر آپ کی یہ کارروائی لاحاصل رہی تو آپ کو وعدہ کرنا ہو گا کہ آپ وہی کریں گے جو میں نے آپ کو بتایا ہے۔"

"چلیں تب کی تب دیکھی جائے گی۔ فی الحال تو آپ مجھے اجازت دیں۔ مجھے وہاں تک پہنچنے میں خاصی دیر لگ جائے گی۔"

"چلیں جیسے آپ کی مرضی لیکن جلد از جلد وہاں سے لوٹنے کی کوشش کیجئے گا' بالفرض کسی وجہ سے واپسی میں تاخیر کا امکان ہو تو فون پر مجھے اطلاع کر دیجئے گا۔"

"میں جس جگہ جا رہا ہوں وہاں تو لوگوں کو پینے کے صاف پانی کی سہولت بھی میسر نہیں ہے' آپ فون جیسی عیاشی کی بات کر رہی ہیں' خیر میں جلد واپس لوٹنے کی کوشش کروں گا۔" میں نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"اپنا خیال رکھئے گا۔" نائمہ نے مجھے رخصت کرتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔ اپنا پچیس بور کا پستول بھی اس نے میرے حوالے کر دیا تھا۔ میں نے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی ورنہ اس کی بھیگی پلکیں مجھے نئی آزمائش میں ڈال دیتیں۔ خوش قسمتی سے بلڈنگ کے احاطے میں کسی واقف شخص سے سامنا نہیں ہوا اور میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا بڑی سڑک پر پہنچ گیا۔

اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے مجھے کئی گاڑیاں بدلنا پڑیں۔ جب میں قصبہ کالونی پہنچا تو دوپہر ہو چکی تھی۔ اکرام کے اڈے والی گلی کی سمت جانے سے پہلے میں نے اپنا چہرہ مفلر میں اچھی طرح چھپا لیا تھا۔ گلی کے سرے پر پہنچ کر میں خاصی دیر تک اس مکان کا جائزہ لیتا رہا جس میں اکرام سے میری معرکہ آرائی ہوئی تھی لیکن مجھے وہاں زندگی کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ بالآخر مجھے گلی میں گھسنا پڑا۔ جب میں مکان کے پاس پہنچا تو یہ دیکھ کر میری مایوسی کی انتہا نہ رہی کہ مکان کے گیٹ پر ایک بھاری بھرکم تالا لگا ہوا تھا۔ نائمہ کا اندازہ بالکل درست تھا۔ اکرام نے اپنا ٹھکانہ بدل لیا تھا۔

میں شدید مایوسی کے عالم میں منگھو پیر روڈ پر آ گیا اور وہاں سے روانہ ہونے کے لئے بس کا انتظار کرنے لگا۔ مجھے وہاں ٹھہرے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک میری نظر ہیرونچیوں کی ایک ٹولی پر پڑی۔ وہ تعداد میں چار تھے اور ایک پتھریلی دیوار کے ساتھ سر سے سر جوڑے' حلقہ سرور بنائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے ایک میلی سی چادر اوڑھ رکھی تھی تاکہ ہیروئن کے بخارات کا زیادہ سے زیادہ حصہ سگریٹ کے پیکٹ کی پنی کی نلکیوں کے ذریعے اپنے پھیپھڑوں میں کھینچ سکیں اور یہ بیش قیمت سرمایہ ضائع نہ ہو سکے۔ یہ عبرتناک منظر اب ہمارے ملک میں اتنا عام ہو چکا ہے کہ کسی کو اس میں جدت یا دلچسپی محسوس نہیں ہوتی اور ہم انسانیت کی بدترین توہین کا یہ منظر یوں دیکھتے ہوئے گزر جاتے ہیں جیسے یہ تباہی کے راستے پر گامزن انسان نہیں بلکہ خارش زدہ کتے ہیں۔ اس روز افزوں بڑھتی پھیلتی لعنت کے خلاف لکھتے لکھتے باضمیر صحافیوں اور ادیبوں کے قلم گھس چکے ہیں۔ انسانی بقاء کی جدوجہد کے لئے کوشاں افراد کے فریادیں کرتے کرتے گلے بیٹھ چکے ہیں لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ایک شرمناک بے حسی ہے جو ہم سب پر طاری ہے۔

ممکن ہے میں بھی اس منظر سے نظر چرا کر وہاں سے رخصت ہو جاتا لیکن ایک خیال

نے میرے قدم روک دیئے۔ اکرام اس علاقے میں اسلحے اور منشیات کی سپلائی کا کاروبار کرتا تھا۔ اس نے ٹھکانا تو بدل لیا تھا لیکن ممکن ہے اس علاقے میں منشیات کی سپلائی اب بھی اسی کے ذریعے ہوتی ہو' ان ہیروئنچیوں کے ذریعے مجھے اس تک پہنچنے کا راستہ مل سکتا تھا۔

میں نے ان ہیروئنچیوں کے قریب جانے کی کوشش نہیں کی ورنہ وہ چوکنا اور مشکوک ہو سکتے تھے لیکن مجھے جلد ہی احساس ہو گیا کہ میں اپنے موجودہ حلیئے کے ساتھ اور کسی مناسب بہانے کے بغیر زیادہ دیر ان کی نگرانی نہیں کر سکتا۔ اگر میں مزید کچھ دیر بلاوجہ وہاں کھڑا رہا تو لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاؤں گا۔

کچھ ہی دیر میں نیو کراچی سے آنے والی بس پر میری نگاہ پڑی۔ میں نے اسے رکنے کا اشارہ دیا اور اس میں سوار ہو گیا۔ بنارس چوک پر میں بس سے اتر گیا۔ وہاں سے میں نے شلوار قمیص اور ربڑ کی چپلوں کا سستا جوڑا خریدا اور ایک مسجد کے غسل خانے میں زیب تن کر لیا۔ شرٹ اور پتلون کو جوتوں سمیت ایک گٹھڑی بنا کر میں نے اپنی بغل میں دبا لیا تھا۔ ناعمہ کا پستول اب میری شلوار کے نیفے میں پہنچ چکا تھا۔ اب میں قدرے فراخ دست محنت کش نظر آ رہا تھا۔ بنارس چوک ہی سے میں نے دو ٹوکرے' ایک لمبا سا ڈنڈا' رسی' چھوٹی ترازو مع اوزان اور دس کلو سیب خرید لئے۔ اس کے بعد میں ایک رکشا پکڑ کر ایک بار پھر ہیروئنچیوں کی ٹولی کے پاس جا پہنچا۔ ایک مناسب جگہ دیکھ کر میں نے دونوں ٹوکروں کو رسیوں کے ذریعے سوٹے کے دونوں سروں پر باندھا اور اسے بڑی سی ترازو کی شکل دے دی جس کے دونوں پلڑوں میں سیب موجود تھے۔ اب میں ایک چلتے پھرتے پتھارے کا مالک بن چکا تھا۔ اس حلیئے میں' میں سارا دن بھی وہاں بیٹھا رہتا یا اس علاقے کا چکر لگاتا رہتا تو مجھ پر کوئی شک نہ کرتا جبکہ میں ان ہیروئنچیوں کی نگرانی بھی باآسانی کر سکتا تھا۔

میں نے ایک مناسب جگہ دیکھ کر ڈیرہ جمایا ہی تھا کہ میرا پہلا گاہک آ گیا۔ وہ ایک کلو سیب خریدنا چاہتا تھا لیکن میرے بتائے ہوئے دام اسے زیادہ لگ رہے تھے۔ اس کے بے حد اصرار کے باوجود میں نے ایک پیسہ کم نہیں کیا۔ وہ منہ ہی منہ میں مجھے کوستا وہاں سے رخصت ہو گیا۔ مجھے دام کم یا زیادہ ہونے کی پروا نہیں تھی لیکن میں سستے داموں سیب فروخت کر کے اپنے چھابے خالی نہیں کر سکتا تھا ورنہ میری وہاں موجودگی کا جواز ہی ختم ہو جاتا' خدا جانے مجھے وہاں کتنی دیر تک ٹھہرنا تھا۔

ہیروئنچی شام ڈھلے تک وہیں جمے رہے۔ تب تک میں پانچ کلو سیب فروخت کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ مغرب سے ذرا پہلے ان میں سے دو اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے ذرا سا آگے بڑھتے ہی میں نے بھی اپنی دکان کاندھوں پر اٹھائی اور خاطر خواہ فاصلہ رکھ

کر ان کے پیچھے چل پڑا۔ ان دونوں نے سیدھا شہزاد سینما کا رخ کیا۔ وہ شاید فلم سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ میں نے ان کو جی بھر کے کوس ڈالا۔ ڈبل پروگرام کے باعث سینما پر خاصا رش نظر آ رہا تھا۔ قوم کے جیالے نوجوان ٹکٹ خریدنے میں زبردست ذوق و شوق کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ سینما کے سامنے پہنچ کر ان میں سے ایک سینما کے اندر داخل ہو گیا جبکہ دوسرا باہر ہی کھڑا رہا۔ یہ دیکھ کر میں نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ فلم دیکھنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ میں سینما کے اندر جانے والے پر مسلسل نظر رکھے ہوئے تھا۔ "خوراک" کی وصولی کے لئے یہ جگہ موزوں ترین تھی لیکن اس نے وہاں کسی سے بات نہیں کی۔ دو تین منٹ تک فلموں کے پوسٹرز ملاحظہ کرنے کے بعد وہ سینما کے باہر آ گیا۔ اس کے بعد وہ دونوں چپ چاپ ایک طرف چل پڑے۔ تھوڑی دور جانے کے بعد وہ نیم تاریک گلی میں گھس گئے۔ گلی کے اندر جانے کے بجائے میں نے باہر رہ کر ہی ان کی نگرانی کا فیصلہ کیا۔ وہ گلی زیادہ لمبی نہیں تھی۔ وہ یقیناً کسی قریبی مکان کا دروازہ کھٹکھٹانے والے تھے۔ میں نے انہیں کچھ دور جا کر رکتے دیکھا۔ عین اسی وقت مجھے اپنے عقب میں آہٹ سنائی دی' جب تک میں پلٹتا آنے والا میرے سر پر پہنچ چکا تھا۔



ملیشیا رنگ کی شلوار قمیص میں ملبوس اس شخص کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ وہ مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کا انداز اس قدر جارحانہ تھا کہ میں نے خود کو مدافعت کے لئے تیار کر لیا تاہم اس نے شاید مجھ پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ وہ تیوریوں پر بل ڈالے میرے پاس سے گزرا اور گلی میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ دونوں ہیرونچی بے تابانہ اس کی طرف بڑھے، لیکن اس نے ان پر ذرا بھی توجہ نہ دی۔ وہ دونوں حیران ہو کر رک گئے۔ ملیشیا پوش شخص گلی کے سرے پر پہنچا اور دائیں طرف مڑ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

میرے لئے یہ اندازہ مشکل نہیں تھا کہ میرا اصل مطلوبہ شخص یہی ہے جو ہیرونچیوں کو ہیروئن سپلائی کرتا ہے چنانچہ میں نے ان دونوں کو نظر انداز کر کے اس شخص پر نظر رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اسے یقیناً مجھ پر شک ہو چکا تھا لہٰذا مجھے یہ کام نہایت احتیاط سے انجام دینا تھا۔

دونوں ہیرونچی واپس آ رہے تھے۔ میں نے ان کے گلی کے سرے پر پہنچ کر نظروں سے اوجھل ہونے تک کا انتظار کیا۔ پھر تیزی سے اس طرف بڑھا جہاں ملیشیا پوش غائب ہوا تھا۔ اپنے چھابے میں نے وہیں چھوڑ دیئے تھے۔ حسب توقع ملیشیا پوش مجھے وہاں نظر نہیں آیا۔ البتہ کچھ فاصلے پر وہ گلی ایک بار پھر سڑک کی طرف مڑتی نظر آئی۔ میں تیز قدموں سے چلتا ہوا اس گلی کے سرے پر پہنچ گیا۔ میں نے نہایت احتیاط سے آس پاس کا جائزہ لیا۔ اس دوران میں وہ شہزاد سینما کے قریب پہنچ چکا تھا۔ سینما کے کونے پر پہنچ کر وہ مڑا اور اسی گلی کی جانب دیکھنے لگا جہاں ہمارا آمنا سامنا ہوا تھا۔ اسی وقت مجھے دونوں ہیرونچی بھی نظر آ گئے۔ ان کا رخ بھی سینما کی جانب تھا۔ میں نے گلی سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کی۔ دونوں ہیرونچی ملیشیا پوش کے پاس پہنچے تو اس نے سخت غصیلے انداز میں انہیں، وہاں سے بھاگ جانے کا اشارہ کیا۔ انہیں بڑھتے نہ دیکھ کر وہ انہیں مارنے کے لئے آگے بڑھا۔ وہ دونوں خوف زدہ سے ہو کر پیچھے ہٹ گئے اور پھر مرے مرے قدموں سے سینما کے سامنے والے حصے کی طرف چل پڑے۔ ملیشیا پوش کی نظریں ایک بار پھر اسی گلی کی جانب اٹھ گئیں۔ وہ تقریباً بیس منٹ تک اس طرف دیکھتا رہا۔ حتیٰ کہ تاریکی پوری

طرح پھیل گئی۔ پھر وہ شاید مطمئن ہو گیا۔ میں نے اسے سینما کے سامنے والے حصے کی جانب جاتے دیکھا۔

میں ایک طویل چکر کاٹ کر سینما کے سامنے سڑک کے پار والی گلیوں میں سے ایک کے سرے پر چھپ کر بیٹھ گیا۔ سینما کا شو شروع ہوئے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ لہٰذا اس کے سامنے سے رش چھٹ چکا تھا۔ سینما کے گیٹ بھی بظاہر بند نظر آ رہے تھے۔ مجھے صرف یہ پریشانی تھی کہ اگر وہ ملیشیا پوش فلم کے تینوں شوز کے دوران میں سینما میں سپلائی کا دھندہ کرتا ہے تو مجھے رات بارہ بجے تک اس کے سینما سے برآمد ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا۔ خوش قسمتی سے میرا یہ اندیشہ غلط ثابت ہوا۔ کچھ دیر بعد میں نے اسے سینما سے باہر آتے دیکھا۔ اس نے خود کو ایک گرم چادر میں اس طرح لپیٹ رکھا تھا کہ اسے چہرے سے پہچاننا ممکن نہیں تھا۔ میں صرف اس کی چال ڈھال اور قد کاٹھ کے ذریعے پہچان پایا تھا۔ اس کا رخ میری طرف تھا۔ میں نے فوراً خود کو ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کے عقب میں چھپا لیا۔ وہ اس گلی کے سامنے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا گیا۔ قدرے توقف کے بعد میں نے گلی کے موڑ پر پہنچ کر باہر جھانکا۔ وہ ابھی تک چلا جا رہا تھا۔ بالآخر وہ ایک گلی میں مڑ گیا۔ اس کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی میں تیز رفتاری سے اس طرف چل پڑا۔ میں اس گلی کے موڑ پر پہنچا تو وہ خاصا آگے ایک اور گلی میں واقع چھوٹے سے مکان کے دروازے پر رک گیا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ چھ سات سال کے بچے نے کھولا۔ ملیشیا پوش گھر میں داخل ہو گیا۔

اس کے ساتھ مجھ پر مایوسی کا غلبہ ہونے لگا۔ اتنی جدوجہد اور صبر آزما انتظار کے بعد میں ہیروئن فروشی کے اڈے تک پہنچنے کے بجائے محض اس شخص کے گھر سے واقف ہو پایا تھا۔ خدا جانے یہ شخص کب ہیروئن کی کھیپ لینے جاتا ہو گا۔ میں ہفتوں تک تو اس کی نگرانی نہیں کر سکتا۔ میری اب تک کی ساری کارروائی رائیگاں جاتی نظر آ رہی تھی۔

خاصی سوچ بچار کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ رات گہری ہونے پر میں اس شخص کے گھر میں گھس جاؤں گا اور پستول کی نوک پر اس سے اکرام یا اس ہیروئن فروش کا پتا معلوم کرنے کی کوشش کروں گا جہاں سے وہ مال حاصل کرتا تھا۔ تب تک میری وہاں موجودگی مجھے مشکوک بنا سکتی تھی۔ لہٰذا میں کسی ایسے مناسب ٹھکانے کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگا جہاں چھپ کر میں اس گھر کی نگرانی کر سکتا اور مناسب ٹھکانے کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگا۔ جہاں چھپ کر میں اس گھر کی نگرانی کر سکتا اور مناسب وقت آنے تک کا وقت گزار سکتا لیکن باوجود کوشش کے میں کوئی ایسی جگہ تلاش نہ کر سکا۔ میں ابھی اپنے آئندہ اقدام کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ وہ شخص اپنے گھر سے برآمد ہوتا نظر آیا۔ اگر اس کا رخ دوسری طرف نہ ہوتا تو وہ مجھے دیکھنے میں کامیاب ہو جاتا۔

اس بار تعاقب کا سلسلہ زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ اونی کھیس میں لپٹا ہوا وہ شخص تیسری یا چوتھی گلی میں پان سگریٹ کے ایک بڑے سے کیبن کے پاس جا کر رک گیا۔ اس وقت اس کیبن پر کوئی گاہک نظر نہیں آ رہا تھا۔ ملیشیا پوش نے چوکنا نظروں سے آس پاس کا جائزہ لیا۔ میں اس سے پہلے ہی ایک گلی کے نکڑ پر خود کو پوشیدہ کر چکا تھا۔ ہر طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے اپنے لباس سے ایک بڑا سا پیکٹ برآمد کیا اور اسے کیبن میں موجود شخص کو تھما دیا۔ اس کے بعد وہ نہایت انہماک سے اس نامعلوم شخص سے گپ شپ میں مشغول ہو گیا۔ ان کی گفتگو پندرہ بیس منٹ جاری رہی۔ پھر میں نے ملیشیا پوش کو ہاتھ بڑھا کر ایک درمیانے سائز کا شاپنگ بیگ حاصل کرتے دیکھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ واپس اپنے گھر کی جانب چل پڑا۔

میں نے ملیشیا پوش کے تعاقب میں جانے کی کوشش نہیں کی۔ میں اس جگہ تک پہنچ چکا تھا۔ جہاں سے اسے "مال" سپلائی ہوتا تھا۔ اب مجھے کیبن والے شخص سے دو دو ہاتھ کرنے تھے۔ میں وہ کیبن بند ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ رات اچھی خاصی گزر چکی تھی اور اتنے سرد موسم میں مزید یہ کیبن کھلا رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میرا یہ اندازہ غلط نہیں تھا لیکن اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب کیبن میں موجود شخص نے کیبن سے باہر نکل کر اس کا شٹر گرانے کے بجائے کیبن کے اندر رہتے ہوئے شٹر اندر گرا لیا تھا۔ ذرا سی توجہ دینے پر ساری صورتحال میری سمجھ میں آ گئی۔ کیبن کا مالک اس گھر میں رہتا تھا جس کی دیوار کے ساتھ کیبن کھڑا تھا۔ کوئی کھڑکی یا دروازہ کیبن اور گھر کو آپس میں ملاتا ہو گا جس کے ذریعے کیبن کا شٹر اندر سے بند کر کے براہ راست گھر میں جانا ممکن تھا۔

گویا اب مجھے اس گھر میں گھس کر اپنے مشن کو آگے بڑھانا تھا۔ اتنی طویل خواری بھگتنے کے بعد اب میرے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اس دوران میں یہ جائزہ تو لے ہی چکا تھا کہ اس گھر کے اندر گھسنا کچھ زیادہ دشوار نہ تھا۔ البتہ اگر اس دوران میں گھر کے مکین میری آمد سے آگاہ ہو جاتے تو میرے لئے مشکل پیدا ہو سکتی تھی۔ اس خطرے سے بچنے کی یہی صورت تھی کہ میں ان کے سونے کے بعد ہی گھر میں داخل ہونے کی کوشش کرتا۔

دو گھنٹے کے کٹھن انتظار نے مجھے زندگی سے بیزار کر دیا۔ سردی نے الگ ہڈیوں کا گودا برف بنا رکھا تھا۔ بالآخر میں حرکت میں آ گیا۔ کیبن کے اوپر چڑھ کر گھر کی چھت پر پہنچا تو خاصا آسان ثابت ہوا تاہم چھت کے زینے کی کنڈی کھولنے کے لئے زبردست جدوجہد کرنا پڑی۔ وہ کھل تو گئی لیکن اس دوران میں مجھے لگا جیسے اس زور آزمائی کا شور گھر والوں کو بیدار کر چکا ہے۔ میں خاصی دیر تک سانس روکے سن گن لیتا رہا۔ لیکن گھر میں

مکمل سناٹا طاری تھا۔ میں پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا زینے کی آخری سیڑھی پر پہنچ گیا۔

وہ زینہ ایک برآمدے میں اترتا تھا جس میں ہلکی روشنی کا ایک بلب جلتا نظر آ رہا تھا۔ وہ گھر تین کمروں پر مشتمل تھا۔ دو کمرے ساتھ ساتھ تھے جبکہ تیسرا گھر کی بیرونی دیوار کے ساتھ تھا۔ میرے لئے اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ کیبن اسی کمرے سے منسلک تھا۔ اس کمرے کے دروازے پر بڑا سا قفل لگا ہوا تھا جبکہ باقی دونوں کمرے شاید اندر سے بند تھے۔ اس گھر کے تمام مکین شاید گہری نیند کے مزے لوٹ رہے تھے۔

میں بے آواز قدموں سے چلتا ہوا اپنے سے قریب والے کمرے کے دروازے پر پہنچا۔ کمرے کے دروازے سے کان لگا کر سننے کے باوجود میں اندر کسی کی موجودگی محسوس نہ کر سکا۔ ممکن ہے دبیز لحافوں میں سوئے ہوئے افراد کی سانسوں کی آواز مجھ تک نہ پہنچ پا رہی ہو۔ میرے لئے ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ مجھے قطعاً علم نہیں تھا کہ اس گھر میں کتنے افراد موجود ہیں۔ لہٰذا میں ان کی تعداد ذہن میں رکھتے ہوئے کوئی منصوبہ بنانے کے قابل نہیں تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ میری کسی غلطی سے گھر میں موجود درجن بھر افراد بیدار ہو جاتے اور میں مشکل میں پھنس جاتا۔

اس کمرے میں کسی ذی روح کی موجودگی کا اندازہ لگانے میں ناکامی کے بعد میں دوسرے کمرے کے دروازے پر پہنچا۔ حسب سابق میں نے دروازے سے کان لگانے کی کوشش کی لیکن دروازے پر میرے ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ پڑتے ہی وہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔ اس غیر متوقع صورتحال نے مجھے لڑکھڑانے پر مجبور کر دیا اور بوکھلاہٹ میں میرا دوسرا ہاتھ دوسرے کواڑ پر پڑا اور وہ بھی اندر کی جانب کھل گیا۔

جب تک میں پوری طرح سنبھل پاتا۔ بازی میرے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ "اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو پستول زمین پر پھینک دو۔" کھنکھناتی آواز میں غضب کا تحکم تھا۔ "اگر کوئی تمہارے ساتھ ہے تو اسے بھی اندر بلا لو۔ خبردار کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کرنا۔" بظاہر دبلی پتلی نظر آنے والی اس لڑکی کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ آتشیں ہتھیار اس کے لئے اجنبی نہیں ہیں۔ اس نے اوزی سب مشین گن نہایت مہارت سے میرے سینے کی طرف تان رکھی تھی۔ حکم عدولی کی گنجائش ہی کہاں تھی۔ میں نے کسی سعادت مند بچے کی طرح اپنا پستول پختہ فرش پر ڈال دیا۔

"دونوں ہاتھ اپنی گدی پر رکھ کر دھیمے قدموں سے آگے بڑھو اور اس چارپائی پر منہ کے بل لیٹ جاؤ۔ جلدی کرو۔" نیا حکم صادر ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بجلی کی سی تیزی سے ہاتھ بڑھا کر قریبی دیوار پر ایک بٹن دبا دیا۔ کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ نائٹ بلب کی دھیمی روشنی میں جسے میں اٹھارہ انیس سال کی نوجوان لڑکی سمجھ رہا تھا وہ درحقیقت تیس پینتیس برس کی پختہ عمر کی عورت تھی۔ اس کے چھریرے

جسم اور تیکھے نقوش کے باعث وہ اپنی عمر سے کہیں کم نظر آ رہی تھی۔ میرے چارپائی پر دراز ہوتے ہی اس نے جھپٹ کر میرا پستول اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس کے بعد اس نے کمرے سے باہر جھانک کر دیکھا اور پھر اندر سے کمرے کے دروازے کی کنڈی لگا لی۔

"میرے گھر میں واردات کی نیت سے گھس کر تم نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی حماقت کی ہے اور اس کا تمہیں سنگین خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔" اس کے لہجے کی کرختگی سے صاف ظاہر تھا کہ وہ محض دھمکی نہیں دے رہی ہے بلکہ جو کہہ رہی ہے۔ اس پر پوری طرح عمل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ میں نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر شکست خوردہ انداز میں اپنا سر چارپائی پر پیچھے گدے پر رکھ دیا۔ مجھے شدید شرمندگی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ کوئی معمولی عورت نہیں تھی، لیکن اس طرح بھیگے کبوتر کی طرح اس کے جال میں آ جانا میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ مجھے حیرت اس بات پر ہو رہی تھی کہ اس نے اب تک اپنے باقی گھر والوں کو بیدار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"تم بھی شاید مجھے تنہا اور بے بس عورت سمجھ کر اپنی مردانگی کا مظاہرہ کرنے کی نیت سے میرے گھر میں گھسے ہو لیکن میں تم جیسے اچکوں سے خوب نمٹنا جانتی ہوں، اب جب تمہاری چھترول ہو گی تو تمہیں پتا چلے گا کہ تم نے کتنی غلط جگہ واردات کا ارادہ کیا تھا۔"

وہ کتنی بھی سخت جان اور خطرناک عورت سہی لیکن عورتوں کا روایتی باتونی پن اس میں بھی پوری طرح موجود تھا۔ میں موقع ملنے پر اس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

"خدا کے لئے مجھے معاف کر دیں۔ میں آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔" میں نے باقاعدہ روتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔ میں نے اس کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھے۔ غالباً اسے میرے اتنی جلدی شکست تسلیم کر لینے کی توقع نہیں تھی۔ "میں پیشہ ور چور نہیں ہوں، بس لالچ میں آ گیا تھا۔"

"کب سے تاڑ لگا رکھی تھی تم نے یہاں واردات کرنے کی؟ میں نے تمہیں کبھی اس علاقے میں نہیں دیکھا، کیا کسی دوسرے علاقے سے آئے ہو؟"

"ہاں جی، میرا گھر گولیمار میں ہے۔ پڑھا لکھا اور بے روزگار ہوں، مجھے آپ کے بارے میں کچھ پتا نہیں۔ میرے دوست گلزار نے اس واردات کا مشورہ دیا۔ وہ بڑا بورڈ رہتا ہے۔ اس کا اس علاقے میں آنا جانا ہے۔"

"کیا وہ بھی اس واردات میں تمہارے ساتھ ہے؟ باہر کھڑا ہے کیا؟" اس کے چہرے سے یک لخت اضطراب جھلکنے لگا۔

میں نے نفی میں گردن ہلا دی۔ "وہ اس طرح کے محنت کے کام نہیں کر سکتا۔

ہیروئن پیتا ہے۔ اس کے گھر والے اسے رات کو گھر سے نہیں نکلنے دیتے۔ یہ کام تو مجھے اکیلے ہی کرنا تھا اور اس کا حصہ اسے پہنچانا تھا۔"

"ہونہہ! اور کیا بتایا تھا اس نے میرے بارے میں؟" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے پوچھا۔ میری جانب سے مزاحمت کا امکان ختم ہونے سے وہ خاصی مطمئن ہو گئی تھی۔

"اس نے کہا تھا کہ آپ گھر میں بالکل اکیلی ہوتی ہیں اور آپ کے پاس بہت دولت ہے کیونکہ ......" میں نے جان بوجھ کر بات درمیان میں روک دی۔ وہ بے چین سی ہو گئی۔ "ہاں ہاں بولو..... اور کیا کہا تھا؟"

میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "وہ کہہ رہا تھا کہ آپ ہیروئن بیچتی ہیں۔ اس لئے آپ کے پاس بہت مال ہے۔ اس نے اسی شرط پر مجھے یہ سب کچھ بتایا ہے کہ آپ کے گھر اور کیبن سے ملنے والی تمام ہیروئن اس کے حوالے کر دوں گا۔"

"جھوٹ بولتا ہے وہ۔" میری بات سن کر وہ بھڑک اٹھی۔ "میں ایسا کوئی کام نہیں کرتی۔ میرا چھوٹا سا کیبن ہے اور میں اسی سے اپنا گزارا کرتی ہوں۔ تمہارے دوست کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"ہو سکتا ہے جی ایسا ہی ہو۔" میں نے معصومانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن مجھے تو اس بدبخت نے مروا ہی دیا ناں۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ نشئی کی کسی بات پر بھی یقین نہیں کرنا چاہئے۔ میرے دوست صحیح کہتے ہیں۔ ایسے کام کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ میری گرفتاری کی خبر سن کر میری ماں تو اپنی جان دے دے گی۔ ہائے اللہ۔ یہ میں نے کیا کر دیا۔" اتنا کہہ کر میں باقاعدہ رونے لگا۔

وہ عورت شاید میری بات کی سچائی پرکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر وہ کسی نتیجے پر پہنچ گئی۔ "ارے سنو! یہ رونا دھونا بند کرو۔ تم اس قابل تو نہیں ہو لیکن میں تمہاری ماں اور دوسرے گھر والوں کے خیال سے تمہیں معاف کر رہی ہوں۔ مجھے یقین ہے تم آئندہ ایسی حرکت نہیں کرو گے۔ میں تنہا اور کمزور عورت عزت کی روٹی کما سکتی ہوں تو تم اتنے جوان اور ہٹے کٹے ہو کر یہ کام کیوں نہیں کر سکتے؟ محنت مزدوری کرو اور اپنے گھر والوں کا ہاتھ بٹاؤ۔ پڑھے لکھے ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ بندہ صرف آرام و آسائش سے بھرپور نوکری کا منتظر رہے۔ تم ڈکیتی جیسا جان جوکھوں کا کام کر سکتے ہو تو دیگر آسان کام کرنے میں تمہیں کیا تکلیف ہے؟"

"اب تو میں سب کچھ کر لوں گا جی۔ مجھے آج جو سبق ملا ہے میں ساری زندگی یاد رکھوں گا۔ بس مجھے یہاں سے جانے کی اجازت دے دیں۔ میں ساری زندگی آپ کا احسان مند رہوں گا۔"

"اچھا اٹھو اور بھاگو یہاں سے ..... لیکن تمہارا یہ پستول میرے پاس ہی رہے گا۔"

"ایسا نہ کریں جی۔ یہ پستول تو میں کرائے پر لایا ہوں۔ شاہنواز تو میرے ٹکڑے کر دے گا۔ پورے تین ہزار روپے کا پستول ہے۔ یہ دس دس روپے کی گولیاں ہیں۔ میں تین ہزار چار سو روپے کیسے اور کہاں سے ادا کروں گا۔" میں ایک بار پھر رونے لگا۔ میری حالت دیکھ کر اسے ہنسی آ گئی۔ "عجیب چغد آدمی سے پالا پڑا ہے بھئی۔ کرائے کے ہتھیار پر واردات کا شوق پورا ہو رہا تھا۔ کتنا کرایہ ہے اس پستول کا؟"

"کل صبح تک کے لئے ساڑھے تین سو روپے اور دو دن کا پانچ سو روپے۔"

"اور اگر پولیس کے ہتھے چڑھ جائے تو...... پھر وہ کیا کریں گے؟" اس نے میری باتوں میں گہری دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔ میں چارپائی پر سیدھا ہو کر بیٹھ چکا تھا اور وہ بھی دوسری چارپائی سنبھال چکی تھی۔ البتہ سب مشین گن کی اجل آفریں نال کا رخ اب بھی میرے سینے کی جانب تھا۔ وہ کسی غیر ضروری خطرے کو دعوت دینے کے موڈ میں نظر نہیں آتی تھی۔

"ہتھیار پولیس کے قبضے میں جانے کے بعد کیا ہوتا ہے یہ تو مجھے نہیں پتا لیکن شاہنواز نقصان کا سودا کرنے کا عادی نہیں ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرح اپنی رقم نکلوا ہی لیتا ہو گا۔ آپ مجھ پر اتنی مہربانی کر رہی ہیں تو تھوڑا سا رحم اور کھا لیں ورنہ شاہنواز میرا پولیس والوں سے بھی زیادہ برا حشر کرے گا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ میں تمہارا پستول بھی تمہیں دے دوں گی لیکن خالی کر کے اگر اب تم نے مسکین صورت بنا کر مزید رعایت طلب کی تو میں اس کی پانچوں گولیاں تمہاری کھوپڑی میں اتار دوں گی۔"

"ٹھیک ہے جی۔ جیسے آپ کی مرضی۔" میں نے مرے مرے لہجے میں کہا۔ "ویسے اگر......" میں نے اس کی خونخوار نظروں کی تپش محسوس کر کے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"چلو اٹھو اور دفع ہو جاؤ۔" اس نے نہایت مہارت سے پستول کا میگزین خالی کر کے اسے میری طرف اچھالتے ہوئے کہا۔ میں کسی فرمانبردار خادم کی طرح سر جھکائے کمرے کے دروازے کی جانب چل پڑا۔ وہ بدستور میرے عقب میں تھی۔ میں دروازے سے نکل کر دو قدم ہی چلا ہوں گا کہ میرے حساس کانوں نے کلک کی ہلکی سی آواز سنی تھی۔ اس نے گن کو سیفٹی لاک لگا دیا تھا۔ چند سیکنڈ کے اندر اندر میں نے اس سے اپنے فاصلے کا اندازہ لگایا۔ اس کے ساتھ ہی ایک زوردار زناٹے سے میری راؤنڈ ہارس کک گھومی اور سب مشین گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دیوار کے پاس جا گری۔ صورتحال میں اچانک تبدیلی سے وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔ میں تیزی سے آگے بڑھ کر سب مشین گن اور اس کے درمیان حائل ہو چکا تھا۔

اسے خود کو سنبھالنے میں محض چند لمحے لگے۔ "لگتا ہے آج واقعی تمہاری شامت آئی ہے۔" اس نے غصے سے دانت پیستے ہوئے کہا' اگلے ہی لمحے وہ خونخوار بلی کی مانند مجھ پر جھپٹ پڑی۔ میں اس کے وحشیانہ حملے سے اپنا بچاؤ کرنے میں تو کامیاب ہو گیا لیکن مجھے فوراً ہی احساس ہو گیا کہ وہ کسی بہت ہی اچھے استاد سے مارشل آرٹس سیکھی ہوئی تھی۔ پہلا حملہ پسپا ہونے کے فوراً بعد اس نے مجھ پر دوسرا حملہ کر دیا۔ وہ یکے بعد دیگرے سائیڈ کک اور فرنٹ کک سے مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اگر میری تربیت میں ذرا بھی کمی ہوتی تو میں اس کی تابڑ توڑ ضربوں کا نشانہ بن چکا ہوتا لیکن میں کاشف جیسے کہنہ مشق استاد کا شاگرد تھا لہٰذا مجھے ان حملوں کو بلاک کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اس قدر زور دار حملوں کی ناکامی سے وہ جھنجلا سی گئی۔ اس نے اس بار کریسنٹ کک سے میری کھوپڑی اور چہرے کو نشانہ بنانا چاہا۔ اگر اس کا یہ حملہ کامیاب ہو جاتا تو میری شکست کے ساتھ ساتھ میرے چہرے کا نقشہ بھی بگڑ کر رہ جاتا لیکن میں اس حملے سے بچاؤ اور جوابی حملے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ میں نے اس کی کک کو دونوں ہاتھوں کی قینچی بنا کر روکا اور اس کے پاؤں کو مزید اوپر کی جانب دھکیل دیا۔ اس کا توازن بگڑ چکا تھا۔ عین اسی وقت میں نے اس کے زمین پر ٹکے ہوئے پاؤں پر سائیڈ کک رسید کر دی۔ وہ اچھل کر پختہ فرش پر گری۔ اس کے بعد میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ میری سائیڈ ہیل کک اس کی پسلیوں پر پڑی۔ یہ وار کچھ زیادہ ہی کارگر ثابت ہوا۔ وہ شدید اذیت کے عالم میں فرش پر لوٹنے لگی۔ میں نے فوراً" اس کی کنپٹی پر پنچ کر لگا کر اسے اس تکلیف سے نجات دلا دی۔ اس کے ہوش و حواس سے بیگانہ ہونے کا یقین کر لینے کے بعد میں اسے اٹھا کر کمرے میں لے گیا۔ چند ہی منٹ میں وہ مسہری سے مضبوطی کے ساتھ جکڑی جا چکی تھی۔

اس کی جانب سے مطمئن ہونے کے بعد میں نے نہایت تیز رفتاری سے اس کمرے کی تلاشی لے ڈالی۔ معمولی سی جدوجہد کے بعد مجھے چابیوں کا گچھا اور پھر فولادی الماری میں سے ہیروئن کے پولی تھین پیکٹوں سے بھرا کارٹن مل گیا۔ اسی الماری سے مجھے ایک فوٹو البم بھی ملا۔ اس البم میں بہت سی نئی اور پرانی تصویریں تھیں جن میں وہ عورت ایک مرد اور دو بچوں کے ساتھ نظر آ رہی تھی۔ ان تصاویر میں وہ خاصے بیش قیمت اور جدید طرز کے ملبوسات زیب تن کئے ہوئے تھی اور وہ مرد بھی جو غالباً" اس کا شوہر تھا۔ اپنے انداز اور لباس سے کوئی کھاتا پیتا شخص دکھائی دیتا تھا۔ ان تصویروں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ ایک خوش و خرم اور اپنی زندگی سے مطمئن گھرانہ ہے۔ یہ تصاویر قصبہ کالونی کے اس غلیظ حصے سے قطعاً" لگا نہیں کھا رہی تھیں۔ میرے دل میں اس عورت کے حوالے سے تجسس جنم لینے لگا۔ یہ پراسرار' ہیروئن فروش عورت یقیناً دہری زندگی گزار رہی تھی۔

میں کچھ دیر تک اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتا رہا۔ جب اس کی بے ہوشی

ٹوٹنے کے آثار نظر نہ آئے تو اسے بیدار کرنے کے لئے مجھے خود حرکت میں آنا پڑا۔ میری جدوجہد رائیگاں نہیں گئی۔ کچھ ہی دیر بعد اس نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ یہ بدلی ہوئی صورت حال سمجھنے میں اسے خاصی دیر لگ گئی۔ پھر اس کی آنکھوں میں گہری تشویش اور حیرت کے تاثرات نمودار ہوئے۔ "تت ...... تم ......"

"جی ہاں ..... میں، آپ کا بن بلایا مہمان!" میں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔ اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے گھورا جیسے مجھے پہلی بار دیکھا ہو۔

"تم نے ...... یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ میں نے تو تمہیں جانے کی اجازت دے دی تھی۔ پھر تم نے یہ سب ......" میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔ "مجھے یہ سب کرنا پڑا ..... مجبوری ہے محترمہ۔ میں جس ارادے سے اس گھر میں داخل ہوا تھا اسے پورا کئے بغیر میں یہاں سے نہیں جا سکتا۔

اس کی آنکھوں میں پہلی مرتبہ خوف کی جھلک نمایاں ہوئی۔ "تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟ تم کس ارادے سے میرے گھر میں گھسے تھے۔؟"

"یہ تو آپ اندازہ لگا ہی چکی ہوں گی کہ میں ڈاکو نہیں ہوں ورنہ آپ کی بے ہوشی کے دوران ہی آپ کا گھر لوٹ کر یہاں سے چمپت ہو چکا ہوتا۔ میں تو کسی اور ہی ارادے سے یہاں آیا ہوں۔" میری بات کا اس نے کچھ اور ہی مطلب لے لیا۔ اس کی آنکھوں میں خوف اور بے بسی کے گہرے بادل چھانے لگے۔ "آپ فکر نہ کریں میں آپ سے بدسلوکی نہیں کروں گا کیونکہ میں کوئی مجرم نہیں ہوں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے یہ بھی پتا نہیں تھا کہ اس گھر میں آپ تنہا رہتی ہیں اور بھیس بدل کر کیبن چلاتی ہیں ورنہ شاید میں ادھر کا رخ نہ کرتا۔"

"صاف بتاؤ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔ اگر تم ڈاکو نہیں ہو تو میرے گھر میں اس طرح گھسنے کا کیا مطلب ہے اور اب تم مجھ سے کیا سلوک کرنے والے ہو ...... کیا ...... کیا تم پولیس سے تعلق رکھتے ہو؟"

"پولیس والا ہوتا تو رات کے وقت یہاں آنے کے بجائے دن کے وقت ہی اپنا حصہ لے کر چپ چاپ رخصت ہو جاتا۔ بس یہ سمجھ لیں کہ میں خدائی فوجدار ہوں۔ جو کام پولیس نہیں کر سکتی یا نہیں کرنا چاہتی انہیں میں نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ میں جانتا ہوں آپ پاؤڈر کا دھندہ کرتی ہیں لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ ایک معمولی کارکن ہیں۔ اگر آپ مجھے اصل لوگوں کا نام پتا بتا دیں تو میں چپ چاپ یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا ..... سب سے پہلے تو یہ بتائیں کہ آپ کا نام کیا ہے؟"

میری بات اس نے سنی ان سنی کر دی۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ اس کے دماغ میں زبردست بھونچال آیا ہوا ہے۔ وہ میری زبان سے نکلنے والے ایک ایک لفظ کو

جانچ تول رہی ہو گی۔ فیصلہ کرنا آسان نہیں تھا۔ ہیروئن کے پیکٹوں سے بھرا کارٹن عین اس کے سامنے موجود تھا لہٰذا وہ اپنی بے گناہی پر اصرار کرنے کے قابل بھی نہیں تھی۔ بالآخر وہ اپنا ذہن کسی ایک نقطے پر مرکوز کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ "اگر میں اپنی زبان نہ کھولوں تو...... ایسی صورت میں تم مجھ سے کیا سلوک کرو گے؟"

"میں نے انتہائی مجبوری کے عالم میں آپ پر ہاتھ اٹھایا لیکن اسی بے بسی کے عالم میں آپ کو تختہ مشق بنانا میرے مزاج کے خلاف ہے۔ میں پولیس کی مدد بھی نہیں لوں گا کیونکہ وہ تو ایک طرح سے آپ کے کاروباری شریک ہیں۔ ایسی صورت میں میرے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ آپ کو اسی حالت میں باہر گلی میں ڈال دوں اور آپ کے کیبن اور گھر میں آگ لگا کر یہاں سے رخصت ہو جاؤں۔ اس طرح میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں ہو گا کیونکہ سب آپ نے ہیروئن فروشی کے ذریعے ہی تو بنایا ہے۔"

میری بات سن کر اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ "نہیں تم ایسا نہیں کر سکتے!"

"یقین کریں ایسا کرتے ہوئے میرا ہاتھ ذرا بھی نہیں کپکپائے گا کیونکہ آپ ہیروئن فروشی کے قبیح جرم میں مبتلا ہونے کے ساتھ ساتھ اس گھناؤنے کاروبار کے سرپرستوں کا تحفظ بھی کر رہی ہیں۔ آپ جلد از جلد ہاں یا نہ میں جواب دیں۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔"

"دیکھو یہ سب میں اپنی خوشی سے نہیں کرتی۔ میں بہت سی مجبوریوں کی قیدی ہوں۔ میرے اس کاروبار پر کئی زندگیوں کا انحصار ہے۔"

"آپ کو اپنے آپ سے وابستہ افراد کی زندگیوں کا تو بہت خیال ہے لیکن ان ہزاروں بدنصیب افراد کی زندگیوں کی قطعاً پروا نہیں جو آپ کے فراہم کردہ زہر کے ذریعے ہمارے معاشرے اور معیشت پر بدنما بوجھ بنے ہوئے ہیں اور تباہی کے راستے پر چلتے ہوئے باری باری موت کے اندھے کنویں میں گرتے جا رہے ہیں۔"

"میں نے بتایا ہے ناکہ میں یہ سب اپنی خوشی سے نہیں کر رہی۔ بہت سی مجبوریاں میرے پاؤں کی بیڑیاں بنی ہوئی ہیں۔ میں ایک شریف اور پڑھی لکھی عورت ہوں جس نے کبھی یہ سب کچھ کرنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا لیکن حالات مجھے گھیر کر ایسی منزل پر لے آئے کہ مجھے یہ گھناؤنا پیشہ اپنانا پڑا تھا۔" اس کے لہجے میں بے بسی کی جھلک نمایاں تھی۔

"ممکن ہے آپ کی ہر بات درست ہو لیکن یہ سب آپ کو مجھے ان لوگوں کے نام اور پتے بتانے سے کیسے روک سکتا ہے جو آپ کو ڈرگز سپلائی کرتے ہیں؟"

"وہ بہت طاقتور اور خطرناک لوگ ہیں۔ اگر انہیں ذرا بھی شک ہو گیا کہ میں نے اپنی زبان پر قابو نہیں رکھا ہے تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ مجھے اپنی زندگی کی تو پروا

نہیں، لیکن تین افراد کی زندگیاں بھی میری زندگی پر منحصر ہیں۔ میری موت ایک طرح سے ان کی بھی موت ثابت ہو گی بلکہ، ہو سکتا ہے مجھ سے پہلے وہ ان تینوں کو ختم کر دیں۔ نہیں نہیں میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتی۔"

"کیا آپ بتا سکتی ہیں وہ تینوں کون ہیں؟" میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔ قدرے توقف کے بعد اس نے جواب دیا۔ "میرا شوہر اور دو بچیاں ......"

"وہ تینوں کہاں ہیں اور آپ یہ سب کرنے پر کیوں کر مجبور ہوئیں؟ براہ مہربانی مجھے سب کچھ بتا دیں۔ شاید یہ ہم دونوں کے حق میں بہتر ثابت ہو۔"

میری بات سن کر اس کے چہرے پر تذبذب کے آثار نمودار ہوئے۔ پھر وہ ایک فیصلے پر پہنچ گئی۔ "میرا نام نگہت ہے اور میرے شوہر کا نام باقر علی۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔ "ان کا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس تھا۔ ہم اپنی بچیوں رشنا اور رمشا کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار رہے تھے۔ میرے گھر میں خدا کا دیا سب کچھ موجود تھا۔ دونوں بچیاں شہر کے اعلیٰ ترین سکول میں تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔ پھر ہمارے مثالی گھرانے کو جانے کس کی نظر لگ گئی ......" نگہت نے گہری سرد آہ بھری اور خاموش ہو گئی۔ میں نہایت صبر و تحمل سے اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔ "تقریباً تین سال پہلے باقر ایک کاروباری دورے پر امریکہ گیا تھا۔ واپس لوٹا تو وہ بہت خوش تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ ملک کے سب سے بڑے ایکسپورٹرز میں سے ایک اکبر سیٹھ کے ساتھ پارٹنر شپ کر رہا ہے جس کے بعد وہ لاکھوں کا نہیں بلکہ کروڑوں کا بزنس کرے گا۔ میں اس کے کاروباری معاملات میں دخل اندازی نہیں کیا کرتی تھی۔ لہٰذا میں نے مزید معلومات حاصل کرنے کی بجائے اسے مبارکباد دینے پر اکتفا کیا۔ باقر علی کا کہا درست ثابت ہوا۔ وہ لاکھوں کے بجائے کروڑوں کا بزنس کرنے لگا۔ ایک سال میں ہم گلشن اقبال سے ڈیفنس منتقل ہو گئے۔ اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد باقر بے حد فکر مند رہنے لگا۔"

"میرے شدید اصرار پر اس نے صرف اتنا بتایا کہ اس کا پارٹنر اکبر سیٹھ امپورٹ ایکسپورٹ کے مشترکہ کاروبار کی آڑ میں کوئی غیر قانونی دھندہ کر رہا ہے جو اس کے ساتھ ساتھ باقر کے لئے بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے اور وہ قانون کی لپیٹ میں آ سکتا ہے۔ باقر نے اکبر سیٹھ سے کاروبار علیحدہ کرنے کی کوشش کی۔ اس دوران میں ان میں سرعام تلخ کلامی بھی ہوئی۔ باقر نقصان برداشت کر کے بھی اکبر سیٹھ سے علیحدہ ہونا چاہتا تھا کہ اچانک اکبر سیٹھ قتل ہو گیا اور اس کے قتل کے الزام میں باقر کو گرفتار کر لیا گیا۔ باقر کی بے گناہی پر میں تو یقین کرتی تھی لیکن باقی کوئی بھی اسے بے گناہ سمجھنے پر آمادہ نہیں تھا۔ کیونکہ تمام شواہد اس کے خلاف تھے۔ باقر کو بچانے کے لئے میں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ سب سے پہلے میں نے اپنا ڈیفنس والا گھر فروخت کرنے کی کوشش کی۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ باقر

نے اس گھر کی صرف ایک چوتھائی قیمت ادا کی تھی۔ باقی رقم اسے آئندہ چار سالوں میں ادا کرنا تھی اور تب تک وہ گھر فروخت نہیں ہو سکتا۔ باقر کے مقدمے میں پھنسنے کے بعد اس کے بینک اکاؤنٹ بھی منجمد کر دیئے گئے تھے۔ میرے اکاؤنٹ میں اچھی خاصی رقم موجود تھی لیکن وہ مقدمے کے مسلسل بھاری اخراجات کے لئے کافی نہیں تھی۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ مخالف پارٹی کے پاس پیسے کی کمی نہیں تھی اور وہ ہر قیمت پر باقر کو پھانسی کے تختے پر دیکھنا چاہتے تھے۔ یہ صورتحال دیکھ کر میں نے اپنے زیورات، گاڑی اور اپنے نام کا ایک پلاٹ فروخت کر دیا اور خود ایک کرائے کے فلیٹ میں منتقل ہو گئی۔ جلد ہی مجھے احساس ہو گیا کہ آمدنی کے مستقل ذریعے کی غیر موجودگی میں معاملات زیادہ دیر تک اس انداز میں آگے نہیں بڑھ سکتے۔ میں نے نوکری تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن اپنی نااہلیت یا پھر اپنے بے لچک رویے کے باعث کوئی معقول نوکری حاصل کرنے میں ناکام رہی۔" اتنا کہہ کر وہ سوچ کے گہرے سمندر میں ڈوب گئی۔ اسے واپس لوٹنے میں خاصی دیر لگی۔

"اس دوران میں مجھے بے حد تلخ تجربات سے دوچار ہونا پڑا۔ ہر جگہ مجھے بکاؤ مال کی طرح ٹریٹ کیا گیا۔ قدم قدم پر ایسی عورتوں سے واسطہ پڑا جنہوں نے مجھے دولت کمانے کا آسان راستہ دکھانے کی کوشش کی لیکن میں اپنے شوہر سے کسی قیمت پر بددیانتی نہیں کر سکتی تھی۔ دوسری طرف مقدمے اور بچیوں کی پڑھائی کے اخراجات برداشت سے باہر ہو چلے تھے۔ تبھی ایک شخص محفوظ بیگ نے مجھ سے رابطہ کر کے پیش کش کی کہ میں اس کے پیسے سے خودمختار کاروبار شروع کروں جس میں بھاری منافع یقینی تھا۔ مجھے جس کاروبار کی آفر ہوئی وہ یہی تھا جو میں اس وقت کر رہی ہوں۔ میں نے انکار کی کوشش کی لیکن میرے خلاف مضبوط جال پھیلایا جا چکا تھا۔ مجھے اپنی بیٹیوں کی زندگی، ان کے مستقبل اور شوہر کی رہائی کی خاطر اس کام پر آمادہ ہونا پڑا۔ ابتداء میں میرے لئے مال کی فراہمی اور کھیپ حاصل کرنے والے افراد کا انتخاب کا فریضہ محفوظ بیگ خود انجام دیتا تھا لیکن پھر اس کے گروہ نے اس کو ملک سے باہر بھیج دیا اور میں براہ راست گروہ سے ڈیلنگ پر مجبور ہو گئی۔ باقر کا مقدمہ ابھی تک عدالت میں لٹکا ہوا ہے اور اس گروہ کی سرپرستی میں میرا کاروبار بغیر کسی رکاوٹ کے جاری ہے۔ اس دوران میں، میں اپنے دفاع کے لئے مارشل آرٹس کی تربیت بھی حاصل کرتی رہی ہوں لیکن مجھے آج احساس ہوا ہے کہ میں ابھی بہت ناپختہ ہوں۔ میری اب تک کی گفتگو سے تم اندازہ لگا چکے ہو گے کہ میں اس معاملے میں زبان بند رکھنے پر مجبور ہوں۔"

میں اس کی زبان سے نکلنے والے ایک ایک لفظ کا بھرپور تجزیہ کرتا رہا تھا۔ وہ بظاہر سچ بول رہی تھی لیکن میں اس کی باتوں پر اندھا یقین نہیں کر سکتا تھا جبکہ وہ اپنی زبان سے

اقرار کر چکی تھی کہ وہ میرے مطلوبہ افراد کے بارے میں مفید معلومات مہیا کر سکتی تھی۔
"آپ جو کچھ کر رہی ہیں یا کر چکی ہیں' میں اس کے جواز یا عدم جواز پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ آپ کی مجبوریوں کے پیش نظر میں صرف اتنی یقین دہانی کرا سکتا ہوں کہ اگر آپ مجھے ان لوگوں کے بارے میں معلومات مہیا کر دیں تو آپ پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ میں ان کے خلاف براہ راست کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا کیونکہ یہ میرا کام نہیں ہے۔ درحقیقت مجھے چند ایسے لوگوں کی تلاش ہے جن کے بارے میں اس گروہ کے افراد ہی درست معلومات مہیا کر سکتے ہیں۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے اور مجھے ہر قیمت پر ان تک پہنچنا ہے۔ اچھا آپ یہ بتائیے کہ کیا اس گروہ میں اکرام نامی کوئی شخص بھی شامل ہے؟"
میری بات سن کر نگہت کا چہرہ یک لخت زرد پڑ گیا۔ "تت ...... تم اکرام کو کیسے جانتے ہو؟"
"اس بات کو چھوڑیں۔ یہ بتائیں کہ کیا وہ اب بھی یہ دھندہ کر رہا ہے؟ میں نے سنا تھا کہ وہ گرفتار ہو چکا ہے؟" میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔
"اس کے اڈے پر چھاپہ پڑا تھا لیکن گروہ کی سرپرستی کے باعث وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اس نے اپنا ٹھکانہ بدل لیا ہے لیکن اس علاقے کا انچارج اب بھی وہی ہے۔"
"چلیں یہ مسئلہ تو صاف ہوا۔ بس آپ مجھے اس کے ٹھکانے کا پتا بتا دیں۔ میں چپ چاپ یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا۔" میری بات سن کر اس کے چہرے پر ایک بار پھر تذبذب کے آثار نظر آنے لگے۔ "دیکھیں اس کے ٹھکانے سے اور بھی بہت سے لوگوں کو واقفیت ہو گی جن سے مجھے معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ کسی کو کان و کان خبر نہیں ہو گی کہ اس کے متعلق زبان کھولنے والی آپ ہیں۔ آپ شاید نہیں جانتیں کہ وہ منشیات کے دھندے کے ساتھ ساتھ خطرناک اسلحے کی خرید و فروخت اور دہشت گردی جیسی وطن دشمن سرگرمیوں میں بھی ملوث ہے اور اس کے متعلق زبان بند رکھ کر آپ خود بھی ان جرائم میں معاون ثابت ہو رہی ہیں۔"
"کیا کہا' اکرام اسلحے کی تجارت اور دہشت گردی میں بھی ملوث ہے؟ نہیں میں یہ بات نہیں مان سکتی۔ اس کے بارے میں کبھی ایسی بات سننے میں نہیں آئی۔ وہ ہیروئن سپلائی کرتا ہے اور اس حقیقت سے پولیس بھی واقف ہے۔ اگر اسے کوئی نقصان پہنچا تو میرا کاروبار بھی تباہ ہو جائے گا اور میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتی۔"
اس کی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی دیکھ کر مجھے یک لخت شدید غصے کے بگولوں نے گھیر لیا۔ "ٹھیک ہے اگر آپ اس کا دامن آگ سے بچانے کے لئے پوری قوم کا مستقبل آگ میں جھونکنا چاہتی ہیں تو میرے لئے اکرام میں اور آپ میں کوئی فرق نہیں۔ اس کے بڑے

اڈے کو تباہ کرنے سے پہلے میں اس چھوٹے اڈے کو تس نہس کروں گا اور ایسا کرنے سے مجھے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔" میں نپے تلے قدموں سے کمرے کے دروازہ کی طرف بڑھا۔ عین اسی وقت نگہت کی آواز میرے پاؤں کی زنجیر بن گئی۔ "ٹھہرو میں بتاتی ہوں اس کا پتا ...... لیکن اس پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں ہے۔ اس نے تمہیں اپنے اڈے کے آس پاس گھومتے دیکھ لیا تو پہلی فرصت میں تمہارا کام تمام کر دے گا۔"
"آپ اس کی فکر نہ کریں۔ میں جانتا ہوں وہ کتنا بڑا پھنے خان ہے۔ میں ایسے لوگوں کے ہوش ٹھکانے لگانا جانتا ہوں۔ آپ مجھے صرف اس کا پتا بتا دیں۔"
"اگر اکرام واقعی وطن دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہے تو مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے...... یہ درست ہے کہ میں بھی کسی شریفانہ کاروبار سے منسلک نہیں ہوں لیکن یہ میری مجبوری ہے اور مجھے جونہی اس مجبوری سے نجات ملی میں اس غلیظ پیشے پر لعنت بھیج دوں گی...... خیر...... اب تم اکرام کے ٹھکانے کا پتا ذہن نشین کر لو۔ اگر تم آس پاس کے علاقے سے معمولی سی واقفیت رکھتے ہو تو وہاں تک با آسانی پہنچ جاؤ گے۔"
نگہت نے اتنی عمدگی سے پتا سمجھایا کہ میرے ذہن پر نقش ہو کر رہ گیا۔ اب میرے وہاں رکنے کا مزید کوئی جواز نہیں رہ گیا تھا لیکن مجھے دو گھنٹے مزید وہاں گزارنے پڑے حتیٰ کہ فجر کی اذانیں ہونے لگیں۔ اس دوران میں اسے اس تکلیف دہ حالت میں رہنا پڑا لیکن اس نے کوئی شکایت نہیں کی۔ اس سے رخصت ہوتے وقت بھی میں نے اسے جکڑ بندی سے آزاد کرانے کی کوشش نہیں کی۔ میں کسی قسم کا خطرہ مول لینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ نگہت کا معمولی سا غلط اقدام بھی اس کے اور میرے لئے مصیبت بن سکتا تھا۔ البتہ میں نے اس سے اپنی مجبوری کے حوالے سے اظہار شرمندگی ضرور کیا تھا۔ "میں جس قسم کی پیچیدہ زندگی گزار رہی ہوں۔ اس کے مقابلے میں یہ تکلیف بہت معمولی ہے۔ بہرحال تم سے ملاقات میری زندگی کا یادگار تجربہ ہے۔ تم نے مجھے زندگی کے ایک نئے پہلو سے متعارف کرایا ہے جس کے لئے میں تمہاری شکر گزار ہوں۔ میں کسی قابل تو نہیں ہوں پھر بھی میں یہ ضرور کہنا چاہوں گی کہ زندگی میں کبھی بھی تمہیں میری کسی قسم کی مدد درکار ہو تو بےدھڑک میرے پاس چلے آنا...... اور میرے لئے دعا کرنا کہ میں اپنے شوہر کو باعزت بری کرانے میں کامیاب ہو جاؤں۔"
اکرام کا نیا ٹھکانہ اس پہاڑی دیوار پر واقع تھا جو اورنگی ٹاؤن کو ناظم آباد' نارتھ ناظم آباد اور پھر نارتھ کراچی سے جدا کرتی ہے۔ چھوٹے بڑے مکانات پہاڑ کی ڈھلان پر اس انداز میں بنے ہوئے ہیں کہ رات کے وقت پوری پہاڑی پر چراغ جگمگاتے محسوس ہوتے ہیں۔ اس بے ترتیب آبادی کے لامتناہی سلسلے کی بے ڈھب اور ناہموار گلیوں میں بلاجواز گھومنا اور اکرام کے ٹھکانے کا پتا لگانا آسان کام نہیں تھا چنانچہ میں نے وہی ترکیب استعمال

کی جسے میں گزشتہ روز کامیابی سے استعمال کر چکا تھا یعنی بنارس چوک سے دو ٹوکریاں اور ایک ڈنڈا خرید کر ترازو کی شکل کا خوانچہ بناتا اور پھر سیب فروخت کرنے والے مسکین ہاکر کے روپ میں اپنے مطلوبہ مقام تک پہنچ جاتا۔

اکرام کا ٹھکانہ ایک چوڑی سی پتھریلی گلی میں ایک دو منزلہ مکان تھا۔ اس گلی میں داخل ہوتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس جگہ کے حفاظتی انتظامات پر بے حد توجہ دی جاتی ہے۔ گلی میں تین مختلف مقامات پر تین تنومند اور چاق و چوبند افراد بظاہر نہایت لاپرواہی سے لیکن حقیقتاً بڑی چابک دستی سے حفاظتی ذمے داریاں انجام دے رہے تھے۔ مجھے گلی میں گھستے دیکھ کر وہ چونکے تو نہیں البتہ جب تک میں گلی کے دوسرے سرے پر نہیں پہنچ گیا۔ ان کی نگاہیں مجھ پر جمی رہیں۔ وہ تینوں میرے لئے اجنبی تھے' ویسے بھی میں نے اپنا چہرہ اسکارف میں لپیٹ رکھا تھا۔ چنانچہ مجھے پہچان لئے جانے کی فکر نہیں تھی۔

گلی کے موڑ پر پہنچ کر میں دائیں گھوم گیا۔ ایک طویل چکر لگانے کے بعد میں پھر اسی راستے سے واپس پلٹا۔ اب وہاں تین کے بجائے دو افراد موجود تھے اور ان دونوں نے ہی مجھ پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ میں اکرام کے ٹھکانے کے سامنے سے گزرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ تقریباً سو گز آگے مجھے ایک چھوٹے سے میدان سے گزرنا تھا۔ میں جونہی وہاں پہنچا۔ میری چھٹی حس خطرے کا الارم بجانے لگی۔ اس وقت وہاں دو افراد موجود تھے اور ان دونوں ہی کے چہرے بڑے رومالوں میں چھپے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ دونوں اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے ہاتھ ان کی جیبوں میں تھے۔ میں نے فوری طور پر پلٹ کر دفاعی پوزیشن سنبھالنا چاہی لیکن مجھے دیر ہو چکی تھی۔ اکرام کے ٹھکانے کے سامنے متعین دونوں افراد میری واپسی کا راستہ روک چکے تھے۔ اگلے ہی لمحے میں بیک وقت چار پستولوں کی زد میں آ چکا تھا۔ ان میں سے ایک نے مجھے گندی گالی سے نوازتے ہوئے ہاتھ سر سے اوپر کرنے کا حکم دیا۔ حکم عدولی یا مزاحمت کی گنجائش ہی کہاں رہی تھی۔ میں نے خاموشی سے دونوں ہاتھ آسمان کے رخ فضا میں بلند کر دیئے۔

چند لمحوں بعد میں ناعمہ کے دیئے ہوئے پستول کی رفاقت سے محروم ہو چکا تھا۔ ان میں ایک نے پستول کی نال سے میری کمر میں ٹھوکا دے کر آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ ان کی دیدہ دلیری کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا تھا کہ وہ دن دہاڑے آتشیں ہتھیاروں کی نمائش کرنے میں مگن تھے۔ میں ان کی بتائی ہوئی سمت میں ڈھیلے قدموں سے آگے بڑھنے لگا۔ ہمارا رخ اکرام کے اڈے سے مخالف سمت میں عبداللہ ہارون کالج کی جانب والے روڈ کی طرف تھا۔ میری سمجھ میں ابھی تک یہ نہیں آ پایا تھا کہ مجھ سے کہاں غلطی ہوئی تھی۔ وہ لوگ اتنی آسانی سے مجھے کیسے پہچان گئے۔ میں اس خوش فہمی میں مارا گیا تھا کہ میں انہیں دھوکا دینے میں کامیاب رہا ہوں جبکہ وہ تو شاید پہلی نظر پڑتے ہی مجھے شناخت کر چکے تھے۔

عبداللہ ہارون کالج والے روڈ پر پہنچنے سے پہلے ہی انہوں نے اپنے ہتھیار چھپا لئے۔ ان کی نالوں کے رخ اب بھی میری طرف تھے۔ اس دوران میں انہوں نے ایک لمحے کے لئے بھی کسی قسم کی غفلت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا جس سے میں فائدہ اٹھا پاتا۔ کچھ دور چلنے کے بعد ہم ایک سیاہ اور زرد ٹیکسی کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے مجھے ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا اور وہ ٹی ٹی بردار میرے دونوں پہلوؤں میں جم کر بیٹھ گئے۔ یہ بتانے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ ان کے پستولوں کی نالیں اب میری پسلیوں میں گھسی جا رہی تھیں۔ دونوں افراد نے اگلی نشستیں سنبھال لیں۔ اس کے ساتھ ہی ٹیکسی ایک ہلکے سے جھٹکے سے آگے بڑھنے لگی۔

ٹیکسی چند ہی منٹوں میں بختیاری یوتھ سینٹر اور حسین ڈی سلوا ٹاؤن سے گزرتی ہوئی بازنج پہنچ گئی۔ چند ٹوٹی پھوٹی سڑکوں اور گندے پانی کے نالوں سے "مرصع" گلیوں سے گزر کر ہم پہاڑی کی عین جڑ میں واقع ایک بڑے سے دو منزلہ مکان کے سامنے پہنچ گئے۔ ان لوگوں نے مجھے ٹیکسی سے اترنے کا حکم دیا۔ اب ان کا رویہ بے حد درشت اور بے رحمانہ ہو گیا تھا۔ وہ چاروں بار بار مجھے پستول کی نال سے کچوکے دے کر مغلظات سے میری خاطر تواضع کر رہے تھے۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ میرے لہو کی تپش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ مجھے لگا کہ اگر یہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے تو میں اپنے آپ پر سے قابو کھو بیٹھوں گا۔

"چل اوئے' اندر چل۔ ہمارا مہمان خانہ تیرا منتظر ہے۔" ان میں سے ایک نقاب پوش نے مکان کے دروازے پر لگا ہوا بڑا سا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "آج تیری ایسی خاطر مدارات کریں گے کہ تیری نسلیں یاد رکھیں گی۔ اگر انہیں اس دنیا میں آنا نصیب ہوا تو۔" اس کی بات سن کر دوسرے نقاب پوش نے زور دار قہقہہ لگایا۔ البتہ باقی دو افراد نے ان کی جملے بازی پر کوئی توجہ نہ دی۔ وہ میری طرف سے لمحہ بھر کے لئے بھی غافل ہونے کو تیار نہ تھے۔ "میں پردے میں رہنے والی نامحرم عورتوں سے گپ شپ کرنا پسند نہیں کرتا۔" میں نے گہرے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اگر تمہارے ساتھ کوئی مرد ہوتا تو کوئی اور بات تھی۔"

میری بات سن کر دونوں نقاب پوشوں کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ مجھے غلیظ ترین القابات سے نوازنے لگے۔ پھر ان میں سے ایک نے شدید غصے کے عالم میں اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا بھاری بھرکم تالا میری طرف کھینچ مارا۔ اس کا اچانک حملہ خاصا خطرناک تھا لیکن میں بروقت جھک کر خود کو بچانے میں کامیاب رہا تھا۔ البتہ میرے عقب میں موجود بدنصیب ٹی ٹی بردار خود کو بروقت ہٹانے میں ناکام رہا۔ ٹھوس فولاد کا بنا ہوا ڈیڑھ کلو گرام وزنی تالا اس کے چہرے پر پڑا۔ اس کے حلق سے ایک کربناک چیخ برآمد ہوئی اور وہ ٹی ٹی

ایک طرف پھینک کر اپنی ناک اور پیشانی دونوں ہاتھوں سے دبائے وہیں بیٹھتا چلا گیا۔ اس
ناگہانی آفت نے اس کے ساتھی کو بری طرح بوکھلا دیا تھا۔ وہ مجھے نظرانداز کر کے تیز
سے مضروب کی جانب بڑھا۔ دونوں نقاب پوش بھی حواس باختہ نظر آ رہے تھے۔ میں اس
سنہرے موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے فوری حرکت میں آ گیا۔ میں نے ایک طویل جست
لگائی اور زمین پر گرے ہوئے پستول کے پاس جا پہنچا۔ پلک جھپکتے میں وہ خطرناک ہتھیار
میرے قبضے میں آ چکا تھا۔ میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ اس کا لاک ہٹا ہوا ہے اور وہ کاک
شدہ حالت میں آگ اگلنے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ میں نے بلاتوقف نقاب پوشوں میں
ایک پر گولی چلا دی۔ فضا میں ایک زوردار دھماکا گونجا۔ میں نے اپنے ٹارگٹ کو فلک شگاف
چیخ مار کر زمین پر ڈھیر ہوتے دیکھا۔ اگلے ہی لمحے میں نے اس کے ساتھی نقاب پوش پر بھی
فائر کر دیا۔ گولی اس کے شانے میں پیوست ہو گئی۔ اگلے ہی لمحے وہ بھی چکرا کر اپنے ساتھی
پر ڈھیر ہو گیا۔ باقی بچنے والے تیسرے فرد نے مجھے نشانہ بنانے کے لئے پستول اٹھانا چاہا
لیکن میرے خطرناک تیور دیکھ کر اس کی ہمت جواب دے گئی۔ اس نے اپنا پستول زمین پر
ڈال دیا اور رضاکارانہ طور پر دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کر دیوار کے قریب جا کر کھڑا ہو
گیا۔

"اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر رکھ کر دونوں ٹانگوں میں فاصلہ رکھتے ہوئے کھڑے ہو
جاؤ۔" میں نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ "مڑ کر دیکھنے کی کوشش کی تو کھوپڑی میں گولی اتار
دوں گا۔"

اس نے چپ چاپ میرے حکم کی تعمیل کی۔ میں ان چاروں کی جانب سے مطمئن ہو
کر زخمی نقاب پوش سے نائن ایم ایم کا پستول حاصل کرنے کے لئے بڑھا۔ عین اسی وقت ایک
پجیرو جیپ طوفانی رفتار سے گلی میں گھس آئی۔ میں نے جلدی سے نووارد افراد پر نظر
ڈالی۔ اس کے ساتھ ہی میں بری طرح چونک پڑا ......



جیپ کی ونڈ شیلڈ سے نظر آنے والے دونوں ہی چہرے میرے لئے اجنبی نہیں تھے
۔ ان میں سے ایک تو کچھ دیر پہلے بھی میرے روبرو تھا اور مجھے اصل حیرت اسے ہی دیکھ
رہوئی تھی۔ وہ نگہت تھی جسے میں اس کے گھر میں رسیوں سے جکڑی چھوڑ آیا تھا لیکن
حیرت انگیز طور پر اس قدر مختصر وقت میں نہ صرف آزاد حالت میں میری نظروں کے
انے موجود تھی۔ بلکہ وہ میرے بدترین دشمن اکرام کو بھی اپنے ساتھ لگا لائی تھی۔
اکرام کے خطرناک ارادوں کا اندازہ لگانا میرے لئے ذرا بھی مشکل نہ تھا۔ میں اس
کے ہاتھوں میں ماؤزر کی جھلک دیکھ چکا تھا۔ لمحہ بھر کی ہچکچاہٹ مجھے اگلے جہاں کی سیر کرا
تی تھی۔ میں نے اپنی پوری قوت یکجا کر کے ایک زوردار جست لگائی اور پجیرو کے پاس
پہنچا۔ عین اسی وقت اکرام نے جیپ کا دروازہ کھول کر قدم زمین پر رکھنے کے لئے باہر
لا۔ میں کسی جنگلی بھینسے کی طرح پورے زور سے جیپ کے ادھ کھلے دروازے سے جا
ٹکرایا۔ نتیجہ میری توقع سے کہیں زیادہ شاندار نکلا۔ فضا میں ایک جگر خراش چیخ گونجی۔
اکرام کی دائیں پنڈلی کی ہڈی دروازے کی زد میں آ کر بری طرح کچلی گئی تھی۔ درد کی شدت
سے اس کا چہرہ مسخ ہو گیا تھا۔ اس نے اضطراری طور پر جیپ کے دروازے کا سہارا لینا
چاہا لیکن اپنا توازن برقرار رکھنے میں ناکام رہا اور لڑکھڑا کر جیپ سے باہر نیم پختہ زمین پر ڈھیر
ہو گیا۔ اس کا ماؤزر جیپ کے اندر ہی رہ گیا تھا۔

میں نے اکرام کو اس کے حال پر چھوڑا اور تیزی سے جیپ کی دوسری جانب بڑھا۔
جونہی جیپ کے کھلے دروازے کے پاس پہنچا۔ میری نظر نگہت پر پڑی۔ وہ جھک کر جیپ
کے فرش پر پڑے ماؤزر پر ہاتھ ڈال چکی تھی۔ تاہم میں نے اسے اس تباہ کن ہتھیار سے
کام لینے کی مہلت نہ دی۔ ٹی ٹی کے دستے کی ضرب گدی پر لگتے ہی وہ ایک جھٹکے سے
ساکت ہو گئی۔ اس کی طرف سے مطمئن ہوتے ہی میں ایک بار پھر اکرام کی جانب متوجہ
ہوا۔ وہ ابھی تک کرب و اذیت کے شکنجے میں بری طرح جکڑا ہوا تھا۔ لیکن میں اچھی طرح
جانتا تھا کہ اس جیسے سخت جان شخص کے لئے یہ اذیت زیادہ دیر زنجیر نہیں بن سکے گی چنانچہ
میں نے اس موذی کا پھن کچلنا سب سے ضروری سمجھا۔ میں اس کی کھوپڑی پر پستول کا
دستہ آزمانے کے لئے آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ فضا میں گولی چلنے کی کریہہ آواز نے ہلچل

مچا دی۔

اس گولی کا نشانہ میں ہی تھا لیکن میری خوش قسمتی یا گولی چلانے والے کا اناڑی
کہ گولی میرے جسم میں پیوست ہونے کے بجائے جیپ کی باڈی میں پیوست ہو گئی تھی۔
بھر کے توقف سے دوسرا فائر ہوا لیکن اس دوران میں مجھے خود کو جیپ کی آڑ میں چھپانے
موقع مل چکا تھا۔ گولی چلانے والا مجھے یہاں تک لانے والے چاروں افراد میں سے
سالم بچ جانے والا واحد شخص تھا۔ میں نے اسے نہتا تو کر دیا تھا لیکن اکرام سے معذ
بیکار ہو جانے کے باعث میں وقتی طور پر اسے فراموش کر بیٹھا تھا۔ اس مہلت سے فا
اٹھا کر اس نے اپنا ہتھیار واپس حاصل کر لیا تھا اور اب میری زندگی کے درپے تھا۔ ا
کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ مجھے انجام تک پہنچانے کے لئے وہ اپنی جان پر کھیل جا
گا۔

مجھے جیپ کی آڑ میں چھپتے دیکھ کر وہ قدرے تذبذب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ یہ صورتحا
خود اس کے لئے بھی خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ پھر میں نے اسے محتاط قدموں سے جی
کے دائیں جانب بڑھتے دیکھا۔ وہ شاید پہلے اکرام کی سلامتی یقینی بنانا چاہتا تھا۔ قبل ا
کے کہ وہ کسی مناسب زاویے پر پہنچ کر مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کرتا' میں سانپ کی ما
رینگتا ہوا جیپ کے نیچے پہنچ گیا۔ مجھے حملہ آور شخص کی جھلک فوراً ہی نظر آ گئی لیکن
اسے فوری طور پر نشانہ نہیں بنا سکا کیونکہ راستے میں اکرام کا بھاری بھرکم جسم حائل
وہ ابھی تک زخمی سانپ کی طرح کلبلا رہا تھا۔ میں نے اسے بچاتے ہوئے اپنی جان
درپے شخص پر گولی چلانا چاہی لیکن میں اپنے اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ میر
اندازے کی ذرا سی غلطی اکرام کو موت کے منہ میں دھکیل سکتی تھی۔ میں یہ خطرہ
لینے کو تیار نہ تھا۔ وہ واحد ایسا شخص تھا جس کے ذریعے میں کاشف' عمر اور اشرف کو اغ
کرنے والے افراد تک پہنچ سکتا تھا۔ اس کی موت مجھے مکمل تاریکی میں دھکیل سکتی تھی۔

خوش قسمتی سے میری مشکل خود ہی حل ہو گئی۔ ٹی ٹی بردار چند قدم مزید آ
بڑھا۔ عین اسی وقت اکرام نے کروٹ بدلی۔ اب میرا شکار پوری طرح زد میں تھا۔ میں
اطمینان سے اس کے دائیں گھٹنے کو نشانہ بنایا اور ٹی ٹی پستول کا ٹریگر دبا دیا۔ فضا میں گو
والی چیخ بڑی ہولناک تھی لیکن اس لمحے یہ آواز مجھے زندگی کے تحفظ کا پیغام محسوس ہوئی
میں نے تیزی سے پلٹا کھایا اور جیپ کے نیچے سے نکل آیا۔

مجھے اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر اکرام کے چہرے پر عجیب و غریب تاثرات نمو
ہوئے۔ وہ چند لمحوں کے لئے اپنی اذیت فراموش کر بیٹھا تھا۔ اس کی یہ حالت زیادہ
برقرار نہ رہی اور وہ ایک بار پھر درد کی شدت سے اپنا سر زمین پر پٹخنے لگا۔ اس کے
سے دردناک کراہیں برآمد ہو رہی تھیں۔ شاید اس کی پنڈلی کی ہڈی دو ٹکڑوں میں بٹ

تھی۔ میں نے نہایت جانچ تول کر اس کی کھوپڑی پر پستول کے دستے کی ضرب لگائی اور اسے
اس اذیت ناک عذاب سے وقتی نجات دلا دی۔

اکرام کے باقی چار گرگوں میں سے دو بالکل بے حس و حرکت نظر آ رہے تھے جبکہ
باقی دو کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ وہ دونوں کسی بھی قسم کی مزاحمت کے قابل نہیں تھے۔
میں نے انہیں ان کے حال پر چھوڑا اور اکرام کی جانب متوجہ ہوا۔ قمیص کی قیمتی ریشمی
چادر کو پھاڑ کر رسی کی شکل دینے اور ان سے اکرام کو اچھی طرح جکڑنے میں مجھے زیادہ دیر
نہ لگی۔ قمیص کو گھسیٹ کر جیپ سے نیچے پھینکتے ہوئے مجھے ذرا بھی دکھ نہ ہوا۔ اس نے
اپنی حرکتوں سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ کسی بھی رعایت کی مستحق نہیں تھی۔ گراں ڈیل اکرام
کو جیپ کے اندر ڈالنا خاصی پر مشقت ورزش ثابت ہوئی۔ یہ مرحلہ مکمل ہوتے ہی میں
اطمینان کا سانس بھی نہیں لینے پایا تھا کہ ایک نئی مصیبت اپنی جانب بڑھتی نظر آئی۔ اس
ہنگامہ آرائی اور فائرنگ کے نتیجے میں آس پاس کے تمام لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے تھے۔
خطرناک صورتحال کے پیش نظر انہوں نے فوری مداخلت تو نہیں کی تاہم وہ محفوظ فاصلے پر
رہتے ہوئے نہ جانے کب سے اس فل ایکشن تھرلر فلم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اب
جبکہ یہ سین تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ وہ اپنی موجودگی ثابت کرنے کے لئے عملی کارروائی کے
درپے تھے۔ گلی کے موڑ سے جھانکنے والے افراد کی تعداد دو درجن کے لگ بھگ تو ضرور
رہی ہو گی۔ وہ چیخ چیخ کر آپس میں صلح مشورے کر رہے تھے۔ میں ان پر کوئی توجہ نہ دیتا
لیکن ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ڈبل بیرل شاٹ گن کی موجودگی نے مجھے محتاط ہونے پر
مجبور کر دیا۔ میں اگر ذرا بھی مزید تاخیر کرتا تو وہ میرے فرار کی راہ مسدود کر سکتے تھے۔ اگر
اس دوران میں خدانخواستہ پولیس پہنچ جاتی تو صورتحال میرے قابو سے باہر ہو سکتی تھی۔

پیجیرو کے انجن کی گرج نے ان لوگوں میں کھلبلی مچا دی۔ میں نے جیپ کو ریورس کر
کے اس کا رخ گلی کے موڑ کی طرف کر دیا' میرے ارادے بھانپتے ہوئے شاٹ گن بردار
شخص نے پوزیشن لینا چاہی لیکن اسی وقت میں نے ماؤزر سنبھالا اور اس کا رخ آسمان کی
جانب کر کے ٹریگر دبا دیا۔ آٹومیٹک فائر کی ہولناک تڑتڑاہٹ نے ان لوگوں کے اوسان خطا
کر دیئے۔ وہ سب ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگے۔ میں نے جیپ کو چند گز آگے
بڑھایا۔ اس کے بعد ایک بار پھر ہلکا سا برسٹ فائر کیا جس نے رہی سہی کسر بھی پوری کر
دی۔ جیپ گلی کے موڑ پر پہنچی تو وہاں دور دور تک کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ میں نے
مزید توقف کرنا مناسب نہ سمجھا۔ جیپ طوفانی رفتار سے آگے بڑھتی ہوئی بغیر کسی مزاحمت
کے سڑک پر پہنچ گئی تاہم میں نے اس وقت تک رفتار کم نہیں کی جب تک مجھے یقین نہیں
ہو گیا کہ میں خطرے کی زد سے باہر آ چکا ہوں۔

میں ناگن چورنگی سے گھوم کر سہراب گوٹھ اور پھر گلشن اقبال پہنچ گیا۔ مجھے اب کسی

ایسے ٹھکانے کی ضرورت تھی جہاں میں اطمینان سے اکرام کی زبان کھلوا سکتا اور ایسی جگہ کا بندوبست نا عمہ کی مدد کے بغیر ممکن نہ تھا۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ تب تک اکرام کو لوگوں کی نظروں سے کیسے محفوظ رکھا جاتا۔ سب سے بڑی مصیبت تو وہ پجیرو تھی۔ یہ مہنگی اور نئی نکور گاڑی خواہ مخواہ لوگوں کی نگاہ کا مرکز بن رہی تھی اور ایسے لوگوں کی تو کبھی کمی نہیں ہوتی جو حسین چہروں کی تلاش میں ہر گاڑی کو نظروں سے کھنگالنا اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی اکرام کی موجودگی سے آگاہ ہو جاتا تو میں آزمائش میں گرفتار ہو سکتا تھا۔

فون کرنے کے لئے مناسب اور الگ تھلگ جگہ تلاش کرنے میں مجھے خاصی دیر لگ گئی۔ بالآخر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ نا عمہ نے مبہم الفاظ میں ملنے والا پیغام فوراً سمجھ لیا۔ اس نے مجھے ایک مخصوص مقام پر انتظار کرنے کو کہا اور فون بند کر دیا۔ میں یونیورسٹی روڈ کا طویل چکر کاٹ کر مطلوبہ مقام پر پہنچا تو نا عمہ کو گاڑی سمیت منتظر پایا۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا .... کیا آپ واقعی اسے قابو کر کے لانے میں کامیاب ہو چکے ہیں؟" اس کے لہجے میں تجسس اور ہیجان کی لرزش واضح تھی۔

"یقین تو خیر آپ کو ابھی آ جائے گا جب آپ اس کی منحوس شکل دیکھیں گی۔ اب آپ یہ بتائیں کہ اس خبیث کو رکھا کہاں جائے؟ یہ جیپ کسی بھی وقت ہمارے لئے پھندا ثابت ہو سکتی ہے۔"

"اوہ ایسا کریں' سب سے پہلے تو اسے میری گاڑی کی ڈکی میں منتقل کر دیں۔ پھر اطمینان سے اس کی آخری آرام گاہ کا بندوبست کریں گے۔ آپ نہیں جانتے مجھے اس سے کتنے حساب چکانے ہیں۔" نا عمہ کے لہجے میں تلخی نمایاں تھی۔

اکرام ابھی تک پوری طرح بے ہوش تھا تاہم ہم نے احتیاطاً" اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ اس کے جثے کے لحاظ سے نا عمہ کی کار کی ڈکی خاصی تنگ تھی تاہم نا عمہ اس سے کسی قسم کی رعایت برتنے کو تیار نہیں تھی۔ اس دوران میں ہم نے پوری احتیاط رکھی تھی کہ مسافر کے گاڑی تبدیل کرنے کا کسی کو پتا نہ چل سکے۔ ہم نے اکرام کی پجیرو وہیں چھوڑی اور آگے بڑھ گئے۔ گاڑی چلاتے ہوئے نا عمہ بے حد شاداں و فرحاں نظر آ رہی تھی۔ میں نے اسے مختصراً" اپنی کارروائی کے بارے میں بتایا تو اس نے داد و تحسین کی بارش کر دی۔ "آج میری زندگی کی بہت بڑی آرزو پوری ہو گئی ہے۔ یہ بدبخت سمجھتا تھا کہ دنیا میں کوئی بھی اس کا راستہ نہیں روک سکتا' یہ جسے چاہے اپنے قدموں میں لوٹنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اب اسے احساس ہو گا کہ خدا نے ہر فرعون کے لئے ایک موسیٰ پیدا فرمایا ہے۔"

"لیکن اب ہم جا کہاں رہے ہیں؟" میں نے گاڑی کو سپر ہائی وے پر حیدر آباد کی

جانب رواں دواں دیکھ کر پوچھا۔

نا عمہ نے پراعتماد لہجے میں مجھے تسلی دی۔ "آپ بے فکر رہیں۔ ہم جس جگہ جا رہے ہیں وہ ہمارے مقصد کے لئے موزوں ترین ہے۔ وہاں ہمیں ہر قسم کی سہولتیں میسر ہوں گی بلکہ کوئی ہمارے کام میں مداخلت بھی نہیں کرے گا۔" اس کی بات سن کر میں مطمئن ہو گیا۔

نا عمہ شاید جان بوجھ کر نہایت سست رفتاری سے گاڑی چلا رہی تھی۔ چنانچہ نوری آباد کے قریب جب ہم پٹرول پمپ سے ٹینکی فل کرانے کے لئے رکے تو سورج مغرب میں جھکنے لگا اور چند کلومیٹر آگے چل کر جب ہم سپرہائی وے چھوڑ کر غیر ہموار لیکن پختہ سڑک پر روانہ ہوئے تو اندھیرا پوری طرح غالب آ چکا تھا۔ اس بے ہنگم اور ویران سڑک پر ہمارا سفر چند ہی کلومیٹر جاری رہا ہو گا لیکن اس مختصر سے سفر نے ہمارے جوڑ جوڑ ہلا کر رکھ دیئے تھے۔ مجھے بار بار اکرام کا خیال آ رہا تھا۔ اس تنگ اور تکلیف دہ ڈکی میں اس کا تو بھرتا بن کر رہ گیا۔ ادھر نا عمہ پر کھلنڈرے پن کا دورہ پڑا ہوا تھا۔ وہ ہر ہنسنے اور نہ ہنسنے والی بات پر قہقہے لگا رہی تھی۔ اس وقت وہ ایسی نوعمر اور شوخ و شنگ لڑکی نظر آ رہی تھی جسے پہلی بار زندگی کی خوشیوں سے حصہ ملا ہو۔ وہ مجھے اب تک کے معمول کے برعکس آپ کے بجائے تم کہہ کر مخاطب کر رہی تھی۔ اس کی یہ کیفیت میرے لئے قدرے حیران کن ہونے کے ساتھ ساتھ خوش آئند بھی تھی اور میں اس کی شگفتہ مزاجی کا پوری طرح ساتھ دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

آخر کار وہ تھکا دینے والا سفر اپنے اختتام کو پہنچا۔ وہ ایک بہت بڑا زرعی فارم تھا جو اس ویران و غیر آباد علاقے میں کسی نخلستان کا سا منظر پیش کرتا ہو گا۔ نا عمہ نے جہاں گاڑی روکی تھی اس سے تھوڑا آگے پختہ کمروں کا ایک طویل سلسلہ نظر آ رہا تھا جس کو غالباً" ڈیزل جنریٹر کے ذریعے بجلی فراہم کی جاتی تھی۔ ان کمروں کے سامنے ایک سرسبز لان موجود تھا جس میں اس وقت بھی چار پانچ افراد غالباً تاش کھیلنے میں مصروف تھے۔ اپنے حلیوں سے وہ فارم کے کارندے نظر آ رہے تھے۔ ہماری گاڑی کی آمد پر وہ چونکے تو ضرور تھے۔ البتہ ان کے انداز سے غیر معمولی حیرانی کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ نا عمہ کے ہارن بجانے پر ایک کمرے سے ایک شخص برآمد ہوا اور تھکے تھکے قدموں سے ہمارے پاس پہنچ گیا البتہ نا عمہ پر نظر پڑتے ہی اس کی سستی رخصت ہو گئی اور اس نے دانت نکالتے ہوئے سلام کیا۔

"محمد حسین چار نمبر گیسٹ ہاؤس خالی ہے ناں؟" نا عمہ کے لہجے میں نرمی اور رعونت کا نادر امتزاج تھا۔ محمد حسین نے زور زور سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "خالی ہے میڈم' بالکل خالی ہے۔"

"جاؤ جلدی سے چابی لے کر آؤ۔ فارم پر اور کوئی مہمان تو نہیں ہے ناں؟"

نائمہ کی بات سن کر محمد حسین نے پہلے ہاں اور پھر نہ میں زور سے گردن ہلائی۔ "کوئی نہیں ہے میڈم۔ دو مہینے پہلے صاحب کے جانے کے بعد سے کوئی مہمان نہیں آیا اور نہ صاحب کے آنے تک کوئی آئے گا۔"

"کب آ رہے ہیں تمہارے صاحب؟"

"سردیاں ختم ہونے کے بعد۔ بہار میں۔" محمد حسین کے لہجے میں سعادت مندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ "میڈم آپ کے لئے کھانے پینے میں کیا کیا تیار کراؤں؟"

"ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ سب کچھ ہم ساتھ لے کر آئے ہیں۔ اپنے ساتھیوں سے کہہ دو جب تک ہم خود نہ بلائیں کوئی اس طرف آنے کی کوشش نہ کرے۔"

"آپ فکر نہ کریں میڈم۔ آپ کو کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔ آپ فون کر کے بلائیں گی تو میں خود آؤں گا آپ کی خدمت میں۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم جا کر آرام کرو۔" نائمہ نے چابیوں کا گچھا ہاتھ میں لیتے ہوئے سو سو کے نوٹوں کی چھوٹی سی گڈی محمد حسین کے ہاتھ میں تھما دی تھی۔ محمد حسین کے چہرے پر یکایک بے شمار گلاب کھل اٹھے۔ وہ مزید کچھ کہے بغیر واپس لوٹ گیا۔ یہ سب میرے لئے نیا تو ضرور تھا البتہ حیرت انگیز ہرگز نہیں تھا۔ نائمہ کی زندگی کے تمام اندھیرے اجالے میرے علم میں تھے۔ وہ اس سے کہیں زیادہ مشکل مراحل چٹکی بجاتے طے کر سکتی تھی۔

چار نمبر گیسٹ ہاؤس تک پہنچنے کے لئے ہمیں نیم پختہ راستے پر نصف کلو میٹر کے لگ بھگ فاصلہ طے کرنا پڑا۔ یہ چھوٹے بڑے درختوں میں گھری ہوئی جدید طرز کی دو منزلہ عمارت تھی۔ آس پاس دور دور تک کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔ نائمہ نے حسب معمول موزوں ترین جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ گیسٹ ہاؤس کی چابیاں اس نے میرے حوالے کر دیں۔ "لیجئے جناب یہ ہے ہماری منزل۔ اب اس جنگلی بھینسے کو اس کے کھونٹے تک پہنچانا آپ کی ذمے داری ہے۔ کسی قسم کے تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کو زلفوں سے پکڑیں اور گھسیٹتے ہوئے اندر لے چلیں۔"

حسب توقع اکرام ہوش میں آ چکا تھا لیکن منہ میں کپڑا ٹھنسا ہونے کے باعث وہ پھنکارنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں بول سکتا تھا۔ میں نے اسے کار کی ڈکی سے نکالا اور نہایت بے رحمی سے پختہ فرش پر پٹخ دیا۔ نائمہ کی خواہش کے عین مطابق میں اس سے کسی بھی قسم کی رعایت برتنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ مجھے اس کی زبان کھلوانی تھی اور یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ اسے سیدھا کرنے میں مجھے دانتوں پسینے آ جائیں گے۔ مجھے اسے جسمانی سے زیادہ اعصابی شکست و ریخت کا شکار کرنا تھا۔ اس کے بغیر اس کا منہ

کھلوانا ممکن نہ تھا۔ میں اپنے ذہن میں ابتدائی منصوبہ بندی کر چکا تھا اور یہ بے رحمانہ طرز عمل اسی کا حصہ تھا۔

میں نے اسے کچھ دیر تک اسی طرح منہ کے بل سرد پتھریلے فرش پر پڑا رہنے دیا۔ میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ فرش کی ٹھنڈک رفتہ رفتہ اس کی ہڈیوں میں سرایت کر رہی ہو گی۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ آس پاس کے ماحول کے سکوت اور تاریکی سے اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ کسی ایسی جگہ پہنچا دیا گیا ہے جہاں اس کا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں پہنچ سکتا اور وہ مکمل طور پر ہمارے رحم و کرم پر ہے۔

نائمہ کو اس کے پاس چھوڑ کر میں نے گیسٹ ہاؤس کا دروازہ کھول دیا۔ اس کے بعد میں نے گاڑی میں موجود روزمرہ ضرورت کا سامان اندر پہنچا دیا۔ وہاں بجلی نہیں تھی البتہ دو گیس لیمپ موجود تھے جو میں نے روشن کر دیئے۔ میں واپس نائمہ اور اکرام کے پاس پہنچا تو صورتحال جوں کی توں تھی۔

میں اکرام کو گھسیٹتا ہوا گیسٹ ہاؤس کے اندر لے گیا اور ایک بار پھر منہ کے بل پختہ فرش پر ڈال دیا۔ نائمہ گیسٹ ہاؤس کا دروازہ مقفل کر چکی تھی۔ اکرام کچھ دیر تو چپ چاپ اسی حالت میں پڑا رہا۔ پھر اس نے کلبلا کر سیدھا ہونے کی کوشش کی۔ نائمہ نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن میں نے اسے اطمینان سے تماشا دیکھنے کا اشارہ کیا۔ خاصی جدوجہد کے بعد اکرام سیدھا ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جونہی اس کی نگاہیں مجھ سے ملیں۔ میں نے اسے محبت بھری مسکراہٹ کا تحفہ پیش کیا۔ اس کی آنکھوں میں چمکنے والی چنگاریاں یک لخت نفرت کے بھڑکتے شعلوں میں تبدیل ہو گئیں۔ وہ دیر تک مجھے گھورتا رہا۔ جب میری لبی مسکراہٹ میں کوئی فرق پڑتا نظر نہ آیا تو وہ تھک ہار کر نائمہ کی طرف متوجہ ہوا جس نے پہلی فرصت میں خطرناک انداز میں آنکھ مار کر اس کا خیر مقدم کیا۔ مجھے یقین ہے اگر اس لمحے ہم اس کے قابو میں آ جاتے تو وہ ہماری ہڈیاں تک چبا ڈالتا۔

"اتنا غصہ کس بات پر میری جان؟" نائمہ نے پیار بھرے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ "پہلے تمہیں میری میزبانی کا شوق چرایا تھا' اب میری باری ہے۔ میں نے تو اس طرح کے ناز نخرے نہیں دکھائے تھے جیسے تم دکھا رہے ہو۔"

ظاہری بات ہے اس کے جواب میں بے زبان اکرام بے چارہ کہہ بھی کیا سکتا تھا۔ مجھے اس صورتحال سے الجھن ہونے لگی تھی چنانچہ میں نے اس کے منہ سے کپڑا نکال دیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ وہ مغلظات سے فضا بدبودار کر دے گا لیکن اس کے برعکس وہ خاصی دیر تک بالکل خاموش رہا۔ اس کے چہرے پر غصے کے بجائے تفکر کے تاثرات نمایاں تھے۔

"تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اکرام نے گمبھیر لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔ میں نے اس کے سوال کا فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ "نکہت کے ذریعے مجھے تلاش

کرنا اور مجھے یہاں تک لانا ثابت کرتا ہے کہ تم کسی بڑے مقصد کے تحت میرے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔

ناعمہ اور تمہاری وجہ سے مجھے اپنا پچھلا اڈا چھوڑنا پڑا تھا اور میں سمجھ رہا تھا کہ یہ معاملہ ختم ہو چکا ہے لیکن یوں لگتا ہے اصل سلسلہ کوئی اور ہے۔ میں یہ تسلیم کرنے کو ہرگز تیار نہیں ہوں کہ تم دونوں مجھ سے انتقام لینے کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہو۔" اس کے لہجے میں گہری سنجیدگی کی جھلک نمایاں تھی۔

ناعمہ نے معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں اکرام کے الفاظ کا تجزیہ کر رہا تھا۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ وہ شخص اس سے کہیں زیادہ گہرا اور ذہین ہے جتنا میں اسے سمجھا تھا۔ اس نے صورتحال کا بالکل درست تجزیہ کیا تھا۔

"نگہت نے تمہیں بتا دیا ہو گا کہ میں تمہیں ہر قیمت پر تلاش کرنا چاہتا تھا۔" خاصے غور و فکر کے بعد میں نے اس سے بالآخر بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ "تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ بات محض انتقام تک محدود نہیں ہے۔ تم جو غلیظ اور گھناؤنا کاروبار کرتے ہو اس کے لحاظ سے تمہارے خلاف جہاد کرنا اپنی جگہ خود بہت اعلیٰ و ارفع مقصد ہے لیکن مجھے ایک اور وجہ سے بھی تمہارا راستہ کاٹنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔"

اکرام نے حیرانی سے پوچھا۔ "اور کون سی وجہ ہو سکتی ہے جس کے لئے تم اپنی زندگی داؤ پر لگاتے پھر رہے ہو؟ مجھے بتاؤ یہ سب کیا ہے' ہو سکتا ہے ہم دونوں مل کر کوئی ایسا مناسب راستہ تلاش کر سکیں جس پر ہمارا ٹکراؤ نہ ہو سکے۔ میں ناعمہ اور تمہارے تعلق کی نوعیت سے واقف نہیں ہوں لیکن میں ذہنی طور پر تسلیم کر چکا ہوں کہ ناعمہ اور میں ایک دوسرے کے لئے تخلیق نہیں کئے گئے اور میں اپنی جان بھی دے دوں تو اس کے دل میں اپنے لئے جگہ نہیں بنا سکتا۔"

"ہم دونوں میں ناعمہ قطعاً" وجہ تنازع نہیں ہے اور اگر تم واقعی مجھ سے تعاون کر سکو تو میں یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ کبھی تمہارے راستے میں نہیں آؤں گا۔"

"اکرام نے استفہامیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔"

"سب سے پہلی بات تو یہ کہ میں جانتا ہوں کہ تم اس دھندے میں خود مختار نہیں ہو۔ تمہارا تعلق ایک بہت بڑے جرائم پیشہ گروہ سے ہے اور تم اپنے علاقے کے انچارج ہو۔ اگر یہ لوگ تمہیں نہ بچاتے تو اس روز ہم نے تمہارا پکا کام کر دیا تھا۔ میں نے اب تک جو کچھ کہا' کیا وہ غلط ہے؟"

اکرام نے قدرے تذبذب کے بعد نفی میں گردن ہلا دی۔ "تم غلط نہیں کہہ رہے ہو' اب اصل بات بتاؤ۔"

"تمہارے گروہ کے مرکزی افراد میرے حوالے سے کسی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ وہ

سمجھتے ہیں میرے پاس کوئی ایسی چیز موجود ہے جو ان کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ اس چیز کے حصول کے لئے بار بار مجھ پر دھاوا بولتے رہے ہیں۔ اس دوران میں دونوں طرف کے لوگوں کو خاصا نقصان بھی اٹھانا پڑا۔"

اچانک اکرام نے میری بات کاٹ دی۔ "اچھا تو وہ تم ہو جس نے پوری تنظیم کو عذاب میں ڈال رکھا ہے؟ وہ لوگ تو واقعی تمہارے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ تم اگر ان کے ہتھے چڑھ گئے تو تمہاری دھجیاں تک نہیں ملیں گی۔ تم نے ہمارا کاروبار تباہ کر ڈالا ہے۔ خصوصاً سہراب گوٹھ میں رستم خان کے اڈے کی تباہی نے تو ہماری کمر ہی توڑ کر رکھ دی ہے۔ اب وہ علاقہ ہماری مخالف پارٹی کے قبضے میں چلا گیا۔"

"یقین کرو مجھے قطعاً" پتا نہیں تھا کہ رستم خان اور اس کا بیٹا تمہارے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے مجھے یہ علم نہیں تھا کہ تمہارے خلاف کارروائی کر کے میں تمہارے گروہ کو نقصان پہنچا رہا ہوں۔ وہ لوگ خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ میرے قبضے میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے میں تم لوگوں کے خلاف استعمال کر سکوں۔ اگر ایسی کوئی چیز میرے پاس ہوتی تو میں بہت پہلے تمہارے خلاف استعمال کر چکا ہوتا یا پھر مجبوراً" تم لوگوں کے حوالے کر دیتا۔ میں اس آنکھ مچولی سے تنگ آ چکا ہوں۔ اگر......"

اکرام نے ایک بار پھر میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "دیکھو مسٹر تم نے اب تک جو کہا وہ میں نے سن تو لیا لیکن تم مجھے اس پر یقین کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ میں بے وقوف نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "میں نے تم سے کون سا جھوٹ بولا ہے؟"

"مجھے اور میری تنظیم کے تمام افراد کو علم ہے کہ تم ایک پورے گروہ کے ہمراہ ہمارے خلاف کارروائی کرتے رہے ہو۔ تم لوگوں نے سہراب گوٹھ کا ایریا ہم سے چھین لیا ہے اور میرے علاقے پر اجارہ داری قائم کرنا چاہتے ہو لیکن تمہارا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔ میرے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اب تک میری جگہ پر کی جا چکی ہو گی......"

"اگر تم میری پوری بات سن لیتے تو تمہیں یہ مکالمے بولنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ میں نے کب کہا کہ میں تنہا ہوں؟ میرے ساتھ چند نوجوانوں کا ایک چھوٹا سا گروپ ہے لیکن ہمارا منشیات فروشی یا کسی اور مجرمانہ سرگرمی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم سب آپس میں دوست ہے۔ اس سارے معاملے کی ابتداء اس وقت ہوئی جب تمہاری تنظیم کے لوگوں نے اس نامعلوم ڈائری کے چکر میں میری زندگی اجیرن کر دی۔ مجبوراً" مجھے میدان میں آنا پڑا کیونکہ میں نے اس منحوس ڈائری کی شکل تک نہیں دیکھی تھی اور تمہارے

ساتھی میری بات کو سچ تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے۔ میری روپوشی کے بعد تمہارے ساتھیوں نے میرے دوست کاشف کو اغواء کر لیا جو ابھی تک ان ہی لوگوں کے قبضے میں ہے۔ اس کے بعد انہوں نے میرے دو دوستوں اشرف اور عمر کو بھی اغواء کر لیا۔ ان کا آج تک پتہ نہیں چل سکا۔ میں جانتا ہوں کہ ان تینوں کو کس لئے اغواء کیا گیا ہے۔ تمہاری تنظیم کے کرتا دھرتا ان تینوں کے بدلے میں مجھ سے وہ ڈائری حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تم ہی بتاؤ کہ جب مجھے اس ڈائری کے بارے میں سرے سے علم ہی نہیں تو میں اسے ان کے حوالے کیسے کر سکتا ہوں۔ محض اس غلط فہمی کے باعث ہم لوگ خواہ مخواہ ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے اور میرے دوستوں کی زندگیاں بھی جہنم بن کر رہ گئی ہیں۔"

میری بات ختم ہونے پر اکرام نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ غالباً فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ میری باتوں کے جواب میں کس رد عمل کا اظہار کرے۔ خاصی دیر سوچ میں ڈوبے رہنے کے بعد اس نے کہا۔ "میں نہیں جانتا کہ تمہاری سنائی ہوئی کہانی میں کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس معاملے میں میں کیا کر سکتا ہوں۔ تمہارے بارے میں مجھے جو کچھ بھی علم ہے وہ میرے گروپ کے دوستوں نے بتایا ہے مجھے اوپری سطح کے لوگوں نے تمہارے حوالے سے اعتماد میں نہیں لیا کیونکہ تنظیم میں میری پوزیشن اتنی اہم نہیں ہے۔ اگر تمہارے ساتھی تنظیم کے قبضے میں ہیں بھی تو مجھے ان کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ نہ ہی میں اپنے سینئرز سے تمہاری سفارش کر سکتا ہوں کیونکہ میں خود بھی تمہارے جھوٹے یا سچے ہونے کے بارے میں یقین سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔"

"مجھے تمہاری سفارش یا عملی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ تم مجھے اپنی تنظیم کے ہیڈ کوارٹر اور چیدہ چیدہ ٹھکانوں کے پتے بتا دو' اپنے ساتھیوں کو برآمد میں خود کرا لوں گا۔ تم اگر رضا کارانہ طور پر اپنی زبان کھول دو تو تمہاری مہربانی ہو گی کیونکہ میں تم پر تشدد نہیں کرنا چاہتا۔ تم لاکھ برے سہی لیکن بہرحال ایک بہادر انسان ہو اور میں بہادروں کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ یاد رکھو مجھے اپنے ساتھیوں کو ہر قیمت پر آزاد کرانا ہے۔ خواہ اس کے لئے مجھے اپنی جان دینا پڑے یا کسی کی جان لینا پڑے۔" میں نے پتھر کی طرح ٹھوس اور بے لچک لہجے میں کہا۔

"تم نے جس طرح جان پر کھیل کر مجھے قابو کیا ہے وہ تمہاری بہادری اور ارادے کی مضبوطی ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔" اکرام نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "میں خود بھی بہادروں کی قدر کرتا ہوں لیکن افسوس اس معاملے میں میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔ میں اس......"

اکرام مزید نہ جانے کیا کہنے والا تھا لیکن گیسٹ ہاؤس کے دروازے پر ہونے والی

دستک نے میری توجہ اس کی طرف سے ہٹا دی۔ اتنی رات گئے کسی کی وہاں آمد ہمارے لئے قطعاً" غیر متوقع تھی۔ میں نے نائمہ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی حیرت اور اضطراب کے تاثرات نمایاں تھے۔ فارم کے کارندے نے کہا تھا کہ اگر اسے ہم سے رابطے کی ضرورت پڑی تو وہ فون استعمال کرے گا لیکن ہماری نظروں کے سامنے فون خاموش پڑا تھا۔ ہم کوئی فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ دروازے پر ایک بار پھر زور دار دستک ہوئی۔ وہ جو کوئی بھی تھا خاصا بے قرار محسوس ہوتا تھا۔ میں نے نظروں ہی نظروں میں نائمہ سے مشورہ کیا اور پھر تیزی سے اکرام کی طرف بڑھا جس کے چہرے پر تجسس اور بے چینی کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اٹھایا اور اسے مسہری کی دوسری طرف اندھیرے میں فرش پر لٹا دیا اور اس کے منہ پر کپڑا باندھنے لگا۔

میں اکرام کی زبان بندی کر کے فارغ ہی ہوا تھا کہ اچانک ایک حیرت انگیز منظر نے میرے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑا دی۔ گیسٹ ہاؤس کی تمام چابیاں ہمارے پاس تھیں لیکن ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے کمرے کے قفل میں باہر سے چابی گھومی اور دروازہ کھلتا چلا گیا۔ یہ سب اس قدر اچانک ہوا کہ ہمیں اپنے ہتھیار سنبھالنے کا موقع بھی نہ مل سکا اور ہم سکتے کے عالم میں اندر داخل ہونے والوں کی شکل دیکھنے کے علاوہ کچھ بھی نہ کر سکے۔

سب سے پہلے نظر آنے والے شخص کے سر پر طرے والی سفید پگڑی تھی اور بھاری بھرکم اور طویل قامت جسم پر سبزرا سلک کا سوٹ نظر آ رہا تھا' لباس کے علاوہ اپنی چال ڈھال اور طنطنے سے بھی وہ وڈیرا قسم کی چیز دکھائی دیتا تھا۔ کمرے کی چابی ابھی تک اس کے ہاتھ میں موجود تھی اور وہ اس طرح اطمینان سے ہمارے مقابل آن کھڑا ہوا تھا جیسے وہ اس جگہ کا مالک ہو اور ہم بن بلائے مہمان۔ خلاف توقع اس کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نظر نہیں آ رہا تھا اور اس کا رویہ بھی جارحانہ نہیں تھا البتہ اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں گھس آنے والے دونوں افراد کلاشنکوفوں سے لیس نظر آ رہے تھے تاہم ان کی کلاشنکوفیں ان کے شانوں پر سجی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کی طرف سے مطمئن ہو کر میں نے مدمقابل شخص کا جائزہ لینا چاہا تو اسے نائمہ سے مخاطب پایا۔

"یہ تو بہت زیادتی ہے نائمہ جی۔ آپ نے ہمارے علاقے کو رونق بخشی اور ہمیں خبر تک نہیں کرائی۔" مقامی لہجے سے قطع نظر اس کی زبان خاصی شستہ تھی۔ اس کا نائمہ سے اتنے بے تکلفانہ انداز میں مخاطب ہونا میرے لئے تعجب انگیز تھا۔

مزید حیرت مجھے اس وقت ہوئی جب نائمہ نے بھی اس سے اجنبیت کا اظہار نہیں کیا۔ "سردار سائیں! میں اب کیا بتاؤں۔ کچھ ہی دیر پہلے تو یہاں پہنچی ہوں راستے کی تھکن نے اتنا بے حال کر رکھا ہے کہ بیٹھنے کی بھی ہمت نہیں۔ سوچا تھا صبح آپ کو سلام بھجواؤں گی۔ آپ کو میرے آنے کا پتا کیسے چلا۔"

"یہ میرا علاقہ ہے نائمہ جی۔ یہاں کوئی چرند پرند بھی قدم رکھے یا یہاں سے رخصت ہو تو مجھے خبر مل جاتی ہے۔ میں حیدر آباد سے چند ہی منٹ پہلے لوٹا ہوں۔ آپ کی آمد کی اطلاع ملی تو مجھ سے رہا نہیں گیا۔ سیدھا دوڑا چلا آیا۔" وہ اس قدر والہانہ لہجے میں بات کر رہا تھا کہ جیسے ابھی نائمہ کے قدموں میں سر رکھ دے گا۔ میرے لئے اس کے اور نائمہ کے مراسم کی نوعیت کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا لیکن اس وقت اس کی ناگہانی آمد نے میرے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا تھا۔

میں نے شاکی نظروں سے نائمہ کی جانب دیکھا لیکن وہ شاید ندامت کے مارے مجھ سے نگاہیں ملانے سے گریزاں تھی۔ نووارد سردار نہایت بے تکلفی سے اس کے ساتھ والے صوفے پر قابض ہو چکا تھا۔ اس کی عمر چالیس بیالیس سال رہی ہو گی۔ اگر اس کے چہرے پر کلہاڑی کے زخم کا گہرا نشانہ نہ ہوتا تو اسے خاصا خوش شکل اور وجیہہ قرار دیا جا سکتا تھا۔ اس زخم کے باعث اس کی بائیں آنکھ بھی ضائع ہو چکی تھی۔ اس یک چشم سردار نے مجھے ذرا سی بھی توجہ کے قابل نہیں سمجھا تھا۔ مجھے اصل اندیشہ یہ تھا کہ کہیں اس شخص یا اس کے ساتھیوں کی نظر اکرام پر نہ پڑ جائے۔ ایسی صورت میں ہمارے لئے صورتحال سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ وہ لوگ جتنی جلدی ہماری جان چھوڑ دیتے اچھا تھا۔ نائمہ کی بھی یقیناً" یہی خواہش تھی۔

"نائمہ جی آپ اتنے طویل وقفے کے بعد یہاں کا چکر لگاتی ہیں۔ کیا آپ کو ذرا بھی خیال نہیں کہ آپ کے دیوانے آپ کی دید کو ترس رہے ہوں گے۔ بہرحال اب آپ آ ہی گئی ہیں تو......"

"مجھے افسوس ہے سردار صاحب۔ اس بار میں صرف آرام کی نیت سے یہاں آئی ہوں۔ اس لئے کوئی سازندہ بھی میرے ساتھ نہیں ہے۔ ایسے میں میں آپ کی سمع خراشی نہیں کر سکوں گی۔" یہ روکھے الفاظ ادا کرتے ہوئے بھی نائمہ نے اپنے لہجے کی مٹھاس میں کمی نہیں آنے دی تھی۔ سردار کے چہرے پر یک لخت مایوسی کے بادل چھا گئے۔ "چلیں کوئی بات نہیں۔ آپ ہمیں کچھ دیر اپنی خدمت کا موقع تو دیں گی ناں؟ ویسے آپ کتنے دن کے لئے تشریف لائی ہیں؟"

"میں دو تین دن یہاں رہوں گی۔ آپ فکر نہ کریں میں کل ہی آپ کے دولت خانے پر حاضر ہو جاؤں گی۔"

"آپ کی بڑی مہربانی نائمہ جی۔ میں آپ......" سردار بولتے بولتے اچانک خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہنکارے سے ملتی جلتی وہ آواز یقیناً اکرام کی ناک سے برآمد ہو رہی تھی۔ وہ موقع مناسب جان کر اس نووارد شخص کی توجہ حاصل کرنا چاہتا تھا تاکہ ہمارے شکنجے سے نجات حاصل کر سکے۔ وہ اپنی کوشش میں اس حد تک تو کامیاب

ہو چکا تھا کہ سردار نے اس کی آواز سن لی تھی۔ "یہ کیسی آواز ہے نائمہ جی۔ یوں لگ رہا ہے جیسے کسی کا گلا گھونٹا جا رہا ہو۔"

"ارے نہیں سردار سائیں۔ یہ محض آپ کا وہم ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔" نائمہ نے پراعتماد لہجے میں صفائی پیش کی لیکن اکرام کی ناک سے بلند ہونے والی تیز آواز نے اس کی یہ کوشش ناکام بنا دی۔ سردار نے ایک گیس لیمپ اٹھایا اور وسیع و عریض بیڈ کے دوسری طرف پہنچ گیا۔ اگلے ہی لمحے اکرام رسن بستہ حالت میں اس کی نظروں کے سامنے تھا۔

"یہ ...... یہ کون ہے نائمہ جی اور آپ نے اسے کیوں باندھ کے ڈال رکھا ہے؟"

نائمہ نے بے بسی کے عالم میں میری طرف دیکھا۔ اس صورت حال نے میرے اعصاب جھنجھنا کر رکھ دیئے تھے۔ معاملہ لحہ بہ لحہ خراب تر ہوتا جا رہا تھا۔ اس دور افتادہ جنگل میں جو بقول سردار سائیں کے' اس کا علاقہ تھا اور ان دو خونخوار کلاشنکوف برداروں کی موجودگی میں کسی قسم کی مزاحمت کا نتیجہ ہمارے لئے خطرناک نکل سکتا تھا۔ ایسے میں جو کچھ کرنا تھا نائمہ ہی کو کرنا تھا۔ "یہ بہت خطرناک غنڈہ ہے سردار سائیں۔ میری زندگی اجیرن کر رکھی ہے اس نے۔ کبھی قتل کرنے کی دھمکی دیتا ہے کبھی اغواء کرنے کی کوشش کرتا ہے۔"

"اچھا...... تو یہ بات ہے۔ اس کی تو میں ایسی تیسی کر کے رکھ دوں گا۔ یہ سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو؟ اسے میرے حوالے کر دیں۔ میں خود اس سے نمٹ لوں گا۔ ویسے یہ چاہتا کیا ہے آپ سے؟"

"مجھے اپنے گھر میں ڈالنا چاہتا ہے۔ زبردستی مجھے اپنی...... اب میں کیا بتاؤں آپ خود سمجھ دار ہیں۔"

"پھر تو یہ واقعی کسی رعایت کا مستحق نہیں ہے۔ آپ اسے یہاں کیوں لے آئیں؟ اس کا گلا گھونٹ کر پھینک دیا ہوتا اس خبیث کو۔ خیر کوئی بات نہیں' یہ نیک کام میرے کارندے کر دیں گے۔ کسی کو اس کی قبر کا نام و نشان بھی نہیں مل پائے گا۔" اس کے لہجے میں بھرپور اعتماد تھا۔

نائمہ نے جلدی سے کہا۔ "نہیں سردار سائیں۔ میں اسے ابھی ختم نہیں کرانا چاہتی۔ ابھی تو مجھے اس کی زبان کھلوانی ہے۔ اس سے اپنے ان قیمتی زیورات کا پتا کرنا ہے جنہیں یہ اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اسے آپ ہم پر چھوڑ دیں۔ آپ اس معاملے میں دخل نہ دیں تو زیادہ بہتر ہو گا۔ ہم اس سے بخوبی نمٹ سکتے ہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے نائمہ جی۔ ہمارے ہوتے ہوئے آپ کو یہ تکلیف اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے کارندوں کو ایسے اچکوں سے نمٹنا آتا ہے۔ دو ہاتھ پڑتے ہی یہ

اپنی زبان کھول دے گا۔ تب تک ہم دونوں دکھ سکھ کی دو چار باتیں کر لیں گے۔ شیرو! اجمل سے اٹھا کر باہر لے جاؤ اور اس سے پتا کرو کہ اس نے بی بی کے زیورات کا کیا کیا ہے؟"

سردار کے کارندے اس کا حکم سنتے ہی حرکت میں آ گئے۔ معاملہ ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر بالآخر میں مداخلت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ "سردار سائیں' یہ نائمہ جی کا ہی نہیں میرا بھی مجرم ہے' مجھے اس سے اپنے دوستوں کے بارے میں پوچھنا ہے جنہیں اس نے اغواء کر لیا ہے۔ بہتر ہے اسے آپ ہمارے قبضے میں ہی رہنے دیں۔ میں خود اس سے سب کچھ اگلوا لوں گا۔"

سردار نے پہلی بار مجھے غور سے دیکھا۔ اس کی نظروں میں میرے لئے حقارت اور نفرت کے ملے جلے تاثرات نمایاں تھے۔ "آپ نے ان صاحب بہادر کا تعارف نہیں کرایا نائمہ جی۔ میں نے پہلی بار انہیں آپ کے ساتھ دیکھا ہے۔ کیا یہ حال ہی میں آپ کے مصاحبین میں شامل ہوئے ہیں؟" اس کے لہجے میں موجود طنز کی کاٹ نے مجھے تلملانے پر مجبور کر دیا' میرا دل چاہا کہ اس کی واحد آنکھ بھی نوچ پھینکوں۔ لیکن اس نازک صورتحال کے پیش نظر میں خون کے گھونٹ پینے کے علاوہ کچھ بھی نہ کر پایا۔

"یہ نعمان سیٹھ ہیں۔ یہ بھی میرے سرپرست اور مہربان ہیں سردار سائیں۔ شہر کے بہت بڑے رئیس ہیں یہ۔ ان کی مدد سے ہی میں اس موذی پر قابو پانے میں کامیاب ہو سکی ہوں۔ میں ان کی رائے سے متفق ہوں۔ یہ ہم دونوں کا مشترکہ دشمن ہے۔ ہمیں خود ہی اس سے حساب کتاب کرنا چاہئے۔ آپ زحمت نہ کریں تو ہم پر احسان ہو گا۔ آپ کی ضرورت پڑی تو میں خود آپ کو مدد کے لئے طلب کر لوں گی۔ آخر آپ ہی کے سہارے تو ہم یہاں آئے ہیں۔ ورنہ مدد علی صاحب کا تو مجھے پتا ہے کہ وہ ان دنوں اپنے فارم پر نہیں ہوتے ہیں۔ آپ مطمئن ہو کر تشریف لے جائیں۔ صبح آپ سے ملاقات ہو گی۔ تب تک ہم اس کی زبان کھلوا چکے ہوں گے' اس کے بعد ہم اسے آپ کے حوالے کر دیں گے' پھر آپ کی مرضی۔ اس سے جو چاہیں سلوک کریں۔"

نائمہ کی بات سن کر وہ شش و پنج میں پڑ گیا۔ اس کے دونوں کارندے اب بھی اکرام کے پاس کھڑے اپنے سائیں کے اگلے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ اکرام کی آنکھیں بند تھیں اور وہ خود کو بے ہوش ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے سردار کو متوجہ کر کے ہم سے جان چھڑانا چاہی تھی لیکن اس کی یہ چالاکی اس کے لئے مصیبت بن کر رہ گئی تھی۔

سردار اپنے کارندوں کو کوئی حکم دینے ہی والا تھا کہ ان دونوں میں سے ایک بری طرح چونک پڑا۔ اس کی نظریں اکرام کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ سردار سائیں کی اکلوتی

آنکھ سے اس کی یہ حالت چھپی نہ رہ سکی۔ "کیا بات ہے اجمل' تم پریشان کیوں ہو گئے ہو؟"

"میں پریشان نہیں ہوں سردار سائیں۔ اس بندے کی شکل مجھے جانی پہچانی لگ رہی ہے۔ اجازت ہو تو اس کے منہ سے کپڑا ہٹا دوں؟" اجمل نے مضطرب لہجے میں پوچھا۔ سردار نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد کہا۔ "ہاں ہاں بھئی' اس میں کیا ہرج ہے۔ اس کا منہ کھول دو اور دیکھو کہ کیا واقعی یہ شخص تمہارا واقف ہے۔"

قبل اس کے کہ میں انہیں اس حرکت سے باز رکھ پاتا' اجمل نے اکرام کے چہرے سے رومال ہٹا دیا۔ اس نے غور سے اکرام کا چہرہ دیکھا' پھر پرجوش لہجے میں چیخ پڑا۔ "وہی ہے سردار سائیں' بالکل وہی ہے' میں نے اسے پہچان لیا ہے۔" اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی کلاشنکوف کا رخ اکرام کی کھوپڑی کی طرف کر دیا۔

سردار سائیں اس کی بات سن کر تیزی سے آگے بڑھا۔ "کون ہے یہ۔ تم نے رائفل کیوں سیدھی کر لی ہے؟"

"سردار سائیں آپ نے ابھی تک اسے نہیں پہچانا؟ یہ ڈاکو ہے' اس نے داڑھی مونچھ کٹوا دی ہے۔ اس بدبخت نے بڑے سردار سائیں کو قتل کیا تھا۔ میں اسے اچھی طرح پہچان گیا ہوں۔"

اجمل کی بات سن کر سردار بری طرح چونک پڑا۔ اس نے گیس لیمپ اکرام کے چہرے کے عین سامنے کر کے بغور اس کا جائزہ لیا' پھر وہ بھی جوش بھرے لہجے میں چیخ پڑا۔ "ہاں ہاں یہ وہی ہے۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ اسی نے بھائی صاحب پر گولی چلائی تھی۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اجمل رائفل مجھے دے دو۔" اس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ رائفل ہاتھ میں آتے ہی گولی چلا دے گا۔ عین اسی وقت میں نے بیڈ پر چڑھ کر اس پر چھلانگ لگا دی۔ کلاشنکوف اس کے ہاتھ میں آ چکی تھی لیکن قبل اس کے کہ وہ اس پر گرفت مضبوط کر کے گولی چلاتا' میں نے وہ خطرناک ہتھیار اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور فرش پر قلا بازی کھا کر ان سے دور ہٹتا چلا گیا۔ انہیں صورتحال سمجھنے میں کئی لمحے لگ گئے' تب تک میں انہیں کلاشنکوف کی زد میں لے چکا تھا۔ "سردار سائیں۔ اپنے کارندوں سے کہو کہ رائفل مسہری پر پھینک دیں ورنہ میں تمہارے ہی ہتھیار سے تمہارے پرخچے اڑا دوں گا' جلدی کرو۔"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے جوان تم کتنی خطرناک حرکت کر بیٹھے ہو۔" سردار نے غضب ناک نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "مجھ پر ہتھیار اٹھا کر تم نے اپنی موت کو دعوت دے دی ہے۔ اب تم زندہ یہاں سے نہیں جا سکتے۔"

"میں ایک بار پھر وارننگ دیتا ہوں۔ اگر پانچ سیکنڈ کے اندر اندر تمہارے کارندے

نے رائفل نہیں پھینکی تو میں گولی چلا دوں گا۔" میں نے بے لچک لہجے میں کہا۔ "جلدی کرو۔ ایسا نہ ہو تمہیں پچھتانے کا بھی موقع نہ مل سکے۔ میں پانچ تک گنتی گنوں گا۔ ایک........"

سردار شاید کوئی خطرناک دھمکی دے کر مجھے ڈرانے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن میں نے کلاشنکوف کی نال سیدھی اس کے سینے کی طرف کی تو اس کا چہرہ یک لخت زرد پڑ گیا۔ "دو....." کمرے کی خاموش فضا میں میری آواز گونجی۔ "تین ...." میں چار کہنے ہی والا تھا کہ سردار چیخ پڑا "ٹھیک ہے گولی مت چلانا شیرو' رائفل بیڈ پر پھینک دو۔" شیرو نے مالک کی ہدایت پر فوراً" عمل کیا۔ "اب تم تینوں سامنے دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ' تم تینوں کے پاس کوئی اور ہتھیار ہے تو اس کو بھی نکال کر زمین پر پھینک دو۔"

"دیکھو جوان' میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اگر تم نائمہ جی کے دوست ہو تو پھر میرے بھی دوست ہو۔ ہتھیار ایک طرف رکھ دو اور دوستوں کی طرح مجھ سے بات کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے ہتھیار اٹھانے کی گستاخی فراموش کر دوں گا۔ نائمہ جی آپ ہی اسے سمجھائیں۔ ہم دوستانہ انداز میں یہ معاملہ طے کر سکتے ہیں۔"

نائمہ کے چہرے پر شدید پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

"دیکھو جوان۔ یہ شخص تمہارا ہی نہیں میرا بھی دشمن ہے۔ یہ میرے بڑے بھائی سردار رفیق خان کا قاتل ہے۔ دس سال پہلے یہ اسے قتل کر کے فرار ہو گیا تھا۔ اس کے بعد یہ آج سامنے آیا ہے۔ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ اسے دیکھتے ہی گولی مار دوں گا۔ تم خواہ مخواہ میرے راستے میں آنے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے اپنی قسم پوری کرنے دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بدلے میں تم جو چاہو گے میں تمہیں دے دوں گا۔"

"نہیں ایسا مت کرنا۔" اچانک کمرے میں اکرام کی آواز گونجی۔ "مجھے اس شیطان کے حوالے نہ کرنا۔ اس نے اپنے بھائی کو خود قتل کرایا ہے۔ تم مجھے یہاں سے لے چلو۔ تم جو کچھ کہو گے میں بتا دوں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔"

اس کی بات سن کر سردار کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے غیظ و غضب سے بے قابو ہو کر آگے بڑھنا چاہا' عین اسی وقت میں نے گولی چلا دی۔ زبردست دھماکے نے کمرے کے در و دیوار میں لرزش پیدا کر دی۔ گولی سردار کے سر کے محض چند انچ اوپر سے گزری اور غسل خانے کا دروازہ چیرتی ہوئی اندر گھس گئی۔

"میں نے کہا ہے ناں ایک قدم بھی آگے بڑھانے کا نتیجہ موت کی صورت میں نکلے گا۔" میں نے کلاشنکوف کا رخ سردار کی کھوپڑی کی جانب کرتے ہوئے کہا۔ "اب اگر تم نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی تو میں رعایت نہیں کروں گا۔ نائمہ تم سامان سمیٹو اور

گاڑی کو دروازے کے پاس لگا دو۔ ہم ابھی یہاں سے جا رہے ہیں۔" میری بات سن کر سردار کے چہرے پر شدید اضطراب کی جھلک نمایاں ہوئی لیکن اس نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہیں کی۔

نائمہ فوراً" ہی حرکت میں آ گئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ سب کام مکمل کر کے میرے پاس آ گئی تو میں نے اس سے پوچھا۔ "کیا اندر والے کمرے کی کھڑکیوں پر بھی گرل چڑھی ہوئی ہے؟" اثبات میں جواب ملنے پر میں نے اسے سردار کے پاس سے برآمد ہونے والی چابیاں اپنے قبضے میں کرنے اور اندر والے کمرے کا لاک کھولنے کی ہدایت کی۔ اس دوران میں نے ان تینوں کو اپنی جگہ سے ذرا سا بھی ہلنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ نائمہ نے اندرونی کمرہ کھول دیا۔

میں نے گیس لیمپ کی روشنی میں اندر کا جائزہ لیا۔ بظاہر اس کمرے سے باہر نکلنے کا واحد راستہ وہ دروازہ ہی نظر آ رہا تھا۔ میں نے سردار اور اس کے دونوں کارندوں کو کمرے میں گھسنے کا حکم دیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں میرے حکم کی تعمیل کرنا پڑی۔ میں نے نائمہ کے ذریعے دروازہ باہر سے لاک کر دیا۔

کچھ ہی دیر بعد ہم شہر کی جانب رواں دواں تھے۔ اکرام واپس نائمہ کی کار کی ڈکی میں پہنچ چکا تھا۔ فارم سے نکلتے ہوئے نائمہ نے دفاتر کے سامنے سے گزرنے سے گریز کیا تھا۔ ہم پختہ سڑک پر بغیر کسی مزاحمت کے کئی کلومیٹر کا سفر طے کر چکے تو ہم نے اطمینان کا سانس لیا۔ کچھ ہی دیر بعد ہم سپرہائی وے پر پہنچنے والے تھے۔ اس کے بعد ہم اس منحوس سردار سائیں کی پہنچ سے دور نکل جاتے لیکن کچھ ہی دیر بعد ہمیں احساس ہوا کہ ہمارا یہ اطمینان قبل از وقت تھا۔ ہمارے عقب میں بہت دور کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آ رہی تھیں۔ ہمارا تعاقب کیا جا رہا تھا۔



نائمہ نے تشویش آمیز نظروں سے مجھے دیکھا اور گاڑی کی رفتار میں اضافہ کر دیا۔ "یہ وہی لوگ ہو سکتے ہیں لیکن یہ اتنی جلدی آزاد کیسے ہو گئے؟" میں نے گویا اپنے آپ سے سوال کیا۔ نائمہ کی نظریں عقبی آئینے پر جمی ہوئی تھیں۔ گاڑی کی رفتار بڑھنے سے تعاقب میں آنے والی گاڑی سے ہمارے فاصلے میں اضافہ ہو گیا تھا لیکن جلد ہی یہ فاصلہ ایک بار پھر کم ہونے لگا۔ نائمہ نے ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ مزید بڑھا دیا۔ ناہموار سڑک پر ہماری چھوٹی سی گاڑی بری طرح اچھل رہی تھی۔ اگر اس کی رفتار مزید بڑھائی جاتی تو اس کا الٹ جانا یقینی تھا۔ ادھر عقب میں آنے والی گاڑی کا ہم سے فاصلہ لمحہ بہ لمحہ کم ہوتا جا رہا تھا جس سے یہ اندازہ لگانا ذرا بھی مشکل نہ تھا کہ اس گاڑی کا انجن ہماری گاڑی سے کہیں زیادہ طاقتور ہے۔ وہ غالباً" پجیرو یا لینڈ کروزر جیپ رہی ہو گی۔ اگر اس کا ہم سے فاصلہ اسی طرح کم ہوتا رہتا تو چند منٹوں کے اندر وہ ہمارے سر پر پہنچ جاتی۔

میرا ذہن تیزی سے اس خطرناک صورتحال سے نجات پانے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ جو کچھ سردار سائیں اور اس کے کارندوں کے ساتھ ہم کر آئے تھے اس کے بعد ان سے کسی قسم کی رعایت کی توقع کرنا خطرناک خوش فہمی ہی ہو سکتی تھی۔ ہم ان سے براہ راست ٹکر بھی نہیں لے سکتے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ تباہ کن دور مار اسلحے سے لیس تھے۔ ہمارے چھوٹے بور کے ہتھیار ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ پاتے۔ وہ تعداد میں بھی ہم سے زیادہ تھے۔ گویا انہیں ہر طرح سے ہم پر سبقت حاصل تھی۔ ان سے آمنے سامنے معرکہ آرائی کا نتیجہ ہماری عبرتناک موت کی صورت میں ہی نکل سکتا تھا۔ انہیں شکست دینے کی صرف یہی صورت تھی کہ ہم طاقت کے بجائے ذہانت کے ہتھیار سے کام لیتے۔

"گاڑی روک کر مجھے یہاں اتارو۔" میں نے ایک تنگ موڑ پر ٹی ٹی پستول سنبھالتے ہوئے نائمہ سے کہا۔ اس جگہ سڑک کے ایک طرف چھوٹی سی پہاڑی تھی جبکہ دوسری طرف گہری کھائی نما ڈھلان تھی۔ اس جگہ ڈرائیور کی ذرا سی بے احتیاطی گاڑی کی تباہی کا سبب بن سکتی تھی۔ نائمہ نے حیرانی سے مجھے دیکھا لیکن میرے لہجے کی سختی نے اسے بریک لگانے پر مجبور کر دیا۔ "تم گاڑی آگے لے جاؤ اور آدھا کلومیٹر فاصلہ طے کر کے اسے سڑک سے اتار کر کھڑی کر دو اور خود کسی محفوظ جگہ چھپ جاؤ۔ میں ان خبیثوں کا علاج کر

آتا ہوں۔ جلدی کرو' وہ لوگ یہاں پہنچنے ہی والے ہوں گے۔"

نائمہ شاید میری اس تجویز سے اختلاف کرنا چاہتی تھی لیکن میں مزید کوئی بات کئے پہاڑی پر چڑھتا چلا گیا۔ مجبوراً" اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ مجھے اس چھوٹی سی پہاڑی کی چوٹی پر پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی لیکن تب تک ہمارا تعاقب کرنے والی گاڑی قریب آ چکی تھی۔ میرے پاس محض چند لمحے تھے جن میں مجھے لائحہ عمل مرتب کرنا اور اس پر عمل کرنا تھا۔ مہینے کے پہلے عشرے کے چاند کی روشنی میں میری نظریں آس پاس کے ماحول کا برق رفتاری سے جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر میں کارروائی کی راہ متعین کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے پستول اپنی بیلٹ میں اڑس لیا اور دونوں ہاتھ ایک ایسے بڑے پتھر پر جما دیئے جو ایک کگر پر جما ہوا تھا۔ زور لگانے پر مجھے اس میں حرکت محسوس ہوئی۔ میں نے نہایت احتیاط سے اسے سرکا کر بالکل کگر کے کنارے پر کر دیا۔ اب محض ذرا سا دھکا دینے کی دیر تھی۔ اس کے بعد وہ بھاری بھرکم پتھر لڑھکتا ہوا سیدھا سڑک پر جا گرتا۔ اگر میری ٹائمنگ اور نشانہ صحیح بیٹھتا تو اس گاڑی کے پرخچے اڑ جاتے۔

سڑک پر دوڑتی گاڑی کی ہیڈ لائٹس لمحہ بہ لمحہ قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھیں۔ موڑ پر پہنچ کر اس کی رفتار کم ہوئی جوں ہی وہ موڑ گھوم کر آگے بڑھی' میں نے پوری قوت سے وہ پتھر نیچے دھکیل دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ ہولناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ پہاڑی کی ڈھلوان پر لڑھکنے لگا۔ اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ مجھے لگا کہ وہ گاڑی کے نشانے پر پہنچنے سے پہلے ہی سڑک پار کر کے گہری کھائی میں جا گرے گا۔ میرا یہ اندازہ غلط نہیں تھا کیونکہ اس پتھر نے تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی پجیرو سے تقریباً" دس گز آگے سڑک پر ٹپا کھایا اور جیپ کو بغیر کوئی نقصان پہنچائے کھائی میں لڑھکتا چلا گیا۔ لیکن وہ جن چھوٹے چھوٹے پتھروں کے طوفانی ریلے کو اپنے ساتھ لگا کر لے گیا تھا انہوں نے جیپ کو اپنی زد میں لے لیا۔ وہ پتھر لگاتار دھماکوں سے جیپ سے ٹکرانے لگے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے جیپ کی ونڈ شیلڈ کے پرخچے اڑ گئے۔ تیز رفتاری کے باعث ڈرائیور کے لئے گاڑی پر قابو پانا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ سامنے آنے والے پتھروں نے جیپ کو فضا میں اچھال دیا۔ فضا میں ایک قلابازی کھانے کے بعد وہ پہلو کے بل سڑک پر گری اور پختہ سڑک پر بری طرح گھسٹتی ہوئی ایک بڑی چٹان سے ٹکرائی اور ساکت ہو گئی۔ وہ بری طرح چکنا چور ہو چکی تھی لیکن اس کی ہیڈ لائٹس حیرت انگیز طور پر ابھی تک روشن تھیں۔ زبردست شور کے بعد سناٹے کی وہ کیفیت بڑی ہولناک محسوس ہو رہی تھی جسے اکا دکا لڑھکنے والے پتھروں کی دھیمی گڑگڑاہٹ وقتاً" فوقتاً" منتشر کر رہی تھی۔

اس قدر تباہ کن تصادم کے بعد گاڑی میں سوار افراد کے بچ نکلنے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ جبکہ مجھے یہ بھی یقین تھا کہ جیپ میں بہت جلد آگ لگنے والی ہے جس کے

بعد وہاں سوختہ فولادی ڈھانچے کے علاوہ کچھ بھی نہ بچتا۔ گاڑی کے نذر آتش ہونے کا انتظار کرنے کے بجائے میں تیزی لیکن احتیاط سے پہاڑی سے نیچے اترنے لگا۔ میری ذرا سی غلطی مجھے اگلے جہان پہنچا سکتی تھی لیکن ہلکی چاندنی کے باعث میں یہ مشکل مرحلہ طے کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ سڑک پر پہنچنے کے بعد میں تقریباً" دوڑتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ میں نے نائمہ کو نصف کلومیٹر آگے انتظار کرنے کو کہا تھا۔ اس نے میری ہدایت پر عمل تو کر ڈالا تھا لیکن مجھے اندازہ تھا کہ وہ میرے بارے میں سخت فکرمند ہو گی۔ میں اسے جلد از جلد اپنی کامیابی کی اطلاع دینا چاہتا تھا۔ تمام تر بے سروسامانی کے باوجود ہم نے اپنے بدخصلت دشمنوں کو عبرت ناک انجام تک پہنچا دیا تھا۔

اپنے اندازے سے خاصا پہلے میں نائمہ کی گاڑی تک پہنچ گیا جو سڑک سے ذرا ہٹ کر پتھریلے ٹیلے کے قریب کھڑی تھی۔ نائمہ اس میں موجود نہیں تھی۔ وہ یقیناً" کسی محفوظ جگہ چھپی میری آمد کی منتظر رہی ہو گی۔ گاڑی کے قریب پہنچ کر میں نے دبی دبی آواز میں نائمہ کو پکارا۔ اگلے ہی لمحے مجھے خاصے قریب سے جواب ملا۔ وہ میرے قریب پہنچی تو مجھے علم ہوا کہ وہ لنگڑا کر چل رہی تھی۔

"کیا ہوا' خیر تو ہے؟ تمہارے پاؤں کو کیا ہوا ہے؟"

"معمولی موچ ہے' میری فکر نہ کرو۔ یہ بتاؤ اس گاڑی کا کیا بنا؟" اس کے لہجے میں شدید پریشانی کی جھلک نمایاں تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے اسے پاؤں تلے کچل کر چکنا چور کر دیا۔"

"یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔ میرا پریشانی کے مارے برا حال ہے۔ سچ سچ بتائیں کیا ہوا؟ تم نے انہیں کیسے روکا؟ اب تک انہیں یہاں تک پہنچ جانا چاہئے تھا۔"

میں نے نہایت اطمینان سے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا۔ "میں نے غلط نہیں کہا۔ اب وہ کبھی ہمارے تعاقب میں نہیں آ سکیں گے کیونکہ وہ اپنی گاڑی سمیت ایک طویل ترین سفر پر روانہ ہو چکے ہیں جس کی منزل جہنم ہے۔ اب تمہیں بے فکر ہو جانا چاہئے۔"

"لیکن تم نے یہ سب کیسے کر لیا؟ مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔"

"یقین بھی آ جائے گا۔ تم گاڑی تو آگے بڑھاؤ۔ کیا ساری رات یہیں گزارنے کا ارادہ ہے؟ سردی کے مارے ہڈیاں برف بن چکی ہیں لیکن تمہارے سوالات ہی ختم ہونے میں نہیں آ رہے۔ اپنے آپ پر نہیں تو کم از کم مجھ پر تو ترس کھاؤ۔"

نائمہ نے بادل ناخواستہ گاڑی آگے بڑھا دی۔ میں اس کی حالت سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہا تھا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر اس کے خون کی تپش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے اسے مزید تنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور پوری صورت حال سے آگاہ

کر دیا۔ اس کا چہرہ یکلخت خوشی سے کھل اٹھا۔ "یہ تو تم نے کمال کر دیا ہے۔ ان خبیثوں کا یہی حشر ہونا چاہئے تھا۔"

"تم بڑی بے وفا اور بدلحاظ ہو نائمہ۔ کوئی اپنے پرستاروں کے بارے میں بھی ایسی باتیں کرتا ہے۔ وہ بے چارہ تو اتنے پیار سے تمہیں نائمہ جی نائمہ جی کہتے نہیں تھکتا تھا اور تم اس کی موت پر خوشی کا اظہار کر رہی ہو۔" میرے لہجے میں شرارت کا عنصر ایک بار پھر لوٹ آیا۔ نائمہ نے غصیلی نظروں سے مجھے دیکھا۔ "اگر تم نے اپنی چونچ بند نہ کی تو میں تمہارا بھی وہی حشر کروں گی جو تم سردار سائیں کا کر آئے ہو۔"

"سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔ یہ رتبہ بھی تو قسمت والوں کو ملتا ہے۔ ویسے گاڑی ذرا آہستہ چلائیں' ایسا نہ ہو کہ ہم دونوں بھی سردار سائیں کے پاس پہنچ جائیں۔ میں اتنی جلدی اس بے چارے کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔ تمہیں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ گاڑی کی ڈکی میں ہمارا مہمان آرام کر رہا ہے۔ ان زبردست دھچکوں سے اس کے کل پرزے ٹوٹ پھوٹ گئے تو وہ ہمارے کسی کام کا نہیں رہے گا۔ ویسے کیا تم نے سوچنے کی کوشش کی کہ اب ہم اس مصیبت کو کہاں لے جائیں گے؟"

"اس بارے میں کراچی واپس پہنچ کر سوچیں گے' فی الحال تو اسے اسی پرسکون اور آرام دہ جگہ پر پڑا رہنے دو۔ یہ شخص نہ جانے کتنے معصوموں کی زندگیاں تباہ کر چکا ہے۔ اسے اتنی سزا تو ملنی ہی چاہئے۔" اتنا کہہ کر اس نے گاڑی کی رفتار میں تھوڑا سا مزید اضافہ کر دیا۔ وہ بہت اچھی ڈرائیور تھی اور مجھے اس کی مہارت پر پورا اعتماد تھا لہٰذا میں نے اسے ٹوکنے کی کوشش نہیں کی۔

سپرہائی وے پر پہنچ کر نائمہ نے گاڑی کا رخ کراچی کی طرف کر دیا۔ اب وہ خاصی پرسکون اور مطمئن نظر آ رہی تھی۔ ہم نوری آباد سے چند ہی کلومیٹر آگے بڑھے ہوں گے کہ میری نظر عقبی آئینے پر پڑی اور میں بری طرح چونک پڑا۔ ہمارے عقب میں خاصے فاصلے پر پولیس کی موبائل گاڑی نظر آ رہی تھی۔ تشویشناک بات یہ تھی کہ اس کی چھت پر نصب لائٹ بھی گردش کر رہی تھی اور اب سائرن کی آواز بھی سنائی دینے لگی تھی۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ وہ موبائل کسی اور گاڑی کا تعاقب کر رہی ہو لیکن اس خطرناک صورتحال میں ہم کسی خوش فہمی کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ "یہ کیا مصیبت ہے؟ اب ان سے کیسے جان چھڑائیں؟" نائمہ نے پریشان لہجے میں پوچھا۔ "انہیں اتنی جلدی کیسے خبر ہو گئی؟"

"خدا ہی جانے یہ کیا چکر ہے۔ کھلی سڑک پر تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ ہم خواہ کتنی بھی تیز گاڑی چلائیں۔ یہ جلدی ہم تک پہنچ جائیں گے اور اگر ہم نے ان کے اشارے پر گاڑی نہیں روکی تو یہ بے دریغ گولی چلا دیں گے۔"

"لیکن اگر انہوں نے گاڑی کی تلاشی لے لی تو ہم بری طرح پھنس جائیں گے۔ ہمارے پاس بغیر لائسنس کی گنیں ہیں اور گاڑی کی ڈکی میں اکرام بندھا پڑا ہے۔ ہم اپنی صفائی میں کیا کہیں گے؟" نائمہ نے بے تابی سے عقب نما آئینے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا' اس دوران میں پولیس موبائل مزید قریب آ چکی تھی۔

"اگر یہ لوگ سردار سائیں کے چکر میں ہمارے پیچھے آئے ہیں تو سمجھو ہم اس سے بھی بڑی مصیبت میں پھنس چکے ہیں۔ سردار سائیں کی موت کے ذمے داری سیدھے سیدھے ہمارے سر ڈال دی جائے گی۔ اس کے بعد ہمیں سرکاری کارروائی کے ساتھ ساتھ ذاتی انتقام کا بھی نشانہ بننا پڑے گا جس کا انجام ہماری موت بھی ہو سکتا ہے۔ بہرحال جو بھی سر پر پڑے گا وہ تو بھگتنا ہی ہے' فی الحال تو ہم اپنے بچاؤ میں کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ تم اسی رفتار سے گاڑی چلاتی رہو اور ساتھ میں دعا بھی کرتی رہو کہ اصل معاملہ کچھ اور ہو۔"

"لیکن ہم کم از کم ان پستولوں سے تو نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر ہم انہیں کسی گڑھے میں پھینک دیں تو اس اندھیرے میں انہیں کون تلاش کر سکے گا۔"

"ہاں یہ تو ہو سکتا ہے۔ تم گاڑی کو سڑک کے کنارے کے قریب رکھو۔ میں انہیں اس تاریک ویرانے کی نذر کرتا ہوں۔"

نائمہ نے میری ہدایت پر عمل کیا اور میں نے دونوں پستول مع فالتو میگزینوں کے پوری قوت سے سڑک سے دور پھینک دئے۔ اس کے بعد ہم محض ڈیڑھ کلومیٹر کا فاصلہ مزید طے کر پائے ہوں گے کہ پولیس کی گاڑی سر پر پہنچ گئی۔ تب تک نائمہ میری ہدایت کے مطابق گاڑی کی رفتار خاطر خواہ کم کر چکی تھی۔ موبائل تیزی سے ہماری گاڑی کے پہلو میں پہنچی' فرنٹ سیٹ پر موجود پولیس افسر نے ہاتھ کے اشارے اور گرج دار آواز میں گاڑی سڑک کے کنارے روکنے کا حکم دیا۔ نائمہ نے فوری طور پر گاڑی کو سڑک کے کنارے پر لے جا کر بریک لگا دی۔ موبائل ہماری گاڑی کے عین سامنے رکی اور اس کے پچھلے حصے سے پانچ سپاہی چھلانگیں مار کے اترے اور ہماری گاڑی کو چاروں اطراف سے گھیر لیا۔ ان کے ہاتھوں میں کلاشنکوفیں تھیں جن کا رخ ہماری طرف تھا۔ وہ خاصے مستعد نظر آ رہے تھے۔ چند لمحوں بعد ان کا افسر بھی موبائل سے اتر کر خراماں خراماں ہمارے پاس پہنچ گیا۔ اس چالیس بیالیس سالہ اے ایس آئی کے بھاری جسم پر ڈھیلی ڈھالی سی وردی تھی' شکل سے وہ پرلے درجے کا احمق دکھائی دیتا تھا۔ اس نے نائمہ کی سمت والی کھڑکی سے جھانک کر بغور ہم دونوں کا جائزہ لیا' پھر اپنی خشخشی داڑھی کھجاتے ہوئے چیخا۔ "ہاں ہاں وہی ہیں۔ الرٹ رہو' کوئی بھی غلط حرکت کریں تو بے فکر ہو کر گولی چلا دینا۔"

"لیکن جناب ہمارا قصور کیا ہے؟ آپ ہمیں کیوں اتنی خوفناک دھمکیاں دے رہے ہیں؟ ہم معزز اور شریف لوگ ہیں۔ ہم سے بدسلوکی کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔" میں نے

بلند لہجے میں بات کی تھی۔ "آخر آپ لوگ چاہتے کیا ہیں؟ ہمیں راستے میں کیوں روکا گیا ہے؟"

میری بات کا فورا" جواب دینے کے بجائے اے ایس آئی نے بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔ اکبر علی! ذرا ان معزز اور شریف لوگوں کی شکل دیکھنا۔ کہتے ہیں بدسلوکی کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔ یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ خوب بہت خوب۔ تم تو بہت دلچسپ آدمی ہو یار۔" اپنے ماتحت حوالدار سے بات کرنے کے بعد اس نے مجھے مخاطب کیا۔ "فکر نہ کرو' ابھی کچھ ہی دیر میں تمہیں ہر سوال کا جواب مل جائیگا۔ فی الحال تو تم اپنے دونوں ہاتھ اپنی گدی پر رکھو اور آرام سے گاڑی سے باہر نکل آؤ۔ خبردار کوئی الٹی سیدھی حرکت کی تو تمہارے جسم میں ہونے والے سوراخوں کی تعداد گنتے گنتے لوگ تھک جائیں گے۔" اپنی شکل و صورت اور حلئے کے برعکس وہ خاصا سخت گیر شخص ثابت ہو رہا تھا۔ میں نے خاموشی سے اس کے حکم کی تعمیل کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔ میری دیکھا دیکھی نائمہ نے بھی گاڑی سے اترنا چاہا لیکن اے ایس آئی نے اس کا موقع نہیں دیا۔ "بی بی تمہیں باہر نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اندر ہی بیٹھی رہو۔ ہاں ابھی گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش مت کرنا۔ اکبر علی تم اس کی اچھی طرح تلاشی لو۔ ہوشیار رہنا یہ ہتھ چھٹ بندہ ہے۔"

"اس کی تو آپ فکر ہی نہ کریں انسپکٹر صاحب۔ اس نے انگلی بھی ہلانے کی کوشش کی تو میں اس کی ہڈیاں توڑ دوں گا۔ آخر آپ کا رائٹ ہینڈ ہوں جی۔ کوئی مذاق تو نہیں۔"

"اچھا اچھا' زیادہ باتیں نہ بنا چپ چاپ وہ کام کر جو میں نے بتایا ہے۔"

اکبر علی نے خاصی دل جمعی سے میری تلاشی لی اور میری جیب میں موجود تمام رقم نکالی۔ اس کے علاوہ میرے قبضے میں کچھ تھا بھی نہیں۔

"ٹھیک ہے۔ اب اس کے ہاتھ پیچھے کر کے ہتھکڑی لگا دو۔"

"دیکھیں یہ آپ سراسر زیادتی کر رہے ہیں۔ آپ ہمیں بلاوجہ گرفتار نہیں کر سکتے۔ یہ قانون کی خلاف ورزی ہے۔ پہلے ہمیں ہمارا قصور بتاؤ اور پھر وارنٹ گرفتاری دکھا کر ہمیں گرفتار کر لو۔"

"اوہو! اب تو مجھے یعنی انسپکٹر فاروق عالم خان کو قانون سکھائے گا؟" اس نے تو پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔ "ذرا تھانے چل۔ پھر میں تجھے قانون دانی کا امتحان بھی دے دوں گا۔ فی الحال تو اپنے ہاتھ کمر کے پیچھے کر لے۔"

مجھے بحث کرتے دیکھ کر اس کے تمام ماتحت اپنی کارکردگی دکھانے کے لئے بے چین نظر آ رہے تھے۔ میں مزید مزاحمت کرتا تو وہ ایک ساتھ مجھ پر ٹوٹ پڑتے ان کی وردی ان کی سب سے بڑی ڈھال اور سب سے طاقتور ہتھیار تھے جس کے بل بوتے پر وہ ہر من مانی

کر سکتے تھے اور ان کی زیادتی کے خلاف اپنا دفاع کرنا اور جوابی کارروائی کرنے والا سیدھا سیدھا قانون کا باغی قرار پاتا۔

میرے دونوں ہاتھ پشت پر کر کے ان میں ہتھکڑی ڈال دی گئی جس کا کنڈا اکبر علی کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے جانور کی طرح ہانکتے ہوئے موبائل کے پچھلے حصے کے آہنی فرش پر پھینک دیا۔ حیرت انگیز طور پر انہوں نے نائمہ کی گاڑی کی ڈکی کو نہیں کھلوایا تھا۔ شاید وہ اکرام کی موجودگی سے ناواقف تھے۔ اے ایس آئی فاروق کچھ دیر نائمہ سے بات کرتا رہا' پھر اس نے اپنے دو ماتحتوں کو اس کی گاڑی میں بیٹھنے کا حکم دیا اور خود موبائل میں آ بیٹھا۔ اس کے ساتھ ہی موبائل حرکت میں آ گئی۔

تھوڑی دور تک آگے جانے کے بعد موبائل نے یو ٹرن لیا اور واپس نوری آباد کی جانب چل پڑی۔ نائمہ کی گاڑی مسلسل اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ اکبر علی اور اس کے دونوں ماتحت سنتری میرے اور نائمہ کے بارے میں طرح طرح کے غلیظ اور فحش تبصرے کر رہے تھے۔ ان کی تیز دھار زبانوں سے نکلنے والا ایک ایک لفظ میری سماعت پر انگارہ بن کر گر رہا تھا لیکن میں زخمی سانپ کی طرح تلملانے کے علاوہ کچھ بھی کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ وہ تینوں میری حالت سے بخوبی واقف تھے اور پوری طرح لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ تیزاب اکبر علی کی زبان میں تھا جو قطرہ قطرہ میری روح پر ٹپک کر میرے دل و دماغ میں آگ بھڑکا رہا تھا۔ جب اس کی بکواس میری برداشت سے باہر نکلنے لگی تو میں نے سر اٹھا کر غضبناک نظروں سے اسے گھورا۔ زرد بلب کی مدھم روشنی میں بھی میری آنکھوں میں بھڑکتے شعلوں کی تپش اس سے چھپی نہ رہ سکی۔ وہ ہنستے ہنستے یک لخت خاموش ہو گیا۔ ”کیوں بے۔ ایسے کیوں گھور رہا ہے؟ آنکھیں نیچی کر ورنہ انہیں نوچ کر پھینک دوں گا۔“

”میں فی الحال بے بس ہوں۔ تم جو چاہو مجھ سے سلوک کر سکتے ہو لیکن صرف اتنا بتا دو کہ تم جو کچھ بک رہے ہو تم نے اپنی ماں سے یہی کچھ سیکھا تھا ناں؟“

میری بات سن کر اکبر علی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ غصے سے بے قابو ہو کر چلتی گاڑی میں اٹھ کھڑا ہوا اور مجھ پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ بھاری بھرکم بوٹ میری کمر' پسلیوں اور رانوں پر برس رہے تھے لیکن میں تکلیف کی شدت سے تڑپنے کے بجائے قہقہے لگا رہا تھا۔ میرے قہقہوں نے اسے پوری طرح پاگل کر دیا۔ اس نے اپنی کلاشنکوف اٹھائی اور اس کا بٹ پوری قوت سے میرے سر پر مارنے کی کوشش کی۔ میں نے فوراً" اپنا سر اس کے نشانے سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا۔ بٹ کی چھچلتی سی ضرب میری کھوپڑی پر لگی اور میری آنکھوں میں اندھیرے اتر آئے۔

جب مجھے ہوش آیا تو پہلا احساس یہ ہوا کہ میرے سر کو آہنی ہتھوڑے سے کوٹا جا رہا ہے۔ میں نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ پہلے پہل تو مجھے کچھ بھی یاد نہ آیا کہ مجھ پر کیا کچھ بیت چکا ہے۔ صرف شدید درد کا احساس تھا جس نے سر کو خصوصا" اور باقی جسم کو عموما" اپنا مسکن بنا رکھا تھا۔ آنکھیں آس پاس کا ماحول پہچاننے کے قابل ہوئیں تو میں نے خود کو پتھریلی دیواروں والے چھوٹے سے قید خانے میں پیال کے ڈھیر پر پڑے پایا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے سب کچھ یاد آ گیا۔ پولیس کے ہاتھوں گرفتاری اور پھر اکبر علی کے تشدد کا نشانہ بننا......

گویا میں اس وقت پولیس کی حراست میں تھا۔ میں کم از کم آٹھ دس گھنٹے بے ہوش رہا تھا۔ اس وقت دن کا دوسرا پہر ختم ہونے والا ہو گا۔ میں نے درد کی شدت پر قابو پا کر اٹھنے کی کوشش کی اور جان لیوا اذیت و کرب برداشت کرنے کے بعد اٹھ کر بیٹھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کمرے کے سامنے بالکل اسی قسم کا کمرہ نظر آ رہا تھا تاہم وہ بالکل خالی تھا۔ دونوں کمروں کے موٹی موٹی سلاخوں والے دروازوں میں بھاری بھرکم قفل پڑے ہوئے تھے۔ اگر میں دروازے تک پہنچ جاتا تو آس پاس کے ماحول کا بہتر جائزہ لے سکتا تھا لیکن اتنی سی دیر بیٹھنے سے ہی میرا سر چکرانے لگا تھا اور درد کی لہریں شدت اختیار کر گئی تھیں۔ میں ایک بار پھر پیال کے بستر پر دراز ہو گیا۔ میری حالت ایسی نہیں تھی کہ معمولی سی بھی جسمانی مشقت برداشت کر پاتا۔ میں شدید کمزوری بھی محسوس کر رہا تھا۔ اس کی وجہ وحشیانہ تشدد کا نشانہ بننے کے علاوہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ میں نے گزشتہ دو دن سے کھانا نہیں کھایا تھا جبکہ بھاگ دوڑ کا سلسلہ مسلسل جاری رہا تھا۔ نائمہ کھانا ساتھ لے کر آئی تھی لیکن ہمیں پیٹ بھرنے کی مہلت ہی نہ مل سکی تھی اور اب جسمانی درد اور معدے میں بھڑکتی بھوک کی آگ میں برابر کا مقابلہ تھا جبکہ فی الحال ان دونوں عذابوں سے نجات کا دور دور تک کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں نے اپنا ذہن درد اور بھوک سے ہٹانے کی کوشش کی۔ میں بے حد خطرناک صورتحال میں پھنس چکا تھا۔ پولیس کے لمبے ہاتھ جسے اپنی گرفت میں لے لیں اسے اتنی آسانی سے نجات نہیں مل سکتی۔ خواہ وہ قصور وار ہو یا بے قصور' جبکہ میں تو سردار سائیں کی موت کے حوالے سے قانون کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ انہوں نے جس انداز سے مجھے قابو کیا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ انہیں میرے مجرم ہونے کا پورا یقین تھا۔ وہ نہ تو مجھے کسی قسم کی رعایت دینے کا ارادہ رکھتے تھے اور نہ ہی اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دینے کو تیار تھے۔ اگر اکرام ان کے ہتھے چڑھ جاتا تو صورتحال مزید خطرناک ہو جاتی۔ اکرام کا خیال آتے ہی مجھے نائمہ کی فکر نے گھیر لیا۔ خدا جانے وہ کس حال میں ہو گی۔ ان خبیثوں نے

اس سے کوئی اچھا سلوک تو نہیں کیا ہو گا۔ میری بے ہوشی کے دوران میں نہ جانے عذاب ناک مراحل سے گزر چکی ہو گی۔ سردار سائیں کی موت کا انتقام لینے کے لئے کے وفادار کتے کسی بھی حد تک جا سکتے تھے۔

میں سخت اضطراب کے عالم میں ایک بار پھر اٹھ بیٹھا۔ نائمہ کو یہ سب صرف میری خاطر بھگتنے پڑ رہے تھے۔ اگر اسے کوئی نقصان پہنچتا تو اس کے لئے میں اصل ذمے دار ہوتا۔ مجھے فوری طور پر کچھ نہ کچھ کرنا تھا لیکن کیسے ......؟

"ارے کوئی ہے؟ میری حالت بہت خراب ہے۔ کسی ڈاکٹر کو بلاؤ۔"

میری آواز سنگلاخ در و دیوار سے ٹکرا کر واپس لوٹ آئی لیکن کسی نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ "اکبر علی' فاروق عالم' سنا تم نے؟ میں مر رہا ہوں' مجھے فوراً" کسی ڈاکٹر کو دکھاؤ ...... ہائے ...... اف ......" میں مسلسل چیختا چلاتا رہا لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ میری آواز کے علاوہ وہاں مکمل سناٹے کی حکمرانی تھی۔ تب مجھے خیال آیا پولیس اسٹیشن جیسی ہنگامہ پرور جگہ پر ایسی گھمبیر خاموشی ممکن ہی نہیں ہے اور خاص طور پر دن کے وقت تو چھوٹے سے چھوٹے تھانے اور پولیس چوکی میں بھی زبردست چہل پہل ہوا کرتی ہے۔ یہ کیسا تھانہ ہے جہاں حوالاتی کی چیخ و پکار پر پرسش احوال کے لئے نہ سہی۔ گوشمالی اور سرزنش کے لئے بھی کسی اہل کار نے اس طرف پھٹکنے کی کوشش نہ کی۔ یہ کیا ماجرا ہے؟

میں نے اپنی تمام تر بچی کھچی توانائی اکٹھی کی اور لڑکھڑاتے قدموں سے سلاخوں والے دروازے کی طرف بڑھا۔ میں نے دروازے کا سہارا لیتے ہوئے باہر نظر دوڑائی۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ جس کوٹھری میں مجھے قید کیا گیا ہے وہاں دو قطاروں میں ایسی ہی پانچ کوٹھریاں موجود ہیں۔ یہ ایک لمبی سی بیرک نما جگہ تھی جس کا بھاری بھرکم چوبی دروازہ اس وقت بند نظر آ رہا تھا۔ میں اگرچہ صرف سامنے والی کوٹھری کا جائزہ لے سکتا تھا تاہم میرا اندازہ تھا کہ اس وقت وہاں میرے علاوہ کوئی بھی قیدی نہیں ہے۔

ایک دور افتادہ اور پسماندہ علاقے کے تھانے میں اتنی بڑی حوالات کا ہونا میرے لئے ناقابل فہم تھا۔ اتنی وسیع حوالات تو شاید کراچی جیسے گنجان آباد شہر کے بڑے سے بڑے تھانے کی بھی نہ ہو گی۔ دوسری حیرت انگیز بات وہاں کسی سنتری وغیرہ کی غیر موجودگی تھی۔ وہ لوگ تو شاید مجھے بند کر کے بھول ہی گئے تھے۔ ایسے میں میرا دم نکل جاتا تو کسی کو کان خبر نہ ہوتی۔ میں نے نیم دلی سے دروازے میں لگے کم از کم ایک کلو وزنی قفل سے زور آزمائی کی اور مایوس ہو کر واپس پیال کے بستر پر جا گرا۔ اپنے میزبانوں کے انتظار کے علاوہ اب کوئی بھی راستہ نہ تھا۔

شام ہونے تک میری حالت مزید خراب ہو گئی۔ اب مجھ میں کھڑا ہونے کی بھی ہمت نہیں رہی تھی۔ میں گزشتہ رات سخت سردی کے عالم میں بے ہوش پڑا رہا تھا جس کے اثر سے مجھے حرارت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اب ایک اور سرد ترین رات کی آمد آمد تھی۔ خدا جانے میں روشن اور چمکدار صبح کا منہ دیکھ بھی پاتا یا نہیں۔ عین ممکن تھا صبح انہیں میری اکڑی ہوئی لاش کو ٹھکانے لگانے کی زحمت برداشت کرنا پڑتی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اندھیرے اور سردی کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ میں اپنے ہی وجود میں سمٹنے سکڑنے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ پھر مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ شاید موت کی آمد کی پہلی علامت یہی تھی۔ وہ غنودگی رفتہ رفتہ گہری نیند یا بے ہوشی میں تبدیل ہو گئی۔ میں پرسکون موت کی راہ پر بگٹٹ دوڑے جا رہا تھا لیکن پھر کسی نے میری باگیں کھینچ کر مجھے زندگی کی راہ پر واپسی کے سفر پر لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ ہوش میں آنے پر سب سے پہلے میری حس ذائقہ بیدار ہوئی۔ میرے منہ میں سخت کڑواہٹ گھلی ہوئی تھی۔ جیسے کسی نے سیروں کے حساب سے نیم کے پتوں کا ست میرے حلق میں انڈیل دیا ہو۔ پھر مجھے لگا کہ میرا پھوڑے کی طرح دکھتا سر کسی کی مضبوط گرفت میں ہے۔ میں نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی اور خاصی جدوجہد کے بعد کامیاب ہو گیا لیکن مجھے اندھیرے کے علاوہ فوری طور پر کچھ بھی نظر نہ آ سکا۔ رفتہ رفتہ میرے حواس پوری طرح بیدار ہو گئے۔ تب مجھے علم ہوا کہ میں سر سے پیر تک ایک دبیز لحاف میں لپٹا ہوا ہوں۔ میرے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ منہ کا کڑوا ذائقہ شاید کسی دوا کا تھا جو میری بے ہوشی کے دوران مجھے پلائی گئی تھی۔ میرے جسم اور سر میں درد تو اب بھی تھا تاہم بخار' بھوک اور سردی سے نجات مل چکی تھی۔

میں نے لحاف کو منہ پر سے سرکایا تو معلوم ہوا کہ میں اسی کوٹھری میں موجود ہوں البتہ وقت کئی پہر آگے بڑھ چکا ہے۔ کوٹھری سے باہر دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں ایک بار پھر موت کو شکست دینے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ رات کو میری مرہم پٹی اور دوا دارو کرنے والوں نے مجھے نئی زندگی دی تھی۔ دیر ہی سے سہی میرے کرم فرماؤں کو آداب میزبانی یاد آ گئے تھے۔

میں نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی اور قدرے اذیت کا سامنا کرنے کے بعد کامیاب ہو گیا۔ میری توانائی خاصی حد تک بحال ہو چکی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں اپنے نامعلوم مسیحا کا شکریہ ادا کیا جس کے دست شفا نے مجھے رات بھر میں ہی تندرستی کی نعمت لوٹا دی تھی۔ میں کچھ دیر تک اپنی حالت جانچتا رہا۔ میں خود کو خاصا بہتر محسوس کر رہا تھا۔ عین اسی وقت میں نے باہر سے کھٹ پٹ کی آواز سنی۔

"کون ہے؟ ارے سنو' ادھر آؤ' میری بات سنو۔" میں پورا زور لگا کر چیخا۔ میری چیخ و پکار اس مرتبہ رائیگاں نہیں گئی۔ میں نے کسی کے قدموں کی آواز سنی۔ میں کسی باوردی سنتری کو دیکھنے کی توقع کر رہا تھا لیکن آنے والا مسلح شخص سادہ لباس میں تھا۔ اپنے حلئے اور شکل و صورت سے وہ کوئی ڈاکو قسم کی چیز نظر آ رہا تھا۔ "ارے کیوں شور مچا رہا ہے تو؟ کیا تکلیف ہے تجھے؟" اس نے درشت اور اکھڑ لہجے میں پوچھا۔ اس کا ہاتھ مضبوطی سے کلاشنکوف پر جما ہوا تھا۔

میں نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔ "میں کہاں ہوں؟ مجھے یہاں کس نے قید کیا ہے؟ حوالدار اکبر علی اور انسپکٹر فاروق کہاں ہے؟"

"ہمیں تیرے سے بات کرنے کا حکم نہیں ہے۔ چپ چاپ بستر میں پڑے رہو' نہیں تو تیرے ساتھ اچھا نہیں ہو گا۔ سمجھا کہ نہیں؟" کلاشنکوف بردار کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اپنی دھمکی پر عمل کرنے سے ذرا بھی گریز نہیں کرے گا۔

"لیکن بھائی کم از کم یہ تو بتا دو کہ میرا قصور کیا ہے اور مجھے کب تک یہاں بند رہنا پڑے گا؟ انسپکٹر فاروق کو بلاؤ' مجھے اس سے بات کرنی ہے۔"

"میں کہتا ہوں بک بک بند کرو۔ اب اگر تم نے چیخ و پکار کی تو میں تجھے گولی مار دوں گا۔ سمجھا کہ نہیں؟"

"اچھا بھئی جیسے تیری مرضی لیکن کم از کم پانی تو پلا دو۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ اس نے جواب دینے کی بجائے میری کوٹھری کے کونے کی طرف اشارہ کیا اور واپس پلٹ گیا۔ کوٹھری کے کمرے میں پلاسٹک کے گیلن میں پانی موجود تھا جس پر پہلے میری نظر نہیں پڑی تھی۔ میں نے پانی پیا اور واپس اپنے ٹھکانے پر جا لیٹا۔ بیزار کن انتظار کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا۔

ڈیڑھ دو گھنٹے بعد بیرک کا دروازہ کھلنے کی آواز نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ میں تیز قدموں سے کوٹھری کے دروازے پر پہنچا۔ پہرے پر تعینات مسلح شخص دروازے سے باہر موجود کسی شخص سے بات کر رہا تھا۔ پھر اس نے پیچھے ہٹ کر نووارد افراد کو آنے کا راستہ دے دیا۔ دروازے سے اندر قدم رکھنے والی شخصیت پر نظر پڑتے ہی میں بری طرح چونک پڑا۔ وہ نائمہ تھی۔ خلاف توقع وہ خاصی ترو تازہ اور دلکش نظر آ رہی تھی۔ اس کی چال میں بھی مخصوص اعتماد اور روانی نمایاں تھی۔ اس کے عقب میں موجود شخص دیہاتی طرز کے لباس میں تھا۔ دراز قد اور چھریرے بدن کے اس شخص کے ہاتھ میں جدید طرز کی ریپیٹر گن موجود تھی۔ تاہم اس کا رخ نائمہ کی جانب نہیں تھا۔

نائمہ نے فوراً ہی مجھے دیکھ لیا۔ اس کے چہرے پر خوشی کی چمک ابھری لیکن فوراً

ہی فکر مندی نے اس خوشی کی جگہ لے لی۔ اس نے میرے سر پر بندھی پٹی دیکھ لی تھی۔ "تم ٹھیک تو ہو؟ زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟ کیا بہت مارا ہے ان لوگوں نے؟"

"ارے تم فکر نہ کرو' میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ یہ ان کی نہیں' ان وردی والوں کی مہربانی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ نہ تو وہ ظرم خان حوالدار نظر آ رہا ہے۔ نہ ہی وہ خود ساختہ انسپکٹر' ان لوگوں کا تو پولیس سے دور کا بھی تعلق نظر نہیں آتا۔ تم بتاؤ پولیس والوں یا ان لوگوں نے تم سے بدسلوکی تو نہیں کی؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے' ویسے تمہارے اندازے کی میں داد دینا چاہوں گی۔ واقعی ان لوگوں کا پولیس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سردار فتی سائیں کے کارندے ہیں اور اس وقت تم سردار سائیں کی تحویل میں ہو۔"

میں سردار کے زندہ بچ جانے پر حیرت کا اظہار کرنے ہی والا تھا کہ نائمہ نے آنکھ کے اشارے سے مجھے خاموش کر دیا۔ نائمہ نے بات آگے بڑھائی۔ "سردار سائیں نے پولیس والوں سے معاملہ طے کر لیا تھا۔ تم بے فکر رہو۔ تمہارا مکمل علاج ہو گا اور ٹھیک ہونے کے بعد تم شہر واپس جا سکو گے۔"

"اور تم ...... میرا مطلب ہے ......" میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کا مطلب کیا ہے۔

"میں نے سردار سائیں سے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب میں یہی رہوں گی۔" نائمہ نے سنجیدہ اور مستحکم لہجے میں بتایا۔ میرے سر پر حیرت کا آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ شاید مجھ سے مذاق کر رہی تھی۔ میں نے بغور اس کی طرف دیکھا۔ وہ مجھ سے آنکھ نہیں ملا پا رہی تھی۔ "میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ سردار سائیں آج شام تمہارے پاس آئیں گے۔ وہ تم سے بات کریں گے۔ اس کے بعد تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ تم مہمان کی حیثیت سے جب تک چاہو ہمارے پاس رہ سکتے ہو۔ پرسوں رات ہمارے نکاح کی تقریب منعقد ہو گی۔ اگر تم اس میں شرکت کرو تو یہ میرے لئے باعث مسرت ہو گا۔" نائمہ کی روبوٹ کی طرح بے تاثر لب و لہجے میں بولتی چلی جا رہی تھی۔ پھر جیسے اس کا کیسٹ ختم ہو گیا۔

ہم دونوں کے مابین تناؤ آمیز خاموشی زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکی۔ نائمہ نے اسی بے روح لہجے میں کہا۔ "اچھا اب میں چلتی ہوں۔" وہ میرے جواب کا انتظار کئے بغیر پلٹ کر چل پڑی۔ وہ اس وقت بالکل بدلی ہوئی شخصیت نظر آ رہی تھی۔

نائمہ خود تو چلی گئی لیکن مجھے وسوسوں اور پریشان کن سوالات کے جنگل میں تنہا چھوڑ گئی۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں نے جیتے جاگتے پورے ہوش و حواس کے ساتھ

ناعمہ کی زبان سے یہ سب کچھ سنا ہے۔ شاید وہ کسی شدید مجبوری کے باعث یہ سب قبول کرنے پر مجبور ہوئی تھی۔ یکایک میرے ذہن میں دھماکا سا ہوا۔ مجھے لگا کہ جیسے ساری بات میری سمجھ میں آگئی ہے۔ ناعمہ نے یقیناً" میری جاں بخشی کے عوض سردار سائیں کے عقد میں آنا قبول کیا ہو گا۔ ہم دونوں کا باہمی رشتہ کوئی مضبوط بنیاد نہ رکھنے کے باوجود بے حد مستحکم اور پائیدار بھی تھا اور بے حد نازک بھی۔ ناعمہ نے مجھ سے کبھی اظہار محبت نہیں کیا تھا لیکن زبانی اظہار ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا۔ مجھے احساس تھا کہ میں اس کے لئے دنیا میں سب سے بڑھ کر ہوں اور میرے جذبات بھی کم و بیش ایسے ہی تھے۔ ناعمہ کی زندگی کے تاریک پہلوؤں سے واقف ہونے کے باوجود مجھے اس سے کبھی نفرت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ گزرنے والا ہر لحہ مجھے زندگی کا حاصل لگتا تھا' شاید اسی کا نام محبت ہے۔ میں اس کی خاطر بڑی سے بڑی مصیبت مول لے سکتا تھا۔ بڑی سے بڑی قربانی دے سکتا تھا۔ بالکل یہی کیفیت اس کی تھی۔ اس وقت بھی وہ میری زندگی بچانے کے لئے اپنی خوشیاں' اپنے ارمان حتیٰ کہ اپنی آزادی قربان کرنے پر تل گئی تھی۔

ناعمہ کے جانے کے کچھ دیر بعد میری نگرانی پر تعینات شخص نے مجھے کھانا دیا لیکن میں ذہنی طور پر اتنا پریشان تھا کہ بمشکل چند نوالے ہی زہر مار کر پایا اب مجھے سردار سائیں کی آمد کا انتظار تھا۔ میں ابھی تک نہیں سمجھ پایا تھا کہ وہ اتنے خطرناک حادثے کے باوجود کیسے زندہ سلامت ہے۔ خدا جانے اب وہ مجھ سے کیسا رویہ اختیار کرنے والا تھا۔

خدا خدا کر کے وہ تکلیف دہ انتظار ختم ہوا۔ مغرب سے ذرا پہلے سردار شفیق میرے سامنے تھا۔ اس کے دونوں خاص کارندے اجمل اور شیرو بھی اس کے ہمراہ تھے۔ وہ تینوں ہی تندرست و توانا اور چاق و چوبند نظر آ رہے تھے۔ کہیں سے بھی ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کسی چھوٹے یا بڑے حادثے کا شکار ہو چکے ہیں۔ خلاف توقع سردار کا موڈ خاصا خوشگوار تھا۔ اس نے میری کوٹھری کا دروازہ کھلوایا اور سیدھا اندر آگیا۔ "ہاں بھئی جوان' کیا حال ہے تیرا؟ سنا ہے پولیس والوں نے تجھ سے مار پیٹ کی تھی۔ بہت بدبخت ہوتے ہیں یہ لوگ۔ ہاتھ پاؤں چلانے کا کوئی موقع خالی نہیں جانے دیتے۔ حالانکہ میں نے کہا تھا کہ تم دونوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہئے لیکن پولیس والے تو پولیس والے ہی ہوتے ہیں ناں ...... خیر جو ہو چکا اسے بھول جاؤ۔ اب تم سے کوئی زیادتی نہیں ہو گی۔"

"یہی بہتر ہے سردار سائیں۔ میری آپ سے کوئی ذاتی دشمنی تو نہیں ہے ناں اگر وہ اکرام والا معاملہ درمیان میں نہ آیا ہوتا تو کوئی بھی ناخوشگوار بات نہ ہوتی۔ مجھے مجبوراً" وہ سب کچھ کرنا پڑا۔"

"وہ میری بھی مجبوری تھی۔ اپنے بڑے بھائی کے قاتل کو میں کیسے زندہ چھوڑ سکتا ہوں۔ خیر اب وہ بھی معاملہ ختم ہو گیا۔ اب ہماری دشمنی برقرار رہنے کی کوئی وجہ نہیں

ہوں۔ خیر اب وہ بھی معاملہ ختم ہو گیا۔ اب ہماری دشمنی برقرار رہنے کی کوئی وجہ نہیں

...... ناعمہ نے تم کو بتایا ہو گا کہ ......"

"آپ نے ...... کیا آپ نے اکرام کو ......" میں نے مضطرب لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "میرا مطلب ہے کیا وہ ختم ہو چکا ہے؟"

"ہاں مجھے افسوس ہے۔ لیکن اپنی قسم پوری کرنے کے لئے مجھے اس کو ختم کرنا ہی تھا۔ چاہے اس کے لئے مجھے کتنا ہی نقصان برداشت کرنا پڑتا۔ اگر میری اس کارروائی سے تمہیں کوئی نقصان پہنچا ہے تو میں پورا کرنے کو تیار ہوں۔ یہی پیشکش میں ناعمہ کو بھی کر چکا ہوں۔"

"اس نقصان کی تلافی پیسے ممکن نہیں سردار سائیں۔ خیر جو کچھ ہوا اسے بھول جانا ہی بہتر ہے۔ وہ شخص شاید اسی قابل تھا۔" میں نے بادل نخواستہ کہا۔ اس وقت مجھے سب سے زیادہ بے تابی اس قید خانے سے رہائی حاصل کرنے کی تھی۔ اس کے بغیر تو میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ "اب اس قید خانے سے تو میری جان چھڑائیں۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ چلو میرے ساتھ چلو اب تم میرے مہمان ہو۔ تم میری اور ناعمہ کی شادی میں تو شرکت کرو گے ناں؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ ناعمہ کی خوشی میری بھی خوشی ہے۔ اس نے یہ اچھا فیصلہ کیا ہے۔ میں خود بھی کئی بار اسے یہ مشورہ دے چکا ہوں۔"

"اچھا! یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر باہر کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے تمہیں اتنی دیر تک قید کی تکلیف برداشت کرنا پڑی۔ دراصل ایک حادثے میں میرے دو کارندے ہلاک ہو گئے ہیں۔ میں اس سلسلے میں مصروف تھا ورنہ تمہیں آج صبح ہی آزادی مل جاتی۔ اس کم نسل اکرام ...... میرا مطلب ہے اکرام کو بھی ٹھکانے لگانا تھا۔ ان ہی چکروں میں دیر ہو گئی۔ اب تو تمہاری طبیعت خاصی بہتر نظر آ رہی ہے۔

سردار شفیق نے مجھے لینڈ کروزر جیپ میں اپنے ساتھ بٹھایا۔ وہ مجھ سے میرے کاروبار کے بارے میں پوچھتا رہا۔ میں نے نعمان سیٹھ کی حیثیت سے اپنی امارت کی داستانیں سنا کر اسے اچھا خاصا مرعوب کر ڈالا' نتیجہ یہ کہ اس کا رویہ مزید بہتر ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ہم اس کی محل نما حویلی کے شاندار مہمان خانے میں پہنچ گئے۔ "لو بھئی نعمان بھائی۔ یہ ہے تمہارا کمرہ۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو دروازے پر موجود کارندے کو حکم دے دینا۔ میں ابھی چلتا ہوں' کئی کام نمٹانے ہیں۔ شادی کی تیاریاں بھی کرنی ہیں۔ اب تم سے صبح ملاقات ہو گی۔ امید ہے تمہیں یہاں کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ بس اتنی

درخواست ہے کہ میرے کارندوں کو بتائے بغیر کہیں آنے جانے سے گریز کرنا تاکہ کوئی ناخوشگوار صورتحال پیدا نہ ہو۔"

سردار شفیق کا لہجہ بے حد خوشگوار تھا لیکن میں اتنا نادان بھی نہیں تھا کہ اس خوشگوار لہجے کی تہہ میں پوشیدہ انتباہ کو نہ پہچان پاتا۔ میں اب بھی سردار سائیں کی قید میں تھا' محض قید خانے کی نوعیت بدل گئی تھی۔ یعنی میں سی کلاس سے بی یا اے کلاس میں آ گیا تھا' تاہم میرے لئے اتنی سہولت بھی غنیمت تھی۔ اس طرح کم از کم مجھے اپنی کھوئی ہوئی توانائی اور صحت واپس حاصل کرنے کا موقع تو مل رہا تھا۔ اس پر آسائش ماحول میں میری ذہنی صلاحیتیں بھی زیادہ بہتر کام کر سکتی تھیں اور میں اس صورتحال سے نجات کے لئے کوئی معقول لائحہ عمل مرتب کر سکتا تھا۔

سردار شفیق کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد ایک کارندے نے میرے لئے گرم پانی سے غسل کا انتظام کر دیا' اسی اثناء میں حویلی سے عمدہ قسم کا شلوار سوٹ بھی بھجوا دیا گیا۔ سردار شفیق اور میری جسامت تقریباً" ایک جیسی تھی۔ یہ سوٹ اسی کا ہو گا جسے نائمہ نے میرے پاس بھجوا دیا تھا۔ گرم پانی کے غسل نے میری ہڈیوں میں رچے درد کو باہر نکال پھینکا۔ میں خود کو خاصا چاق و چوبند اور توانا محسوس کر رہا تھا۔ سر کا زخم بھی تقریباً" ٹھیک تھا۔ میں غسل سے فارغ ہوا ہی تھا کہ نائمہ میرے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ساتھ ایک ملازمہ بھی تھی جس نے کھانا اٹھا رکھا تھا۔ پانی کا انتظام کمرے میں ہی موجود تھا۔ نائمہ نے اس سے کھانا لے لیا اور اسے واپس حویلی میں بھیج دیا۔

نائمہ فرشی دسترخوان پر کھانا لگا رہی تھی۔ میں نے کمرے کے دروازے سے جھانک کر دیکھا۔ مسلح کارندہ برآمدے میں اپنی مخصوص جگہ موجود تھا لیکن کمرے میں ہونے والی گفتگو بظاہر اس کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

"یہ کیا چکر ہے نائمہ؟ تم نے تو میرا دماغ گھما کر رکھ دیا ہے؟" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ وہ دسترخوان پر میرے مقابل بیٹھ چکی تھی۔ "تم کس چکر کی بات کر رہے ہو؟ کیا تم بھی مجھے چکر باز سمجھتے ہو؟" اس نے سادگی سے کہا۔

"میں اس وقت مذاق کے موڈ میں بالکل نہیں ہوں۔ صاف صاف بتاؤ یہ شادی وادی کا کیا معاملہ ہے؟ کیا واقعی تم سنجیدہ ہو؟"

"ارے بھئی کوئی شادی جیسے سنجیدہ معاملے میں بھی غیر سنجیدہ ہو سکتا ہے؟ بلاشبہ میں سنجیدہ ہوں بلکہ پوری طرح سنجیدہ ہوں' کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" نائمہ کے لہجے میں شگفتگی تو تھی لیکن اسے مذاق تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں الجھن کا شکار ہونے لگا۔ "میرا مطلب ہے اگر شادی ہی کرنی تھی تو پھر باقی ساری دنیا کو چھوڑ کر اس جنگل میں سردار شفیق

ہی تمہارا انتخاب کیوں بنا؟"

"کیوں' میرے سردار سائیں میں کیا خرابی ہے؟ بھئی کسی نہ کسی کی تو قسمت پھوٹنی ہی تھی۔ سردار سائیں نے شادی کی درخواست کی جو میں نے معقول سمجھتے ہوئے قبول کر لی۔"

"دیکھو نائمہ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ شاید ہمیں دوبارہ گفتگو کا موقع نہ مل سکے۔ سچ سچ بتاؤ کیا تم نے میری زندگی بچانے کے لئے یہ سودا نہیں کیا ہے؟ تمہیں یقین تھا کہ سردار شفیق مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا اور میں اس کے شکنجے میں بری طرح پھنس چکا ہوں لہٰذا تم نے اس شرط پر اس کی شادی کی پیش کش قبول کر لی کہ وہ بغیر نقصان پہنچائے' مجھے آزاد کر دے۔ کہہ دو کہ یہ سچ نہیں ہے؟"

"تم مفروضے بہت اچھے تراش لیتے ہو۔ ارے بھئی سردار سائیں طویل عرصے سے مجھ سے شادی کا خواہش مند ہے۔ میں اس کی پیش کش کو ہمیشہ ٹالتی رہی ہوں لیکن میں نے صاف انکار کبھی نہیں کیا کیونکہ میں خود بھی اس ماحول سے جان چھڑانا چاہتی ہوں۔ سردار سائیں سے تمہارا اور میرا اختلاف صرف اکرام کی وجہ سے ہوا تھا اور اکرام کے سردار سائیں کے ہاتھوں کیفر کردار تک پہنچنے کے بعد یہ اختلاف خود بخود ختم ہو گیا۔ چنانچہ اب اس نے شادی کی خواہش ظاہر کی تو میں نے حامی بھر لی۔ مجھے یقین ہے وہ مجھے وہ تحفظ اور گھریلو ماحول فراہم کر سکتا ہے جس کی میں ہمیشہ سے خواہش مند ہوں۔ مجھے یقین ہے میری خوشی تمہاری بھی خوشی ہے البتہ مجھے یہ افسوس ہمیشہ رہے گا کہ میں تمہاری جدوجہد میں مزید تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گی البتہ میری دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی۔"

نائمہ کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ واضح اور ٹھوس تھا۔ کسی قسم کا بھی ابہام باقی نہیں رہا تھا۔ وہ مجبوراً" یہ سب کچھ کہہ رہی ہوتی تو کم از کم اشارے کنایوں میں تو اس کا اظہار کر سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے اس بارے میں مزید جرح نہیں کی۔ اگر اسے شادی پر کوئی اعتراض نہیں تھا تو میں درمیان میں دخل دینے والا کون ہوتا تھا جب میاں بیوی راضی تو......

"تم سب باتوں کو چھوڑو۔ یہ بتاؤ تمہارے زخموں کا کیا حال ہے؟ اگر تکلیف باقی ہے تو اسی حکیم کو بلوا بھیجوں جس نے تمہاری بے ہوشی کے دوران میں تمہارا علاج کیا تھا۔ یہاں کا سب سے ماہر اور قابل طبیب ہے وہ۔"

"اس میں تو کوئی شک نہیں۔ اس کی دوا سے میرا بخار بھی اتر گیا تھا اور چوٹوں اور زخموں میں درد بھی کم ہو گیا تھا لیکن اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ان دو دنوں میں اچھا کھاؤں پیوؤں گا تو اور بھی ٹھیک ہو جاؤں گا۔ تم دونوں کے نکاح کے بعد میں یہاں سے

رخصت ہو جاؤں گا۔"

"اس کے بعد بھی تم جب چاہے یہاں آ سکتے ہو۔ اس حویلی کے دروازے تم پر ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ تمہاری دلیری کے باعث سردار سائیں بھی تمہارے مداح بن چکے ہیں۔ انہیں بہادر لوگوں کو دوست بنا کر خوشی ہوتی ہے۔"

"اچھا! وہ خود بھی اچھا آدمی لگتا ہے۔" میں نے اوپری دل سے کہا۔ "کبھی فرصت ملی تو چکر لگاؤں گا۔" اس مصنوعی اور سطحی گفتگو سے مجھے شدید اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔ نائمہ کا طرز عمل بھی میرے لئے مایوس کن تھا۔ وہ جس انداز میں سردار شفیق کی تعریف کے پل باندھ رہی تھی۔ اس سے تو یہی لگتا تھا کہ وہ طویل عرصے سے اس سے شادی کا پروگرام بنائے بیٹھی تھی اور اس کی یہاں آمد بھی اسی پروگرام کا حصہ تھی۔

میں کھانے سے ہاتھ کھینچنے ہی والا تھا کہ نائمہ نے کھانے کی ایک اور پلیٹ میری طرف بڑھا دی۔ "یہ تم اتنا تکلف کیوں کر رہے ہو۔ میں نے اپنی نگرانی میں تمہارے لئے کھانا تیار کروایا ہے۔ یہ کھیر چکھ کر دیکھو۔"

میں پیٹ بھرنے کے بہانہ کر کے انکار کرنے ہی والا تھا کہ میری نظر کھیر کی پلیٹ پر پڑی۔ کھیر کی ہموار سطح پر پستول کی مدد سے ایک خاص علامت ترتیب دی گئی تھی۔ ایک کھوپڑی اور اس کے نیچے ایک دوسرے کو کراس کرتی ہوئی دو ہڈیاں ...... خطرہ!!



خطرے کی نشاندہی کرنے والی اس علامت پر نظر پڑتے ہی میری تمام حسیات پوری طرح بیدار ہو چکی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی نائمہ کے طرز عمل سے پیدا ہونے والی خفگی بھی تحلیل ہو گئی۔ میں اسے اتنے قریب سے جاننے کے باوجود اس کی طرف سے غلط فہمی کا شکار ہو چلا تھا جبکہ وہ کسی بڑے خطرے کے پیش نظر وہ ڈرامہ کرنے پر مجبور تھی۔ نائمہ کی جانب سے مزید کوئی اشارہ نہ ملنے کے باوجود میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ ہم دونوں کی گفتگو کا ایک ایک لفظ کہیں سنا جا رہا تھا اور شاید ہم دونوں کی حرکات و سکنات کا بھی بغور جائزہ لیا جا رہا تھا۔ نائمہ اس حقیقت سے واقف تھی چنانچہ اس نے نہایت مہارت سے گفتگو کا دائرہ چند مخصوص موضوعات تک محدود رکھا لیکن اپنی خداداد ذہانت سے کام لیتے ہوئے موقع ملتے ہی مجھے اصل صورت حال کے بارے میں اشارتاً آگاہ کر دیا تھا تاکہ میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑوں۔

میں نے کھیر کی پلیٹ نائمہ کے ہاتھ سے لے لی اور چمچ چلا کر پستول کی ترتیب بگاڑ دی۔ کھیر واقعی بے حد لذیذ تھی۔ میں نے دل کھول کر تعریف کی اور پلیٹ صاف کر کے ہی اسے ہاتھ سے رکھا۔ نائمہ بدستور خوش مزاجی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھی اور اس کی گفتگو کا موضوع زیادہ تر سردار شفیق کی ذات ہی رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اچھا تو اب میں چلتی ہوں۔ انشاء اللہ کل صبح سردار سائیں کے ہمراہ تم سے ملنے آؤں گی۔ اب تم مکمل آرام کرو تاکہ جلد از جلد پوری طرح صحت یاب ہو سکو۔ میں اپنی شادی کے موقع پر تمہیں پوری طرح چاق و چوبند دیکھنا چاہتی ہوں، سمجھے؟"

"جو حکم ملکہ عالیہ۔ آپ کی زبان سے نکلنے والے ہر لفظ پر مکمل عمل کیا جائے گا۔ آپ بے فکر ہو کر تشریف لے جا سکتی ہیں۔" میں نے جدی پشتی غلاموں کی طرح سینے پر ہاتھ رکھ کر کورنش بجا لاتے ہوئے کہا۔ نائمہ کے جانے کے بعد میں کچھ دیر تک وسیع کمرے میں چہل قدمی کرتا رہا۔ پھر نرم و گرم بستر کی آغوش میں دبک گیا۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی اور نہ ہی میں سونا چاہتا تھا۔ میرے پاس بہت محدود وقت تھا اور میں اسے سونے میں برباد کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ درمیان میں صرف ایک دن اور رات کی مہلت

تھی۔ اگر اس دوران میں، میں نا عمہ کو یہاں سے نکال لے جانے میں کامیاب نہ ہوتا تو وہ جبراً" سردار شفیق کی بیوی بنا دی جاتی جو مجھے کسی طرح بھی گوارا نہ تھا۔

رات کا پہلا پہر گزرنے کے بعد حویلی کو بجلی فراہم کرنے والا جنریٹر بند کر دیا گیا۔ میرے کمرے میں عمدہ قسم کا شمع دان موجود تھا لیکن میں نے اسے روشن نہیں کیا۔ مزید خاصی دیر انتظار کرنے کے بعد میں بستر سے اٹھا اور دبے پاؤں کمرے کے بند دروازے کی جانب بڑھا۔ میں نے شور ہونے کے ڈر سے اندر سے کنڈی نہیں لگائی تھی۔ میں نے آہستگی سے بھاری اور مضبوط دروازے کا ایک پٹ سرکانے کی کوشش کی لیکن چرچراہٹ کی ہلکی سی آواز نے مجھے مزید محتاط ہونے پر مجبور کر دیا۔ قدرے توقف کے بعد میں نے ایک بار پھر نہایت آہستگی سے دروازے کے پٹ کو اندر کی جانب کھینچا۔ تھوڑا تھوڑا کر کے میں دروازے کے پٹ کو اتنا کھولنے میں کامیاب ہو گیا کہ اب میں اس سے جھانک کر باہر کا جائزہ لے سکتا تھا۔ مہمان خانے کے برآمدے میں اس وقت ایک کے بجائے دو چارپائیاں نظر آ رہی تھیں۔ گویا رات کے وقت دو کارندوں کو میری نقل و حرکت پر قابو پانے کی ذمے داری سونپی گئی۔ وقتاً" فوقتاً" سنائی دینے والی حقے کی گڑگڑاہٹ سے صاف ظاہر تھا کہ وہ دونوں ہی جاگ رہے تھے۔ میں جانتا تھا کہ وہ تباہ کن ہتھیاروں کے علاوہ طاقتور ٹارچوں سے بھی لیس ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی ایک آواز پر حویلی کے تمام کارندے چند لمحوں میں ان کی مدد کو پہنچ سکتے تھے۔ میں ان دونوں کی بیداری کے عالم میں تو کم از کم کمرے سے باہر قدم نکالنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

مزید ڈیڑھ گھنٹہ انتظار کے بعد میں نے ایک بار پھر برآمدے کی صورت حال کا جائزہ لیا۔ بظاہر وہاں مکمل خاموشی کا دور دورہ تھا۔ پہرے پر مامور دونوں افراد اگر جاگ بھی رہے تھے تو ان کی آپس میں گفتگو کرنے کی آواز مجھ تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ بڑے گیٹ کا مہمان خانے سے فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ وہاں موجود افراد کی سرگرمیوں کا اندازہ تقریباً" ناممکن تھا۔ البتہ حویلی کی مرکزی عمارت مکمل سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کہیں سے روشنی کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اگر میں مکمل احتیاط سے کام لے کر مہمان خانے سے نکلوں تو مہمان خانے کے نگرانوں کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی اور میں تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حویلی تک پہنچ سکتا ہوں۔ اس کے بعد اصل اور مشکل مرحلہ مجھے در پیش ہوتا یعنی حویلی کے تمام حفاظتی انتظامات کو شکست دے کر حویلی کے اندر گھسنا اور نا عمہ تک پہنچنا۔ اگرچہ میں بالکل خالی ہاتھ تھا، تاہم مجھے اعتماد تھا کہ میں حویلی کے اندر گھسنے میں کامیاب ہو گیا تو باقی مراحل بھی کسی نہ کسی طرح طے کر ہی لوں گا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کارروائی انتہائی خطرناک اور جان لیوا تھی لیکن اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ نا عمہ کو اس نیم وحشی شخص کے چنگل سے چھڑانے کے لئے میں اپنی زندگی داؤ

پر لگانے سے بھی گریز نہ کرتا۔

میں نہایت بے قراری کے عالم میں مزید آدھا گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد دبے پاؤں کمرے سے نکل آیا۔ میرے جوتے نیفے میں اڑسے ہوئے تھے۔ نگرانی کرنے والوں کی سمت مکمل سکوت کی کیفیت تھی۔ اس تاریک اور سرد رات میں گرم لحاف میں لپٹے ہونے کے باوجود نیند کے حملوں کا مقابلہ کرنا آسان تو نہیں تھا۔ ایسے میں ان دونوں کا بیک وقت سو جانا حیرت ناک نہیں تھا۔ ان کی یہ غفلت میرے لئے غنیمت تھی لہٰذا میں محتاط قدموں سے مہمان خانے کے برآمدے سے نکلا اور حویلی کی جانب چل پڑا۔ میرا رخ عمارت کے پہلو کی طرف تھا۔ میں سامنے والے حصے کی جانب جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کیونکہ وہاں مسلح پہرے داروں کی موجودگی یقینی تھی اور ضروری نہیں تھا کہ وہ بھی مہمان خانے کے پہرے داروں کی مانند سو چکے ہوتے۔ میں شام کے اوقات میں سرسری نظروں سے عمارت کا جائزہ لے چکا تھا اور میں نے نوٹ کیا تھا کہ حویلی کے خدمت گار حویلی کے مرکزی دروازے کے بجائے پہلو میں واقع کسی دروازے سے آمدورفت جاری رکھے ہوئے تھے۔ ممکن ہے اس طرف سے اندر گھسنے کا کوئی اور راستہ بھی مل جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنی مہم کی ابتداء کے لئے اس رخ کا انتخاب کیا تھا۔

میں بغیر کسی رکاوٹ کے مطلوبہ مقام تک پہنچ گیا۔ گہری تاریکی کے باوجود میں نے اس نسبتاً" چھوٹے لیکن مضبوط دروازے کا ہیولا دیکھ لیا۔ میں نے اسے ٹٹول کر اور پھر دھکا دے کر جانچنے کی کوشش کی۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس کی ساخت ایسی تھی کہ میرے جیسے دس افراد مل کر بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ اسے صرف اندر سے کھولا جا سکتا تھا اور یہ نیک کام صرف نا عمہ انجام دے سکتی تھی لیکن وہ نہ جانے حویلی کے کسی دور افتادہ گوشے میں پابند ہو گی۔ میں نے دروازے کی طرف سے مایوس ہو کر کوئی اور کھڑکی یا روشن دان وغیرہ تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن بلند و بالا فصیل نما دیوار میں نظر کی پہنچ تک ایسی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ چھت کی منڈیر بھی اتنی اونچی تھی کہ بغیر کسی مناسب سازوسامان کے اس تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔

میں ناکام و نامراد ہو کر کسی اور طرف جانے ہی والا تھا کہ مجھے دروازے کے دوسری طرف سے آہٹیں سنائی دیں۔ کوئی بند دروازے کے دوسری طرف موجود تھا۔ میرے دل کی دھڑکن کی رفتار میں یک دم اضافہ ہو گیا۔ یہ خوش فہمی اپنی جگہ لیکن میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے فوراً" خود کو قریب موجود نیم کے درخت کے تنے کی اوٹ میں چھپا لیا۔ میری نظریں ایک بار پھر دروازے پر جم گئیں۔

چند لمحوں بعد دروازے کو نہایت آہستگی سے اور بے آواز انداز میں کھولا گیا۔ دروازے میں موجود شخص گہرے رنگ کے لباس میں تھا تاہم اندھیرے کے باعث اسے

پوری طرح پہچاننا ممکن نہیں تھا۔ وہ دروازے سے باہر نکلا اور اس نے دروازے کو اسی خاموشی سے بند کیا اور اپنے ہاتھ میں موجود قفل باہر سے لگا دیا اور چابی اپنی جیب میں ڈال لی۔ اس کے بعد وہ نپے تلے بے آواز قدموں سے حویلی کے عقبی حصے کی طرف چل پڑا۔ وہ میرے خاصے قریب سے گزرا' عین اسی وقت میں نے پہچان لیا اور اس کے ساتھ ہی مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ وہ سردار شفیق تھا۔ اس کا ایسے پراسرار انداز میں چوروں کی طرح اپنی ہی حویلی میں گھومنا مجھے بے حد عجیب لگا۔ نہ جانے وہ اس سرد رات میں کیا کرتا پھر رہا تھا۔

تجسس کی شدت اس قدر زیادہ تھی کہ میں نے حویلی کے اندر گھسنے کا خیال ترک کر کے اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کی ٹھان لی۔ وہ جوں ہی عمارت کے عقبی حصے کے کونے پر گھوم کر نظروں سے اوجھل ہوا' میں ہوا کے تیز رفتار اور بے آواز جھونکے کی طرح آگے بڑھتا چلا گیا۔ میرے کونے پر پہنچنے تک وہ عقبی حصے کی چار دیواری میں موجود چھوٹے سے آہنی گیٹ تک پہنچ چکا تھا۔ وہ گیٹ کے پاس پہنچ کر رکا اور جھک کر اپنی جوتیاں پاؤں سے اتار کر ایک ہاتھ میں تھام لیں۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ گیٹ پر چڑھا اور دوسری طرف اتر گیا۔ اس کی اس حرکت نے میرے تجسس کو مزید بھڑکا دیا۔ وہ بغیر کسی بڑی وجہ کے یہ چوروں جیسی حرکتیں نہیں کر سکتا تھا اور مجھے ہر قیمت پر اس وجہ کا پتا چلانا تھا۔

تھوڑا سا انتظار کرنے کے بعد میں بھی گیٹ کے پاس پہنچ گیا۔ باہر مکمل سکوت تھا۔ وہ شاید دور جا چکا تھا۔ میں بندروں کی سی پھرتی سے گیٹ پر چڑھتا چلا گیا۔ گیٹ کے اوپر پہنچ کر میں نے باہر کا جائزہ لیا اور سردار شفیق میری نظروں سے اوجھل ہو کر گہرے اندھیرے کی آغوش میں کہیں گم ہو چکا تھا۔ مجھے قطعاً" اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ وہ کس سمت گیا ہے۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر اس وقت سردار شفیق نے خود میری مدد نہ کی ہوتی تو میں زندگی بھر اسے نہ ڈھونڈ پاتا۔ مجھے تقریباً" سو گز کے فاصلے پر ایک ٹارچ کی روشنی نظر آنے لگی تھی جو لحہ بہ لحہ دور ہوتی جا رہی تھی۔ وہ ٹارچ بردار شخص سردار شفیق کے علاوہ کون ہو سکتا تھا؟

میں نے جلدی سے جوتے اپنے پیروں میں چڑھائے اور تیز رفتاری سے ٹارچ کی روشنی کے تعاقب میں چل پڑا۔ یہ علاقہ سردار شفیق کے لئے ہاتھ کی لکیروں کی مانند جانا پہچانا تھا۔ اس کے باوجود وہ ٹارچ کی روشنی کا سہارا لینے پر مجبور تھا جبکہ میں تو وہاں قطعاً" اجنبی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مجھے قدم قدم پر خاردار جھاڑیوں سے الجھنا پڑ رہا تھا۔ کبھی کوئی نالا اور دلدل نما جوہڑ راستے میں حائل ہو جاتا تو کبھی زوردار ٹھوکر گھٹنوں کے بل جھکنے پر مجبور کر دیتی تھی لیکن تمام تر مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود میں نے سردار شفیق کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔

خدا خدا کر کے بالاخر یہ تکلیف دہ سفر اختتام کو پہنچا۔ سردار شفیق ایک چھوٹے سے منزلہ مکان کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھل گیا لیکن سردار شفیق نے مکان کے اندر داخل ہونے کی کوشش نہیں کی۔ دروازہ کھولنے والا شخص اس سے کچھ دیر بات کرنے کے بعد واپس چلا گیا۔ چند لمحوں بعد ایک بار پھر دروازے میں آیا۔ سردار شفیق نے اس شخص کا ہاتھ پکڑا اور ٹارچ کی روشنی میں ایک طرف چل پڑا۔ میں بدستور ان کے پیچھے تھا۔ تقریباً" سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ دونوں ایک کنویں کی منڈیر پر جا بیٹھے۔ صاف ظاہر تھا کہ سردار شفیق اس شخص سے کوئی بہت ہی اہم اور راز کی بات کرنے کے لئے یہاں آیا تھا اور میں اس کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ سننا چاہتا تھا۔

میں حتی الامکان تیزی اور بے آواز قدموں سے چلتا ہوا ایک لمبا چکر کاٹ کر ان دونوں کے عقب میں کنویں کے دوسری طرف پہنچ گیا۔ خوش قسمتی سے اس جگہ جھاڑیوں کے جھنڈ وغیرہ نہیں تھے۔ لہٰذا مجھے یہ کارروائی کرنے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی۔ تاہم پوری کوشش کے باوجود میں ان دونوں کی گفتگو کا ابتدائی حصہ سننے میں ناکام رہا۔ جب میں ان سے قابل سماعت حد تک پہنچا تو میں نے سردار شفیق کو کہتے سنا۔ "آخر تم سمجھتے کیوں نہیں ہو۔ جو تم چاہ رہے ہو وہ اب ممکن نہیں ہے۔ قصبے کے سب لوگوں کو اطلاع مل چکی ہے کہ میں پرسوں نائمہ سے نکاح کر رہا ہوں۔ اگر کسی بھی وجہ سے میں یہ کام پورا نہ کر سکا تو میرا بہت مذاق اڑے گا جو میں کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا۔ البتہ تمہاری دوسری بات ماننے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ شادی سے اگلے دن میں اس گدھے کے بچے کو تمہارے حوالے کر دوں گا پھر تم اس سے جو چاہے سلوک کرنا۔"

"ایسی بات نہ کرو سردار سائیں۔ تم چاہو تو اب بھی سب کچھ ہو سکتا ہے۔" سردار شفیق کے ساتھ آنے والے شخص کی آواز میرے کان میں پڑی۔ اس کے ساتھ میں بری طرح چونک پڑا۔ شک کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ وہ اکرام تھا جسے سردار شفیق نے دیکھتے ہی قتل کرنے کی قسم کھا رکھی تھی اور بقول اس کے وہ اپنی یہ قسم پوری کر چکا تھا لیکن اس وقت سردار شفیق کا یہ جانی دشمن نہ صرف اس کے پاس زندہ و سلامت موجود تھا۔ بلکہ سردار شفیق اس طرح گھل مل کر باتیں کر رہا تھا جیسے دونوں جگری یار ہوں۔ ان دونوں کی گفتگو کا موضوع بھی نائمہ اور میں ہی تھا۔ ان کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ مجھ پر انکشاف کا نیا دور کھول رہا تھا۔ "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ نائمہ کو حاصل کرنے کے لئے میں کئی بار سر دھڑ کی بازی لگا چکا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ اسے حاصل کرنا ہی میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ تم اگر اسے میرے حوالے کر دو تو میں زندگی بھر تمہاری غلامی کر سکتا ہوں۔ جہاں تک شادی نہ ہونے پر تمہاری بے عزتی کا تعلق ہے تو تم کوئی بھی بہانہ کر کے یہ شادی ملتوی کر سکتے ہو۔ مشہور کر دو کہ وہ اچانک بیمار ہو گئی ہے اور اسے علاج کے لئے شہر

بھیج دیا گیا ہے۔ کچھ دنوں بعد اعلان کروا دینا کہ وہ مر گئی ہے۔ رفتہ رفتہ سب لوگ یہ بات بھول جائیں گے۔"

"نہیں میں یہ نہیں کر سکتا۔" سردار شفیق نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "میں لوگوں کی خاطر نہیں بلکہ اپنے لئے شادی کر رہا ہوں۔ اس کے علاوہ ہر معاملے میں تم سے سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ میں تمہیں اسلحہ اور ہیروئن وغیرہ ذخیرہ کرنے کے لئے ٹھکانہ فراہم کر سکتا ہوں۔ تم چاہو تو اس چھوکرے کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو' ورنہ یہاں بھی اس کی زبان کھلوائی جا سکتی ہے۔ وہ چند منٹ میں اس ڈائری کے بارے میں سب کچھ اگل دے گا۔ اس کے بعد اسے یہیں دفن کر دیں گے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی۔ رہی فرحان والے کام کی بات تو میں اس کے باپ والے کام کے مقابلے میں چار گنا معاوضہ دوں گا۔"

"تم کس دنیا میں ہو سردار شفیق؟ کروڑوں کی جائیداد کے بدلے میں مجھے صرف چار لاکھ روپے دے کر ٹالنا چاہتے ہو۔ میں نے یہ کام کر دیا تو تم پورے علاقے کے بادشاہ بن جاؤ گے۔ اس کے باپ والے معاملے میں صورتحال کچھ اور تھی۔ اس وقت میں مفلس' مقروض اور ناتجربہ کار تھا۔ اس وقت مجھے ایک لاکھ روپے بھی بہت زیادہ لگے تھے۔ میں نے سوچنے کی کوشش ہی نہیں کی کہ میرے اس کارنامے کے نتیجے میں تم کتنا بڑا فائدہ اٹھاؤ گے۔ یہاں سے فرار ہونے کے بعد میں نے در در کی ٹھوکریں کھائی ہیں اور ان ٹھوکروں نے مجھے بہت کچھ سکھا دیا ہے۔ میرے پاس اب پیسے کی بھی کمی نہیں ہے۔ دو چار لاکھ کے لئے میں خواہ مخواہ یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

"اگر یہ پیسے کم ہیں تو تم اپنی ڈیمانڈ بتاؤ۔ یہ کام تمہیں کرنا ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ کام تم سے بہتر انداز میں کوئی نہیں کر سکتا۔" سردار شفیق نے نرم لہجے میں کہا۔ "پورے دس لاکھ...... نہ ایک پیسہ کم نہ ایک پیسہ زیادہ۔" اکرام نے حتمی لہجے میں کہا۔ "اوہ ...... یہ تو بہت زیادہ ہے۔" سردار شفیق نے متفکر لہجے میں کہا۔ "تم میری خاطر کچھ رعایت کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ معاملات قابو میں آنے کے بعد ساری کسر نکال دوں گا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ان دنوں میں سخت مالی بحران کا شکار ہوں۔" "چلو تمہاری خاطر دس سے آٹھ کر دیتا ہوں۔ چار کام سے پہلے اور چار کام کے بعد۔" "منظور ہے' لیکن کام اس طرح ہونا چاہئے کہ مجھ پر شک کرنے کی کوئی گنجائش نہ ہو۔"

"اس کی تو تم فکر ہی نہ کرو سردار شفیق۔ اسے یونیورسٹی کے اندر ہی ٹھکانے لگاؤں گا۔ اس طرح اس کے قتل کا الزام مخالف طلبہ تنظیم پر لگ جائے گا۔ تمہاری طرف تو کسی کا ذہن ہی نہیں جائے گا۔ اس طرح کے قتل وقتاً" فوقتاً" ہوتے ہی رہتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ اب تم آرام کرو۔ شادی سے اگلے روز میں تمہیں اس چھوکرے سمیت یہاں سے روانہ کر دوں گا۔ شہر پہنچتے ہی تم اپنے بڑوں سے بات فائنل کر کے میرے پاس اطلاع بھیج دینا۔ میں تمہارے لئے گودام کا بندوبست کر دوں گا۔"

"اس کا مطلب ہے تم نائمہ سے شادی کے ارادے سے باز نہیں آؤ گے۔" اکرام نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "اچھا چلو ہم ایک اور معاہدہ کرتے ہیں۔"

"کیسا معاہدہ؟" سردار شفیق نے حیرانی سے پوچھا۔ اکرام نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "میں تمہارے کہنے کے مطابق تمہارے بھتیجے کو قتل کر دیتا ہوں۔ تم اس کے بدلے میں نائمہ اور اس کے بھتیجے کو میرے حوالے کر دو۔ باقی معاملات ویسے ہی رہیں گے جیسے ہم طے کر چکے ہیں۔ تم مجھے بتا چکے ہو کہ تم نائمہ کے مسلسل پہلو بچانے کے باعث اس کے دیوانے ہوئے تھے اور اس سے شادی کر کے تم اپنی انا کو تسکین دینا چاہتے ہو ورنہ تمہارے لئے خوبصورت لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔" اکرام کی بات سن کر سردار شفیق نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی خاموشی کو اکرام نے نیم رضا تصور کیا۔ "اب تم خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو کہ تمہارے لئے تمہاری بچکانہ انا زیادہ اہمیت رکھتی ہے یا آٹھ لاکھ روپے اور ساتھ میں کروڑوں کی جائداد جس پر قبضہ ہونے کے بعد ایسی بہت سی حسینائیں تمہارے ایک اشارے پر تمہارے قدموں میں ہوں گی۔"

سردار شفیق خاصی دیر تک گہری سوچ میں ڈوبا رہا۔ پھر اس نے پژمردہ لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے۔ اگر تم بضد ہو تو مجھے تمہاری یہ تجویز قبول کرنے میں کوئی اعتراض نہیں' لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ ان دونوں کو اپنے ساتھ لے جانے کے بعد تم میرا کام کر دو گے۔ تمہارے شہر پہنچنے کے بعد تو میں تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔"

"ارے یار اب اتنی بے اعتمادی بھی اچھی نہیں ہے۔ تم خود ہی کہہ چکے ہو کہ یہ میرے لئے معمولی کام ہے۔ صرف چند روپے کی گولی ہی تو خرچ کرنا ہو گی ناں مجھے؟ اور پھر ضروری تو نہیں کہ یہ کام میں خود ہی کروں۔ میرا کوئی معمولی کارندہ بھی یہ کارروائی پوری خوش اسلوبی سے کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود اگر تم کوئی ضمانت چاہتے ہو تو میں جیسے تم کہو تمہیں اطمینان دلا سکتا ہوں۔"

"بات اعتماد کی نہیں بلکہ اصول کی ہے۔ میں نے تمہاری بات مان لی' اب تمہیں بھی میری تسلی کرنا چاہئے۔ میں نائمہ کو تمہارے ساتھ بھیج دیتا ہوں لیکن اس کا ساتھی اس وقت تمہاری تحویل میں دیا جائے گا جب تم میرا کام پورا کر دو گے۔"

"اگر تمہاری اسی طرح تسلی ہو سکتی ہے تو مجھے یہ شرط بھی منظور ہے۔ تم ان دونوں کو اپنے پاس رکھو۔ میں کل صبح ہی کراچی چلا جاتا ہوں اور کل ہی یا زیادہ سے زیادہ پرسوں تک کام مکمل کر کے آ جاتا ہوں۔ اس طرح تمہاری شادی کا پروگرام خود بخود تلپٹ ہو جائے گا اور جب تک ماتم اور سوگ ختم ہو گا کسی کو یاد بھی نہیں رہے گا کہ تمہاری شادی ہونے والی تھی۔ بالفرض کوئی پوچھ بھی لے تو تم کوئی بھی بات بنا کر ٹال سکتے ہو۔"

اکرام ایسی بے نیازی سے بات کر رہا تھا جیسے وہ کسی جیتے جاگتے نوجوان کو نہیں بلکہ کسی حقیر جانور کو ختم کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اس کی بات سن کر سردار شفیق یک دم بے حد خوش ہو گیا۔ "اس سے اچھی تو کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔ تم میرا کام جتنی جلد کرو گے اتنی ہی جلدی تمہارے بندے تمہیں مل جائیں گے۔ میں کل صبح سویرے گاڑی تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ کل دن میں کام کرو اور شام کو اسی گاڑی کے ساتھ واپس لوٹ آؤ اور اپنی امانت مجھ سے حاصل کر لو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کل صبح گاڑی کا انتظار کروں گا۔ تم مجھے اپنے بھتیجے کے بارے میں مکمل تفصیلات فراہم کر دو تاکہ میں بغیر وقت ضائع کئے اس تک پہنچ سکوں۔"

سردار شفیق نے اپنے بھتیجے فرحان کے بارے میں تمام معلومات اکرام کو فراہم کر دیں جو اس نے ذہن نشین کر لیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ تمام معلومات میرے ذہن پر بھی نقش ہو چکی تھیں۔ ان دونوں کی گفتگو سن کر میرے دل و دماغ میں نفرت اور غصے کی آگ بھڑک اٹھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر غلیظ ذہن اور مجرمانہ خصلت کے مالک تھے۔ سردار شفیق برسوں پہلے اکرام کے ذریعے اپنے بھائی کو قتل کرا کے اس کی دولت پر قابض ہو چکا تھا اور اب اپنے اسی شکاری کتے کے ذریعے اپنے سگے بھتیجے کو قتل کرا کے اپنی راہ کا آخری کانٹا بھی نکال پھینکنے کے درپے تھا۔ اس کا انتخاب غلط نہیں تھا۔ اکرام جیسے درندہ صفت شخص کے لئے ایک کیا سینکڑوں افراد کو موت کی نیند سلانا بھی مشکل نہیں تھا۔ خصوصاً" ایسی صورت میں جبکہ اس کے عوض نائمہ جیسی دلربا محبوبہ اور میرے جیسا قیمتی دشمن بیک وقت ہاتھ آ رہے ہوں۔

میرا ذہن تیزی سے آئندہ کا لائحہ عمل مرتب کرنے میں مصروف تھا۔ مجھے اپنا اور نائمہ کا دفاع ہی نہیں کرنا تھا بلکہ ان دونوں شیطان صفت افراد کا مکروہ منصوبہ بھی ناکام بنانا تھا۔ اپنے معصوم نوجوان بھتیجے کو قتل کرانے کے بعد سردار شفیق کی طاقت اور دولت میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا اور اس کے خبیثانہ اعمال کا دائرہ لامتناہی وسعت اختیار کر لیتا۔ وہ اکرام کے جرائم پیشہ گروہ کا حصہ بننے میں بھی دلچسپی رکھتا تھا جس سے اس کی شیطانی طاقتوں میں مزید اضافہ ہو جاتا۔

سردار شفیق اور اکرام کنویں کی منڈیر سے اٹھ کر واپس چل پڑے تھے' تاہم وہ کسی قسم کی جلدی میں نظر نہیں آتے تھے۔ میں مناسب فاصلہ رکھ کر ان کے پیچھے چلتا رہا۔ اکرام کے ٹھکانے پر پہنچ کر سردار شفیق نے نہایت گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور واپس اپنی حویلی کی طرف چل پڑا۔ ایک بار پھر وہی کہانی دہرائی گئی۔ سردار شفیق تو طاقتور ٹارچ کی روشنی میں باآسانی تیز تیز قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا جبکہ مجھے جھاڑیوں' پتھروں اور گڑھوں میں دربدر ہونا پڑ رہا تھا۔ ایک قدرے ہموار قطعہ اراضی میں مجھے اس کی رفتار کم ہوتی

محسوس ہوئی۔ ہم لوگ حویلی کے کافی قریب پہنچ چکے تھے۔ میں نے اسے ٹھہرتے اور پھر گھنی جھاڑیوں کے ایک جھنڈ کے پاس زمین پر بیٹھتے دیکھا۔ اس نے ٹارچ بجھا دی تھی۔ میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ رفع حاجت کے لئے رکا ہے۔

تمام تر احتیاط کے باوجود سردار شفیق نے میرے قدموں کی آہٹ محسوس کر لی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور پھر جلدی سے کھڑا ہونے کی کوشش کی لیکن تب تک میں اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے ایک زوردار گھونسا اس کی گدی پر رسید کیا۔ ضرب خاصی زوردار تھی لیکن اس کے ہوش و حواس پر اثر انداز نہ ہو سکی۔ وہ منہ کے بل جھاڑیوں میں گرا اور فوراً" ہی غلیظ گالیاں بکتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے پلٹ کر مجھے دیکھنے اور پہچاننے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے مہلت نہ دی۔ کھڑے ہاتھ کی چاپ اس کی گردن پر پڑی اور وہ تیورا کر گر پڑا۔ میری توقع کے عین مطابق وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ میں نے حتی الامکان پھرتی سے اس کی تلاشی لے ڈالی۔ ذرا دیر بعد اس کا پستول اور جیبوں میں موجود تمام اشیاء و نقدی میرے قبضے میں آ چکی تھی۔ میں نے مال غنیمت قبضے میں کرنے کے بعد اسی کی قیمتی اجرک کے ٹکڑے کر دیئے اور ان سے اس کے ہاتھ پاؤں مضبوطی سے باندھ دیئے۔ پھر اجرک کا ایک ٹکڑا اس کے منہ میں ٹھونس کر منہ پر بھی پٹی باندھ دی۔ اب وہ پوری طرح ہوش میں آنے کے بعد بھی ہلنے جلنے کے قابل نہیں رہ گیا تھا۔

سردار شفیق کی طرف سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد میں ایک بار پھر حویلی کی طرف چل پڑا۔ میں ٹارچ اپنے قبضے میں کر چکا تھا' تاہم میں نے اسے روشن کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ حویلی کے قریب پہنچ کر میں مزید محتاط ہو گیا۔ میں نے عقبی گیٹ سے کان لگا کر اندر کی سن گن لینے کی کوشش کی۔ وہاں مکمل سناٹے کی حکمرانی تھی۔ میں نے جوتے اتار کر ایک بار پھر نیفے میں اڑسے اور گیٹ پر چڑھنے لگا۔

حویلی کا بغلی دروازہ بدستور مقفل تھا۔ میں نے سردار شفیق کے پاس سے برآمد ہونے والا کنجیوں کا گچھا نکالا اور قفل میں باری باری کنجیاں آزمانے لگا۔ تیسری کنجی کارگر ثابت ہوئی اور قفل کھل گیا۔ دروازہ کھولنے اور پھر اندر داخل ہونے میں' میں نے پوری احتیاط سے کام لیا۔ اندر مکمل تاریکی تھی۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کر کے صرف کنڈی لگانے پر اکتفا کیا۔ میں کچھ دیر وہیں کھڑا رہا تاکہ میری آنکھیں گہری تاریکی سے مانوس ہو سکیں۔ پھر میں قدم بہ قدم آگے بڑھنے لگا۔ سردار شفیق کا بیش قیمت ولایتی پستول میرے ہاتھ میں آ چکا تھا۔

چھوٹی سی راہداری سے گزرنے کے بعد میں ایک کھلی جگہ پہنچ گیا۔ یہ نشست گاہ تھی۔ اس جگہ ایک لالٹین روشن تھی۔ لیکن اس کی لو بہت نیچے رکھی گئی تھی۔ اس کے باوجود وہاں اتنی روشنی موجود تھی کہ آس پاس کے ماحول کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔ نچلی منزل پر

پانچ کمرے تھے اور اس وقت ان سب کے دروازے بند نظر آ رہے تھے۔ ایک طرف باورچی خانے کا دروازہ نظر آ رہا تھا جو کھلا ہوا تھا۔ دائیں طرف ایک بڑا سا زینہ اوپر والی منزل کی طرف جا رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اوپری منزل پر بھی تین چار کمرے تو ضرور ہوں گے۔ خدا جانے ان کمروں میں کتنے افراد محو خواب ہوں گے۔ میں اتنے بہت سے کمروں کے دروازے کھٹکھٹا کر نائمہ کو تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ ان کمروں کے مکین ذرا بھی مزاحمت کرتے یا شور مچا دیتے تو میرے سارے کیئے کرائے پر پانی پھر جاتا اور مجھے لینے کے دینے پڑ جاتے۔ بہتر صورتحال یہ تھی کہ میں کسی ایک شخص پر قابو پاتا اور اس کی رہنمائی میں نائمہ کے کمرے تک پہنچ جاتا۔

اپنے اس مقصد کے لئے میں نے ایک ایسے کمرے کے دروازے پر دستک دینے کا فیصلہ کیا جو قدرے الگ تھلگ واقع تھا۔ گہرے سناٹے میں ہلکی سی آواز بھی گونجتی محسوس ہوتی تھی لہٰذا میں نے بے حد ہلکے ہاتھ سے دستک دی۔ پہلی دستک پر کوئی رد عمل نہ ہونے پر میں نے دوبارہ دستک دی۔ اس بار کمرے میں سے آہٹیں سنائی دیں۔ کوئی ڈھیلی ڈھالی چپلیں پختہ فرش پر گھسیٹتا دروازے کے پاس پہنچا۔ "خیر تو ہے' اتنی رات گئے کون آ گیا۔ غنودگی آمیز زنانہ آواز میں کہا گیا' اگلے ہی لمحے دروازہ کھل گیا۔ میرے سامنے موجود خاتون کی عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ میری شکل و صورت تو شاید اسے پوری طرح نظر نہیں آئی البتہ پستول کی جھلک اس نے فوراً" ہی دیکھ لی تھی' چند لمحوں کے لئے اس کے چہرے پر تشویش کے آثار ابھرے لیکن جلد ہی وہ پہلے کی طرح پر سکون ہو گئی۔ "محترمہ میں آپ سے گستاخی نہیں کرنا چاہتا۔ مہربانی کر کے راستے سے ہٹ جائیں اور مجھے کمرے میں آنے دیں۔"

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" اس نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ وہ حیرت انگیز طور پر بالکل مطمئن اور پر سکون نظر آ رہی تھی۔ "بہت بہت شکریہ محترمہ۔ آپ پریشان نہ ہوں میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ بس مجھے آپ کا تھوڑا سا تعاون درکار ہے۔" میں نے کشادہ کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ بڑے سے صندوق پر روشن لالٹین کی لو شاید دستک کی آواز سن کر اونچی کی گئی تھی۔ "کہو میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں۔" وہ حیرت انگیز شستہ اردو بول رہی تھی۔ "لیکن اس سے پہلے یہ بتاؤ کہ تم یہاں تک پہنچے کیسے؟ یہاں تو چاروں طرف سخت پہرہ لگا ہوا ہے۔"

"اگر کوئی انسان اپنی منزل تک پہنچنے کی ٹھان لے تو پھر کوئی رکاوٹ اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ آپ میری صرف اتنی مدد کریں کہ ......" اچانک اس نے میری بات کاٹ دی۔ "یہ ...... تمہارے ہاتھ میں موجود یہ پستول شفیق کا ہے ناں؟ یہ تمہارے پاس کیسے آ گیا۔ سچ سچ بتاؤ۔" یکایک اس کا لہجہ بے حد سخت ہو گیا تھا۔ "یہ نہ سمجھنا کہ میں اس

ہتھیار سے ڈر گئی ہوں۔ اگر تم نے صاف صاف نہیں بتایا تو میں تمہاری آنکھیں نوچ لوں گی۔"

"مشتعل ہونے کی ضرورت نہیں ہے محترم خاتون۔ میں یہ سب بے حد مجبوری کے عالم میں کر رہا ہوں۔ یہ پستول سردار شفیق ہی کا ہے اور میں اس سے چھین کر یہاں تک پہنچا ہوں۔ اس نے میری ہونے والی بیوی نائمہ کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ میں اسے آزاد کرا کے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے یہاں تک آیا ہوں اور یہ کام میں ہر قیمت پر انجام دوں گا۔"

"اوہ! تو تم نائمہ کے ساتھی ہو۔ تمہیں بھی تو شفیق نے نظر بند کر رکھا تھا۔ ویسے شفیق خیریت سے تو ہے نا؟"

"محترم خاتون! میرے پاس ضائع کرنے کے لئے قطعاً" وقت نہیں ہے۔ مجھے نائمہ تک پہنچا دیں۔ میں اسے ساتھ لے کر چپ چاپ فرار ہو جاؤں گا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی۔" میں نے تلملاتے ہوئے کہا۔

"لیکن نائمہ تو شفیق سے شادی کرنے والی ہے۔ پرسوں ان کا نکاح ہے۔ ایسے میں تم نائمہ کو کیسے ساتھ لے جا سکتے ہو؟"

"نائمہ نے سخت مجبوری کے عالم میں اس شادی کے لئے حامی بھری تھی کیونکہ وہ سردار شفیق سے مجھے تحفظ فراہم کرنا چاہتی تھی۔ میری زندگی میں یہ جبروزبردستی کا سودا نہیں ہو سکتا۔"

"میں کیسے مان لوں کہ تم سچ کہہ رہے ہو۔ نائمہ کے رویے سے تو قطعاً" ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ شادی اس کی مرضی کے خلاف ہو رہی ہے۔" خاتون نے پرزور لہجے میں کہا۔

"آپ مجھے نائمہ کے پاس لے چلیں' وہ اپنی زبان سے میری بات کی تائید کرے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ چلو میرے ساتھ!" خاتون نے اونی شال اوڑھتے ہوئے کہا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ اوپری والی منزل پر لے گئی اور ایک کمرے کے دروازے پر دھیرے سے دستک دی۔ چند ہی لمحوں بعد نائمہ کی مضطرب سی آواز سنائی دی۔ "کون ہے؟"

"یہ میں ہوں نائمہ۔ دروازہ کھولو۔"

"اوہ بھابھی ماں آپ ...... خیر تو ہے؟" نائمہ نے حیرانی سے کہا اور پھر دروازہ کھل گیا۔ نائمہ نے بھابھی ماں کو اندر آنے کا راستہ دیا۔ اسی وقت اس نے مجھے بھی دیکھ لیا۔ "ارے تم ...... جلدی سے اندر آ جاؤ۔ کہیں تم پر کسی کی نظر نہ پڑ جائے۔"

میرے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ "آپ یہاں بیٹھ جائیں بھابھی ماں۔" اس نے بزرگ خاتون کو اپنے بستر پر بیٹھنے کی دعوت

دی۔ پھر وہ میری طرف متوجہ ہوئی۔ "تم یہاں تک کیسے پہنچ گئے اور یہ پستول کہاں سے تمہارے ہاتھ لگ گیا؟"

"میں سب کچھ بتا دوں گا۔ پہلے تم ان محترم خاتون کو یقین دلا دو کہ تم محض مجبوراً سردار شفیق سے شادی پر آمادہ ہوئی ہو۔ ان کا خیال ہے میں ان سے جھوٹ بول ہوں۔"

"کیا یہ نوجوان سچ کہہ رہا ہے نائمہ؟" بھابھی ماں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"ہاں بھابھی ماں۔ یہی سچ ہے۔ میں نے اپنی عزت اور اس کی زندگی بچانے کے لئے اس شادی کے لئے حامی بھرلی تھی ورنہ میں تو سردار شفیق سے شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ہم دونوں اس کے قبضے میں تھے۔ اس نے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے شرافت سے اس کی بات نہ مانی تو وہ مجھ سے بدسلوکی کرے گا اور نعمان کو بھوکے کتوں کے آگے ڈال دے گا۔ میں جانتی ہوں وہ یہاں جو چاہے کر سکتا ہے' کوئی اسے روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے۔"

"یہ سب تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ میں روکوں گی اسے یہ سب کرنے سے وہ میری بات نہیں ٹال سکتا۔" بھابھی ماں کے لہجے میں بھرپور اعتماد موجود تھا۔ "اپنے بھائی کی موت کے بعد سے اس نے کبھی میری کسی بات سے انکار نہیں کیا۔ وہ مجھے اپنی ماں کی جگہ سمجھتا ہے۔" بھابھی ماں کی بات سن کر میں چونک اٹھا۔ میں نے لالٹین کی روشنی میں بغور اس کا جائزہ لیا۔ "آپ .... آپ سردار رفیق مرحوم کی بیوہ ہیں؟ فرحان کی ماں ......؟"

"ہاں ہاں .... لیکن تم یہ سب کیسے جانتے ہو؟" بھابھی ماں نے حیرانی سے پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے بھابھی ماں۔ آج کی رات آپ کے لئے کچھ زیادہ خوشگوار انکشافات لے کر نہیں آئی۔ آج آپ کی بہت سی خوش فہمیاں ختم ہونے والی ہیں۔"

"میری سمجھ میں تو بالکل نہیں آ رہا تم کیا کہہ رہے ہو صاف صاف بتاؤ۔"

"تو پھر دل تھام کر اور کان کھول کر سنیں محترم خاتون۔ آپ کے مرحوم شوہر کا ا قاتل آپ کا چہیتا دیور ہے جسے آپ اپنے بیٹے کی جگہ سمجھتی ہیں۔"

"یہ تم کیا بک رہے ہو؟ مزید ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو میں تمہاری زبان لوں گی۔ شفیق پر اتنا بھیانک الزام لگاتے ہوئے تمہیں خدا کا خوف نہیں محسوس ہوا؟"

"میں جانتا ہوں یہ انکشاف آپ کے لئے بے حد تکلیف دہ ہے لیکن میرے بند رکھنے سے حقائق تبدیل نہیں ہو سکتے۔ یہ اٹل حقیقت ہے برسوں پہلے سردار شفیق نے آپ کے سر کے سائیں کو قتل کیا تھا۔"

"لیکن سردار رفیق کو تو اکرام نے قتل کیا تھا اور موقع واردات سے فرار ہو گیا تھا۔ یہ بات تو بستی کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ شفیق نے قسم کھائی تھی کہ وہ اکرام کو دیکھتے ہی قتل کر دے گا اور اس نے حال ہی میں اکرام کو قتل کر کے اپنی یہ قسم پوری کر دی ہے۔"

"یہ سب آپ کو سردار شفیق نے بتایا ہے ناں! اب سچ سنیں۔ سردار رفیق کو آپ کے دیور کے کہنے پر قتل کیا گیا تھا اور اس کے عوض سردار شفیق نے اکرام کو پورے ایک لاکھ روپے ادا کیے تھے۔ جہاں تک اکرام کو دیکھتے ہی قتل کرنے کی قسم کا تعلق ہے تو سردار شفیق جیسا مکار شخص اپنے خلاف اتنے خطرناک گواہ کو کیسے زندہ چھوڑ سکتا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ قسم کھا کر اس نے اپنی بے گناہی ثابت کرنا چاہی تھی۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ سردار شفیق نے اکرام کو اپنے قابو میں آنے کے باوجود قتل نہیں کیا ہے بلکہ وہ اس کے خصوصی مہمان کی حیثیت سے عیش کر رہا ہے۔"

"اف میرے خدا۔ یہ میں کیا کچھ سن رہی ہوں۔ شفیق اپنے بڑے بھائی کو کیسے قتل کرا سکتا ہے؟ کیا تم اپنے ان دعوؤں کا کوئی ثبوت دے سکتے ہو؟ یاد رکھو اس کے بغیر میں تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کر سکتی۔ اچھا یہ بتاؤ تمہیں یہ سب کیسے پتا چلا؟ حویلی کے مہمان خانے میں تمہیں یہ سب کس نے بتایا؟"

"مجھے یہ کسی کی زبانی معلوم نہیں ہوا بلکہ یہ سب میں ابھی ابھی سردار شفیق اور اکرم کے منہ سے سن کر آ رہا ہوں۔ سردار شفیق نے مشترکہ جائداد اور دولت پر قبضہ کرنے کے لئے بھائی کو قتل کرایا تھا۔ اس کے بعد اس نے قاتل اکرم کو یہاں سے فرار ہونے میں مدد دی۔ اکرم یہاں سے کراچی پہنچا اور اکرام کے نام سے ایک نئی زندگی شروع کی۔ اب وہ کراچی کا نامی گرامی بدمعاش اور منشیات فروش بن چکا ہے۔ سردار شفیق نے اسے اپنی تحویل میں تو ضرور لے لیا تھا لیکن اپنی قسم کے مطابق اسے دیکھتے ہی قتل کرنے کے بجائے اس نے اکرم کو ایک نئی ذمے داری سونپ دی ہے جس کے بارے میں جان کر آپ کا دل دہل اٹھے گا۔"

بھابھی ماں کی چہرے پر تفکر کی گہری پرچھائیاں نمایاں تھیں۔ وہ بظاہر تو میری باتیں تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھیں لیکن دوسری طرف ان کا ذہن تیزی سے حالات کا تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔ میری باتوں میں سچائی کا وزن تھا اور مجھے یقین تھا کہ میں بہت جلد انہیں قائل کر لوں گا۔ میں نے اکرام کو سونپی گئی نئی ذمے داری کا ذکر کیا تو وہ ایک بار پھر چونک پڑی۔ "کیسی ذمے داری؟ بات درمیان میں مت چھوڑو۔ جو کچھ کہنا ہے فوراً کہہ دو۔ شفیق نے اکرام کو کون سی ذمے داری سونپی ہے .... میں تمہاری ہر بات غور سے سن رہی ہوں لیکن ان پر یقین اسی وقت کروں گی جب تم انہیں سچ ثابت کر دو گے۔"

"سچائی اپنے آپ کو خود منوا لیتی ہے بھابھی ماں۔ میری پوری بات سن کر آپ کو

کسی ثبوت کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اب جو میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنیے۔ سردار شفیق کل صبح اپنی گاڑی میں اکرم عرف اکرام کو کراچی روانہ کر رہا ہے تاکہ وہ کراچی یونیورسٹی میں گھس کر آپ کے بیٹے فرحان کو قتل کر دے۔"

میری بات سن کر بھابھی ماں کے منہ سے بے ساختہ چیخ برآمد ہوئی۔ ان کا چہرہ پہلے سفید اور پھر زرد پڑ گیا۔ مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں ان کے دل کی حرکت بند نہ ہو جائے لیکن اس بہادر خاتون نے خود کو بہت جلد سنبھال لیا۔ "اس وقت تم نے جو بات کی ہے اگر وہ جھوٹ ثابت ہوئی تو میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے ختم کر دوں گی۔ اب تم تفصیل سے بتاؤ کہ تم نے فرحان کے قتل کے بارے میں کیا سنا ہے؟"

میں نے سردار شفیق اور اکرام کے درمیان فرحان کے قتل اور نائمہ کو مجھ سمیت اکرام کے حوالے کرنے کے پورے سودے کی تفصیل لفظ بہ لفظ بھابھی ماں کو بتا دی۔ ان کے چہرے کے تاثرات سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ انہیں میری ایک ایک بات پر یقین آ چکا ہے۔ انہیں ذہنی طوفان کے ریلوں سے باہر آنے میں خاصی دیر لگ گئی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ شفیق دولت کے لالچ میں اندھا ہو کر اس حد تک گر سکتا ہے۔ اس کے بھائی نے اپنے بیٹوں کی طرح اس کی پرورش کی تھی۔ میں بھی اسے فرحان جیسا ہی سمجھتی تھی لیکن افسوس وہ آستین کا سانپ ثابت ہوا جس نے موقع ملتے ہی میرے شوہر کو ڈس لیا ...... اس نے میرا سہاگ تو چھین لیا لیکن میں اسے اپنے اکلوتے بیٹے، اپنی زندگی کے واحد سہارے کو نقصان پہنچانے کا موقع نہیں دوں گی۔ میں اس خبیث کی گردن اپنے ہاتھوں سے مروڑ دوں گی مجھے بتاؤ وہ کہاں ہے؟"

"محترم بھابھی ماں۔ جوش سے نہیں ہوش سے کام لیں۔ انشاء اللہ آپ کے بیٹے کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ ہم اکرم کو موقع ہی نہیں دیں گے کہ وہ اس تک پہنچ سکے۔" میں نے پانی کا گلاس انہیں دیتے ہوئے کہا۔ نائمہ پاگلوں کی طرح ہماری شکل دیکھے جا رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی تک نیند میں ہو۔ "اگر آپ ہم سے تعاون کریں تو ہم اکرم کے ساتھ ساتھ سردار شفیق کو بھی مزہ چکھا سکتے ہیں۔"

"میں ہر طرح سے تمہارے ساتھ ہوں۔ اپنے بیٹے کی زندگی بچانے کے لئے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ شفیق اور اکرم میرے شوہر کے قاتل ہیں تو انہیں جرم کی بھی پوری سزا ملنا چاہئے۔"

"اب یہ بتایئے کہ حویلی کے کارندوں میں سے کتنے ایسے ہیں جن پر آپ مکمل اعتماد کر سکتی ہیں اور وہ سردار شفیق کے مقابلے میں آپ کی حمایت کر سکتے ہیں۔"

میری بات سن کر بھابھی ماں گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔ ان کے چہرے پر تفکر کے آثار مزید گہرے ہو گئے تھے۔ خاصے توقف کے بعد انہوں نے ایک گہری سانس لے کر

اس طرف تو کبھی میرا دھیان ہی نہیں گیا۔ مجھے اب احساس ہو رہا ہے کہ میرے مرحوم شوہر کے تمام وفادار کارندے ایک ایک کر کے بے دخل کئے جا چکے ہیں اور ان کی جگہ سردار شفیق کے منتخب کردہ کارندوں نے لے لی ہے جو اس کے سوا کسی کا حکم نہیں مانتے۔"

"اوہ! یہ تو بہت تشویش ناک بات ہے۔ اس کا مطلب ہے ہمیں سب کچھ خود کرنا ہوگا۔ یہاں سے ہمیں کسی قسم کی مدد نہیں مل سکتی۔"

"ٹھہرو۔ ایک شخص ہے جو ہمارے کام آ سکتا ہے۔" یکایک بھابھی ماں نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "وہ تنخواہ دار کارندہ نہیں بلکہ ایک طرح سے اس گھر کا ایک فرد ہے۔ میں اس پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتی ہوں اور وہ بھی میرے حکم پر جان قربان کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔ میں نے اسے اپنے بچوں کی طرح پالا ہے۔ شفیق جانتا ہے میں اسے کتنا عزیز رکھتی ہوں شاید اسی لئے اس نے اسے حویلی سے نکالنے کی کوشش نہیں کی۔"

"بہت خوب۔ اگر وہ واقعی قابل اعتماد ہے تو وہ تنہا بھی ہمارے بے حد کام آ سکتا ہے۔ کیا اسے گاڑی چلانا آتی ہے؟"

"ہاں بہت اچھی طرح۔ مجھے کہیں آنا جانا ہوتا ہے تو وہی گاڑی چلاتا ہے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں ایک گاڑی کی ضرورت بھی ہوگی اگر جیپ ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ علی الصباح وہ گاڑی یہاں سے نکلوانا بھی آپ کے ذمے داری ہوگی۔"

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ سردار رفیق مرحوم کی جیپ میرے استعمال میں رہتی ہے اور وہ حویلی کے قریب اناج خانے میں کھڑی رہتی ہے۔ تم اسے جہاں جی چاہے لے جا سکتے ہو۔ حویلی میں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی لیکن مجھے یہ تو بتا دو کہ تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" بھابھی ماں کے لہجے میں تشویش کی جھلک تھی۔

"پہلے آپ یہ بتائیں کہ اگر سردار شفیق اپنے انجام کو پہنچ جائے تو آپ کو دکھ تو نہیں ہوگا ......" میں نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد مستحکم لہجے میں جواب ملا۔ "وہ جو کچھ کر چکا ہے اس کے بعد اس سے ہمدردی کرنا خود سے دشمنی کے مترادف ہوگا۔ وہ کسی قسم کی رعایت کا مستحق نہیں ہے۔ قسم ہے رب عظیم کی اگر میرا بیٹا بھی سب کرتا تو میں اس کے لئے بھی یہی سزا تجویز کرتی۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔ سردار شفیق اور اکرم کی طرف سے آپ بے فکر ہو جائیں۔ ان دونوں سے میں نمٹ لوں گا۔ اب آپ اس نوجوان کو بلائیں جسے جیپ لے کر ہمارے ساتھ جانا ہے۔ سردار شفیق کو ہم راستے میں کسی گہری کھائی میں پھینک کر جان چھڑا لیں گے۔ اکرم کو میں شہر لے جاؤں گا اور اس سے اپنا حساب کتاب بے باک کرنے کے بعد

اسے بھی اگلے جہاں روانہ کر دوں گا۔ پھر فرحان کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں رہے گا البتہ سردار شفیق کی موت کے بعد یہاں کے معاملات آپ کو خود سنبھالنے ہوں گے۔"

میری بات سن کر بھابھی ماں کے چہرے پر اطمینان کی جھلک نمایاں ہو چکی تھی۔ "اس کی تم فکر نہ کرو۔ وہ میں سب کچھ کر لوں گی۔ بس تم ان دونوں خبیثوں سے ہمیں نجات دلوا دو۔"

بھابھی ماں ہمیں اسی کمرے میں چھوڑ کر چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی نائمہ نے کہا۔

"تو جناب یہ کارنامے کرتے پھر رہے ہیں۔ ویسے ایک چھوٹا سا کام میں بھی کر چکی ہوں جس کے نتیجے میں ہم اطمینان سے یہاں سے فرار ہو سکتے ہیں اور حویلی کا کوئی پہریدار ہمارا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کرے گا۔"

"کیا مطلب؟ یہ تم نے کیسے کر لیا؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔ نائمہ کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ "پہرے داروں کے لئے رات کے وقت چائے کا بڑا تھرماس بھجوایا جاتا ہے جسے وہ رات بھر پیتے رہتے ہیں۔ میں نے نیند کی گولیوں کی دو بوتلیں اس تھرماس میں خالی کر دی ہیں۔ یہ چائے پیتے ہی تمام پہرے دار اتنا غفیل ہو چکے ہوں گے کہ ہمیں کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"یہ تو واقعی تم نے زبردست کام کیا ہے۔ اب تو ہم سردار شفیق کی جیپ بھی لے جا سکتے ہیں۔ اس طرح سردار شفیق کے غائب ہونے کا فوری طور پر پتا بھی نہیں چل سکے گا۔ ویسے تمہیں یہ کارنامہ انجام دینے کی سوجھی کیسے؟"

"میں کوشش کے باوجود تم سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع نہیں نکال پا رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میری اور تمہاری ملاقات کے دوران میں ہماری زبان سے نکلنے والے ہر لفظ کو بغور سنا جا رہا تھا اور ہماری نقل و حرکت پر بھی کڑی نظر رکھی جا رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تمہیں محتاط رہنے کا سگنل دیا تھا۔ میرا پروگرام تھا کہ چوکیداروں کے گہری نیند سو جانے کے بعد میں حویلی کے چھوٹے دروازے کا قفل کسی نہ کسی طرح توڑ کر یا کسی کھڑکی کی سلاخیں نکال کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی اور پھر ہم دونوں فرار ہو جائیں گے لیکن جب میں رات گہری ہونے پر چھوٹے دروازے پر پہنچی تو اسے اندر کی بجائے باہر سے مقفل پایا جبکہ کھڑکیوں میں نصب سلاخیں اتنی موٹی ہیں کہ شاید کوئی دیو بھی انہیں نہیں اکھاڑ سکتا چنانچہ مجھے مایوس ہو کر اپنے کمرے میں واپس آنا پڑا۔"

"محترمہ کو گئے خاصی دیر ہو گئی ہے۔ کہیں کوئی مسئلہ نہ کھڑا کر دیں۔" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ میری بات پوری ہوئے چند لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ بھابھی ماں کمرے میں داخل ہوئیں۔ پچیس چھبیس کا ایک دراز قامت اور خوش شکل نوجوان بھی ان

نزا تھا۔ "یہ معراج احمد ہے۔ میں نے اسے سب کچھ بتا دیا ہے۔ یہ تمہارے ساتھ گاڑی شہر جائے گا اور تمہیں چھوڑ کر رات تک واپس آ جائے گا۔ تمہاری کارروائی کے نما میں یہ تمہاری بھرپور مدد کرے گا۔ تم اس پر مکمل بھروسہ کر سکتے ہو۔"

"بھابھی ماں ہم نے منصوبے میں تھوڑی سی تبدیلی کر دی ہے۔ نائمہ نے پہرے یوں کی چائے میں نشہ ملا کر انہیں بے ہوش کر دیا ہے۔ اب ہم سردار شفیق کی جیپ لے کر بڑے گیٹ سے روانہ ہوں گے تاکہ سردار شفیق کی گمشدگی زیادہ سے زیادہ دیر پوشیدہ رہ سکے۔ معراج ہمیں ہمارے ٹھکانے پر چھوڑ کر گاڑی واپس لے آئے گا اور اسے کسی ویران جگہ چھوڑ کر چپ چاپ آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔"

"میری بات مانیں تو ایسا نہ کریں۔" معراج نے انکسار آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "آپ کا پہلے والا پروگرام زیادہ محفوظ اور بہتر ہے۔ بھابھی ماں کی گاڑی میں ہی چلاتا ہوں اور اکثر میں انہیں حیدر آباد یا کراچی بھی لے جاتا ہوں۔ اس گاڑی کو کوئی قابل توجہ نہیں سمجھتا جبکہ سردار شفیق کو علاقے کا بچہ بچہ اچھی طرح پہچانتا ہے۔ ہم سپرہائی وے پر پہنچنے سے پہلے ہی نظروں میں آ جائیں گے۔ ہو سکتا ہے راستے میں پولیس والے بھی گاڑی روکنے کی کوشش کریں تاکہ سردار شفیق کو کوئی پیغام وغیرہ دے سکیں۔ ایسے میں مجھے ان کے ساتھ چائے وغیرہ بھی پینا پڑے گی۔ اس دوران میں سارا معاملہ گڑ بڑ ہو سکتا ہے۔"

"اوہ۔ یہ تو تم نے بڑے کام کی بات بتائی۔ واقعی سردار شفیق کی گاڑی تو ہمارے لئے پھندا ثابت ہو سکتی ہے خصوصاً" تمہیں اس گاڑی میں دیکھنا اور پھر سردار شفیق کی لاش ملنا یہ سب تو انہیں تمہاری طرف سے پوری طرح مشکوک کر دے گا۔ ٹھیک ہے۔ ہم بھابھی ماں کی گاڑی میں ہی چلیں گے۔ اس میں ڈیزل وغیرہ پورا ہے ناں۔"

"اس کی تو آپ فکر ہی نہ کریں۔ میں گاڑی کی ٹینکی فل رکھنے کا عادی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ ابھی ایک گھنٹے بعد ہم یہاں سے نکلیں گے۔ تب تک تم آرام کر سکتے ہو۔" میری بات سن کر معراج نے نفی میں گردن ہلا دی۔ "میں جا کر گاڑی کی چیکنگ وغیرہ کر کے اسے ریڈی کرتا ہوں۔ آپ اناج خانے تک پہنچنے کا راستہ سمجھ لیں۔ میں آپ کو گاڑی میں تیار ملوں گا۔"

معراج کے جانے کے بعد ہم تینوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ بھابھی ماں نے اپنے مرحوم شوہر سردار رفیق کے بارے میں بتایا۔ سردار شفیق کے برعکس وہ بے حد دیندار اور رحم دل شخص تھا۔ بہت بڑا زمیندار ہونے کے باوجود اس میں نام کو بھی غرور تکبر نہ تھا۔ علاقے کے تمام ہاری اس سے بے حد خوش رہتے تھے کیونکہ وہ ان کا خون نچوڑنے کے بجائے ہر موقع پر ان کی مدد کرتا رہتا تھا۔ بھابھی ماں نے بتایا کہ ان کا بیٹا فرحان اخلاق، کردار اور شکل و صورت کے لحاظ سے اپنے باپ کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

وقت مقررہ پر میں اور نائمہ روانگی کے لئے نکل پڑے۔ بھابھی ماں نے دعاؤں کے سائے میں ہمیں رخصت کیا۔ ہم عقبی گیٹ پھلانگ کر اناج خانے کے پاس جا پہنچے۔ ہمیں دیکھتے ہی معراج نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ میں اسے اندازے سے اس طرف لے جا رہا تھا جہاں میں نے سردار شفیق کو رسیوں سے جکڑ کر پھینکا تھا۔ تھوڑی سی پریشانی کے بعد ہم وہ جگہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن وہاں ایک لرزا دینے والا منظر ہمارا منتظر تھا۔ آوارہ کتوں کے ایک غول میں سردار شفیق کی لاش کے ٹکڑوں کے لئے کھینچا تانی جاری تھی۔ انسانی زندگی سے کھیلنے والا مغرور اور خود پسند سردار نہایت بے بسی کے عالم میں عبرتناک موت کا شکار ہو چکا تھا۔



یہ ہولناک منظر دیکھ کر نائمہ کے حلق سے بے ساختہ چیخ برآمد ہوئی۔ اس کے چہرے کی رنگت کورے لٹھے جیسی سفید پڑ گئی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ اس کا یہ ردعمل بالکل فطری تھا۔ وہ منظر تھا ہی اتنا بھیانک کہ اچھے خاصے سنگدل انسان کا پتا پانی ہو جاتا۔ جیپ کی ہیڈ لائٹس کی روشنی نے اس خونی منظر کی تمام تر جزویات واضح کر دی تھیں۔ بے چارہ سردار شفیق شاید بے ہوشی کے عالم میں ہی اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گیا تھا۔ بالفرض اسے ہوش آ بھی گیا ہو تو مضبوط بندھنوں میں جکڑے ہونے کے بعد وہ اپنا ذرا بھی دفاع نہ کر پایا ہو گا۔ اس سے بڑھ کر بے بسی اور کسمپرسی کی موت بھلا اور کون سی ہو سکتی ہے۔

معراج بھی یہ سب زیادہ دیر نہ دیکھ سکا۔ اس نے جیپ کی ہیڈ لائٹس بند کر دیں۔ جیپ کی آواز اور روشنی سے بدکنے والے کتے ایک بار پھر سردار شفیق کے بچے کھچے جسم پر ٹوٹ پڑے۔ ہم نے انہیں ڈرا دھمکا کر بھگانے کی کوشش کی لیکن اس نیم دلانہ کوشش کا ان پر زیادہ اثر نہ ہوا۔ انہوں نے غراتے ہوئے اپنی خون آلود باچھیں ہمیں دکھا کر گویا مداخلت نہ کرنے کی تنبیہہ کی اور پھر دوبارہ مصروف ہو گئے۔

ہم تینوں ہی ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔ ہم سردار شفیق کو ہلاک کرنے کے ارادے سے ہی یہاں آئے تھے لیکن اس کا یہ الم ناک انجام ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ ویسے دیکھا جائے تو سردار شفیق کی موت کا اصل ذمے دار میں ہی تھا کیونکہ اگر میں اسے اس بے بسی کے عالم میں یہاں چھوڑ کر نہ جاتا تو وہ اس انجام سے دوچار نہ ہوتا لیکن سردار شفیق نے خود کب کسی پر رحم کیا تھا جو اس پر رحم کیا جاتا۔ جو شخص محض دولت کی خاطر اپنے سگے بھائی اور بھتیجے کی زندگی سے کھیل سکتا ہو' وہ خود بھی کسی رعایت کا حق دار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی لئے میں کسی قسم کی جذباتی خلش محسوس نہیں کر رہا تھا۔

"چلو بھائی۔ اب یہاں کچھ بھی باقی نہیں رہ گیا ہے۔ قدرت نے خود ہی انصاف کر دیا ہے۔" میں نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔ "اب ہمیں سردار رفیق کے اصل قاتل اکرام کی گردن پکڑنی ہے۔" معراج نے چپ چاپ گاڑی آگے بڑھا دی۔ چند ہی لمحوں میں سردار شفیق کا بچا کھچا پنجر بہت پیچھے رہ گیا۔ معراج اکرام کی پناہ گاہ پہچان چکا تھا اور اسے

اب میری رہنمائی کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے نائمہ کا ذہن اس خوفناک منظر سے ہٹانے کے لئے کہا۔ "اکرام کو تو ہم انشاء اللہ قابو کر ہی لیں گے لیکن یہ بھی تو سوچو کہ اسے یہاں سے کہاں لے کر جائیں گے؟ کیا شہر میں کوئی ایسا محفوظ ٹھکانہ مل سکے گا جہاں ہم بے فکر ہو کر اس کی زبان کھلوا سکیں؟"

"اسے یہاں سے لے کر تو چلو۔ اس کے لئے کسی مضبوط پنجرے کا بھی انتظام ہو ہی جائے گا۔ ورنہ اس سے دو ٹوک بات کریں گے' یا تو زبان کھول دے یا مرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اگر پھر بھی خاموش رہے تو بلا تکلف گولی مار کر کہیں پھینک دیں گے۔" نائمہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔ وہ خاصی حد تک سنبھل چکی تھی۔

"اگر آپ برا نہ منائیں تو ایک بات کہوں۔" معراج نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ وہ نہایت مہارت اور احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

"ہاں ہاں کہو' کیا کہنا چاہتے ہو؟" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

اس نے گاڑی کی رفتار مزید کم کرتے ہوئے کہا۔ "آپ نے کہا تھا کہ سردار شفیق کی چابیوں کا گچھا آپ کے پاس ہے؟"

"ہاں وہ تو اب بھی میرے پاس محفوظ ہے۔" میں نے جیب تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"بس تو پھر کام بن گیا۔" معراج نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "اب آپ کو اس خبیث کی زبان کھلوانے کے لئے شہر لے جانے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو اسی علاقے میں ایسا محفوظ ٹھکانہ مہیا کرتا ہوں جہاں کوئی آپ کو پریشان نہیں کرے گا۔ اس کا جو بھی حشر کریں' کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی۔"

"اچھا! کیا واقعی ایسا ممکن ہے؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔ "وہ جگہ کس کی ملکیت ہے اور وہ تم ہمارے حوالے کیسے کر سکتے ہو؟"

"اس جگہ کا مالک سردار شفیق تھا۔ وہ پرانی سی حویلی گھنے جنگل میں واقع ہے۔ شاید کسی زمانے میں ریسٹ ہاؤس کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ شکار کے لئے آنے والے سرکاری افسر اس میں ٹھہرا کرتے تھے۔ پھر وہ استعمال میں نہ آنے کی وجہ سے رفتہ رفتہ اجڑ گئی۔ وہ علاقہ بھی سردار رفیق اور شفیق کی جاگیر میں شامل ہے۔ سردار رفیق کے قتل ہونے کے بعد جب سردار شفیق حاکم بنا تو اس نے اس حویلی کو سجا سنوار کر دوبارہ رہائش کے قابل بنا لیا۔ وہ اپنے دوستوں اور علاقے کے اعلیٰ افسروں کے ساتھ وہاں عیاشی کی محفلیں سجایا کرتا تھا۔ آبادی سے دور ہونے کے باعث اور سردار شفیق کی دہشت کے باعث عام لوگ اس طرف کا رخ بھی نہیں کرتے۔ اس حویلی کی چابی بھی اسی گچھے میں ہے جو آپ کے پاس موجود ہے۔ میں آپ کو وہیں لے چلتا ہوں۔"

"اگر یہ سچ ہے تو پھر اس سے اچھی بات تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ ہم اکرام کو قابو

کر لیں۔ اس کے بعد ہمیں وہیں لے چلو۔ اگر وہ سیدھی طرح نہیں مانا تو ہم اسے بھی ہاتھ پیر باندھ کر جنگل میں پھینک دیں گے۔ اس طرح وہ بھی اسی انجام سے دوچار ہو جائے گا جس تک اس کا سرپرست پہنچ چکا ہے۔" میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔ نائمہ نے میری تائید کی۔

اکرام کا ٹھکانہ قریب آنے پر ہم لوگ محتاط ہو گئے۔ میں نائمہ کو ساتھ لے کر جیپ کے عقبی حصے میں نشستوں کے درمیان دبک کر بیٹھ گیا۔ اب ہمیں جیپ سے باہر کھڑے ہو کر دیکھنا آسان نہیں رہا تھا۔ منزل قریب آنے پر معراج نے ہمیں خبردار کیا۔ کچھ دیر بعد جیپ رک گئی۔ تاہم معراج نے انجن بند نہیں کیا۔ انتظار کے وہ لمحات بے انتہا اعصاب شکن تھے۔ پھر میں نے جیپ کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ معراج نے کسی کو سلام کیا۔ سلام کا جواب دینے والا اکرم عرف اکرام ہی تھا۔ "سردار شفیق کا کیا حال ہے؟ کوئی پیغام تو نہیں دیا اس نے؟"

"سردار سائیں بالکل مزے میں ہے سائیں اور آپ کے آنے کا بے چینی سے انتظار کر رہا ہے۔" معراج نے نیاز مندی سے کہا۔ اس کے ان الفاظ کا صحیح مطلب میں اور نائمہ ہی سمجھ سکتے تھے۔

"اس کا انتظار جلد ہی ختم ہو جائے گا۔" آج شام تک میں اس کے پاس پہنچ چکا ہوں گا۔ ویسے میں نے تمہیں اس سے پہلے سردار شفیق کے ساتھ نہیں دیکھا۔ "کیا نام ہے تمہارا؟" اکرام نے پوچھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔

"میں معراج ہوں سائیں۔ مجھے سردار سائیں صرف خاص کاموں پر بھیجتا ہے۔ میں ان کا کارندہ ہی نہیں بلکہ رشتے دار بھی ہوں۔ سردار سائیں نے حکم دیا تھا کہ میرے آپ کے پاس آنے اور آپ کو کراچی لے جانے کی اطلاع کسی کو نہیں ہونی چاہئے۔"

"اچھا تو تم سردار شفیق کے رشتے دار ہو۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ تم مجھے کام کے آدمی لگتے ہو۔ کیا کیا کام کرتے ہو تم سردار شفیق کا؟"

"جو سردار سائیں کہیں سائیں۔ ہم تو حکم کے غلام ہیں سائیں۔" معراج نے کمال عاجزی سے کہا۔ "اچھا تو تم سردار شفیق کا ہر حکم مانتے ہو۔ کیا قتل وتل بھی کر لیتے ہو؟"

"میں نے کہا نا سردار سائیں کا جو بھی حکم ہو۔ اس کے حکم پر تو میں جان بھی قربان کر سکتا ہوں۔ وہ ہمارا ان داتا ہے سائیں۔"

"میرا اندازہ بالکل ٹھیک نکلا۔ تم واقعی کام کے بندے ہو۔ میں ایسے بندوں کی بہت قدر کرتا ہوں جو اپنے مالک کے وفادار ہوں۔ میرے ساتھ شہر چلو۔ واپسی میں' میں تمہیں ایک تحفہ دوں گا۔ کبھی ولایتی پستول چلایا ہے تم نے؟"

"ہاں جی۔ ایک دو بار سردار سائیں کا پستول چلا چکا ہوں۔ ولایتی چیز کی تو بات ہی

کچھ اور ہوتی ہے لیکن سردار سائیں نے بتایا ہے کہ ولایتی پستول بہت مہنگا ہوتا ہے۔ میرے جیسا غریب آدمی تو اسے خریدنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ میں بہترین قسم کا ولایتی پستول تمہیں تحفے میں دوں گا۔"

"آپ کی بڑی مہربانی ہو گی سائیں لیکن اگر سردار شفیق ناراض ہو گیا تو ...."

"تم اس کی بھی فکر نہ کرو۔ اسے میں سمجھا دوں گا۔ تمہارا بھی کراچی آنے کا پروگرام بنے تو سیدھے میرے پاس چلے آنا۔ میں تمہیں کراچی کی سیر بھی کراؤں گا اور ساتھ تمہارے خرچے پانی کا بھی بندوبست کر دوں گا۔ ویسے تم گاڑی بھی چلا لیتے ہو۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں اپنے ساتھ کراچی میں رکھ سکتا ہوں۔ سال بھر میں لاکھوں کے مالک بن جاؤ گے۔ مجھے اچھے ساتھیوں کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔"

"میرا تو بڑا دل کرتا ہے جی کراچی جانے اور وہاں کام کرنے کو، لیکن سردار سائیں کی مرضی کے خلاف میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ آپ سردار سائیں سے بات کر لیں۔ مجھے آپ کے ساتھ کراچی جانے اور وہاں کام کرنے میں کوئی اعتراض نہیں۔"

"ٹھیک ہے میں سردار شفیق سے بات کر لوں گا۔ تم تیاری کر لو۔ میں دو تین دن بعد تمہیں اپنے ساتھ ہی کراچی لے چلوں گا۔"

اکرام اور معراج کی گفتگو میں وقفہ آیا۔ عین اسی وقت نائمہ نے ٹھوکا دے کر مجھے حرکت میں آنے کا اشارہ کیا۔ میں نے سردار شفیق کا ولایتی پستول سنبھالا اور نشستوں کے درمیان سے اکرام کی پوزیشن کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ وہ سامنے نظریں جمائے ہوئے تھا۔ میں نشستیں پھلانگ کر پلک جھپکتے میں اس کے عقب میں پہنچ گیا لیکن اس دوران میں اکرام کی چھٹی حس نے اسے خطرے کا احساس دلا دیا تھا۔ اس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ اگلے ہی لمحے اس کا پستول اس کے ہاتھ میں آ چکا تھا۔ اسے اچانک بے بس کرنے کا پروگرام ناکام ہو چکا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کی کھوپڑی پر پستول کا دستہ آزمانے کی کوشش کی لیکن اس نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ کر میری یہ کارروائی ناکام بنا دی۔ وار خالی جانے سے میرا توازن بگڑا۔ اکرام نے اس سنہری موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس کا پستول والا ہاتھ ہتھوڑے کی طرح میرے بازو پر پڑا، ضرب اتنی طاقتور تھی کہ میں پستول پر اپنی گرفت برقرار نہ رکھ سکا اور وہ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر نشست پر گر پڑا۔ قبل اس کے کہ میں خود کو سنبھال پاتا، اکرام میرے پستول پر بھی قبضہ کر چکا تھا۔ اس دھینگا مشتی کے دوران میں معراج گاڑی روک چکا تھا۔ "سائیں یہ کہاں سے گاڑی میں چڑھ گیا؟ اسے تو سردار سائیں نے حویلی کے مہمان خانے میں بند کیا ہوا تھا۔" معراج نے پریشان لہجے میں کہا۔ اس نے نہایت ذہانت سے خود کو اکرام کی نظروں میں مشکوک ہونے سے بچانے کی کوشش کی تھی اور وہ اس میں ناکام نہیں رہا۔

"تمہارے سردار سائیں کو پتا نہیں ہے کہ یہ کتنا خطرناک بندہ ہے۔ اس نے اسے لی میں مہمان بنا کر رکھا ہوا تھا اور یہ موقع ملتے ہی بڑی آسانی سے فرار ہو گیا۔ خیراب مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتا۔" اکرام نے مجھ سے چھینا ہوا پستول نیفے میں اڑستے ہوئے ہا۔ اس کی آنکھیں ایک لمحے کے لئے بھی مجھ پر سے نہیں ہٹی تھیں۔ پھر وہ مجھ سے طب ہوا۔ "تم نے میرا کام بہت آسان کر دیا ہے۔ اب تم پلٹو اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا سیٹوں کی بیک پر رکھ دو۔ کوئی چالاکی مت دکھانا ورنہ میں بغیر وارننگ کے بھیجہ اڑا دوں ۔"

مجھے بادل ناخواستہ اس کے حکم کی تعمیل کرنا پڑی۔ میں تقریباً" مکمل طور پر بے بس چکا تھا۔ اس پوزیشن میں، میرے لئے اس کے خلاف کوئی بھی کارروائی کرنا ممکن نہ تھا۔ ب میری تمام تر توقعات معراج سے وابستہ تھیں۔ تاہم میں یہ بھی جانتا تھا کہ جب تک کرام نے مجھے پستول کی زد میں رکھا ہوا ہے، معراج کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لے سکتا یونکہ اندازے کی ذرا سی غلطی مجھے اگلے جہاں پہنچا سکتی تھی، وہ یقیناً" کسی مناسب موقع کا نتظر ہو گا۔ جیپ کے عقبی حصے میں دبکی ہوئی نائمہ کے پاس بھی سردار شفیق کا ولایتی پستول موجود تھا لیکن وہ بھی فوری طور پر کوئی کارروائی کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ معراج کی طرح اسے بھی کسی مناسب موقع کا انتظار کرنا تھا۔

میں اکرام کے ارادوں کے بارے میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک مجھے اس کی آہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے جلدی سے پلٹنے کی کوشش کی لیکن مجھے دیر ہو چکی تھی۔ ٹھوس فولادی دستے کی ضرب نے میرے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔ قبل اس کے کہ میں اپنی آنکھوں کے سامنے پھیلتے اندھیروں کو جھٹکنے کی کوشش کرتا، اکرام نے پستول کے دستے سے دوسری بار میری کھوپڑی بجا دی۔ اس کے ساتھ ہی میرا دماغ پوری طرح اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

جب میں ہوش و حواس کی دنیا میں واپس لوٹا تو سب سے پہلے سر میں اٹھنے والی درد کی بے رحم ٹیسوں نے میرا استقبال کیا۔ مجھے فوراً" ہی یاد آ گیا کہ میں کن حالات میں اکرام کے ہاتھوں بے بس ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ میں جیپ میں مصروف سفر ہونے کے بجائے نرم و گرم بستر میں دراز ہوں۔ میں ایک وسیع خواب گاہ میں ایک جہازی سائز کی مسہری پر موجود تھا۔ اس سے کہیں زیادہ خوشگوار بات یہ تھی کہ میں اپنے اندیشوں کے برعکس بالکل آزاد تھا یعنی اکرام کے ہاتھوں بے بس ہونے کا نتیجہ حسب معمول بے رحم بندشوں میں جکڑے جانے کی صورت میں برآمد نہیں ہوا تھا۔ میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ میرے بے ہوش ہونے کے بعد معراج اور نائمہ نے اکرام پر قابو پا لیا تھا۔ یہ جگہ سردار شفیق کی عیش گاہ ہی ہو سکتی تھی

جہاں معراج ہمیں لے کر جا رہا تھا۔ میں شاید کئی گھنٹے بے ہوش رہا تھا کیونکہ خواب گاہ میں اس وقت دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

میں اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ نائمہ کمرے میں داخل ہوئی۔ "ارے ارے ...... یہ کیا کر رہے ہو؟ آرام سے لیٹے رہو۔ ابھی بستر سے اٹھنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے سر پر خاصی چوٹ آئی ہے۔"

"ہاں' اس بھینسے کا ہاتھ بہت بھاری ہے۔ اسے قابو میں کرنے میں تم دونوں کو بھی دانتوں پسینہ آگیا ہو گا۔ اسے تم دونوں نے کہاں رکھا ہے اور معراج کہاں ہے؟" میری بات سن کر یک لخت نائمہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ "کیا بات ہے تم پریشان کیوں ہو گئی ہو' خیریت تو ہے؟"

"مجھے افسوس ہے دانش کہ ہم اکرام پر قابو پانے میں ناکام رہے۔ وہ فرار ہو چکا ہے۔" نائمہ نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" اس کی بات سن کر میں پریشان ہو کر اٹھ بیٹھا۔ "کیا وہ تم دونوں کے ارادوں سے باخبر ہو گیا تھا؟ اس نے تم دونوں کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا؟"

"نہیں۔ میں اور معراج مل کر اسے گاڑی میں گھیرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ معراج نے اسکریو پانا اس کے سر پر مار کر اسے بے ہوش کر دیا تھا۔ اس کے بعد معراج گاڑی یہاں لے آیا۔" نائمہ سانس لینے کے لئے رکی۔

وہ خبیث یا تو سرے سے بے ہوش ہوا ہی نہیں تھا یا پھر اسے کچھ دیر بعد ہوش آ گیا تھا اور وہ آنکھیں بند کر کے بے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کرتا رہا تھا۔ یہاں پہنچنے پر میں نے تمہاری جیب سے سردار شفیق کی چابیوں کا گچھا نکال کر معراج کے حوالے کر دیا۔ اس نے حویلی کے دروازے پر لگا تالا کھولا اور اندر چلا گیا۔ اس دوران میں' میں پستول ہاتھ میں سنبھالے اکرام کی نگرانی کرتی رہی۔ معراج حویلی کے اندر سے واپس لوٹا اور تمہیں شانے پر لاد کر حویلی میں لے جانے لگا۔ اس وقت میری توجہ چند لمحوں کے لئے اکرام سے ہٹ کر تم دونوں کی طرف مبذول ہو گئی۔ وہ بدبخت شاید اسی موقع کا منتظر تھا۔ اس نے جھپٹا مار کر پستول میرے ہاتھ سے چھین لیا۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ میں ہکا بکا رہ گئی۔ بھوت سخت غضبناک نظر آ رہا تھا۔ میں سمجھی کہ وہ مجھے گولی مار دے گا لیکن اس نے گالیاں دینے کے علاوہ مجھے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ وہ قسمیں کھا کر تمہارے بارے میں خطرناک ارادوں کا اظہار کرتا رہا۔ اسے معلوم تھا کہ معراج بھی مسلح ہے لہٰذا اس نے حویلی میں گھسنے کی کوشش نہیں کی اور معراج کے واپس لوٹنے سے پہلے ہی گھنے جنگل میں غائب ہو گیا۔"

"بہت برا ہوا۔ بہت ہی برا ہوا۔" میں نے مضطرب لہجے میں کہا۔ "اس کا بچ نکلنا ہم

تینوں کے علاوہ سردار رفیق اور بھابھی ماں کے بیٹے فرحان کی زندگی کے لئے بھی خطرناک ہے۔ اکرام بہت ہٹ دھرم اور کینہ پرور شخص ہے۔ وہ مجھ سے بدلہ لینے اور تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دے گا۔ وہ ہمیں یہاں چھوڑ کر کراچی پہنچ گیا تو پھر وہ فرحان کو ختم کرنے کی بھی کوشش کر سکتا ہے کیونکہ اسے سردار شفیق کے انجام کی کوئی خبر نہیں ہے۔"

"معراج بتا رہا تھا کہ یہ جگہ قریب ترین سڑک سے پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور اس گھنے اور خطرناک جانوروں سے بھرے ہوئے جنگل میں طاقتور جیپ کے علاوہ کسی سواری کے ذریعہ سفر ممکن نہیں ہے۔ معراج بتا رہا تھا کہ اس جنگل میں جنگلی کتوں' سوروں اور بھیڑیوں کی بہتات ہے جو اکیلے دکیلے افراد کی منٹوں میں تکا بوٹی کر ڈالتے ہیں۔ اگر اکرام نے سڑک کی طرف جانے کی کوشش کی تو اس کا راستے میں ہی کام تمام ہو جائے گا۔"

"اکرام کا تعلق بھی اسی علاقے سے ہے۔ وہ خود بھی یہ سب باتیں جانتا ہو گا۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ وہ حویلی سے دور جانے کے بجائے آس پاس گھات لگانے کی کوشش کرے گا تاکہ موقع ملتے ہی ہمیں مار گرائے۔ اب یہ زندگی اور موت کا کھیل بن چکا ہے۔ اگر وہ ہمیں شکار نہیں کرے گا تو خود شکار ہو جائے گا۔ اب ہمیں بیحد محتاط رہنا ہو گا۔" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"میں اور معراج بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔" نائمہ نے میرے اندازے کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "اسی لئے معراج حویلی کی چھت پر بیٹھا آس پاس کی نگرانی کر رہا ہے۔ اکرام کے فرار ہونے پر بھی بہت شرمندہ ہے۔ وہ اکرام کے تعاقب میں جانا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے اجازت نہیں دی۔ اس طرح وہ خود بھی اکرام کا نشانہ بن سکتا تھا۔ اس صورت میں ہم بالکل بے دست و پا ہو کر رہ جاتے۔ معراج کے بغیر تو ہم ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔"

"تم نے اسے اجازت نہ دے کر بہت اچھا کیا۔ اکرام نہایت خطرناک مجرم ہے۔ معراج سے نجات حاصل کرنے کے بعد وہ ہمارے لئے زیادہ بڑی مصیبت بن جاتا۔ ویسے ایک امکان یہ بھی ہے کہ اکرام ہم سے براہ راست ٹکرانے کے بجائے صرف جیپ حاصل کر کے فرار ہونے کی ٹھان لے۔ لہٰذا ہمیں جیپ کی بھی حفاظت کرنا ہو گی۔"

"یہ بات معراج کے ذہن میں بھی آئی تھی' اسی لئے اس نے احتیاطاً جیپ کے انجن کا ایک اہم پرزہ نکال کر اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا۔ اب جیپ کسی طرح بھی اسٹارٹ نہیں ہو سکتی' اس طرف سے بالکل مطمئن رہو۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے یہ شخص معراج میرے اندازے سے کہیں زیادہ ذہین ہے۔

اس مشکل صورتحال سے نکلنے میں وہ ہمارا سب سے بڑا مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ چلو ہم بھی اسی کے پاس چلتے ہیں۔" میں نے بستر سے اترتے ہوئے کہا لیکن میں دو قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ میرے سر میں درد کی شدید ٹیس اٹھی اور اس کے ساتھ ہی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا' اگر نائمہ مجھے بروقت نہ سنبھال لیتی تو میں منہ کے بل گر پڑتا' اس نے مجھے سہارا دے کر بستر پر لٹا دیا۔ "میں نے کہا تھا ناں کہ تمہارے سر پر شدید چوٹیں آئی ہیں۔ تمہارے سر پر پہلے سے ایک زخم موجود تھا۔ اکرام کی لگائی ہوئی ضربوں نے اس زخم کا منہ کھول دیا تھا اور تمہارے سر سے دھاروں خون بہہ رہا تھا۔ معراج نے اکرام کی اجازت سے تمہارے سر پر پٹی باندھ دی تھی۔ تاہم اتنا خون بہنے کے بعد کمزوری تو ہونا ہی تھی۔ کچھ دیر مزید آرام کر لو گے تو بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

"واقعی میں خاصی کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔ اس حالت میں تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا لیکن ہمارے کھانے پینے کا کیا ہو گا؟" کیا یہاں اشیائے خوردونوش موجود ہیں جن سے ہمارا پیٹ بھر سکے؟"

"تم فکر نہ کرو۔ یہاں خشک راشن کی کمی نہیں۔ چاول' دالیں' بیسن' گھی' پیاز' چینی' مصالحے غرض کہ تقریباً" سبھی کچھ موجود ہے۔ پینے میں ولایتی اور دیسی دونوں کی شراب وافر مقدار میں دستیاب ہے۔ اگر تم اس سے استفادہ کرنا چاہو تو ......" نائمہ نے شرارت بھرے لہجے میں بتایا۔

"بس بس محترمہ۔ مجھے تو معاف ہی رکھو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اکرام نے میری کھوپڑی پر طبلہ ضرور بجایا ہے لیکن اس کی اور سردار شفیق کی شیطانی روحیں ابھی تک میرے جسم پر قبضہ نہیں جما سکی ہیں۔ ویسے اگر تم ساقی گری کے فرائض انجام دینا چاہو تو مے کشی و بادہ نوشی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچا جا سکتا ہے۔"

"اوفوہ! تم کتنی جلدی پٹڑی سے اتر جاتے ہو' ابھی پارسائی کا دعویٰ کر رہے تھے۔ ابھی شراب چڑھانے کے بہانے تلاش کرنے لگے۔ سردار شفیق کا پورا نہیں تو کچھ نہ کچھ اثر تم پر ضرور ہو چلا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے سر پر بار بار چوٹ لگنے کے باعث تمہارے دماغ میں کچھ خلل واقع ہو گیا ہو۔" نائمہ باتیں کرتے کرتے اچانک اٹھ کھڑی ہوئی۔ "ہائے اللہ باتوں باتوں میں مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ میں کھچڑی کو دم لگا کر آئی ہوں اب تک تو وہ حلوہ بن گئی ہو گی۔"

نائمہ کے جانے کے بعد میں گہری سنجیدگی سے لحہ بہ لحہ بگڑتی صورتحال پر غور کرتا رہا۔ میں اس وقت کو کوس رہا تھا جب میں نے نائمہ کے ساتھ اس منحوس علاقے میں آنے کی ہامی بھری تھی۔ یہ علاقہ میرے لئے دلدل بن کر رہ گیا تھا۔ ایک قدم باہر نکالنے کی کوشش کرتا تو دو قدم مزید دھنس جاتا تھا۔ معراج کی تجویز مان کر اس جنگل میں آنا بھی

حماقت ہی تھی۔ رہی سہی کسر اکرام کے فرار نے پوری کر دی تھی جس کی زبان کھلوانے کے لئے ہم یہاں آئے تھے۔ وہ نہ صرف بھاگ نکلا تھا بلکہ اپنے ساتھ سردار شفیق کا پندرہ گولیوں والا بیریٹا پستول بھی لے گیا تھا۔ اس جیسے خطرناک شخص کے ہاتھ میں پہنچ کر وہ تباہ کن ہتھیار مزید خطرناک بن گیا تھا۔ وہ ہم لوگوں کے ٹھکانے سے بخوبی واقف تھا جبکہ ہم اس کی پوزیشن سے قطعاً" لاعلم تھے۔ اس لحاظ سے اسے ہم پر واضح برتری حاصل تھی۔ وہ گھات لگا کر باآسانی ہم تینوں کو شکار کر سکتا تھا' جبکہ ہم اسے تلاش کئے بغیر اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے تھے اور اس گھنے جنگل میں اسے ڈھونڈنا بھوسے کے ڈھیر میں سوئی تلاش کرنے کے مترادف تھا۔

یک لخت مجھ پر شدید مایوسی طاری ہونے لگی۔ اتنی جھک مارنے' اتنی تکلیفیں برداشت کرنے کے باوجود میرے ہاتھ کچھ بھی تو نہیں آ سکا تھا۔ میں نے صرف کھویا ہی تھا۔ کاشف' عمر اور اشرف جیسے مخلص اور جانثار دوست .... یہ تینوں نہ جانے کن عذابوں میں گرفتار ہوں گے۔ خدا جانے زندہ بھی ہیں یا ...... نہیں مجھے اکرام کو ہر قیمت پر قابو کرنا تھا۔ وہی ان تینوں تک میری رہنمائی کر سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اگلے روز صبح اس سلسلے میں کوئی ٹھوس لائحہ عمل ترتیب دوں گا۔ جب تک میری حالت بھی خاصی بہتر ہو جاتی۔

نائمہ کی پکائی ہوئی کھچڑی خاصی لذیذ تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس سے میری کھوئی ہوئی توانائی بحال ہو رہی تھی۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ کھانا کھایا۔ اس کے بعد نائمہ معراج کو کھانا دینے چلی گئی۔ مجھے نقاہت محسوس ہو رہی تھی للذا میں بستر پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد میری آنکھ لگ گئی۔ آنکھ کھلی تو رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد ہم دونوں دیر تک گپ شپ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ میں ایک بار پھر نیند کی آغوش میں کھو گیا۔

مجھے سوئے ہوئے نہ جانے کتنی دیر ہوئی تھی کہ اچانک مسلسل دھماکوں کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ ہوش و حواس ٹھکانے آنے پر مجھے معلوم ہوا کہ یہ دھماکے تھری ناٹ تھری کی فائرنگ کا نتیجہ تھے۔ یہ جان کر میں بری طرح چونک اٹھا۔ فائرنگ کی آواز سے صاف ظاہر تھا کہ یہ حویلی کے بالکل قریب کہیں ہو رہی تھی۔ معراج اور اکرام دونوں کے پاس صرف پستول تھے جس سے صاف ظاہر تھا کہ گولیاں چلانے والے کوئی اور لوگ تھے جنہوں نے شاید حویلی پر حملہ کر دیا تھا۔ چند ہی لمحوں بعد کلاشنکوف کا برسٹ چلنے کی آواز فضا میں گونج اٹھی۔ اس کے بعد وقفے وقفے سے تین فائر ہوئے جو یقیناً" معراج نے حویلی کی چھت پر سے کئے تھے۔ مجھ سے مزید صبر نہ ہو سکا۔ میں بستر سے اتر کر تیزی سے کمرے کے دروازے کی جانب بڑھا۔ حیرت انگیز طور پر اس وقت مجھے کسی قسم کی نقاہت یا درد کی

شکایت نہیں ہوئی۔ دروازے پر پہنچ کر میں نائمہ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا جو عین اسی وقت کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے نائمہ؟ کون کر رہا ہے یہ فائرنگ؟"

"حویلی اس وقت نامعلوم افراد کے گروہ نے گھیرے میں لے رکھی ہے۔ ان کی تعداد نصف درجن سے زائد ہے اور وہ خطرناک ہتھیاروں سے لیس ہیں۔ وہ شاید حویلی پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ معراج انہیں روکنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن اس کے پاس گنتی کی چند گولیاں ہیں اور پستول جیسے کم مار کے ہتھیار کے ذریعے رائفلوں کا مقابلہ کرنا ویسے بھی ممکن نہیں ہے۔ ان لوگوں کی تعداد بھی ہم سے زیادہ ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کس طرح اپنا دفاع کریں۔"

"چلو ہم بھی اوپر چلتے ہیں۔ تنہا معراج چاروں اطراف کا جائزہ نہیں لے سکتا۔ کاش ہمارے پاس کوئی طاقتور گن ہوتی۔ کم از کم اس بے بسی کے عالم میں مار تو نہ کھانا پڑتی۔"

"لیکن تمہاری حالت اس قابل نہیں کہ زور آزمائی اور بھاگ دوڑ کر سکو۔" نائمہ نے پریشان لہجے میں کہا۔

"تم میری فکر نہ کرو۔ میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ تم مجھے چھت پر جانے کا راستہ بتاؤ۔"

حویلی کی چھت پر معراج خاصا پریشان نظر آ رہا تھا۔ وہ کبھی چھت پر ایک سمت جاتا تو کبھی دوسری سمت۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں پستول تھے۔ ان میں سے ایک میرا تھا جو اس نے شاید جیپ کے فرش پر سے اٹھا لیا ہوگا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے میرا پستول مجھے تھما دیا۔ "آپ سامنے والے حصے پر نظر رکھیں، میں پیچھے جاتا ہوں۔ منڈیر کی اوٹ سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کریں۔ ان کے پاس کلاشنکوف اور تھری ناٹ تھری رائفلیں ہیں۔ انہوں نے مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔" وہ چھت کے عقبی حصے کی جانب جانے لگا لیکن میں نے اسے روک لیا۔ "یار تمہیں کچھ اندازہ ہوا ہے کہ یہ کون لوگ ہیں اور کیوں ہمارے پیچھے پڑ گئے ہیں؟"

معراج نے شانے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "ہو سکتا ہے یہ ڈاکوؤں کا کوئی گروہ ہو لیکن مجھے حیرت ہے کہ انہوں نے سردار شفیق کی حویلی پر دھاوا بولنے کی جرات کیسے کی۔ سردار شفیق تو اس علاقے کے تمام ڈاکوؤں کا سرپرست اور مائی باپ تھا ......" معراج کی بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ ایک بار پھر فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا لیکن اب یہ اندازہ قطعاً مشکل نہیں تھا کہ گولیاں اگلنے والی رائفلوں کا رخ حویلی کے بجائے آسمان کی جانب تھا۔ وہ نامعلوم افراد ہوائی فائرنگ کے ذریعے ہمیں خوف زدہ کر دینا چاہتے تھے۔

معراج خود بھی اسی نتیجے پر پہنچا تھا۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فضا میں ایک گرجدار آواز گونجی۔ "تم دونوں کی خیریت اسی میں ہے کہ شرافت سے ہتھیار پھینک کر خود کو ہمارے حوالے کر دو۔" وہ آواز ہمارے لئے اجنبی نہیں تھی۔ وہ اکرام تھا جو میگا فون پر احکامات صادر کر رہا تھا۔ نائمہ اور معراج نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ اتنی جلدی اتنی بھاری کمک کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہو جائے گا۔ صورتحال میری توقع سے کہیں زیادہ خطرناک رخ اختیار کر گئی تھی۔ "میں جانتا ہوں تم لوگوں کے پاس دو معمولی پستولوں کے علاوہ کوئی ہتھیار نہیں ہے اور یہ کھلونے ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اگر تم لوگ رضا کارانہ طور پر ہتھیار ڈال دو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا' لیکن اگر تم نے میری بات نہ مانی تو ہم اس حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور تم لوگ عبرتناک موت کا شکار ہو جاؤ گے۔ یاد رکھو میں اور میرے ساتھی سردار شفیق کی ہونے والی بیوی کو ہر قیمت پر واپس حاصل کر کے رہیں گے۔"

اکرام کا آخری جملہ سن کر ہم بری طرح سٹپٹا گئے۔ اب اکرام کا سارا کھیل سمجھ میں آتا جا رہا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو سردار شفیق کا معتمد اور دوست ظاہر کر کے ان نامعلوم افراد کی ہمدردی حاصل کر لی تھی اور اب وہ نائمہ اور مجھے دوبارہ اپنے قبضے میں کرنا چاہتا تھا۔

فضا میں کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ اس کے بعد ایک بار پھر لگاتار فائرنگ کی گئی۔ فائرنگ تھمتے ہی ایک نئی آواز فضا میں گونجی۔ "اکرام سائیں نے جو کچھ کہا اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنے میں ہی تم لوگوں کی خیریت ہے۔ میں لاکھو بات کر رہا ہوں۔ اگر تم مجھے پہچانتے ہو تو تمہیں یہ بھی پتا ہوگا کہ میں اپنے اور اپنے دوستوں کے دشمنوں کا کیا حشر کرتا ہوں۔ اگر تم لوگ سردار شفیق کی زنانی کو ہمارے حوالے کر دو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ سردار شفیق کو تمہیں کم سے کم سزا دینے پر آمادہ کر لوں گا۔"

لاکھو کے خاموش ہوتے ہی معراج نے جلدی جلدی بتایا۔ "لاکھو علاقے کا سب سے بڑا دھاڑیل ہے۔ سردار شفیق سے اس کی پکی یاری تھی۔ اکرام نے اس کی سردار شفیق سے دوستی کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اب کیا کیا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں کو ہر لحاظ سے ہم پر سبقت حاصل ہے۔ ہم زیادہ دیر تک اپنا دفاع نہیں کر سکتے۔ ابھی تو یہ فضا میں گولیاں چلا رہے ہیں لیکن اگر ان کی گولیوں کا رخ ہماری طرف ہو گیا تو ہمارا کام تمام ہوتے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اکرام نے انہیں جھوٹی کہانی سنا کر اپنا ہمدرد بنا لیا ہے لیکن ہم اس پوزیشن میں قطعاً" نہیں ہیں کہ اس کے ڈھول کا پول کھول سکیں۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ اکرام ہم پر نظر پڑتے ہی گولی سے اڑانے کی کوشش کرے گا۔ اب تک بھی ہم

نائمہ کی وجہ سے بچے ہوئے ہیں کیونکہ اکرام نائمہ پر گولی چلانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

"لاکھو مجھے سردار شفیق کے رشتے دار کی حیثیت سے پہچانتا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس سے بات کر کے اصل صورتحال سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں؟" معراج نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس میں کوئی حرج نہیں لیکن پہلے ہمیں اچھی طرح غور کر لینا چاہیے کہ لاکھو سے کیا کیا باتیں کرنا ہیں۔ اکرام نے یقیناً" اسے کوئی ایسی مضبوط کہانی سنائی ہو گی جس سے متاثر ہو کر وہ اپنے پورے گروہ کے ساتھ ہم پر چڑھ دوڑا ہے۔ اس کے ذہن سے اکرام کی باتیں صاف کرنے کی یہی صورت ہے کہ ہماری سنائی ہوئی داستان زیادہ مدلل' وزنی اور حقیقت سے قریب تر ہو اور اگر لاکھو جھوٹ اور سچ پرکھنا چاہے تو حقائق ہمارے بیان کی پوری تصدیق کریں۔ ہمیں خود کو سچا ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ اکرام کو جھوٹا بھی ثابت کرنا ہے۔ ورنہ وہ ان لوگوں کو ہمارے خلاف مزید بھڑکا کر ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

نائمہ نے بھی میری رائے کی تائید کی۔ اس دوران میں اکرام اور لاکھو میگا فون پر اپنے مطالبات اور دھمکیاں دہراتے رہے۔ ہم تینوں لاکھو سے مذاکرات کے متفقہ فیصلے پر پہنچنے کے بعد مل جل کر گفتگو کے ایجنڈے پر غور کرتے رہے۔ کافی سوچ بچار اور بحث مباحثے کے بعد ہم سچ اور جھوٹ کے امتزاج سے ایک ایسی کہانی تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے جو لاکھو کو ہماری بے گناہی اور سچائی اور اکرام کے مکرو فریب کا قائل کر سکتی تھی۔ پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد ہم نے سفید رنگ کے کپڑے کا ایک بڑا سا ٹکڑا ایک چھتری سے باندھ کر فضا میں لہرانا شروع کر دیا۔ جنگ بندی کا یہ نشان فوراً" ہی دیکھ لیا گیا۔

"تم لوگوں نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر کے بڑی عقلمندی کی ہے۔" میگا فون پر لاکھو بول رہا تھا۔ "اب تم لوگ حویلی کے سامنے والے دروازے سے باہر آ جاؤ۔ فکر نہ کرو۔ تم پر کوئی گولی نہیں چلائے گا۔"

ہم تینوں لاکھو کی ہدایت کے مطابق حویلی کے دروازے سے باہر نکل آئے۔ دونوں پستول نائمہ کے قبضے میں تھے جبکہ معراج اور میں نے اپنے ہاتھ سر سے اوپر اٹھا رکھے تھے۔ نائمہ نے دونوں پستول زمین پر پھینک دیئے اور ہم دونوں کے ساتھ قدم ملا کر آگے بڑھنے لگی۔ ہماری نقل و حرکت کا گہری نظروں سے جائزہ لیا جا رہا تھا۔ پھر وہ لوگ مطمئن ہو گئے۔ قریبی درختوں کی اوٹ سے چار افراد یکے بعد دیگرے برآمد ہوئے۔ ان میں سے اکرام خالی ہاتھ تھا جبکہ باقی تینوں کلاشنکوف اور تھری ناٹ تھری رائفلوں سے لیس تھے۔ لاکھو اپنے انداز اور اطوار سے الگ ہی پہچانا جا رہا تھا۔

"بی بی تم ادھر آ جاؤ۔" اس نے نائمہ کو ہم سے الگ ہٹنے کا اشارہ کیا۔ "میرو تم

دونوں کو ہتھکڑی لگاؤ۔" تھری ناٹ تھری رائفل بردار میرو نے چمڑے کے گول بیگ سے ایک زنگ آلود ہتھکڑی نکالی اور ہماری طرف بڑھا۔ "ٹھہرو لاکھو سائیں۔ پہلے ہماری دو چار باتیں غور سے سن لو۔ اس کے بعد ہم سے جو چاہے سلوک کرنا۔ اب ہم تمہارے رحم و کرم پر ہیں۔" میں نے بڑی بڑی آنکھوں والے دہرے جسم کے لاکھو کے دھاڑیل کو مخاطب کیا۔ میری بات سن کر اس نے مجھے گھور کر دیکھا پھر اپنے ساتھی کو رکنے کا اشارہ کیا۔ "ہاں بولو کیا کہنا چاہتے ہو؟" اسے میری بات سننے پر اتنی آسانی سے آمادہ ہوتے دیکھ کر اکرام نے بے چینی سے اپنا وزن ایک پاؤں سے دوسرے پاؤں پر منتقل کیا۔ میں نے ایک گہری نظر اکرام پر ڈالی اور پھر لاکھو سے مخاطب ہوا۔ "سب سے پہلے یہ بتاؤ لاکھو سائیں کہ تم اس بندے کو کیسے جانتے ہو؟ میرا مطلب ہے کیا تم اس پر مکمل اعتماد کرتے ہو۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔" لاکھو نے حیرانی سے پوچھا۔ میں نے اکرام کے چہرے پر پریشانی کی جھلک نمودار ہوتے دیکھی۔ شاید وہ معاملات کو یہ رخ اختیار کرتے دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔ "میرا یہ مطلب ہے سائیں اگر میں یہ کہوں کہ سردار شفیق کے دشمن ہم نہیں بلکہ یہ شخص ہے تو کیا آپ یقین کر لیں گے؟"

اکرام کے چہرے پر یک لخت غصے کی سرخی ابھری۔ "تم جھوٹ بول کر سردار لاکھو کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ سردار شفیق کی منگیتر کو بہلا پھسلا کر یہاں تک لانے والے تم دونوں ہو۔ میں نے تمہیں روکنے کی کوشش کی تو تم لوگوں نے مجھے تشدد کا نشانہ بنایا اگر میں بھاگ نکلنے میں کامیاب نہ ہو جاتا تو تم دونوں مجھے ہلاک کر دیتے۔"

"تمہاری اس کہانی کا ایک ایک لفظ جھوٹ ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "سردار لاکھو کو میں نہیں بلکہ تم دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہو اور اگر ہم ہتھیار نہ ڈالتے یا سردار لاکھو ہماری بات سننے سے انکار کر دیتا تو تمہاری یہ سازش کامیاب ہو چکی ہوتی لیکن اب تم اپنے جھوٹ کے جال میں خود ہی پھنس چکے ہو۔" میں اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو نظر انداز کر کے سردار لاکھو سے مخاطب ہوا۔ "سردار سائیں سب سے پہلے تو تم اس سے ہتھیار لے کر اسے نہتا کر دو کیونکہ اپنا پول کھلتا دیکھ کر یہ کوئی بھی الٹی سیدھی حرکت کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اپنے بندوں سے کہہ دو کہ اسے بھاگنے نہ دیں۔"

"اس کا پستول اب میرے پاس ہے۔ تم آگے بات کرو۔" لاکھو نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ اب وہ وقفے وقفے سے اکرام کو گھور رہا تھا۔ اس کے ساتھی اس کے کہے بغیر ہی اکرام کو گھیرے میں لے چکے تھے۔ یہ صورتحال دیکھ کر اکرام نے ایک بار پھر پرزور لہجے میں احتجاج کیا۔ "سردار سائیں اس کی باتوں کا اعتبار نہ کریں۔ یہ سردار شفیق کا دشمن ہے اور یہ سردار شفیق کو دھوکا دے کر اس کی منگیتر کو بھگا لایا ہے۔ اگر تمہیں میری بات کا

یقین نہیں تو میں سردار شفیق سے تصدیق کرا سکتا ہوں۔"

"اپنی بکواس بند کر خبیث انسان ورنہ تیری زبان گدی سے کھینچ نکالوں گا۔" میری بجائے اس مرتبہ معراج نے اکرام کو للکارا۔ وہ غصے سے بے قابو نظر آ رہا تھا۔ "بدبخت خونی! تو نے پہلے سردار رفیق کو قتل کیا اور اب اس کے چھوٹے بھائی سردار شفیق کو بھی قتل کر دیا۔ اب کہہ رہا ہے کہ وہ تیری بات کی تصدیق کرے گا۔ تو نے مجھے باپ جیسے بھائیوں سے محروم کر دیا۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" معراج سچ مچ اکرام پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا لیکن میں اسے مضبوطی سے جکڑے ہوئے تھا۔ ادھر اکرام کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔ وہ شاید قطعاً" نہیں سمجھ پایا تھا کہ معراج کیا کہہ رہا ہے۔ "جوش میں مت آؤ معراج ......"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" یک لخت لاکھو نے میری بات کاٹ دی۔ اس کے چہرے پر زلزلے کی سی کیفیت نظر آ رہی تھی۔ "کیا سردار شفیق قتل ہو گیا ہے؟ یہ کب ہوا' کیسے ہوا؟" پھر اس نے اکرام پر نظریں جما دیں۔ اس کی آنکھوں سے خون برس رہا تھا۔ "صاف صاف بتا دو۔ کیا یہ سچ ہے؟ کیا تم نے سردار شفیق کو قتل کیا ہے؟" اکرام کا چہرہ یک لخت زرد پڑ گیا۔ اس نے تھوک نگل کر کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے اسے موقع نہیں دیا۔ "اس سے کیا پوچھتے ہو سردار سائیں۔ میں بتاتا ہوں یہ کم بخت کیا قیامت ڈھا کر آیا ہے۔ اس نے میری خالہ زاد بہن کو شادی سے پہلے ہی بیوہ کر دیا ہے۔" میں نے نائمہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر جذباتی لہجے میں کہا۔ "اس نے شادی والے گھر کو ماتم گاہ بنا دیا ہے۔ یہ اس مظلوم سے زبردستی شادی کرنا چاہتا تھا۔ کل شام اس نے دھوکے سے سردار شفیق کو بے بس کر دیا اور پھر نہایت بے دردی سے اس کا گلا گھونٹ دیا۔ اس کے بعد اس نے نائمہ کو اغواء کر لیا۔ خوش قسمتی سے اس کی یہ حرکت فوراً" ہی میرے اور معراج کے علم میں آ گئی۔ ہم نے اس کا تعاقب کیا اور اس تک پہنچ گئے لیکن اس نے نائمہ کو قتل کر دینے کی دھمکی دے کر ہمیں اپنے ساتھ یہاں تک آنے پر مجبور کر دیا۔ یہاں آنے سے پہلے ہم راستے میں اس پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ لیکن یہ موقع پاتے ہی فرار ہو گیا۔ باقی سب باتیں تمہارے علم میں ہیں۔ ہم سردار شفیق کی لاش اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں اور یہ خود بھی راستے میں اس کے قتل کا اقرار کر چکا ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔ سراسر جھوٹ۔ میں نے سردار شفیق کو قتل نہیں کیا۔ یقیناً" ان ہی لوگوں نے اسے قتل کیا ہو گا۔ میں بالکل بے قصور ہوں' یقین کرو کہ ......" اکرام اپنی صفائی میں نہ جانے کیا کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن معراج نے اس کے منہ پر زور دار گھونسا رسید کر کے اس کی زبان بندی کر دی۔ اکرام جثے سے لحاظ سے اس پر برتری رکھنے کے باوجود خون تھوکنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکا۔ میری سنائی ہوئی مربوط کہانی اور معراج کے جوش د

[...]نے لاکھو کو تقریباً" ہماری سچائی کا یقین دلا دیا تھا تاہم میں نے اپنے بیان کی مضبوطی [...] اضافہ کرنا ضروری سمجھا۔ کیا یہ بھی جھوٹ ہے کہ برسوں پہلے تم نے سردار شفیق کے [...] بھائی سردار رفیق کو بھی قتل کیا تھا اور یہاں سے فرار ہو کر کراچی چلے گئے تھے اور [...] نام اکرم سے تبدیل کر کے اکرام رکھ لیا تھا۔ انکار کرنے سے پہلے یاد رکھنا کہ تمہاری [...] واردات کے عینی گواہ موجود ہیں جو تمہیں باآسانی شناخت کر لیں گے۔"

میری بات سن کر اکرام کا چہرہ زرد پڑ گیا اور آنکھوں سے مایوسی جھلکنے لگی۔ "ہاں [...] بولو ...... کیا یہ غلط کہہ رہا ہے؟ کیا تم وہی اکرم نہیں ہو؟" لاکھو نے اسے گھورتے [...] ہوئے پوچھا۔ اکرام کے پاس کوئی مناسب جواب ہوتا تو وہ بولتا۔ اس کی خاموشی نے ہماری [...] سچائی پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

"اب اس کے بارے میں کیا حکم ہے سائیں؟" لاکھو نے پہلی مرتبہ قدرے احترام [...] لہجے میں بات کی۔ "اگر کہو تو اسے گولی مار کر کسی کھڈے میں پھکوا دوں۔"

"نہیں لاکھو سائیں۔ ابھی اسے بھابھی ماں اور سردار فرحان کے حضور میں پیش کرنا [...] ہے۔ وہ جو حکم دیں گے اس پر ہم خود عمل کر سکتے ہیں۔ تم اسے ہمارے حوالے کر دو۔ [...] ہیں اس سے اور بھی کچھ باتیں پوچھنا ہیں۔ ہم اس کے انجام کی خبر تم تک پہنچا دیں گے۔"

"ٹھیک ہے میرو' اس بدبخت کو ہتھکڑی پہناؤ اور سردار شفیق کے ڈیرے پر لے چلو۔ [...] سائیں اگر تم حکم کرو تو اپنے دو بندے تمہارے ساتھ کر دوں جو تمہیں گاؤں میں سردار کی [...] حویلی تک پہنچا دیں گے۔ ایک دو دن میں' میں خود بھی پرسہ دینے آؤں گا۔ ابھی تو [...] پولیس آ چکی ہو گی۔"

"تم فکر نہ کرو لاکھو سائیں' اب ہم اسے ہلنے نہیں دیں گے۔ اگر اس نے اب کوئی [...] سیدھی حرکت کرنے کی کوشش کی تو اسے سیدھے سیدھے گولی مار دیں گے۔ ہم اسے [...] دو دن اسی حویلی میں رکھیں گے' پھر بھابھی ماں اور سردار فرحان کا جو حکم ہو اس پر [...] کریں گے۔ ہو سکتا ہے وہ اسے یہیں مار کر پھینکنے کا حکم دے دیں تب تو سارا مسئلہ ہی [...] ختم ہو جائے گا۔"

"میرے خیال میں یہی اچھا ہو گا۔ اب میں چلتا ہوں۔ میرے بندے کل صبح تم [...] لوگوں کی خیریت معلوم کرنے آئیں گے۔ جو بھی معاملہ ہو انہیں بتا دینا۔"

ہم نے حویلی پہنچ کر اکرام کو ہتھکڑی کے ذریعے ایک مضبوط ستون سے جکڑ دیا۔ [...] لاکھو کے بندے ہتھکڑی کی چابیاں ہمارے حوالے کر کے جا چکے تھے۔ اکرام بے حد [...] اور پژمردہ نظر آ رہا تھا۔ بظاہر اس کے تمام کس بل ڈھیلے ہو چکے تھے۔ میں نے لاکھو [...] سے حاصل کردہ سردار شفیق کے بیریٹا پستول کا رخ اس کی کھوپڑی کی جانب کرتے ہوئے

کہا۔ "اب بتاؤ مسٹر اکرم عرف اکرام' تمہارے کیا ارادے ہیں؟ سیدھی طرح زبان کھولو گے یا انگلی ٹیڑھی کرنا پڑے گی۔؟"

"تم میرے تمام اندازوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے ہو۔" اس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ "گزشتہ کچھ عرصے کے دوران میں تم نے میری جو درگت بنائی ہے اس کے بعد میں زندگی بھر سر اٹھا کر نہیں چل سکوں گا۔ کاش تم دشمن نہیں بلکہ دوست ہوتے۔"

"کام کی بات کرو اکرام۔ ادھر ادھر کی باتیں بہت ہو چکی ہیں۔ ہم دونوں کبھی آپس میں دوست نہیں ہو سکتے کیونکہ حق و باطل یکجا ہو گئے تو دنیا کی تخلیق کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ میری سب سے بڑی طاقت یہ ہے کہ میں سچائی کی خاطر لڑ رہا ہوں' تمہاری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ تم جھوٹ کا دفاع کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ ایسے میں اگر تم جیت بھی جاؤ تو تمہاری یہ فتح درحقیقت تمہاری شکست ہو گی اور میری شکست دراصل میری فتح کیونکہ بالآخر حق ہی فتح یاب ہوتا ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ میں سب کچھ بتانے کو تیار ہوں لیکن تمہیں وعدہ کرنا ہو گا کہ اپنا مقصد پورا ہونے کے بعد تم مجھے آزاد کر دو گے۔ میں جانتا ہوں تمہیں یہ وعدہ پورا کرنے پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا لیکن محض اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے تم سے اقرار کروانا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری فراہم کردہ معلومات درست ثابت ہوئی اور ان کے ذریعے میں اپنے دوستوں کو آزاد کرانے میں کامیاب ہو گیا تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا لیکن یہ یاد رکھنا کہ اس کے بعد کبھی ہمارا آمنا سامنا ہوا اور تم بدستور جرم کے راستے پر گامزن نظر آئے تو میں تمہیں نیچا دکھانے کے لئے ایک بار پھر سر دھڑ کی بازی لگا دوں گا۔"

"میں جرم کی دلدل میں اتنا گہرا دھنس چکا ہوں کہ اب میں زندہ سلامت اس سے باہر نہیں نکل سکتا بہرحال میں تمہیں اپنے گروہ کے ان تمام ٹھکانوں کے پتے بتا دیتا ہوں جو میرے علم میں ہیں اور ان ٹھکانوں کی نشاندہی بھی کر دیتا ہوں۔ جہاں ممکنہ طور پر تمہارے دوستوں کو رکھا گیا ہو گا۔ اگر تمہارے پاس کاغذ قلم ہے تو نوٹ کر لو ورنہ ذہن نشین کر لو۔"

"ٹھیک ہے۔ تم بولنا شروع کرو لیکن یہ یاد رکھنا تمہاری زبان سے نکلنے والا ایک ایک لفظ سچ ہونا چاہئے ورنہ میں بھی اپنا وعدہ فراموش کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔"

اکرام نے مجھے اپنے گروہ کے پانچ اہم ٹھکانوں کے پتوں سے تفصیلاً آگاہ کیا۔ ان پانچ میں دو ایسے تھے جہاں اکرام کے خیال میں میرے ساتھیوں کو رکھا گیا ہو گا۔ میرے پاس اکرام کے بیان کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ سوائے اس موہوم سی امید کے کہ

اپنی ذہنی اور جسمانی شکست کے بعد وہ سچ بولنے کو ہی ترجیح دے گا۔ میرے علاوہ نائمہ اور معراج بھی اکرام کی زبان سے نکلنے والا ایک ایک لفظ غور سے سن رہے تھے' تاہم انہوں نے ہماری گفتگو میں مداخلت کی کوشش نہیں کی۔

"اب میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے اب تم وعدے کے مطابق مجھے آزاد کر دو۔" اکرام نے دھیمے لہجے میں کہا۔ میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ "ہم نے تمہیں یہاں آزاد کیا تو تم لاکھو کے ہتھے بھی چڑھ سکتے ہو۔ ہم شام ڈھلے یہاں سے روانہ ہوں گے۔ تم ہمارے ساتھ چلنا۔ ہم راستے میں تمہیں کہیں اتار دیں گے۔ اس طرح ہمیں یہ بھی اطمینان رہے گا کہ تم ابھی تک ہماری تاک میں نہیں ہو۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔" اکرام نے نیم مردہ لہجے میں کہا۔ میں نائمہ اور معراج سے آئندہ کی حکمت عملی کے بارے میں مشورہ کرنا چاہتا تھا لہٰذا میں نے انہیں اپنے ساتھ اس کمرے سے باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ ہم تینوں دوسرے کمرے میں پہنچے تو معراج نے پوچھا۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ نے اسے آزاد کر دیا تو یہ کوئی الٹی سیدھی حرکت نہیں کرے گا؟ اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ اس نے جو کچھ بتایا ہے وہ سب سچ ہے؟"

"کچھ بھی ہو۔ مجھے اپنا وعدہ تو پورا کرنا ہی پڑے گا۔" میں نے کمزور لہجے میں کہا۔ معراج نے کچھ سوچتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈال کر غالباً سگریٹ کا پیکٹ نکالنے کی کوشش کی۔ ہاتھ جیب میں پہنچتے ہی وہ بری طرح چونک پڑا۔ "اوہ! میں چابی شاید اندر بھول آیا ہوں۔" قبل اس کے کہ ہم کچھ سوچ سکتے' وہ تیزی سے کمرے کے اندر جا گھسا۔ یک لخت مجھے خیال آیا کہ کہیں وہ ہتھکڑی کی چابی نہ کھو بیٹھا ہو۔ وہ چابی اگر اکرام کے ہاتھ لگ گئی تو......؟"

میں معراج کے تعاقب میں کمرے میں گھسنے ہی والا تھا کہ زبردست دھماکے نے میرے کان جھنجھنا دیئے۔ گولی چلنے کی آواز کمرے کے اندر سے آئی تھی۔ اکرام شاید معراج سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا تھا۔



فائر کی آواز نے مجھے لمحاتی طور پر سن کر کے رکھ دیا تھا لیکن میں نے فوراً ہی اپنے اعصاب پر قابو پا لیا۔ اگلے ہی لمحے سردار شفیق کا پستول میرے ہاتھ میں آ چکا تھا۔ اکرام کسی بھی لمحے کمرے سے باہر آ سکتا تھا۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی گولی کا نشانہ بنانے کی کوشش کرتا۔ میں نے سکتے کی کیفیت کا شکار نائمہ کا بازو پکڑا اور ایک جھٹکے سے اسے قریبی راہداری میں گھسیٹ لے گیا۔ ہم وقتی طور پر اکرام کے نشانے کی زد سے باہر نکل چکے تھے۔ میں نے پستول کاک کر کے کمرے کے دروازے پر نظریں جما دیں۔ مجھے یہ اطمینان تھا کہ وہ دروازہ اس کمرے سے باہر نکلنے کا واحد راستہ تھا۔ اکرام کو جلد یا بدیر میرے نشانے کی زد میں آنا تھا۔ میرے عقب میں نائمہ اضطراب کے عالم میں گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کمرے کے دروازے میں کسی کی جھلک نظر آئی۔ اس کے ساتھ ہی میرا پستول والا ہاتھ خود بہ خود جھکتا چلا گیا۔ کمرے سے برآمد ہونے والا شخص اکرام نہیں بلکہ معراج تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں پستول بھی نظر آ رہا تھا۔ کمرے سے باہر نکلنے کے بعد اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑا کر ہمیں تلاش کرنے کی کوشش کی۔ قدرے توقف کے بعد میں نائمہ کے ساتھ اوٹ سے نکل کر اس کے سامنے پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی ویرانی نظر آ رہی تھی۔ اس دوران میں مجھے ساری بات سمجھ آ چکی تھی' اس کے ساتھ ہی مجھے اس پر شدید غصہ آ گیا۔ وہ میری غضبناک نگاہوں کا زیادہ دیر مقابلہ نہ کر سکا۔

"مجھے افسوس ہے سائیں۔ میں نے آپ کو اپنا وعدہ پورا کرنے کا موقع نہیں دیا لیکن میں بھی مجبور تھا۔ سردار رفیق میرے لئے باپ کی جگہ تھا۔ اس کے مرنے کے بعد میں صحیح معنوں میں یتیم اور بھابھی ماں بیوہ ہو گئی تھی۔ میں اپنے پر ظلم کرنے والے کو تو معاف کر سکتا تھا لیکن بھابھی ماں کو دکھ دینے والے کو میں کسی قیمت پر معاف نہیں کر سکتا۔ میں نے جو کچھ کیا اس پر مجھے کوئی شرمندگی نہیں البتہ آپ مجھے اس حرکت پر جو سزا دینا چاہیں میں بھگتنے کو تیار ہوں۔"

میں نے اسے درمیان میں ٹوکنے کی کوشش نہیں کی۔ میں اپنے غصے پر قابو پانے کی

کوشش کر رہا تھا اور اس کی بات ختم ہونے تک میں اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو چکا تھا۔ میرا ذہن اب زیادہ بہتر انداز میں سوچ رہا تھا۔ اس نے جو کچھ کیا اس میں وہ بالکل حق بجانب تھا۔ اس کی جگہ میں ہوتا تو شاید میں بھی یہی کرتا۔ میں اپنے ذاتی مجرم کو تو معاف کر سکتا تھا کسی اور کے مجرم کی سزا کے تعین کا اختیار مجھے نہیں تھا۔

"تم نے جو کچھ کیا شاید وہی درست تھا۔ ویسے بھی اس کی جاں بخشی کا وعدہ میں نے کیا تھا' تم نے نہیں۔ بہرحال جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب آگے کی سوچو۔" ہم تینوں کمرے میں آ گئے۔ معراج نے صرف ایک گولی چلائی تھی اور اس کے نشانے کی پختگی کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ گولی سیدھی اکرام کی پیشانی پر لگی تھی اور اسے زندگی کے آزار سے نجات دلا گئی تھی۔ مرتے وقت شاید اسے حیران ہونے کا موقع بھی نہیں مل پایا تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلتے ہی معراج کدال اور بیلچہ اٹھائے حویلی سے باہر نکل گیا۔ گھنٹہ بھر بعد وہ واپس لوٹا تو سرد موسم کے باوجود پسینے میں شرابور تھا۔ میں نے اسے نصف گھنٹے آرام کا موقع دیا۔ اس کے بعد ہم نے اکرام کی لاش کو پلنگ کی چادر میں لپیٹا اور اسے اس کی آخری آرام گاہ کی جانب لے چلے۔ نائمہ اس ویران حویلی میں تنہا ٹھہرنے کو تیار نہ تھی۔ لہٰذا وہ بھی اکرام کے جنازے میں شریک ہو گئی۔

درختوں کے گھنے جھنڈ میں کھودا گیا قبر نما گڑھا اچھا خاصا گہرا تھا۔ میں نے معراج کے ساتھ مل کر اکرام کو اس میں اتار دیا اور پھر ہم دونوں نے مل کر اسے مٹی سے بھر دیا۔ اکرام کی قبر تیار تھی۔ اس کی آخری رسومات کے موقع پر مکمل خاموشی طاری رہی۔ حویلی کی جانب واپسی کے دوران بھی ہم تینوں میں سے کسی نے زبان نہیں کھولی تھی۔

حویلی میں پہنچ کر نائمہ نے کھانا تیار کیا لیکن ہم تینوں ہی بے دلی سے چند لقمے کھانے کے بعد دست کش ہو گئے۔ میں نے ماحول کی افسردگی اور کشیدگی دور کرنے کے لئے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کی کوشش کی لیکن پھر اسے بے سود جان کر میں ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔ وہ سرد اور بے آرام رات بھی بالآخر گزر ہی گئی۔ صبح ہونے تک میری طرح نائمہ اور معراج بھی اپنے آپ پر قابو پا چکے تھے اور خاصے ہشاش بشاش نظر آ رہے تھے۔

"اب تم ہمیں جلدی سے کراچی پہنچا دو۔" میں نے ناشتے کے بعد معراج سے فرمائش کی۔ "اس سے پہلے کہ کوئی مصیبت ہمارے سر پر آن پڑے ہم اس علاقے سے نکل جانا چاہتے ہیں۔" نائمہ نے بھی میری تائید کی۔

"ٹھیک ہے سائیں۔ جیسے آپ کی مرضی۔ آپ لوگ تیاری کر لیں۔ اتنی دیر میں میں گاڑی کی چیکنگ کر لیتا ہوں۔" معراج نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ نائمہ کسی گہری سوچ میں نظر آ رہی تھی۔ میں نے اسے ڈسٹرب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ چند لمحوں بعد وہ خود ہی مجھ سے مخاطب ہوئی۔ "میں سوچ رہی تھی کہ کیا ہمارا اس گاڑی میں

نوری آباد پولیس اسٹیشن کے پاس سے گزر کر جانا مناسب ہو گا؟ میرا مطلب ہے سردار شفیق کے قتل کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے علاقے میں پھیل چکی ہو گی۔ ہو سکتا ہے معراج کی حویلی سے غیر موجودگی کے باعث لوگ اس کے بارے میں بھی چہ میگوئیاں کر رہے ہوں۔ پولیس مشکوک افراد کی فہرست میں اسے بھی شامل کر سکتی ہے۔ ایسے میں اس کے ساتھ جانا ہمارے لئے بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔"

"حویلی سے تو ہم دونوں بھی غائب ہوئے ہیں لیکن میرا خیال ہے بھابھی ماں نے تمام صورتحال سنبھال لی ہو گی' بہرحال تم نے جو اندیشہ ظاہر کیا ہے اسے بھی پوری طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن سوال یہ ہے کہ ہم معراج کی مدد کے بغیر اس علاقے سے کیسے نکلیں؟ تمہاری گاڑی تو خدا جانے کہاں اور کس حال میں ہو گی؟ نائمہ نے اثبات میں گردن ہلا کر کہا۔ "ہاں یہ مسئلہ بھی اہم ہے اس وقت تو ہم مکمل طور پر معراج کے رحم و کرم پر ہیں۔ ایسا کرتے ہیں کہ اس سے مشورہ کر کے کوئی راستہ نکالتے ہیں۔ وہ اس علاقے سے پوری طرح واقف ہے اس سے بہتر رہنما ہمارے لئے کوئی اور نہیں ہو سکتا۔"

معراج ہماری بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ "آپ نے جن خدشات کا ذکر کیا ہے انہیں واقعی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ سردار شفیق جیسے سرپرست کی عبرتناک موت نے حقیقتاً" پولیس والوں میں کھلبلی مچا دی ہو گی۔ ایسے میں ان کے سامنے جانا بے حد خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ ان کی نظروں سے بچ کر کراچی پہنچنے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ میں آپ کو سپرہائی وے کے بجائے نیشنل ہائی وے کے ذریعے کراچی چھوڑ آؤں' دوسری صورت یہ ہے کہ میں آپ دونوں کو حیدر آباد چھوڑ آؤں اور آپ لوگ کوچ یا ٹرین کے ذریعے کراچی چلے جائیں۔ اب آپ بتائیے ان دونوں میں سے کون سا راستہ زیادہ مناسب رہے گا۔"

"میرا خیال ہے دوسری صورت زیادہ بہتر ہے کیوں نائمہ؟ ہم لوگ ٹرین کے ذریعے زیادہ محفوظ انداز میں کراچی پہنچ جائیں گے۔ اسی طرح سپرہائی وے پر پولیس کا سامنا ہونے کے خطرے سے بھی نجات مل جائے گی لیکن کیا حیدر آباد جانے کے لئے ہمیں ایک بار پھر سپرہائی وے پر نہیں جانا پڑے گا؟ میں نے معراج سے پوچھا۔

"اس کی آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ کو ایسے راستے سے لے کر جاؤں گا کہ پولیس ہماری بھنک بھی نہیں پا سکے گی۔ ہمیں اصل خطرہ تو نوری آباد کی پولیس سے ہے اس کے بعد تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"یہ تو تم بہتر سمجھتے ہو۔ اچھا تو اب بس چلنے کی کرو۔ ایسا نہ ہو کوئی اور مصیبت سر پر آن پڑے۔" میں نے گاری میں اپنی سیٹ سنبھالتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی معراج نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ ہم بے حد بے ڈھب اور دشوار گزار راستے پر آگے بڑھ رہے

تھے۔ اس راستے پر سخت جان فور وہیل ڈرائیو جیپ کے علاوہ کسی بھی گاڑی کا سفر کرنا ممکن نہ تھا۔ ہماری جیپ کئی بار چھوٹے بڑے گڑھوں اور کیچڑ میں پھنستے پھنستے بچی۔ ایسے ہر موقع پر معراج کی ماہرانہ ڈرائیونگ ہمارے کام آئی۔ پون گھنٹے کے سفر کے بعد ہم ایک بستی کے پاس سے گزرے۔ اس کے بعد ہماری گاڑی ایک کچی سڑک پر پہنچ گئی۔ اب ہمیں بے ہنگم دھچکوں اور گڑھوں سے نجات مل چکی تھی۔ معراج بھی زیادہ مطمئن نظر آ رہا تھا' تاہم ہمارا یہ سفر زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔ کچی سڑک پر چند کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہمیں رک جانا پڑا۔ اس مقام پر سڑک کے دونوں طرف گہری دلدل تھی جب کہ تنگ سڑک کے عین وسط میں ایک بیل گاڑی اس حالت میں کھڑی تھی کہ اس کا ایک پہیا کئی حصوں میں بٹ چکا تھا۔ دو افراد اس پہیے پر آہنی گھیرا چڑھا کر اسے دوبارہ قابل استعمال بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ معراج نے ہارن بجا کر انہیں راستے سے ہٹنے کا اشارہ کیا لیکن انہوں نے بے بسی سے شانے اچکانے پر اکتفا کیا۔ محض ایک پہیے ساتھ بیل گاڑی چند فٹ بھی چلنے کے قابل نہیں تھی۔ معراج کے دوبارہ ہارن بجانے پر ان میں سے بڑی عمر کا خستہ حال شخص ہمارے پاس آ کھڑا ہوا۔ "سائیں ہمیں بھی بہت جلدی ہے لیکن کیا کریں گاڑی کا پہیہ ٹوٹ گیا ہے۔ تم ہمارے ساتھ مل کر ہماری گاڑی ایک طرف کروا دو تو بڑی مہربانی ہو گی۔" اس دوران میں نائمہ بغور بیل گاڑی کا جائزہ لیتی رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "تم نے گاڑی میں کس کو لٹا رکھا ہے؟ کیا کوئی بیمار ہے؟"

"بی بی سائیں یہ میری بہو ہے۔ اس پر دورے پڑتے ہیں۔ ہم نے اسے چھتری والے سائیں بابا کو دکھایا تھا۔ اس نے بتایا ہے کہ اس پر جن کا سایہ ہے۔ اگر ہم سات جمعراتوں تک اس سے جھاڑ ڈلواتے رہیں تو یہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔"

"لیکن آج تو منگل ہے' آج اسے کہاں لے جا رہے ہو۔" نائمہ نے تشویش آمیز لہجے میں پوچھا۔ "مجھے تو یہ بے ہوش لگ رہی ہے۔"

"آج اس پر اچانک شدید دورہ پڑ گیا تھا۔ پہلے تو چیختی چلاتی اور دیواروں سے ٹکریں مارتی رہی جب ہم نے اسے چارپائی سے باندھ دیا تو اس کا جسم اکڑنے لگا اور منہ سے جھاگ نکلنے لگا' پھر یہ بے ہوش ہو گئی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر ہم پریشان ہو گئے۔ ہم اسے گاڑی میں ڈال کر چھتری والے سائیں کے پاس لے جا رہے تھے کہ گاڑی کا پہیہ ٹوٹ گیا۔"

"یہ بھی اسی خبیث جن کی کارستانی ہے بی بی سائیں۔" جوان العمر شخص نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "وہ نہیں چاہتا کہ میں اپنی بیوی کو چھتری والے سائیں کے پاس لے کر جاؤں کیونکہ وہ بڑے بڑے جن بھوتوں کو جلا کر بھسم کر دیتا ہے۔" اس کے لہجے میں زبردست جوش و خروش تھا لیکن نائمہ پر اس کے مکالموں کا کوئی اثر نظر نہیں آ رہا

تھا۔ وہ بس بیل گاڑی میں دراز جسم پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ "یہ کب سے بے ہوش ہے اور چھتری والے سائیں کا ڈیرا یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"اسے بے ہوش ہوئے تین چار گھنٹے تو ضرور ہو گئے ہوں گے۔ ایک گھنٹہ تو ہمیں یہاں رکے ہو گیا ہے۔ اگر گاڑی نہ ٹوٹتی تو اب تک ہم چھتری والے سائیں کے ڈیرے پر پہنچ چکے ہوتے۔" نائمہ جوان العمر شخص سے مزید کچھ پوچھے بغیر جیپ سے اتر گئی۔ میں اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ میری توقع کے عین مطابق وہ سیدھی بیل گاڑی کے پس پہنچی۔ اس نے ایک نظر مجھ پر ڈالی اور پھر بیل گاڑی میں دراز عورت کے چہرے سے رضائی ہٹا دی۔ اس عورت کی عمر بیس بائیس برس سے زیادہ نہیں رہی ہو گی لیکن آنکھوں کے گرد پھیلے گہرے حلقوں اور زرد رنگ کے باعث وہ اپنی اصل عمر سے کم از کم پندرہ سال بڑی نظر آ رہی تھی۔ نائمہ نے اس کی نبض دیکھی اس کے ساتھ وہ سخت پریشان نظر آنے لگی۔

"اس کی نبض ڈوب رہی ہے۔ اگر اسے بہت جلد طبی امداد نہ ملی تو یہ مر جائے گی۔" نائمہ کی زبان سے نکلنے والے الفاظ میرے علاوہ اس عورت کے شوہر اور سسر نے بھی سن لئے تھے۔ ان دونوں نے اضطراب کے عالم میں ایک دوسرے کی جانب دیکھا' پھر وہ بغیر کچھ کہے سنے ایک فیصلے پر پہنچ گئے۔

"اس کا علاج صرف چھتری والے سائیں کے پاس ہے بی بی۔ ڈاکٹر لوگ جن بھوت کا علاج نہیں کر سکتے۔" بیمار عورت کے شوہر نے مضبوط لہجے میں کہا۔ اس کی بات سن کر نائمہ بری طرح جھلا گئی۔ "میری بات غور سے سنو تمہارا چھتری والا سائیں جن بھوت کا علاج تو کر سکتا ہے لیکن اگر یہ مر گئی تو ایسے پچاس سائیں مل کر بھی اسے دوبارہ زندگی نہیں دے سکتے۔ میں نے تمہیں بتایا ہے ناں اگر اسے فوری طرح پر میڈیکل ٹریٹمنٹ نہیں ملا تو اس کی موت یقینی ہے۔ میں اسے اس طرح اپنی نظروں کے سامنے نہیں مرنے دوں گی۔ میں اسے اپنے ساتھ ہسپتال لے جا رہی ہوں۔ معراج تم جیپ کا دروازہ کھولو۔"

نائمہ کی بات سن کر وہ دونوں باپ بیٹے بری طرح سٹپٹا گئے۔ "بی بی تم ایسا نہیں کر سکتیں' تم میری بیوی کو کہیں نہیں لے جا سکتیں۔" ان دونوں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن میرے اور معراج کے کڑے تیور دیکھ کر وہ ساکت ہو گئے۔ "اگر تمہیں اسے ہسپتال لے جانے پر اعتراض ہے تو تم دونوں بھی اس کے ساتھ چلو ورنہ اسے تو ہم ہر صورت میں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔" نائمہ کے لہجے میں ذرا بھی لچک نہ تھی۔ ان دونوں کے چہرے کے تاثرات قابل دید تھے۔

ٹھیک ہے بی بی۔ اب تم زبردستی پر اتر آئی ہو تو مجبوری ہے۔" جوان شخص نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ پھر وہ اپنے باپ سے مخاطب ہوا۔ "بابا تم بیل کو ساتھ لے کر گھر چلے جاؤ۔ میں رانی کو ان کے ساتھ ہسپتال لے جاتا ہوں۔ رانی کی حالت بہتر ہوتے ہی

میں اسے گھر لے آؤں گا۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو سچل؟ تمہیں پتا ہے چھتری والا سائیں یہ سن کر کتنا ناراض ہو گا۔ وہ اپنے ڈیرے پر ہمارا داخلہ بند کر دے گا۔" بوڑھے شخص نے ناراضی بھرے لہجے میں کہا۔ "اگر یہ رانی کے اتنے ہی ہمدرد ہیں تو انہیں کہہ دو کہ ہمیں چھتری والے سائیں کے ڈیرے پر پہنچا دیں۔ پھر وہ خود ہی رانی کو سنبھال لے گا۔"

"نہیں' ہم اس معصوم عورت کے قتل میں حصے دار نہیں بن سکتے۔ ہم اسے کسی ڈیرے پر نہیں لے جا رہے ہیں۔ یہ ہمارے ساتھ حیدر آباد جا رہی ہے۔ اگر یہ کل پرسوں تک واپس گھر نہ پہنچیں تو تم ان سے حیدر آباد کے سول ہسپتال میں آ کر مل سکتے ہو۔ سچل تم اپنی بیوی کو جیپ میں پہنچانے میں ہماری مدد کرو' اس کے بعد ہم سب مل کر بیل گاڑی کو ایک طرف ہٹا دیں گے تاکہ جیپ کو آگے نکلنے کا راستہ مل سکے۔ جلدی کرو۔"

سچل کے باپ نے احتجاج جاری رکھا لیکن ہمارے بے لچک رویے اور اپنے بیٹے کو ہم سے تعاون پر آمادہ پا کر اس کی مزاحمت رفتہ رفتہ دم توڑ گئی۔ ہم نے سچل کو اس کی بیوی کے پاس درمیان کی بڑی نشست پر بٹھا دیا۔ میں اور نائمہ معراج کے ساتھ والی فرنٹ سیٹ پر جم گئے۔ بیل گاڑی کو ہم پہلے ہی ایک طرف ہٹا چکے تھے۔ کچے راستے پر کئی کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم ایک پتلی سی پختہ سڑک پر پہنچ گئے جو آگے جا کر سپرہائی وے سے مل گئی۔۔ اگلے ایک گھنٹے کے اندر ہم حیدر آباد کے سول ہسپتال میں پہنچ چکے تھے۔ رانی کو فوری طور پر ایمرجنسی وارڈ میں لے جایا گیا۔ سچل اور نائمہ اس کے ساتھ تھے جبکہ میں اور معراج گاڑی میں بیٹھے رہے۔ تقریباً" نصف گھنٹے کے بعد نائمہ کی واپسی ہوئی۔ وہ خاصی مطمئن دکھائی دے رہی تھی۔

"ٹائی فائیڈ کا بگڑا ہوا کیس ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اسے بروقت طبی امداد نہ ملتی تو اس کا چوبیس گھنٹے سے زائد زندگی کی حدود میں رہنا ناممکن تھا۔ اس کا بلڈ پریشر بھی خطرناک حد تک کم ہو رہا تھا' اس کا دل کسی بھی وقت بند ہو سکتا تھا لیکن اب ڈاکٹروں نے معاملہ سنبھال لیا ہے۔"

نائمہ نے طمانیت آمیز لہجے میں بتایا۔ "خدا کا شکر ہے' ہماری خصوصاً" تمہاری محنت رائیگاں نہیں گئی۔ رانی کے شوہر سچل کے کیا تاثرات ہیں؟"

"بے چارہ بہت شرمندہ ہے۔ بتا رہا تھا کہ ان لوگوں کے ہاں مریض کو ڈاکٹر کے پاس یا ہسپتال لے جانے کا تصور ہی نہیں ہے۔ کوئی بیمار ہو جائے تو گھریلو ٹوٹکوں سے علاج کیا جاتا ہے۔ افاقہ نہ ہو تو گاؤں کے سیانوں یا زیادہ سے زیادہ حکیم کی خدمات حاصل کر لی جاتی ہیں' ان سے بھی معاملہ نہ سنبھلے تو پھر آخری امید چھتری والا سائیں یا اس کا کوئی ہم پیشہ اور ہم منصب ہوتا ہے جو روحانی علاج سے ہر مرض کا قلع قمع کر دیتا ہے۔"

"لیکن اگر روحانی علاج سے افاقہ نہ ہوا اور مریض مرجائے تو؟" میں نے پوچھا۔

"تو پھر اسے خدا کی مرضی سمجھ کر صبر کر لیا جاتا ہے۔ اس میں بھی اصل قصور وار مریض کے اہل خانہ ہی ہوتے ہیں جو مریض کو اتنی دیر سے سائیں کے پاس لے کر آئے کہ وہ روحانی علاج کی حد سے بھی باہر جا چکا تھا۔ رانی کو بھی چھتری والے سائیں نے ایسی ہی مریضہ قرار دیا تھا جس پر جن نے پوری طرح قبضہ کر لی تھا تاہم بچل اور اس کے باپ کی آہ و زاری کے باعث وہ مریضہ کا علاج کرنے یعنی جن کو بھگانے پر راضی ہو گیا تھا لیکن اس نے پہلے ہی صاف بتا دیا تھا کہ دیر ہونے کے باعث جن بہت زیادہ طاقت حاصل کر چکا ہے اور وہ سائیں بابا کا عمل پورا ہونے سے پہلے ہی رانی کو ختم کر سکتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے چھتری والا سائیں سمجھ چکا تھا کہ رانی کی بیماری خطرناک صورت اختیار کر چکی ہے۔ اس کے باوجود اس نے اسے طبی امداد کے لئے ڈاکٹر کے پاس یا کسی ہسپتال لے جانے کی ہدایت نہیں کی؟" میرے لہجے میں حیرت کی جھلک نمایاں تھی۔

نائمہ نے شانے اچکا کر کہا۔ "اگر وہ ایسا کرتا تو پھر اسے روحانی معالج کون تسلیم کرتا؟ بہرحال، اب ایک ہفتے کے اندر اندر رانی بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ میں نے بچل کو اخراجات کے لئے اچھی خاصی رقم دے دی ہے۔ اب ہم یہاں سے روانہ ہو سکتے ہیں۔"

"چلیں، پھر دیر کس بات کی؟ معراج گاڑی آگے بڑھاؤ، تم ہمیں اسٹیشن پر چھوڑو گے۔" معراج نے میری ہدایت پر عمل کیا لیکن گاڑی محض چند قدم آگے بڑھی تھی کہ ایک شخص نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ گاڑی ٹھہرتے ہی وہ سیدھا میری طرف والی کھڑکی کے پاس آن کھڑا ہوا۔ اس اثناء میں، میں اسے پہچان چکا تھا۔ وہ عرفان تھا، گھوٹکی میں وہ ہمارے ہی محلے میں رہتا تھا۔ اس کی میرے ابا جان سے اچھی سلام و دعا تھی۔ "بیٹا، دانش، یہ تم ہی ہو ناں؟ میں دھوکا تو نہیں کھا رہا ہوں ناں؟ اس نے مجھے مخاطب کیا۔

"چچا عرفان! میں دانش ہی ہوں، آپ کا کیا حال ہے؟ ٹھیک تو ہیں ناں؟"

"ارے بیٹا، میرا حال چال کیا پوچھتے ہو، تم نے تو یہاں سے جانے کے بعد اپنے بوڑھے والدین کی بھی خیر خبر نہیں لی۔ حتیٰ کہ ان کے کسی خط کا جواب بھی نہیں دیا۔ تم ایسے تو نہیں تھے دانش بیٹے؟" عرفان چچا کے لہجے میں شکوہ نمایاں تھا، میں نے شدید شرمندگی کے عالم میں اپنی صفائی پیش کرنا چاہی "عرفان چچا مجھے اپنی کمپنی کے کام کے سلسلے میں اچانک ملک سے باہر جانا پڑ گیا تھا۔ میں نے ابا امی کو کئی خط لکھے ہیں لیکن شاید وہ انہیں نہیں مل سکے ہیں۔ وہ دونوں ٹھیک تو ہیں ناں؟"

"جوان بیٹے کی اتنی طویل جدائی تو ماں باپ کو ویسے ہی ادھ موا کر دیتی ہے، تم تو ویسے بھی ان کی اکلوتی اولاد ہو۔ تمہاری ماں کی طبیعت تو تمہارے گھر سے رخصت ہونے

کے بعد سے ہی خراب رہنے لگی تھی لیکن پچھلے تین مہینوں کے دوران میں تو ان کی حالت بہت بری ہو گئی ہے۔ اقبال دہری پریشانیوں میں مبتلا ہے۔ ایک طرف تو تمہارا کوئی اتا پتا نہیں مل رہا۔ دوسری طرف بیوی روز بروز موت کے قریب جا رہی ہے۔"

"کیا ہوا امی کو؟ میرے سامنے تو وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ عرفان چچا کہ میں کس قدر شرمندہ ہوں......"

عرفان چچا نے میری بات کاٹ دی۔ "میاں شرمندہ ہونے سے کچھ نہیں بننے کا، تم ذرا اپنی ماں کے پاس پہنچو۔ تمہیں دیکھتے ہی اس کی آدھی بیماری ختم ہو جائے گی لیکن اگر تم نے مزید غفلت برتی تو تم اس کا منہ بھی نہیں دیکھ پاؤ گے اس کا آخری وقت زیادہ دور نہیں ہے۔"

"ایسا نہ کہو عرفان چچا۔ میں ابھی اور اسی وقت گھر جا رہا ہوں۔ معراج گاڑی آگے بڑھاؤ۔ ہم گھوٹکی جا رہے ہیں۔"

حیدر آباد سے گھوٹکی کا مختصر سا راستہ مجھے صدیوں پر محیط نظر آ رہا تھا۔ رنج، شرمندگی اور پچھتاوے کی شدت سے میرا دل بار بار رکنے لگتا تھا۔ اپنے بکھیڑوں میں پھنس کر میں اپنے والدین کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا۔ وہ ماں جو میری شکل دیکھ کر جیتی تھی آج موت کی دہلیز پر میری ایک جھلک دیکھنے کو ترس رہی تھی اور میرا باپ جسے مجھ پر بہت مان تھا، بے بسی کے عالم میں میرا انتظار کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ایسی اولاد کا کیا فائدہ جو اپنے والدین کے آخری دور کو بھی انتظار کی آگ میں جھونک دے......

میں اپنے گھر سے خاصے فاصلے پر گاڑی سے اتر گیا۔ نائمہ نے میرے ساتھ میرے گھر تک چلنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن میں نے اسے منع کر دیا۔ میں اسے اپنے ساتھ گھر لے جا کر اپنے ماں باپ اور محلے والوں کی سوالیہ نگاہوں کا مرکز نہیں بنانا چاہتا تھا۔ نائمہ نے زیادہ اصرار نہیں کیا۔ "کراچی واپس آؤ تو پہلی فرصت میں میرے پاس پہنچنا۔ میں بے چینی سے تمہارا انتظار کروں گی۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا، میں نے اقرار میں گردن ہلا دی، اس کے ساتھ ہی معراج نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ میں نے گھر کی جانب قدم اٹھانا چاہے تو مجھے اپنا ایک ایک قدم من بھر کا محسوس ہوا۔ میرا دل سینے میں رکا جا رہا تھا۔ کہیں میں نے گھر لوٹنے میں دیر تو نہیں کر دی؟

میں بمشکل اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا۔ گھر کا دروازہ بند تھا اور اندر مکمل خاموشی طاری تھی۔ میں نے لرزتے ہاتھوں سے دروازے پر دستک دی۔ فوری رد عمل نہ پا کر میں نے دوبارہ دستک دے ڈالی۔ "کون ہے بھائی۔ ذرا ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔" وہ تھکی تھکی مردہ آواز ابا جی کے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے جواب میں اپنا نام بتانا چاہا لیکن زبان میرے تالو سے چپک کر رہ گئی۔ ابا جی کے قدموں کی آہٹ دروازے پر پہنچی،

پھر انہوں نے دروازہ کھول دیا۔

"دانش .... تم .... یہ تم ہو؟" ابا جی کے لہجے میں بے یقینی کی لرزش نے مجھے دہلا کر رکھ دیا۔ وہ اپنی اصل عمر سے کہیں زیادہ بوڑھے نظر آ رہے تھے۔ سر کے بالوں میں بھی پہلے سے بڑھ کر سفیدی جھلک رہی تھی۔ یہ سب میرے اچانک لاپتا ہو جانے کا عذاب تھا جس نے انہیں اتنی تیز رفتاری سے بڑھاپے کی جانب دھکیل دیا تھا۔ قبل اس کے کہ میں کوئی جواب دے پاتا ابا جی نے مجھے سینے سے لپٹا لیا۔ "تم کہاں چلے گئے تھے میرے بچے؟ تم نے تو ہمیں بالکل ہی بھلا دیا۔ کیا تو ہماری کسی بات سے ناراض ہو گیا تھا؟"

"ایسا نہ کہیں ابا جی۔" میں نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ "یہ سب میری نالائقی ہے' میری بدبختی ہے کہ میں تم دونوں کے قدموں کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ مجھے گھر سے جانے کے بعد ایک پل کے لئے بھی چین نہیں ملا ہے۔ مجھے امی جان کے پاس لے چلیں۔ عرفان چچا نے بتایا تھا کہ وہ سخت بیمار ہیں۔"

"شش .... اپنی زبان بند رکھو۔ رقیہ کو اپنی بیماری کے بارے میں علم نہیں ہے اور میں چاہتا ہوں وہ بے خبر ہی رہے ورنہ اس کے آخری دن مزید اذیت ناک ہو جائیں گے۔" ابا جی نے دبی آواز میں کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ امی جان کو کیا بیماری ہے؟ جلدی سے بتائیں۔ مجھے فوراً" ان کے پاس جانا ہے' کیا وہ اپنے کمرے میں ہیں؟"

"جلدی مت کرو دانش بیٹے۔ پہلے میری بات غور سے سنو۔ تمہاری ماں کو خون کا کینسر ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس کا مرض اتنی شدت اختیار کر چکا ہے کہ اس کا علاج پاکستان میں ممکن نہیں' اسے جلد از جلد کسی ترقی یافتہ ملک یعنی امریکہ یا انگلینڈ نہیں لے جایا گیا تو یہ چند ماہ سے زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہ سکے گی۔ تم تو ہماری مالی حالت سے بخوبی واقف ہو۔ ہم اسے امریکہ یا انگلینڈ تو کیا کراچی کے کسی اچھے ہسپتال میں بھی نہیں لے جا سکتے۔ دوا کرنا تو میرے بس میں ہے نہیں' ایسے میں تمہاری ماں کی زندگی کے لئے صرف دعا ہی کی جا سکتی ہے۔"

"آپ کوئی فکر نہ کریں ابا جی۔ اللہ نے چاہا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں اپنی ماں کو ایسی بے بسی کی موت نہیں مرنے دوں گا۔ میں انہیں ہر قیمت پر بیرون ملک بھجواؤں گا تاکہ ان کا مکمل علاج ہو سکے۔ اس کے لئے مجھے اپنے آپ کو فروخت بھی کرنا پڑا تو میں قطعاً" گریز نہیں کروں گا بس آپ مجھے امی جان کے قدم چھو لینے دیں۔"

امی جان پر نظر پڑتے ہی میرا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ گئی تھیں۔ آنکھیں حلقوں میں دھنس گئی تھیں۔ وہ فربہ تو پہلے بھی نہیں تھیں لیکن اب تو بالکل ہی نحیف نظر آ رہی تھیں۔ میں نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ چوم لئے۔ شاید ان کی

ممتا نے بروقت انہیں میری آمد سے آگاہ کر دیا تھا۔ ان کی آنکھیں بعد میں کھلیں پہلے ان کی زبان سے میرا نام نکلا۔ "دانش ......؟"

"جی ہاں امی جان! میں دانش ہوں' آپ کا دانش' آنکھیں کھولیں امی جان! آپ کا نالائق بیٹا واپس لوٹ آیا ہے۔" میری آواز کانوں میں پڑتے ہی انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ انہوں نے گویا مجھے پہچاننے کی کوشش کی۔ اگلے ہی لمحے ان کے زرد چہرے پر خوشیاں جگمگا اٹھیں۔ "دانش' میرا بیٹا' میرا لعل۔" امی جان کی آواز کی لرزش نے مجھے دہلا کر رکھ دیا۔ میرے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ میں ان سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگا۔ آنسوؤں کا ریلا اس قدر منہ زور تھا کہ امی جان اور ابا جی کے تمام تر دلاسوں کے باوجود میری آنکھوں میں جل تھل کی سی کیفیت کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ میں بڑی مشکل سے خود پر قابو پا سکا۔ امی جان کی حالت اب قدرے بہتر نظر آ رہی تھی۔ میرے آنے کی خوشی نے جیسے ان کی بیماری کہیں دور بھگا دی تھی۔ ابا جی فکر مند تو ضرور ہوں گے لیکن انہوں نے اپنے جذبات مسکراہٹ کی آڑ میں پوشیدہ رکھنا مناسب سمجھا تھا۔ میں نے اتنے عرصے تک گھر سے لاتعلق رہنے کے بارے میں ایک فرضی کہانی انہیں گھڑ کر سنا دی جس کے مطابق سکول میں ملازمت کے کچھ عرصے بعد مجھے ایک غیر ملکی شپنگ کمپنی میں اچھے مشاہرے پر ملازمت مل گئی۔ میں نے دنیا گھومنے کے شوق میں سکول کی ملازمت چھوڑ دی۔ نئی نوکری کی ابتداء میں مجھے ایک معاہدے پر دستخط کرنے کو کہا گیا۔ میں اتنا پرجوش تھا کہ میں نے وہ معاہدہ پڑھے بغیر اس پر دستخط کر دیئے۔ یہ تو مجھے بحری جہاز کے سمندر کے بیچ میں پہنچنے کے بعد علم ہوا ہے جسے میں تفریح اور فراغت سے بھرپور ملازمت تصور کر رہا تھا۔ وہ درحقیقت کڑی مشقت پر مشتمل غلامانہ مزدوری تھی۔ اس پر ستم یہ تھا کہ جس معاہدے پر میں بغیر پڑھے دستخط کر چکا تھا۔ اس کی رو سے میں کمپنی کی مرضی کے بغیر شپ پر سے زمین پر قدم نہیں رکھ سکتا تھا ایک مخصوص مدت پوری ہونے سے پہلے میں چھٹیاں لینے کا اہل بھی نہیں تھا۔ وہ ایک سست رفتار باربردار جہاز تھا جو دنوں کا سفر مہینوں میں طے کرتا تھا اور کئی کئی ہفتوں تک دور افتادہ بندرگاہوں پر لنگر انداز رہتا تھا۔ میں اس ملازمت سے جلد ہی بیزار ہو گیا لیکن نجات کی کوئی صورت نہیں تھی' کیونکہ میری تمام قانونی دستاویزات کمپنی کی تحویل میں تھی' ماہانہ تنخواہ بھی کمپنی کے پاس جمع رہتا تھی اور معاہدے کی مدت پوری ہونے کے بعد یکمشت ادا ہونا تھی۔ گزشتہ تمام عرصے کے دوران میں اسی بحری جہاز کا قیدی بنا رہا تھا۔ ابتداء میں' میں نے گھر ایک دو خط ارسال کئے تھے لیکن یہ یقین ہونے کے بعد کہ یہ خط اپنی منزل تک نہیں پہنچ پاتے' مجبوراً" یہ سلسلہ بھی ترک کرنا پڑا۔ خدا خدا کر کے میری ملازمت کی مدت پوری ہوئی ہے اور میں گھر واپس لوٹ سکا ہوں۔

ابا جی اور امی جان نے میری یہ کہانی جوں کی توں سچ تسلیم کر لی۔ میں نے انہیں بتایا

کہ میں نے اپنی ملازمت کے دوران میں جو پیسے کمائے ہیں وہ کراچی کے ایک بینک میں جمع ہیں۔ وہ رقم بہت زیادہ تو نہیں، تاہم اتنی ضرور ہے کہ امی جان کو علاج کے لئے بیرون ملک بھجوانے کے ابتدائی انتظامات مکمل کئے جا سکیں۔ "میں کل ہی کراچی جا کر وہ رقم بینک سے نکلوا لوں گا۔ اس کے بعد ہم ڈاکٹروں سے ایک بار پھر تفصیلی ملاقات کریں گے۔ آپ دونوں تیار رہیں۔ ہمیں ویزے کے لئے کراچی اور ممکن ہے اسلام آباد بھی جانا پڑے۔ آپ فکر نہ کریں میں باقی رقم کا انتظام بھی بہت جلد کر لوں گا۔ کراچی میں میرے بہت سے اچھے دوست ہیں۔ میں ان سے قرض لے سکتا ہوں جو میں اپنی سہولت کے مطابق چکاتا رہوں گا۔"

"قرض لینے کی ضرورت نہیں ہے دانش بیٹا۔" ابا جی نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "ہم اپنی آدھی زمین فروخت کر دیں گے۔ اس علاقے میں انڈسٹریل ایریا بننے والا ہے۔ ہمیں اپنی زمین کی اچھی قیمت مل جائے گی۔"

"اس بارے میں سوچیں گے۔ امی جان آپ بھی تو کچھ بولیں ناں!"

"تم گھر واپس آ گئے ہو۔ اب میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گی۔ تم میری نظروں کے سامنے رہو۔ مجھے اور کسی علاج کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اب مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گے ناں؟" امی جان نے میرے ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔

اسی اثناء میں دروازے پر دستک ہوئی۔ "آپ بیٹھیں۔ میں دیکھتا ہوں۔" میں نے ابا جی سے کہا اور گھر کے دروازے پر پہنچ گیا۔ "معاف کیجئے گا آج مجھے کچھ دیر ....." نووارد نے دروازہ کھلتے ہی تیز رفتاری سے اپنی صفائی پیش کرنا شروع کی لیکن میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کی زبان پر بریک لگ گیا۔ وہ خدیجہ تھی۔ عرفان چچا کی بیٹی۔ وہ چند لمحوں تک محویت سے میرے چہرے پر نظر جمائے رہی۔ پھر جیسے وہ کسی خواب سے جاگ اٹھی، اگلے ہی لمحے اس کی نظریں حیا کے بوجھ سے جھکتی چلی گئیں۔ "آپ ...... آپ کب واپس آئے۔"

اس نے اپنے سر پر دوپٹہ درست کرتے ہوئے پوچھا۔ اس کے لہجے میں ہلکی ہلکی سی لرزش تھی اس وقت وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ میں باوجود کوشش کے اس کے چہرے سے نظریں نہ ہٹا پایا۔ میری نظروں کی تپش نے حیا کی سرخی کو مزید گہرا کر دیا۔ میں اسے بچپن سے دیکھتا آ رہا تھا لیکن مجھے وہ کبھی اتنی پرکشش نہیں لگی تھی۔

"دانش بیٹے، دروازے پر کون آیا ہے؟" کمرے کے اندر سے ابا جی کی پکار نے ہم دونوں کو گڑبڑا دیا تھا۔ "چچا جان، میں ہوں خدیجہ۔"

"اوہو، میری بیٹی آئی ہے۔ آؤ بھئی اندر آ جاؤ۔ باہر سردی میں کیوں کھڑی ہو۔ تم نے دیکھا دانش واپس آ گیا ہے۔" ابا جی نے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ان کی بات سن کر خدیجہ نے شرارت سے شانے اچکا دیئے۔ "جی ہاں، شاید اسی کے لئے کسی نے کہا ہے لوٹ کے بدھو گھر کو آئے۔"

"تم نے مجھے بدھو کہا؟" میں نے مصنوعی غصے سے کہا۔ "بدتمیز، نالائق، تمہیں بڑوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔ کیا سکول میں تمہاری استانیوں نے تمہیں یہی سکھایا ہے؟"

"اونہہ! بڑا آیا مجھے تمیز سکھانے والا۔ پہلے خود تو تمیز سیکھ لو اور کیا گھر آنے والے مہمانوں سے اسی طرح بات کی جاتی ہے؟"

"اوہو! تم مہمان ہو؟ خوب بہت خوب میں تو تمہیں گھر کا جھاڑو پونچا کرنے والی ماسی سمجھ رہا تھا۔" میں نے شوخ لہجے میں چوٹ کی۔ میری بات سن کر وہ بری طرح تلملا اٹھی۔ "تم خود ہو گے جھاڑو پونچا کرنے والے بلکہ نالے صاف کرنے والے بھنگی۔ گٹر ماسٹری سے چھٹی مل گئی تو گھر آ گئے۔ ذرا جلدی سے واپس لوٹ جانا ورنہ کراچی کے تمام گٹر بند ہو جائیں گے اور لوگ تمہیں بری طرح کوسیں گے۔"

"ارے بھئی تم لوگوں نے تو آمنا سامنا ہوتے ہی پنجہ آزمائی شروع کر دی، ذرا چھری تلے دم تو لو۔" ابا جی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "خدیجہ تم جلدی سے روٹی پکا لو، دانش کو بھوک لگی ہو گی۔"

"روٹی تو میں پکا ہی لوں گی لیکن پتا نہیں شہری بابو کو ہم دیہاتیوں کے ہاتھ کا کھانا پسند بھی آئے گا یا نہیں۔" خدیجہ جملے بازی سے باز آنے والی کہاں تھی۔ میں نے اسے گھور کے دیکھا۔ "مجھے دیہاتیوں کے ہاتھ کا پکا کھانا کھانے میں تو کوئی اعتراض نہیں بشرطیکہ ہاتھ اچھی طرح دھو کر کام شروع کرتے ہوں۔ ویسے تم ہاتھوں کے ساتھ منہ بھی دھو لو تو زیادہ بہتر ہو گا۔ اس سے کالی رنگت پر تو فرق نہیں پڑے گا۔ البتہ پھٹکار میں کچھ کمی آ جائے گی۔ ویسے کیا تم نے آج کل میار سنو کا استعمال کم کر دیا ہے؟ اوہ سمجھا! وہ بے چارے ڈیمانڈ پوری نہیں کر پا رہے ہوں گے۔ آخر ان کے مال کی کھپت بھی تو بہت زیادہ ہے۔" خدیجہ میرے تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہ لا سکی۔ وہ پیر پٹختی سیدھی باورچی خانے میں گھس گئی۔ میں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور واپس امی کے پاس آ گیا۔ ہماری نوک جھونک ان کے کان میں بھی پڑ گئی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے مسکرا رہی تھیں۔ "خدیجہ بہت اچھی بچی ہے۔ اسے اتنا تنگ نہ کیا کرو۔ میرے بیمار ہونے کے بعد سے گھر کا سارا کام اس نے سنبھال رکھا ہے۔ اللہ اسے لمبی عمر دے۔ خوشیاں نصیب کرے۔ اس نے بیٹیوں سے بڑھ کر میری خدمت کی ہے۔"

"اچھا تو آپ بھی اس کی طرف دار ہیں۔ آپ کو میرا تنگ کرنا تو نظر آ گیا لیکن آپ نے یہ نہیں سنا کہ وہ کیسا ترکی بہ ترکی جواب دے رہی تھی۔ اس کے منہ میں زبان

نہیں بلکہ گز بھر کا ڈنڈا ہے جو ہر وقت لہراتا رہتا ہے۔"

"اب چھوڑو بھی۔ وہ تم سے روٹھ گئی ہے۔ جا کر اسے منانے کی کوشش کرو۔ سمجھ لو کہ تمہاری امی ہی نہیں میں بھی خدیجہ کا طرف دار ہوں۔ جاؤ جلدی کرو۔" ابا جی نے حکم دیا۔

مجھے باورچی خانے میں داخل ہوتے دیکھ کر خدیجہ کے چہرے پر ایک بار پھر گلاب کھل اٹھے۔ میں اس کے پاس پڑی پیڑھی پر جا بیٹھا۔ "مجھ سے ناراض ہو خدیجہ؟"

"جی ہاں۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا اور پھر خاموش ہو گئی۔

"کیا تمہیں میرا مذاق کرنا بھی برا لگنے لگا ہے؟ تم پہلے تو ایسی نازک مزاج نہیں تھیں۔"

"میری ناراضگی تمہارے مذاق کی وجہ سے نہیں ہے ..... بلکہ ......"

"ہاں ہاں کہو! کیا کہنا چاہتی ہو؟" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"تمہیں اندازہ نہیں کہ تمہارے اتنے طویل عرصے تک لاپتا رہنے سے ہم لوگ کتنی پریشانی میں مبتلا رہے ہیں۔ مجھے کم از کم تم سے تو یہ امید نہیں تھی کہ تم اتنی بے پروائی کا مظاہرہ کرو گے۔ چچی جان اور میں تمہاری سلامتی کے لئے نہ جانے کتنے نفلی روزے رکھ چکے ہیں۔" خدیجہ خاصی سنجیدہ بلکہ رنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

اس کی یہ حالت دیکھ کر مجبوراً مجھے بھی سنجیدگی اختیار کرنا پڑی۔ "میں اتنے عرصے تک گھر سے لاتعلق رہنے کے حوالے سے امی جان اور ابا جان کو سب کچھ تفصیل سے بتا چکا ہوں۔ بس یہ سمجھ لو کہ میں ایک طرح کی قید میں تھا۔ مجھے جوں ہی فرار ہونے کا موقع ملا' میں سیدھا گھر واپس آ گیا۔ میں اس دوران میں بے شمار جان لیوا مراحل سے گزر چکا ہوں۔ شاید تم لوگوں کی دعاؤں کے باعث میں زندہ سلامت رہا ہوں ورنہ موت متعدد بار مجھے چھوتی ہوئی گزر چکی ہے۔ بہرحال اب یہ باتیں ماضی کا حصہ بن چکی ہیں۔ اب مجھے امی جان کے علاج کے لئے رقم کا انتظام کرنا ہے۔ میں کل یا پرسوں دوبارہ کراچی جا رہا ہوں لیکن اب میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گا بلکہ کام پورا ہوتے ہی واپس لوٹ آؤں گا۔ تم میری کامیابی کے لئے دعا کرنا۔"

"میری دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی۔ تم ایسے کام سے جانے والے ہو کہ میں تمہیں روک نہیں سکتی' بہرحال تم اپنا وعدہ یاد رکھنا۔" خدیجہ کے لہجے میں تحکم کی ہلکی سی جھلک موجود تھی۔ جیسے اسے یقین ہو کہ میں اس کا کہا ٹال نہیں سکوں گا اور مجھے اس لمحے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا یہ یقین غلط بھی نہیں ہے۔ خدیجہ اور میں ایک ساتھ کھیل کود کر بڑے ہوئے تھے۔ ہم میں خاصی بے تکلفی بھی تھی لیکن میں نے اسے کبھی جذباتی طور پر خود سے اتنا قریب محسوس نہیں کیا۔ نہ ہی خدیجہ نے کبھی اتنی سنجیدگی سے مجھ پر اپ

استحقاق جتانے کی کوشش کی تھی۔ یہ سب شاید اس دوری کا کرشمہ تھا جو ہم دونوں کے بیچ حائل ہو گئی تھی۔ گویا اس دوری نے ہم دونوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ابا جی اور امی جان خدیجہ کو پسند کرتے ہیں اور مستقبل میں اسے مستقل طور پر اپنے گھر لانے کے خواہشمند تھے۔ ان بیچاروں کو کیا پتا کہ میں کن بکھیڑوں میں پھنس چکا تھا۔ مجھے تو یہ بھی علم نہیں ہوتا تھا کہ شام کے وقت میں یہاں ہوں تو صبح کا سورج کہاں دیکھوں گا اور صبح دیکھنے کے لئے زندہ بھی رہ سکوں گا یا نہیں۔ اب امی جان کی بیماری کی صورتحال میں ایک نیا امتحان میرے سامنے تھا جس میں کامیاب ہونے کے لئے مجھے نئے سرے سے اپنی راہیں متعین کرنا تھیں۔ خدا جانے میں اس آزمائش میں کامیاب بھی ہو پاتا یا نہیں۔

ہمیں کھانا کھلانے اور باورچی خانے کا دیگر کام ختم کرنے کے بعد خدیجہ اپنے گھر چلی گئی۔ اس کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد عرفان چچا آ گئے۔ ہم لوگ رات گئے تک باتیں کرتے رہے۔ عرفان چچا کے جانے کے بعد میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ خیالات کا طوفان اتنا پرزور تھا کہ نیند کسی دور دراز گوشے میں جا چھپی۔ بظاہر لاکھوں روپے میری دسترس میں تھے۔ کلفٹن میں واقع "میرے" بنگلے کا سیف نوٹوں سے بھرا پڑا تھا۔ میرے بینک اکاؤنٹ میں بھی کئی لاکھ روپے جمع تھے۔ میں یہ تمام سرمایہ حاصل کرنا چاہتا تو میری راہ میں کوئی ظاہری رکاوٹ نہیں تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ اس صورت میں میرا ایک بار پھر ڈولی کے گروہ کی نظر میں آ جانا یقینی تھا۔ اور میں ہر ممکن طور پر اس سے بچنا چاہتا تھا کیونکہ اس طرح مجھے ایک بار پھر ان کا مراعات یافتہ قیدی بننا پڑتا۔ وہ مجھ سے ڈائری حاصل کرنے کی امید رکھتے تھے جبکہ یہ امید پوری کرنا میرے بس میں نہیں۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ مجھے امی کو علاج کی خاطر بیرون ملک بھجوانے کے لئے جتنی بڑی رقم کی فوری ضرورت تھی وہ میں اور کس طرح جمع کرتا؟

میں مسلسل سوچنے کے بعد بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ مجھے ڈولی کے گروہ کی نظروں میں آنے کا خطرہ مول لینا ہی پڑے گا۔ اس صورت میں زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ مجھے اپنے آپ کو گروی رکھنا پڑتا اور ممکنہ طور پر تشدد کا نشانہ بننا پڑتا۔ امی جان کے علاج کی خاطر میں اس سے بڑی قیمت ادا کرنے کو بھی تیار تھا۔ اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد میں مطمئن ہو گیا اور مجھے جلد ہی نیند آ گئی۔

اگلے روز امی جان کی طبیعت خراب ہونے کے باعث میں کراچی روانگی کے فیصلے پر عمل نہ کر سکا۔ البتہ اس سے اگلے دن امی جان کی طبیعت بہتر ہونے پر میں دوپہر کے وقت حیدر آباد اور پھر وہاں سے ایئر کنڈیشنڈ کوچ کے ذریعے کراچی پہنچ گیا۔ میں نے سہراب گوٹھ سے رکشا پکڑا اور نائمہ کے گھر کی راہ لی۔ حسب توقع نائمہ نہایت بے تابی سے میری منتظر

تھی تاہم اسے اتنی جلد میری واپسی کی توقع نہیں تھی۔ میں نے اسے تمام صورتحال سے آگاہ کیا تو وہ پریشان ہو گئی۔ "یہ تو واقعی بہت تشویشناک صورتحال ہے۔ تمہاری امی جان کو فوری علاج کی ضرورت ہے۔ لیکن میں تمہیں اپنی زندگی داؤ پر لگانے کا مشورہ بھی نہیں دے سکتی۔ خدا جانے تمہارے اس طرح اچانک غائب ہو جانے کا ان لوگوں پر کیا رد عمل ہوا ہو۔ وہ لوگ کم از کم خوش تو نہیں ہوئے ہوں گے۔ اب تم ان کی زد میں دوبارہ آئے تو وہ تمہیں جسمانی نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے وہ میرا جو بھی حشر کریں۔ بس ایک مرتبہ رقم حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ اس کے بعد میری جان بھی چلی جائے تو مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہو گا۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ ہر قیمت پر یہ رقم حاصل کر کے رہوں گا۔"

"میرا پرخلوص مشورہ یہ ہے کہ تم جذباتی ہونے سے گریز کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری جلد بازی سے تمہیں بھی نقصان پہنچ جائے اور رقم بھی ہاتھ نہ آئے۔ جو کچھ بھی کرنا ہے خوب سوچ سمجھ کر پوری منصوبہ بندی سے کرو۔ مجھے یقین ہے کہ ہم مل کر سوچ بچار کریں تو کوئی ایسی ترکیب سوچ سکتے ہیں جس میں کم سے کم خطرہ ہو اور کامیابی کے بھی زیادہ امکانات ہوں۔"

"میں جلد بازی نہیں کرنا چاہتا لیکن جہاں تک میں سوچ سکا ہوں اس کے مطابق میں یہ کام ڈولی کے گروہ کی نظروں میں آئے بغیر مکمل نہیں کر سکتا۔ میرا کلفٹن والا ٹھکانہ تو نظر میں ہو گا ہی اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے میرے بینک اکاؤنٹ کی مسلسل نگرانی کا بھی یقیناً" کوئی بندوبست کر رکھا ہو گا۔ میرے پاس بینک کی چیک بک نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں نے جوں ہی نئی چیک بک حاصل کرنے کی کوشش کی' میں ان لوگوں کی نظروں میں آ جاؤں گا۔ اب تم ہی بتاؤ میں یہ خطرہ مول لئے بغیر کیسے مطلوبہ رقم حاصل کر سکتا ہوں۔"

"میرے ذہن میں ایک ترکیب آتی ہے جو اگر کامیاب ہو گئی تو تمہارے بینک گئے بغیر بھی تمہارا کام ہو سکتا ہے' بالفرض اگر تمہیں بینک جانا بھی پڑا تو تمہارے وہاں ٹھہرنے کا وقفہ بہت مختصر ہو گا۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ جلدی بتاؤ تم نے کیا سوچا ہے؟" میں نے خوش ہو کر کہا۔

"دیکھو' میں بینک جا کر ڈرافٹ فارم لے آتی ہوں۔ تم اس ڈرافٹ فارم کے ذریعے اپنے اکاؤنٹ میں سے مطلوبہ رقم میرے بینک اکاؤنٹ میں منتقل کر دینا۔ میں وہ رقم اپنے اکاؤنٹ سے نکال کر تمہارے حوالے کر دوں گی۔ ہو سکتا ہے بینک والے اس رقم کی منتقلی کے لئے تم سے رابطہ کر کے تصدیق کرنا چاہیں اس صورت میں تمہیں صرف چند منٹوں

کے لئے بینک جانا پڑے گا'

"خدا کرے اس کی نوبت ہی نہ آئے۔ تم کل ہی بینک سے ڈرافٹ فارم لے آؤ۔ یہ کام جتنی جلدی ہو جائے اچھا ہے لیکن تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہو گا۔"

"کیسا وعدہ؟ تم کہو جو کہنا چاہتے ہو۔ میں تم سے انکار نہیں کر سکتی۔"

"وعدہ کرو کہ اگر میں کسی مشکل میں پھنسا تو مجھے اس مشکل سے نجات دلانے کے لئے خود کو مصیبت میں نہیں ڈالو گی کیونکہ اس طرح مجھے دہرے عذاب دہری آزمائش کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"مجھے افسوس ہے دانش۔ میں تم سے یہ وعدہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ میں اس سلسلے میں قطعاً" بے بس ہوں۔ تمہیں مشکلوں میں گھرا دیکھنے کے باوجود آرام سے بیٹھے رہنا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔" نائمہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"دیکھو نائمہ' میں تمہیں خواہ مخواہ پابند نہیں کر رہا ہوں۔ اس وقت ابا جی اور امی جان کو سہارے کی ضرورت ہے۔ میری غیر موجودگی میں تم یہ ذمے داری بخوبی نبھا سکتی ہو۔ ہم میں سے ایک کا ان کی خدمت میں موجود رہنا ضروری ہے۔ میں یہ سب اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بالفرض میں بینک ڈرافٹ کی تصدیق کے لئے جاؤں اور کسی الجھن میں پھنس جاؤں تو تم مجھے آزاد کرانے کے چکر میں پڑنے کے بجائے وہ رقم لے کر سیدھی ابا اور امی جان کے پاس چلی جانا۔ ایسی صورت میں امی کو علاج کے لئے بیرون ملک بھجوانے کا انتظام تمہیں کرنا ہو گا اور مجھے یقین ہے تم یہ کام بخوبی کر سکتی ہو۔"

نائمہ نے سخت مزاحمت کے بعد بالآخر میری بات مان لی۔ اس کے بعد ہم تفصیلی لائحہ عمل مرتب کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ اشیائے خوردونوش کی خریداری کے لئے چلی گئی۔ اس کی واپسی پورے ڈھائی گھنٹے بعد ہوئی۔ ہم رات گئے تک گپ شپ کرتے رہے۔ نائمہ نے بتایا کہ اکرام کی موت کے بعد وہ خود کو بہت محفوظ اور ہلکا پھلکا محسوس کرتی ہے تاہم وہ مستقبل قریب میں ڈیرے پر جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔

اگلے روز ہفتہ وار چھٹی تھی لہٰذا نائمہ بینک سے ڈرافٹ فارم نہ لا سکی۔ میں نے ڈٹ کر کھایا اور پھر سو گیا۔ کئی گھنٹے بعد میری آنکھ کھلی تو نائمہ گھر سے غائب تھی' تاہم کچھ دیر بعد وہ واپس لوٹی۔ رات کا کھانا ہم دونوں نے مل کر بنایا۔ نائمہ کا موڈ بے حد خوشگوار نظر آ رہا تھا۔ وہ بار بار قہقہے لگا رہی تھی۔ اس رات اس نے اپنی شہد بھری آواز میں غالب کی غزل سنا کر مجھ سے بے پناہ داد وصول کی۔

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے
جوش قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے

اس سے اگلے روز نائمہ بینک جا کر ڈرافٹ فارم لے آئی۔ میں نے نہایت احتیاط

سے ڈرافٹ فارم پر کیا۔ اس پر دستخط کرتے ہوئے پوری طرح خیال رکھا کہ میرے دستخط بالکل وہی ہوں جو بینک کے ریکارڈ میں پہلے سے موجود تھے۔ میں چاہتا تھا کہ وہ پانچ لاکھ کی خطیر رقم نائمہ کے اکاؤنٹ میں منتقل کرتے ہوئے کسی قسم کی ہچکچاہٹ کا شکار نہ ہوں اور مجھے اس منتقلی کی تصدیق کے لئے بذات خود بینک نہ جانا پڑے۔

نائمہ بینک ڈرافٹ لے کر چلی گئی۔ واپس لوٹی تو خاصی مطمئن نظر آ رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ بینک ڈرافٹ کے اندراجات اور میرے دستخطوں کی چیکنگ میں بینک والوں نے خاصا وقت لگایا تھا اور وہ پوری طرح مطمئن نظر آ رہے تھے۔ بظاہر اب اس رقم کی منتقلی میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں تھی۔ وہ رقم تین دن کے اندر نائمہ کے اکاؤنٹ میں پہنچنی تھی اور پھر اسے فوری طور پر اکاؤنٹ سے نکلوا کر مجھے گھر چلے جانا تھا۔

وہ تین دن خاصی بے چینی میں گزرے۔ چوتھے دن ہم دونوں نائمہ کے اکاؤنٹ والے بینک کی طرف روانہ ہوئے۔ بینک کے اندر صرف نائمہ گئی۔ خاصی دیر بعد وہ بینک سے باہر نکلی تو خوشی سے گلنار نظر آ رہی تھی۔ اس نے اپنا بھاری بھرکم بیگ میری گود میں پٹخ دیا۔

”پورے پانچ لاکھ ہیں“ اس نے ٹیکسی والے کو گاڑی آگے بڑھانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میں نے وہ بیگ سینے سے لپٹا لیا۔ میرا رواں رواں خوشی سے رقصاں تھا۔ اس بیگ میں میری امی کو زندگی کی طرف واپس لانے کی اکسیر دوا موجود تھی۔ گاڑی کی رفتار میں پوری طرح اضافہ بھی نہیں ہوا تھا کہ ڈرائیور کو زور دار بریک لگانا پڑی۔ پرانے ماڈل کی ایک شورلیٹ کار نے سڑک کو اس طرح بلاک کر رکھا تھا کہ ہماری گاڑی کا آگے نکلنے کا راستہ بالکل بند ہو چکا تھا۔ میری گرفت بیگ پر مضبوط ہوتی چلی گئی۔



سادہ لوح ٹیکسی ڈرائیور فوری طور پر صورتحال کی سنگینی کا ادراک نہیں کر پایا تھا۔ اس نے زور دار ہارن دے کر احتجاج کا اظہار کیا لیکن جواب میں شیور لیٹ گاڑی سے دو نوجوان اترے اور تیز قدموں سے چلتے ہوئے چند ہی لمحوں میں ہمارے سر پر آن پہنچے۔ چند لمحوں کے اس وقفے کے دوران میں سارا معاملہ میری سمجھ میں آ چکا تھا۔ ہمارا راستہ روکنے والے یقیناً“ ڈکیت تھے جو اتنی بھاری رقم کی سن گن پا کر ہمارے استقبال کو پہنچ گئے تھے۔ وہ ڈولی یا اکرام کے گروہ کے ارکان بھی ہو سکتے تھے۔ لیکن اس کا امکان خاصا کم تھا۔ بہرحال وہ جو کوئی بھی تھے خطرناک اسلحے سے پوری طرح لیس تھے اور ان کے ارادے بھی نیک نظر نہیں آ رہے تھے۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ اس وقت میں بالکل نہتا تھا چنانچہ خطرے کا قبل از وقت احساس ہونے کے باوجود میرے لئے کوئی بھی فوری عملی قدم اٹھانے کی گنجائش نہیں تھی۔

”یہ کیا چکر ہے دانش؟ یہ کون ہیں؟“ نائمہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔ میں نے جواب دینے کے بجائے رقم والا بیگ اس کی گود میں پھینک دیا۔ ”میں انہیں روکنے کی کوشش کرتا ہوں‘ تم موقع ملتے ہی فرار ہو جانا‘ خبردار‘ میرا انتظار نہ کرنا۔“

خدا جانے اس کی سمجھ میں میری بات آئی بھی یا نہیں کیونکہ میں بات پوری کئے بغیر ہی اپنی طرف والے دروازے کو کھول چکا تھا۔ دونوں لڑکے خاصے تجربہ کار معلوم ہوتے تھے کیونکہ انہوں نے گاڑی کے بالکل قریب آنے کی حماقت نہیں کی تھی۔ انہیں دروازے کی زد میں نہ دیکھ کر میں نے دروازے کو نہایت اطمینان سے کھولا اور ٹیکسی سے باہر نکل آیا۔ ان دونوں نے اپنے پستولوں پر رومال لپیٹ رکھے تھے۔ تاہم وہ بدحواس قطعاً“ نہیں تھے۔ میں نے ان میں سے نسبتاً“ بڑی عمر والے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ”کیا بات ہے میاں صاحب زادے‘ تم لوگوں نے ہمارا راستہ کیوں روکا ہے؟ کیا چاہتے ہو تم لوگ؟“

ان دونوں کو شاید مجھ سے اتنی بے خوفی کی امید نہیں تھی‘ انہوں نے لمحہ بھر کے لئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ فوراً“ ہی وہ ایک بار پھر میری طرف متوجہ ہو گئے۔ ”اپنے ہاتھ گدی پر رکھ لو‘ خبردار ...... ہوشیاری دکھانے کا نتیجہ اچھا نہیں ہو گا۔“ میرے

مخاطب نے سخت لہجے میں حکم دیا۔ وہ دونوں اب قدرے مضطرب نظر آ رہے تھے۔ ہم زیادہ رش والے علاقے میں نہیں تھے' لیکن دن کی روشنی اپنی جگہ ایک بڑا خطرہ تھی۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں بدحواسی کے عالم میں ان کی انگلی سے ٹریگر نہ دب جائے۔ "او کے۔ او کے' تم جو کہو' میں کرنے کو تیار ہوں لیکن اپنی گنوں کو گرفت میں رکھو۔"

مجھے گدی پر اپنے ہاتھ رکھتے دیکھ کر ان کے چہروں کا تناؤ کچھ کم ہوا۔ "دیکھو' تم لوگوں کو جو کچھ چاہیے' ہم شرافت سے تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہیں لیکن تم مجھ سے یا میری بیوی سے بدسلوکی مت کرنا۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ پھر میں نائمہ سے مخاطب ہوا۔ "نائمہ اپنا پرس' گھڑی' انگوٹھیاں اور نیکلس ان کے حوالے کر دو۔ چیخ و پکار کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ شریف بچے ہیں تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔"

"خبردار! آپ اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش مت کریں۔" مجھے دھمکی دینے والے نے اس بار نائمہ کو مخاطب کیا۔ "ہمیں آپ سے کچھ نہیں چاہیے۔" پھر وہ براہ راست مجھ سے مخاطب ہوا۔ "آپ ہمارے ساتھ چل رہے ہیں۔ چپ چاپ ہماری ہدایات پر عمل کریں۔ ورنہ نتیجے کے ذمے دار آپ خود ہوں گے۔ میڈم آپ بھی کسی قسم کی مزاحمت سے گریز کریں ورنہ ان کے ساتھ ساتھ آپ بھی نقصان اٹھائیں گی۔" آخری الفاظ اس نے نائمہ کو مخاطب کر کے کہے تھے۔

نائمہ خاصی پریشان نظر آ رہی تھی' لیکن یہ جان کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی تھی کہ یہ لوگ ہماری رقم چھیننے کے لئے نہیں بلکہ مجھے اغواء کرنے کے لئے ہمارے راستے میں حائل ہوئے تھے' اسی لئے میں نے مزاحمت کا ارادہ ترک کر کے خود کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا ورنہ میں تو پختہ ارادہ کر چکا تھا کہ یہ رقم بچانے کے لئے میں جان کی بازی لگا دوں گا۔ وہ رقم میری امی کے لئے زندگی کی امید تھی' جسے میں کسی قیمت پر بھی نہیں کھو سکتا تھا۔ جہاں تک خود کو ان کے حوالے کرنے کا تعلق تھا تو یہ میرے لئے ایک معمول کی کارروائی بن کر رہ گئی تھی۔ اگر میرے ان کے قبضے میں جانے سے وہ رقم بحفاظت امی جان اور اباجی تک پہنچ جاتی تو میری نظر میں یہ گھاٹے کا سودا نہیں تھا۔

میں نے نظروں ہی نظروں میں نائمہ کو مطمئن رہنے کا پیغام دیا اور خراماں خراماں شیور لیٹ کار کی جانب چل پڑا۔ لیکن مجھے فوراً ہی رک جانا پڑا۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور کی زوردار کراہ سنی تھی۔ پلٹ کر دیکھا تو وہ چکرا کر گر رہا تھا۔ شاید اس نے ٹیکسی سے نکل کر ان میں سے کسی ایک پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ "گدھے کا بچہ' ہیرو بننے کی کوشش کر رہا تھا۔" بڑے لڑکے نے سر جھٹک کر کہا۔ اس نے ٹیکسی کے اگنیشن سے چابیاں نکال کر اپنے قبضے میں کر لی تھیں۔ "آپ چلتے رہیں ورنہ ہم آپ کا بھی یہی حشر کر سکتے ہیں۔"

مجھے ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ ان کا سلوک ایک آنکھ نہیں بھایا تھا لیکن احتجاج یا مزاحمت کی گنجائش ہی کہاں تھی۔ میں نہایت سعادت مندی سے ان کی ہدایت پر عمل پیرا ہو گیا۔ شیور لیٹ کا ڈرائیور یقیناً یہ ڈرامہ بغور دیکھتا رہا تھا۔ چنانچہ ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی وہ دونوں عقبی دروازے کھول چکا تھا اور وہاں سے فوری بھاگ نکلنے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ مجھے گاڑی کی نشستوں کے درمیان فرش پر منہ کے بل نہایت غیر آرام دہ حالت میں لیٹنا پڑا۔ میرے دونوں ہاتھ پشت پر باندھنے کے بعد ٹانگیں بھی جکڑ دی گئیں لیکن میں نے احتجاج کی کوشش نہیں کی۔ میں تو بس یہ سوچ رہا تھا کہ اس مرتبہ میرے میزبان کون ہوں گے۔ ڈولی کے گروہ والے یا اکرام مرحوم کے پسماندگان۔ تاہم میں پریشان قطعاً نہیں تھا' میری پریشانی تو تبھی ختم ہو گئی تھی جب ان لوگوں نے نائمہ سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا تھا۔

وہ طاقتور گاڑی ہموار اور ناہموار راستوں پر چالیس منٹ کے لگ بھگ سفر کرتی رہی۔ آس پاس سے سنائی دینے والی آوازوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ہم پہلے خاصی مصروف شاہراہ اور پھر قدرے غیر آباد راستے پر سفر کرتے رہے ہیں۔ میں نے راستے میں اپنے اغوا کنندگان سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے میری کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ بالآخر گاڑی ایک جگہ پہنچ کر رک گئی۔ تب پہلی مرتبہ میری آنکھوں پر کپڑا باندھ دیا گیا۔ مجھے گاڑی سے نکالا گیا اور پھر اٹھا کر کچھ دور لے جایا گیا۔ مجھے آس پاس سے عجیب سی بو ناک میں گھستی محسوس ہو رہی تھی۔ پھر یہ بو کم ہو گئی اور مجھے بان کی بڑی سی چارپائی پر لے جا کر ڈال دیا گیا۔ کچھ ہی دیر میں مجھے غالباً نائیلون کی موٹی رسیوں کے ذریعے چارپائی سے جکڑا جا چکا تھا لیکن اس کے بعد بھی میری آنکھوں سے کپڑا نہیں کھولا گیا۔

وہ لوگ مجھے چارپائی سے اچھی طرح جکڑنے کے بعد وہاں سے چلے گئے۔ انہوں نے کمرے کا دروازہ بھی باہر سے بند کر دیا تھا۔ میں خاصی دیر تک ان کی واپسی کا منتظر رہا لیکن جب ان کی واپسی کے کوئی آثار نظر نہ آئے تو میں نے اپنے جسم سے لپٹی رسیوں سے زور آزمائی شروع کر دی۔ خاصی کوشش کے باوجود مجھے کامیابی کی ہلکی سی امید بھی نظر نہ آئی' ہاتھوں اور پیروں کی جلد الگ خراشوں سے چھل گئی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے زور لگانے سے گرہیں مزید مضبوط ہو گئی ہیں تاہم میں اتنی جلد ہمت ہارنے کو تیار نہ تھا میں نے فیصلہ کیا کہ اگر گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے تک وہ لوگ واپس نہ پلٹے تو میں نئے سرے سے کوشش کروں گا۔ تب تک میری توانائیاں بھی بحال ہو جاتیں اور ہاتھ پیروں کی جلد کی سوزش بھی کم ہو جاتی۔

ڈیڑھ کے بجائے دو گھنٹے گزر گئے لیکن کسی نے پلٹ کر میری خبر نہ لی۔ تھک ہار کر میں نے ایک بار پھر رسیوں پر زور آزمائی شروع کی۔ رسی میری جلد میں بری طرح پیوست ہوئی جا رہی تھی لیکن میں کام ادھورا چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔ سرد موسم کے باوجود میرے

روئیں روئیں سے پسینہ بہہ رہا تھا' مسلسل پندرہ بیس منٹ تک تمام قوت صرف کرنے کے باوجود میں رسیاں توڑنے یا ڈھیلی کرنے میں ناکام رہا۔ میری توانائیاں دم توڑ رہی تھیں' جہاں جہاں رسی جسم میں کھب چکی تھی وہاں سے شاید خون بھی بہہ رہا تھا۔ بالاخر میری ہمت جواب دے گئی اور میں نے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ مجھ پر عجیب سی غنودگی طاری ہو رہی تھی جس کے باعث تکلیف کا احساس ذہن میں دھندلا پڑتا جا رہا تھا۔

یہ کیفیت مجھ پر نہ جانے کتنی دیر غالب رہی' سخت سردی کے عذاب نے مجھے ہوش میں آنے پر مجبور کر دیا۔ میرے ہاتھوں پیروں کے زخم دہکتے انگاروں میں تبدیل ہو چکے تھے۔ میں خاصی دیر تک یہ اذیت جھیلتا رہا پھر میری قوت برداشت جواب دے گئی۔ میں چیخ چیخ کر اغواء کرنے والوں کو بلاتا رہا' کوئی جواب نہ ملنے پر میں نے انہیں دنیا جہان کی مغلظات سے نواز دیا لیکن میری یہ زبانی مشقت بھی بے کار گئی۔ اب میرے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ تن بہ تقدیر ہو کر پڑا رہوں اور اپنے کرم فرماؤں کو دعاؤں سے نوازتا رہوں۔

عین اس مرحلے پر جب میں اپنی زندگی سے بے زار ہو چلا تھا' میں نے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ کوئٹہ سے منسوب ہوا کے برفانی جھونکے کے ساتھ ہی عجیب سی بو کمرے میں گھس آئی۔ میں نے قدموں کی آہٹ سے اندازہ لگایا کہ ان کی تعداد کم از کم چار ہے۔ "اوہ! اس کے تو ہاتھ پاؤں شدید زخمی ہیں۔" کسی نے بھاری آواز میں کہا۔

"ہم نے تو اس کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ یہ شاید رسیوں سے زور آزمائی کرتا رہا۔ یہ سب اس کا اپنا کیا دھرا ہے۔"

"خیر' تم اس کی مرہم پٹی کرو اور اس پر کمبل ڈال دو۔ ہم اس سے صبح بات کریں گے۔" قبل اس کے کہ اس کی ہدایت پر عمل کیا جاتا' میں نے تقریباً" چیخ کر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ "ٹھہرو' میری بات سنو۔ تم جو کوئی بھی ہو' میں تم سے ابھی اور اسی وقت بات کرنا چاہتا ہوں۔ صاف صاف بتاؤ تم لوگوں کی مجھ سے کیا دشمنی ہے؟ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

میری بات سن کر وہ سب یکدم خاموش ہو گئے۔ جواب دینے کی ذمے داری ایک بار پھر گونج دار آواز والے نے نبھائی۔ "ابھی تم چپ چاپ پڑے رہو تو تمہارے لئے زیادہ بہتر ہو گا۔ صبح ہم تم سے تفصیل سے بات کریں گے۔ اس وقت سب کچھ کھل کر سامنے آ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے' لیکن مجھے شدید بھوک لگ رہی ہے' مجھے کچھ کھانے کو دو تاکہ میں صبح تک زندہ تو رہ سکوں۔" میں نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

"تم جیسا گھٹیا شخص کسی رعایت کا مستحق تو نہیں ہو سکتا لیکن ہم لوگ اپنی روایت

ے مجبور ہیں۔ سنو اسے کچھ کھانے کو بھی دے دینا۔ ہو سکتا ہے یہ اس کا آخری کھانا ہو۔"

آخری جملہ اس نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا تھا اس کے بعد وہ اپنے ساتھیوں سمیت کمرے سے باہر نکل گیا۔ تقریباً" نصف گھنٹے بعد دروازہ ایک بار پھر کھلا۔ میرے لئے کھانا لایا گیا تھا۔ انہوں نے میرے ہاتھ پاؤں یا آنکھیں کھولنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ میں شدید بھوک کے باوجود سرد اور ادھ کچی روٹی اور آملیٹ کے محض چند نوالے ہی نگل سکا۔ مجھے پانی پلانے کے بعد میرے ہاتھوں اور پیروں کے زخموں پر مرہم لگا کر پٹی باندھ دی گئی۔ اس کے بعد انہوں نے مجھ پر ایک بھاری بھرکم' ریشے دار کمبل ڈال دیا اور بغیر کچھ کہے سنے کمرے سے نکل گئے۔ میں نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی' اس کے ساتھ ہی کمرے میں مکمل سناٹا طاری ہو گیا۔

پیٹ کا جہنم سرد ہونے اور زخموں پر مرہم لگنے سے میں خاصا سکون محسوس کر رہا تھا۔ کمبل نے سردی سے بھی کسی حد تک نجات دلا دی تھی۔ مجھ پر ہلکی سی غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔ لیکن میں سونے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ میرے زبردستی کے میزبانوں کے لہجوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ صبح ہونے پر مجھ سے کوئی اچھا سلوک کرنے والے نہیں تھے۔ میں اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر ایک بار پھر پنجرہ توڑنے کی کوشش کرنا چاہتا تھا۔

میں نے اپنی کارروائی شروع کرنے سے پہلے دو گھنٹے کے لگ بھگ مزید انتظار مناسب سمجھا۔ پھر میں نے اپنے جسم کو زور دار جھٹکا دے کر چارپائی سے الٹنے کی کوشش کی۔ ابتداء میں تو مجھے کوئی کامیابی نہیں ہوئی لیکن متعدد بار کوشش کرنے کے بعد مجھے وہ ایک طرف سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی میرے حوصلے آسمان کو چھونے لگے۔ میں نے زیادہ زور و شور سے چارپائی کو جھٹکے دینا شروع کر دیئے۔ جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ چارپائی ہر جھٹکے کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کر کے ایک طرف سرک رہی ہے۔ کئی زور دار جھٹکوں کے ذریعے چارپائی کو خاصے فاصلے تک کھسکانے میں کامیاب ہو گیا لیکن اس کے بعد چارپائی نے ایک انچ بھی آگے سرکنے سے انکار کر دیا۔ شاید راستے میں کوئی رکاوٹ حائل ہو گئی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ چارپائی سرکتے سرکتے دیوار تک پہنچ گئی ہے۔ اب میری جدوجہد کا زیادہ کٹھن مرحلہ شروع ہو رہا تھا۔ میں نے اپنے جسم کی تمام تر قوت یکجا کر کے چارپائی کو ایک زور دار جھٹکا دیا۔ چارپائی فرش سے کئی انچ اچھلی اور اس کے ایک طرف کے دونوں پائے دیوار سے رگڑ کھا کر زور دار آواز کے ساتھ فرش سے ٹکرائے۔ بند کمرے میں وہ آواز دھماکا بن کر گونجی۔

میں چند منٹوں تک اس دھماکے کے رد عمل کا منتظر رہا لیکن مسلسل خاموشی کے بعد مجھے ایک بار پھر اپنی کاوشوں کا آغاز کرنا پڑا۔ اس بار میری کوشش زیادہ کامیاب رہی۔ چارپائی کے پائے اس مرتبہ دیوار سے رگڑ کھا کر واپس فرش پر گرنے کے بجائے دیوار پر

اٹک گئے۔ چارپائی ترچھی ہو چکی تھی اور میرے جسم پر رسیوں کے کھچاؤ میں زبردست اضافہ ہو گیا تھا۔ مجھے لگا کہ میرے ہاتھوں کے زخم ایک بار پھر چھل گئے ہیں لیکن اس وقت مجھے تکلیف کی قطعاً" پرواہ نہ تھی۔ ابتدائی کامیابی نے میرا حوصلہ بلند کر دیا تھا۔ میں نے اب قدرے مختلف انداز سے اپنے جسم کو جھٹکا دیا۔ اس کے ساتھ ہی چارپائی سے زوردار چرچراہٹ ابھری۔ چارپائی کی پائنتی کے دونوں پائے فرش پر ٹک چکے تھے۔ البتہ سرہانے کا ایک پایا ابھی تک دیوار پر تھا اور سارا بوجھ اس پر آ جانے کے باعث وہ ٹیڑھا ہو چکا تھا۔ میں نے ایک بار پھر جھٹکا دے کر اس پائے کو مزید ٹیڑھا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس مرتبہ چارپائی زیادہ زور سے چرچرائی۔ اس کے ساتھ ہی چارپائی کا پایا دیوار پر سے پھسل کر رگڑ کھاتا ہوا فرش سے ٹکرایا۔ پایا ٹیڑھا ہونے کے باعث چارپائی میں ایک طرف جھکاؤ آ گیا تھا۔ میں نے اپنے جسم کو جھکولا دے کر اپنا زور اس ٹیڑھے پائے پر ڈال دیا۔ بان کی رسیاں ٹوٹنے اور لکڑی چرچرانے کی ملی جلی آوازیں کمرے میں گونجیں اور چارپائی کا وہ کونا مزید جھک کر فرش سے جا لگا۔ شاید چارپائی کی پٹی پائے سے علیحدہ ہو چکی تھی۔ میں نے سرہانے کی پٹی سے جکڑے ہاتھوں کی ٹوٹے ہوئے پائے کی جانب کھسکانے کی کوشش کی۔ یہ جان کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ بان کی رسیاں ٹوٹنے کے باعث ڈھیلی پڑ چکی تھیں اور ان کی مزاحمت نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس مرتبہ میں نے زیادہ قوت لگا کر بان کی رسیوں کو دھکیلا' اس کے ساتھ ہی شکستہ اور نیم شکستہ رسیاں یکے بعد دیگرے پٹی کے سرے سے نکلتی چلی گئیں اور بالآخر میرے نائیلون کی ڈوریوں میں جکڑے ہاتھ بھی پٹی کے سرے سے نکل آئے۔

مسرت اور طمانیت کے شدید جذبات کے تحت میں چارپائی پر اٹھ بیٹھا۔ سب سے پہلے میں نے اپنی آنکھوں پر سے کپڑا ہٹایا۔ چھت سے لٹکے کم طاقت کے بلب کی روشنی میں مجھے دانتوں کی مدد سے ہاتھوں کی ڈوریاں کھولنے اور پیروں کے بندھن کھولنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ پوری طرح آزاد ہونے کے بعد میں نے بغور اس کمرے کا جائزہ لیا۔ وہ بڑا سا کمرہ عام حالات میں شاید گودام کے طور پر استعمال ہوتا ہو گا۔ سامنے دیوار کے ساتھ کسی چیز سے بھری آٹھ دس بوریاں رکھی تھیں۔ ان کے ساتھ ہی ایک عدد بیلچا اور خالی بوریوں کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ کمرے کے باقی حصے میں ٹوٹی ہوئی چارپائی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ اس جھلنگا سی چارپائی کو شاید صرف میری خاطر تواضع کے لئے زحمت دی گئی تھی۔ کمرے کی چھت ایسبٹاس کی چادروں پر مشتمل تھی اور اس کی بلندی بھی زیادہ نہ تھی۔ میں نے بوریوں کے ڈھیر پر چڑھ کر شانے کے ذریعے چھت کو اوپر اٹھانا چاہا۔ خلاف توقع مجھے زیادہ زور نہیں لگانا پڑا۔ میں نے چادر پر سے پتھر سرکنے کی آواز سنی اور چادر کئی انچ اوپر اٹھ گئی۔ ہوا کے ہولیلے جھونکے نے مجھے جھرجھری لینے پر مجبور کر دیا' اس کے ساتھ ہی اسی

ناگوار بو کا بھبکا میری ناک میں گھستا چلا گیا۔

قدرے توقف کے بعد میں نے نہایت احتیاط سے چھت کی چادر کو پوری طرح ہٹا دیا اور چھت کے خلا سے باہر نکل آیا۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ میں ایک بہت بڑے پولٹری فارم میں موجود ہوں۔ اس کے ساتھ ہی اس ناگوار بو کا معمہ بھی حل ہو گیا۔ وہ کمرہ جس میں مجھے قید کیا گیا تھا' شاید پولٹری فیڈ کے گودام کے طور پر استعمال ہوتا ہو گا۔ میری نظروں کے سامنے بڑے بڑے شیڈز کی کئی قطاریں موجود تھیں جنہیں چاروں طرف سے بوریوں سے ڈھانپ دیا گیا تھا جبکہ شیڈز میں مرغیوں کو حرارت مہیا کرنے کے لئے طاقتور بلب بھی روشن تھے۔ پولٹری فارم میں اس وقت مکمل سناٹا طاری تھا۔ یخ بستہ ہواؤں نے سبھی کو گرم پناہ گاہوں میں دبکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ لوگ مجھے پوری طرح بے بس تصور کر کے میری جانب سے بے فکر ہو گئے تھے۔ اس لمحے ان کی یہی بے فکری میرے کام آ رہی تھی۔ میں نہایت احتیاط سے زمین پر اترا اور بے آواز قدموں سے پولٹری فارم کے گیٹ کی جانب چل پڑا۔ مجھے ابھی تک یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ مجھے اغواء کرنے والے کون تھے اور اس حرکت سے وہ کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے تھے' مجھے اس معاملے میں تجسس تو تھا لیکن فی الوقت اس چکر سے نکلنے میں ہی اپنی عافیت سمجھ رہا تھا۔ میں سب کچھ فراموش کر کے جلد از جلد اپنی امی جان کے پاس پہنچ جانا چاہتا تھا تاکہ ان کا علاج فوری طور پر شروع ہو جاتا۔

بھاری بھرکم فولادی گیٹ کے پاس پہنچ کر مجھے رک جانا پڑا۔ گیٹ سے ذرا ہٹ کر بنے ہوئے ایک بڑے سے کمرے میں سے کسی کے چیخ چیخ کر بات کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بولنے والا غصے سے بے قابو ہو گیا ہو' سب سے عجیب بات یہ تھی کہ وہ آواز مجھے جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ تجسس کی شدت کے باعث میں اس کمرے کے قریب جانے پر مجبور ہو گیا۔ فاصلہ کم ہوتے ہی آواز سے مانوسیت کا احساس مزید زور پکڑ گیا۔ میں نے آواز پہچاننے کی کوشش کی لیکن عین اسی وقت ایک اور گرج دار آواز اس مانوس آواز پر غالب آ گئی۔ اب بولنے والوں کے الفاظ بھی میری سمجھ میں آنے لگے تھے۔ "بس کرو یار' بہت نصیحت کر لی تم نے' اپنی آواز آہستہ کرو' ہم تمہارے نوکر نہیں جن پر تم اس طرح تڑی جما رہے ہو۔"

"یار بات تڑی کی نہیں ہے تم لوگوں نے میرے مشورے کے بغیر یہ حرکت کر کے اچھا نہیں کیا۔ میں اپنی نظر میں گر گیا ہوں۔ یار دنیا میں دولت ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی' آخر انسانیت بھی کوئی چیز ہے۔ اس عورت سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے ......"

"چھوڑو یار عمیر' مٹی ڈالو اس بات پر۔ اپنا غصہ ٹھنڈا کرو۔ اب یہ سوچو کہ کل اس بڈھے کی زبان کیسے کھلوانی ہے؟" کسی تیسرے شخص نے بات کاٹ دی۔ عمیر کا نام سنتے ہی

میرے ذہن میں دھماکا ہوا۔ وہ مانوس آواز سو فیصد عمیر کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ساری صورتحال میری سمجھ میں آگئی تھی۔ مجھے عمیر کے اشارے پر اغواء کیا گیا تھا۔ کاشف، عمر اور اشرف کے غائب ہو جانے کی ٹنش نے اسے بے قرار کر رکھا ہو گا۔ مجھ سے بدگمان ہونے کے باعث وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اس کے بعد سے وہ میرے بارے میں مسلسل منفی رخ پر سوچتا رہا ہو گا جس کے نتیجے میں اس کا یہ شک یقین میں بدل گیا ہو گا کہ میرا تعلق کسی بہت بڑے جرائم پیشہ گروہ سے ہے اور میں نے کاشف اور اس کے ساتھیوں کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کیا تھا۔ میرے اغواء سے یہ بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھے ان لوگوں کے پراسرار انداز میں غائب ہونے کا ذمے دار بھی سمجھ رہا ہے۔ وہ لوگ مجھ پر تشدد کر کے کاشف اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں میری زبان کھلوانا چاہتے تھے البتہ یہ کسی نامعلوم خاتون کا تذکرہ میری فہم سے بالا تر تھا۔ میں صورتحال کو پوری طرح سمجھنے کے لئے مزید غور سے ان کی باتیں سننے لگا۔ مجھے ایک بار پھر عمیر کی آواز سنائی دی اس کے لہجے کی تیزی و تندی میں کچھ کمی آگئی تھی۔ "ریاض بھائی آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں؟ یہ اتنی معمولی بات نہیں ہے جس پر اتنی آسانی سے مٹی ڈال دی جائے۔ اس عورت سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اس سے رقم چھین کر ہم نے زیادتی کی ہے، اس زیادتی کا ازالہ اسی طرح ممکن ہے کہ ہم اس کی رقم اس تک پہنچا دیں۔ اس رقم پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔"

"ریاض بھائی اب آپ ہی عمیر کو سمجھائیں کہ وہ عورت اس بندے ...... کیا نام ہے اس کا ...... دانش کے ساتھ تھی جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اس کے گروہ کی رکن ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ پانچ لاکھ روپے بھی اسی خبیث دانش کی ملکیت ہوں۔ ہم نے یہ رقم اس لئے اس عورت سے چھینی ہے کہ خدانخواستہ کاشف بھائی اور عمر وغیرہ کے بارے میں کوئی ایسی ویسی خبر ملے تو ہم ان لوگوں کے گھر والوں کو کچھ نہ کچھ سہارا تو دے سکیں۔ ہم یہ رقم آپس میں تو نہیں بانٹ رہے ہیں۔"

"چلو میں تمہاری بات مان لیتا ہوں، ہو سکتا ہے یہ رقم دانش ہی کی ہو، اگر واقعی ایسا ہے اور کاشف بھائی وغیرہ کے اغواء میں اسی کا ہاتھ ہے تو پھر اس رقم کے بارے میں ہم حسب موقع فیصلہ کریں گے لیکن اگر یہ رقم اس عورت کی ہے اور وہ عورت اس شخص کے کرتوتوں سے لاتعلق ہے تو پھر ہمیں یہ تمام رقم واپس کرنا ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔ ہمیں تمہاری یہ شرط منظور ہے۔ اگر تم چاہو تو یہ رقم اپنے پاس رکھ سکتے ہو، اور ہاں اپنے دل سے یہ بدگمانی نکال دو کہ ہم نے دولت کے لالچ میں یہ سب کیا ہے، ہم چور ڈاکو نہیں۔ کاشف بھائی تمہارے ہی نہیں ہمارے بھی استاد تھے اور کاشف بھائی کے شاگرد چور اچکے نہیں ہو سکتے۔"

"مجھے افسوس ہے یار شعیب، میں نے تمہیں غلط سمجھا۔ تم اگر پہلے ہی یہ سب

بتا دیتے تو بات یہاں تک نہ پہنچتی۔" عمیر نے معذرت بھرے لہجے میں کہا۔

"یار ہمیں بات کرنے کا موقع ہی کہاں ملا ہے، تم بھی اس بارے میں سنتے ہی آگ بگولا ہو گئے۔ اب بات صاف ہو ہی گئی ہے تو میں بھی تم سے معذرت خواہ ہوں، میرا لہجہ بھی خاصا تلخ ہو گیا تھا۔"

"اوہ یارو، اب ساری رات معافی تلافی ہی ہوتی رہے گی یا سونے کا بھی ارادہ ہے؟ صبح اٹھنے کے بعد اس پنجرے کے پنچھی سے بھی دو دو ہاتھ کرنے ہیں۔ میں بتا دوں، وہ اتنی آسانی سے زبان کھولنے والا نہیں ہے۔"

"یہ تو ہمیں بھی پتا ہے ریاض بھائی، آخر وہ بھی کاشف بھائی کا ہونہار شاگرد ہے۔ کوئی معمولی شے تو نہیں ہے۔" شعیب نے کہا، اس کی بات سن کر سب نے زوردار قہقہہ لگایا۔ وہ لوگ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے، پھر کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔

اب بات پوری طرح واضح ہو چکی تھی۔ ان لوگوں نے میرے ساتھ ساتھ نائمہ کو بھی نہیں بخشا تھا۔ میری یہ خوش فہمی ہوا ہو چکی تھی کہ نائمہ پانچ لاکھ روپے کے ساتھ باحفاظت میرے والدین کے پاس پہنچ چکی ہے۔ عمیر کے دوست اس کے قبضے سے پانچ لاکھ روپے چھین چکے تھے ممکن ہے نائمہ نے مزاحمت بھی کی ہو جس کے نتیجے میں اسے بدسلوکی کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔ اب میرے لئے یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ خاموشی سے وہاں سے فرار ہو جاتا۔ میں خالی ہاتھ گھر واپس جانے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے ہر قیمت پر ان لوگوں کے قبضے سے اپنے پانچ لاکھ روپے برآمد کرنے تھے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا لیکن اس کے بغیر کوئی چارہ بھی تو نہیں رہ گیا تھا۔ ان لوگوں کی گفتگو سے صاف ظاہر تھا کہ وہ رقم اس وقت بھی، اسی کمرے میں ان کے پاس موجود تھی۔ مجھے اندر گھس کر یہ رقم ان تینوں سے چھیننا تھی۔

میں تقریباً" ایک گھنٹے تک ایک تاریک کونے میں ٹھٹھرتا رہا۔ کمرے میں موجود افراد کی نیند گہری ہونے کا یقین کرنے کے بعد میں کمرے کے دروازے پر پہنچا۔ وہ خاصی مضبوط اور عمدہ لکڑی کا دروازہ تھا، میرے دھکا دینے سے اس میں معمولی سی جنبش بھی نہ ہوئی، اسے کھولنا یا توڑنا آسان کام نہیں تھا۔ دروازے سے مایوس ہو کر میں واحد کھڑکی کی جانب بڑھا لیکن وہاں بھی صورتحال مختلف نہیں تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ میں ان لوگوں کو خبردار کئے بغیر کمرے میں داخل نہیں ہو سکتا تھا لیکن میں یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ میں ان تینوں سے بیک وقت ٹکر لینے کی پوزیشن میں نہیں تھا، وہ تینوں مارشل آرٹ میں مہارت رکھتے تھے۔ جب کہ میں تنہا ہونے کے علاوہ زخمی بھی تھا۔ عین ممکن تھا وہ تینوں مل کر مجھے مار گراتے اور میری ساری محنت پر پانی پھر جاتا۔ مجھے جسمانی قوت سے نہیں بلکہ ذہانت سے انہیں شکست دینا تھی۔

میں نے اپنی پوری ذہنی قوت یکجا کر کے کوئی ترکیب سوچنا شروع کی۔ خاصی غوروفکر کے بعد میرے ذہن میں ایک منصوبے کے خدوخال واضح ہونے لگے۔ اگر میں اس پر پوری طرح عمل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو میرا مقصد پورا ہونے کا واضح امکان تھا۔ بالاخر منصوبے کی تمام جزویات میرے ذہن میں واضح ہو گئیں اس کے ساتھ ہی میں اس پر عمل کرنے کے لئے اپنے ٹھکانے سے نکل آیا۔

پولٹری فارم کا الیکٹرک مین سوئچ' میٹر اور فیوز بکس ایک چھوٹے سے شیڈ میں نصب تھے۔ وہاں زیرو پاور کا ایک بلب بھی روشن تھا۔ میں نے نہایت مہارت اور تیز رفتاری سے تینوں فیوز بکس کھولے اور ان سے تار نکال کر انہیں واپس لگا دیا۔ اس کے ساتھ ہی پورا پولٹری فارم گہری تاریکی میں ڈوب گیا۔ میری اس کارروائی پر اس کمرے میں محو خواب افراد کا کوئی فوری رد عمل سامنے نہیں آیا لیکن مجھے اس کا پہلے ہی اندازہ تھا۔ لحافوں میں دبکے افراد کو لائٹ ہونے یا نہ ہونے کا بھلا کیسے پتا چل سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ میں اس کا پہلے ہی انتظام کر چکا تھا۔ میں بے آواز لیکن تیز قدموں سے چلتا ہوا مرغیوں کے اس شیڈ تک جا پہنچا جو کمرے کے قریب ہی واقع تھا۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد میں نے شیڈ کی دیوار پر ڈھکی بوری کی بھاری بھرکم چادر ہٹائی' چوڑی آہنی جالی سے سرد ہوا کا جھونکا شیڈ کی گرم فضا میں پہنچا تو نیند میں ڈوبی مرغیوں میں ہلکی سی کھلبلی پھیلی لیکن انہیں پوری طرح بیدار کرنے کے لئے مجھے بجری سے بھری دو تین مٹھیاں ان پر خالی کرنا پڑی۔ اس مداخلت بے جا نے خوابیدہ مرغیوں کو بری طرح مشتعل کر دیا۔ کچھ ہی دیر میں کٹ کٹ کٹاک کے بے ہنگم شور سے پورا پولٹری فارم گونج اٹھا۔ ایک شیڈ سے شروع ہونے والا احتجاجی شوروغل پورے پولٹری فارم میں پھیل چکا تھا۔ ہزروں مرغیوں کے بیک وقت چیخنے کی آوازیں اس قدر بلند تھیں کہ عارضی نیند سونے والوں کے ساتھ ہمیشہ کی نیند سونے والوں کو بھی جگانے کے لئے کافی تھیں۔ اپنی کارروائی کی کامیابی کا یقین ہوتے ہی میں تیز رفتاری سے کمرے کے پاس جا پہنچا۔

شاید شیڈ میں بلی گھس گئی ہے۔ میں دیکھ کر آتا ہوں۔ افوہ! اس کم بخت لائٹ کو بھی اسی وقت دفع ہونا تھا۔" یہ ریاض کی آواز تھی۔ "ٹھہریں۔ ریاض بھائی' میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں" میں نے شعیب کی آواز سنی۔ میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا' میرا کام خود بخود آسان ہوتا جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور دو افراد برآمد ہوئے' ان میں سے آگے والے کے ہاتھ میں ایک طاقتور ٹارچ روشن تھی۔ وہ تیز قدموں سے شیڈز کی جانب بڑھے۔ ان کے آگے جاتے ہی میں کھلے دروازے سے کمرے کے اندر گھستا چلا گیا۔

عمیر نہ صرف جاگ رہا تھا بلکہ اس نے میری آہٹ بھی سن لی تھی۔ "کون' ریاض بھائی؟ شعیب؟" اس کا سوال بے جواب رہ گیا' میں تب تک دروازے کے ساتھ دیوار سے

چپک کر کھڑا ہو گیا تھا' میں نے سانس روک لی تھی۔ کوئی جواب نہ ملنے پر عمیر خاموش ہو گیا۔ شاید وہ اسے اپنا وہم سمجھا ہو گا۔ باہر سے ریاض اور شعیب کے بات کرنے کی آواز آ رہی تھی' کسی نامعلوم بلی کو کوسنے کے بعد اب وہ بجلی والوں کو کھری کھری سنا رہے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ اگلے مرحلے پر وہ مین سوئچ کا رخ کریں گے' میں اسی وقت کا منتظر تھا۔ لائٹ بحال ہونے کے چند لمحوں کے اندر اندر مجھے عمیر پر قابو پانا تھا اور پھر ریاض اور شعیب کے استقبال کی تیاری کرنا تھی۔

میری توقع کے عین مطابق کچھ ہی دیر بعد وہ لوگ مین سوئچ کی جانب متوجہ ہو گئے اور پھر پورا پولٹری فارم روشنیوں سے جگمگا اٹھا۔ کمرے کا بلب روشن ہوتے ہی میں نے عمیر کی پوزیشن کا جائزہ لیا۔ وہ میرے عین سامنے چارپائی پر دراز تھا اور سر سے پاؤں تک لحاف میں لپٹا ہوا تھا' عین اسی وقت میری نظر اس کے سرہانے موجود میز پر پڑی جس پر دو پستول ہولسٹروں میں سجے ہوئے تھے۔ میں پلک جھپکتے ہی میز تک جا پہنچا۔ پستول کے سرد فولاد کا لمس محسوس کرتے ہی میرے وجود میں طمانیت کی لہر دوڑ گئی۔ دوسرا پستول مع ہولسٹر میں نے اپنے شانے سے لٹکا لیا۔ عمیر شاید ایک بار پھر غنودگی کی آغوش میں جا چکا تھا۔ میں اسے اس کے حال پر چھوڑ کر ایک بار پھر دروازے کی آڑ میں دیوار کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔ مرغیاں اپنا احتجاجی مظاہرہ تقریباً" ختم کر چکی تھیں۔ ریاض اور شعیب بھی لوٹنے ہی والے تھے۔ میری دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

"خدا جانے کیا مصیبت آ گئی ان مرغیوں پر خواہ مخواہ پریشان کیا۔" شعیب بڑبڑاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ ریاض اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ "چلو یہ بھی اچھا ہوا کہ ......" ریاض نے مڑ کر دروازہ بند کرنا چاہا لیکن مجھ پر اور میرے ہاتھ میں موجود پستول پر نظر پڑتے ہی اس کی زبان ساکت ہو گئی' اسی اثناء میں شعیب اپنے بستر تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے چارپائی پر بیٹھنا چاہا' تبھی اس نے بھی مجھے دیکھ لیا' اس کی آنکھوں میں حیرانی اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات ابھر آئے۔ میں نے ریاض کو پستول کے اشارے سے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ اسی وقت شعیب نے عمیر کو بری طرح جھنجھوڑ ڈالا' وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔ "ک‌ک ...... کون ...... کیا ہوا ......"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میرے بھائی' سب ٹھیک ٹھاک ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ عمیر مجھے دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ "آپ ...... آپ ......"

"تم تینوں ایک ہی چارپائی پر اکٹھے ہو جاؤ۔ کوئی عقلمندی دکھانے کی کوشش کی تو میں کوئی رعایات نہیں کروں گا۔ چلو شاباش۔"

ان تینوں نے پریشان نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ کھیل کا یہ رخ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ سب سے بری حالت عمیر کی تھی۔ "عمیر تم نے اور تمہارے

ساتھیوں نے مجھ سے جو سلوک کیا ہے وہ قابل معافی تو نہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ تم یہ سب غلط فہمی کا شکار ہونے کی وجہ سے کرتے پھر رہے ہو۔ میں اپنی صفائی پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر میں واقعی وہی ہوتا جو تم سمجھتے ہو تو قدم قدم پر تمہاری حفاظت کے لئے جان کی بازی لگانے کی کوشش نہ کرتا۔ خصوصاً" تمہاری تازہ ترین حرکت کے بعد تو مجھے فوراً" تمہارا خاتمہ کر دینا چاہئے لیکن بات وہی ہے کہ تمہاری آنکھوں پر بدگمانی کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ تم جھوٹ اور سچ میں تمیز کرنے کے قابل نہیں ہو۔ بہرحال مجھے تم سے اور تمہاری غلط فہمیوں سے کچھ لینا دینا نہیں' وہ رقم میرے حوالے کر دو جو تمہارے ساتھی لوٹ کر لائے ہیں۔"

میری بات سن کر ان تینوں نے فوری طور پر کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ وہ شاید ابھی تک اپنے ہوش و حواس پر قابو نہیں پا سکے تھے' خصوصاً" عمیر پر تو جیسے سکتہ طاری تھا' میری گفتگو کے ہر لفظ پر اس کے چہرے کا رنگ بدلتا رہا تھا' اس کے دونوں ساتھی شاید اس کی جانب سے کسی رد عمل کے منتظر تھے۔ "عمیر' میں جانتا ہوں تم یہ سب کاشف بھائی اور عمر وغیرہ کو بازیاب کرانے کے لئے کر رہے ہو' تم سمجھتے ہو کہ ان کی گمشدگی کے پیچھے میرا ہاتھ ہے لیکن یقین کرو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں تو......"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔" یکایک عمیر بول پڑا۔ "آپ ہمیں مزید بیوقوف نہیں بنا سکتے۔ کاشف بھائی اور دیگر ساتھیوں کے اغواء کی سازش کا آپ اہم کردار ہیں۔ آپ نے ہمیں اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے استعمال کیا اور ...... یہ پانچ لاکھ روپے آپ کی یقیناً" اس خدمت کے صلے میں دیئے گئے ہیں اور وہ بنگلہ' کار اور موبائل فون ...... وہ سب کہاں سے آپ کے قبضے میں آگیا؟ آپ تو کاشف بھائی کے ساتھ سکول میں چند ہزار تنخواہ پر ملازم تھے۔"

"وہ سب مجھ پر زبردستی ٹھونسا گیا تھا اور مجھے تمہاری زندگی کے تحفظ اور کاشف اور دوسرے ساتھیوں کی بازیابی کی امید پر وہ سب قبول کرنا پڑا تھا۔ اگر تم مجھے صفائی پیش کرنے کا موقع دیتے تو بات کھل کر سامنے آجاتی۔ تمہارے جانے کے فوراً" بعد میں نے اس تمام جھمیلے پر لعنت بھیج کر اپنی جان چھڑا لی تھی۔ اگر تم میرے ساتھ رہتے تو تمہیں اندازہ ہو جاتا کہ میں خود بھی کاشف وغیرہ کی بازیابی کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے کے لئے بے تاب ہوں۔"

"آپ جھوٹے ہوں یا سچے' اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' اس وقت آپ ہم پر پوری طرح غالب ہیں' اپنی رقم لیں اور ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ کر چلے جائیں لیکن ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک اپنے ساتھیوں کا پتا نہ لگا لیں۔ شعیب رقم کا بیگ ان کے حوالے کر دو۔" عمیر کے لہجے میں سرد مہری کی جھلک نمایاں تھی اس کی

بات سن کر شعیب نے بستر کے سرہانے سے کینوس کا بیگ اٹھایا اور میرے سامنے پھینک دیا۔ میں نے تینوں کی جانب سے پوری طرح محتاط رہتے ہوئے وہ بیگ اٹھا کر اپنے شانے پر لٹکا لیا۔

"عمیر' میں یہاں سے جا تو رہا ہوں لیکن جاتے جاتے ایک بار پھر کہوں گا کہ تم مجھے غلط سمجھے ہو' میں تم سب کا دشمن نہیں بلکہ دوست ہوں' جس طرح تم لوگ اپنے ساتھیوں کی بخیریت بازیابی کے خواہشمند ہو بالکل اسی طرح میں بھی ان کی آزادی کے لئے سرگرداں ہوں۔ میری دعا ہے کہ خدا ہمیں اپنے مقصد میں کامیاب کرے......"

میں اپنی بات مکمل کر کے الٹے قدموں پیچھے ہٹا' میں دروازے پر پہنچ کر باہر نکلنے ہی والا تھا کہ عمیر کی آواز نے میرے قدم روک لئے۔ "دانش بھائی' پلیز کچھ دیر مزید رک جائیے۔" میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ اس لہجے میں نمایاں تبدیلی موجود تھی۔ "میں نے اب تک وہی کچھ کیا ہے جسے میں درست سمجھتا ہوں لیکن مجھے آپ کی باتیں سن کر احساس ہو رہا ہے کہ واقعی مجھ سے جلد بازی میں غلطی ہو سکتی ہے۔ مجھے آپ کو کم از کم وضاحت کا موقع ضرور دینا چاہئے تھا' بہرحال اگر آپ اب بھی میرے شکوک کا ازالہ کر دیں تو میں آپ سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگ لوں گا۔ اگر آپ مجھے ابتداء میں ہی اعتماد میں لے لیتے تو یہاں تک نوبت ہی نہ پہنچتی۔"

"اس وقت میں یہ سب کچھ تم لوگوں سے چھپانے پر مجبور تھا' بہرحال اب میں تمہیں ابتداء سے ساری کہانی سناتا ہوں۔" اتنا کہہ کر میں قریبی چارپائی پر بیٹھ گیا البتہ پستول بدستور میرے ہاتھ میں موجود تھا۔ وہ تینوں ہمہ تن گوش میری کہانی سن رہے تھے۔ میں نے انہیں اپنے گھوٹکی سے کراچی آنے' ہیرو بننے' زیبی سے ملاقات اور ڈائری کی آنکھ مچولی سمیت تقریباً" سبھی کچھ ان کے گوش گزار کر ڈالا وہ کبھی حیرانی سے اور کبھی دلچسپی اور جوش و خروش کے لمحات سے دوچار ہوتے رہے' جب میں اکرام سے اس کے گروہ کے ٹھکانوں کے پتے اگلوانے تک پہنچا تو ان کے چہرے خوشی سے دمک اٹھے' اس کے بعد چند ہی منٹ میں میری کہانی مکمل ہو گئی۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ عمیر کا ذہن میری جانب سے بدگمانیوں سے پاک ہو چکا ہے۔ کچھ ہی دیر بعد اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔

"دانش بھائی' میں اپنی حماقتوں کے لئے' تہہ دل سے معذرت خواہ ہوں' میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آپ اتنے بڑے چکر میں گرفتار ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ کوئی بڑا نقصان پہنچنے سے پہلے ہی ہماری غلط فہمی دور ہو گئی۔ اب ہم مل کر اپنے ساتھیوں کو تلاش کریں گے اور انشاء اللہ کامیابی ہمارا مقدر بنے گی۔ آپ یہ رقم جلد از جلد اپنے والدین تک پہنچا دیں تاکہ آپ کی امی جان کا علاج شروع ہو سکے۔ آپ نائمہ صاحبہ سے بھی ہماری طرف سے معذرت کر لیجئے گا' میرے ساتھیوں نے ان جانے میں انہیں ذہنی اذیت

پہنچائی تھی۔"

وہ واقعی شرمندہ نظر آ رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ یہ دیکھ کر اس کے ساتھیوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ میں نے ان کا پستول ان کے حوالے کر دیا۔

وہ رات میں نے ان کے ساتھ گزاری۔ اگلے روز صبح میں ان کے ہمراہ نائمہ کے گھر پہنچ گیا۔ میری صحیح سلامت مع رقم واپسی نے اس پر شادی مرگ کی کیفیت طاری کر دی' اس نے نہایت گرم جوشی سے ہمارا خیر مقدم کیا۔ میں نے اسے پوری صورتحال سے آگاہ کیا۔ دوپہر کے کھانے پر نائمہ نے خاصا اہتمام کر رکھا تھا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم سب ریاض بھائی کی کار میں گھوٹکی روانہ ہوئے۔

ابا جی اور امی جان مجھے دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سمائے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کا ان سے تعارف کرایا۔ نائمہ کو میں نے عمیر کی بہن بنا کر پیش کیا تھا۔ اتنی بڑی رقم دیکھ کر ابا جی قدرے پریشان نظر آ رہے تھے لیکن میں انہیں وقتی طور پر مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہمارے وہاں پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد خدیجہ آ گئی۔ اتنے بہت سے مہمانوں کو دیکھ کر وہ سیدھی باورچی خانے میں گھسی۔ کچھ دیر بعد نائمہ بھی اس کی مدد کرنے کے لئے اس کے پاس پہنچ گئی۔ اس طرح میں چاہنے کے باوجود خدیجہ سے بات نہ کر سکا۔

کھانا کھانے کے بعد سب نے طے کیا کہ اگلے روز صبح سویرے میں ابا جی اور امی جان کو ساتھ لے کر حیدر آباد جاؤں گا اور سول ہاسپٹل میں امی کا علاج کرنے والے ڈاکٹروں سے مشورہ کروں گا اور اگر انہوں نے رائے دی کہ امی کو علاج کے لئے ملک سے باہر بھیجنا لازمی ہے تو پھر انہیں کراچی لے جاؤں گا تاکہ انہیں ملک سے باہر بھیجنے کا انتظام مکمل ہو سکے۔ اس دوران میں ریاض بھائی کو مع اپنی کار کے ہمارے ساتھ رہنا تھا جبکہ عمیر شعیب اور نائمہ کو کراچی لوٹ جانا تھا۔

سول ہاسپٹل کے ڈاکٹروں کی تشخیص کچھ زیادہ حوصلہ افزاء نہیں تھی تاہم انہوں نے مشورہ دیا کہ بیرون ملک لے جانے سے پہلے امی جان کا کراچی کے بڑے ہسپتال میں بھی تفصیلی معائنہ کرا لیا جائے۔ ہم لوگ امی جان کو واپس گھوٹکی لے آئے اور پھر اگلے ہی دن کراچی روانہ ہو گئے۔ جہاں نائمہ نہایت بے چینی سے ہماری منتظر تھی۔ اگلے دس دن تک ہم امی جان کو مختلف ماہر ڈاکٹروں کو دکھاتے رہے۔ ان میں سے اکثریت کی رائے کے مطابق انہیں علاج کے لئے بیرون ملک بھیجنا زیادہ بہتر تھا چنانچہ میں نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے امی جان کو علاج کے لئے امریکہ بھجوانے کی جدوجہد شروع کر دی۔ ڈاکٹروں کی متفقہ تشخیص نے اس سلسلے میں ہماری خاصی مدد کی' بالآخر ایک مہینے کی لگاتار کوشش کے بعد میں امی جان کو نیویارک بھجوانے میں کامیاب ہو گیا' ان کی دیکھ بھال کے لئے ابا جی بھی ان کے ساتھ امریکہ چلے گئے۔

اس ذمے داری کا بوجھ ہلکا ہونے کے بعد میں ایک بار پھر اپنے مشن کی جانب متوجہ ہوا۔ اس دوران میں عمیر اور اس کے ساتھیوں سے میرا مسلسل رابطہ رہا تھا تاہم مصلحتاً" میں نے ان سے ملنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ امی جان اور ابا جی کی امریکہ روانگی کے اگلے ہی روز میں ان کے ٹھکانے یعنی ریاض پولٹری فارم پر جا پہنچا جہاں وہ تینوں بے چینی سے میرے منتظر تھے۔

"اکرام نے مجھے اپنے گروہ کے ٹھکانوں کے بارے میں سخت مجبوری کی حالت میں بتایا تھا۔" میں نے ان تینوں کو پوری طرح متوجہ پا کر بات شروع کی۔ "لہٰذا ہمیں یہ امکان ذہن میں رکھنا ہو گا کہ ممکن ہے اس نے غلط بیانی کا مظاہرہ کیا ہو۔ ہمیں ہر قدم سوچ سمجھ کر اور ہاتھ پاؤں بچا کر اٹھانا ہو گا۔ ہم باری باری ان تمام ٹھکانوں کی نگرانی کریں گے اور پھر وہاں عملی کارروائی کریں گے جہاں ہمارے اندازے کے مطابق ہمارے ساتھی موجود ہو سکتے ہیں۔ اس دوران میں ہمیں ڈولی کے گروہ سے بھی اپنے آپ کو بچانا ہے کیونکہ وہ لوگ بھی ڈائری حاصل کرنے کے چکر میں ہمیں اپنے قبضے میں کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ اکرام کے بیان کے مطابق تینوں ٹھکانوں میں سے ایک میں ہمارے ساتھیوں کی موجودگی کا زیادہ امکان ہے لہٰذا ہم پہلے اسے اپنی توجہ کا مرکز بنائیں گے۔ اب ہم اپنی حکمت عملی طے کرتے ہیں۔"

اگلے روز صبح سویرے ہم چاروں علیحدہ علیحدہ اپنے ٹھکانوں سے روانہ ہوئے۔ میں اور ریاض پھل فروشوں کے بھیس میں تھے۔ عمیر کے لئے پڑھے لکھے نوجوان کے علاوہ کوئی بھی بہروپ مناسب نہ تھا' شعیب اپنی پسند کے مطابق فقیر بن گیا تھا۔ ہماری منزل سائٹ میں واقع ایک بہت بڑی ماربل فیکٹری تھی۔ ہم چاروں دوپہر تک فیکٹری کی کڑی نگرانی کرتے رہے لیکن وہاں کسی قسم کی مشکوک سرگرمی کے آثار نظر نہ آئے۔ بظاہری فیکٹری کے اندر باہر آنے جانے پر بھی کوئی خاص روک ٹوک نہ تھی۔ دوپہر کو لنچ بریک ہوا تو میں نے اور ریاض نے فیکٹری کے کارکنوں کے ہمراہ چھپر ریسٹورینٹ میں کھانا کھایا' ہم دونوں کوشش کے باوجود ان لوگوں کی باہمی گفتگو میں کوئی قابل توجہ بات نہ پا سکے۔ اس دوران میں شعیب فقیر کے بھیس میں ان لوگوں سے بھیک مانگتا رہا لیکن تقریباً" سبھی نے اسے ہٹا کٹا ہونے کا طعنہ دے کر بری طرح جھڑک دیا' بالآخر وہ مایوس ہو کر برے برے منہ بناتا ہوا ایک طرف چل دیا۔ عمیر کو اپنی ایک ذمے داری پوری کرنے کے بعد فیکٹری کی چھٹی ہونے سے ذرا بعد وہاں پہنچنا تھا' لہٰذا ہمیں اس کی فکر نہیں تھی فیکٹری کا وقت پورا ہونے سے نصف گھنٹہ پہلے تک ہم اپنے چھابوں کے نصف پھل فروخت کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ تب ہمیں شعیب واپس لوٹتا نظر آیا۔ اس کی رفتار خاصی سست تھی۔ وہ ٹہلتا ہوا فیکٹری کے گیٹ کے پاس پہنچا اور مسلح چوکی دار سے کچھ کہا۔ چوکیدار جواباً" کچھ کہنے ہی

والا تھا کہ شعیب کے قدم بری طرح لڑکھڑائے اور وہ منہ کے بل پختہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کی طرف دوڑ پڑا۔ میرے وہاں پہنچنے تک چوکیدار اسے سیدھا لٹا چکا تھا اور بوکھلائے ہوئے انداز میں اس کی چڑھی ہوئی آنکھوں اور اینٹھن زدہ ہاتھ پاؤں کو دیکھ رہا تھا۔ شعیب کے منہ سے بری طرح جھاگ نکل رہا تھا۔

"اسے مرگی کا شدید دورہ پڑا ہے۔" میں نے شعیب کو سنبھالتے ہوئے چیخ کر کہا۔ "اسے جلدی سے کسی سایہ دار جگہ پر لے چلو۔" میری بات سن کر چوکیدار نے پاگلوں کی طرح سر ہلا دیا۔ "جلدی سے گیٹ کھول کر اندر لے چلو اور فون کر کے کسی ڈاکٹر کو بلاؤ۔ دیر ہونے پر یہ مر بھی سکتا ہے۔" اس دوران میں ریاض سمیت اور کئی لوگ وہاں اکٹھے ہو چکے تھے' انہوں نے زور و شور سے میری تائید کی۔ چوکیدار کو بادل نخواستہ شعیب کو فیکٹری کے اندر لے جانے کی اجازت دینا پڑی۔ ظاہری بات ہے شعیب کو اٹھا کر فیکٹری کے اندر لے جانے میں ریاض اور میں پیش پیش تھے۔ ہم نے شعیب کو شیڈ میں بچھے ہوئے ایک بڑے سے تخت پر لٹا دیا۔ ریاض اس کے ہاتھ پاؤں مل رہا تھا جبکہ میں اس کے منہ میں پانی ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چوکیدار فیکٹری کی انتظامیہ کو اطلاع دینے اور ڈاکٹر کو فون کرنے کے لئے جانے ہی والا تھا کہ فیکٹری میں چھٹی ہو گئی اور وہ سب کچھ بھول کر واپس گیٹ پر جا ٹھہرا۔ فیکٹری سے کارکنوں کی ٹکڑیاں گیٹ سے باہر نکلنے لگیں۔ ہمارے ساتھ آنے والے باقی افراد بھی واپس جا چکے تھے۔ صرف میں اور ریاض ہی شعیب کی تیمار داری کے لئے باقی بچے تھے۔ کارکنوں کا فیکٹری سے اخراج مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ ہمیں فیکٹری کے گیٹ سے ایک نوجوان ڈاکٹر اندر داخل ہوتا نظر آیا۔ چوکیدار نے اسے اشارے سے ہماری سمت کے بارے میں بتایا اور پھر اپنی ڈیوٹی کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"اوہ! اس کی حالت تو کافی خراب ہے۔ میں انجکشن لگا دیتا ہوں لیکن اسے فوری طور پر ڈرپ لگانا پڑے گی۔ اس سے پہلے اسے یہاں سے ہٹانا یا کہیں لے جانا خطرناک ہو گا۔ اس دوران میں آپ دونوں میں کسی ایک کا مسلسل مریض کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔" ڈاکٹر نے شعیب کا معائنہ کر کے کہا۔

"لیکن ڈاکٹر صاحب اس کے لئے تو فیکٹری کے مینجر صاحب سے اجازت لینا ہو گی' اس کے بغیر تو فیکٹری میں رات کو کوئی نہیں رک سکتا۔" چوکیدار نے جلدی سے کہا' وہ عین اسی وقت وہاں پہنچا تھا۔ ڈاکٹر نے' جو عمیر کے علاوہ کون ہو سکتا تھا' سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تو اس میں کیا مسئلہ ہے؟ آپ کے مینجر کہاں ہیں؟ میں خود ان سے بات کر لیتا ہوں۔ وہ ایک انسانی زندگی بچانے کے لئے یقیناً اجازت دے دیں گے۔"

"مینجر صاحب ذرا کام سے شہر گئے ہوئے ہیں' میں ان کو موبائل فون پر اطلاع دے کر خود اجازت لے لوں گا۔ آپ لوگ انتظار کریں میں ابھی آتا ہوں۔"

چوکیدار اپنی کلاشنکوف سنبھالتے ہوئے تیز قدموں سے اپنے کیبن کی طرف بڑھا۔ وہ اندر داخل ہونے ہی والا تھا کہ گیٹ پر کسی گاڑی نے زور سے ہارن بجایا۔ چوکیدار یکدم پلٹا اور گیٹ کی جانب چل پڑا۔ ریاض اور عمیر نے تشویش آمیز نظروں سے میری طرف دیکھا میری نظریں گیٹ پر جمی ہوئی تھیں۔ اگلے ہی لمحے چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ ایک چمکتی دمکتی مرسڈیز کار اندر داخل ہوئی اور کچھ آگے جا کر ٹھہر گئی۔ اس کے عقبی حصے سے دو خوش پوش اور دراز قد افراد بر آمد ہوئے۔ ان کی نظریں ہم چاروں پر جمی ہوئی تھیں۔ چوکیدار گیٹ بند کرنے کے بعد تیز تیز قدموں سے ان کے پاس پہنچا اور انہیں جلدی جلدی صورتحال کے بارے میں بتانے لگا۔ اس کی بات ختم ہوتے ہی ان میں سے "نسبتاً" بھاری جسامت والے شخص نے اثبات میں گردن ہلائی اور نپے تلے قدموں سے ہماری جانب چل پڑا۔ میں نے آہستگی سے اپنے آپ کو ریاض کی آڑ میں چھپانے کی کوشش کی۔ میں اس شخص کو بخوبی پہچانتا تھا اور وہ بھی پہلی نظر میں مجھے پہچاننے والا تھا۔



اس شخص کو میں بھلا کیسے بھلا سکتا تھا۔ اس نے میری زبان سے ڈائری کا پتا اگلوانے کے لئے جو شیطانی ترکیب استعمال کی تھی اس کے متعلق سوچنا ہی میرے لیے سوہان روح تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ دنیا کا کوئی بہادر سے بہادر شخص بھی موم بتیوں کی لو سے جلنے کی اذیت غیر معینہ وقفے تک برداشت نہیں کر سکتا۔ اس شخص نے مجھے آہنی چارپائی سے جکڑ کر میرے چاروں ہاتھ پاؤں کے نیچے مخصوص اسٹینڈ پر نصب موم بتیاں رکھوا دی تھیں۔ وہ تو میری خوش قسمتی تھی کہ ڈولی کے ساتھیوں اور پولیس کی مداخلت اور کچھ میری داستان طرازی کے باعث مجھے اس عذاب ناک صورت حال سے نجات مل گئی تھی ورنہ اس شخص نے تو مجھے عبرت کا نشان بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس جیسے گھاگ شخص سے یہ توقع رکھنا خوش فہمی ہوتی کہ وہ مجھے اس معمولی سے تبدیل شدہ حلئے میں شناخت نہیں کر پائے گا مجھے پہچانتے ہی وہ یقیناً ہنگامہ کھڑا کر دیتا۔ میں نے اپنی قمیض تلے ہاتھ ڈال کر پستول پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ اس کے قریب آنے تک میں اپنا چہرہ بھی خاصی حد تک چادر نما رومال میں چھپا چکا تھا۔

اس شخص نے ہمارے قریب آکر درشت لہجے میں عمیر کو مخاطب کیا۔ "کیا ہوا اسے؟ اگر اس کی حالت زیادہ خراب ہے تو اسے ہسپتال لے جاؤ۔ یہاں کیوں لٹا رکھا ہے اسے؟"

عمیر اس کے بگڑے ہوئے تیوروں سے قطعاً متاثر نہیں ہوا۔ اس نے ایک نظر شعیب پر ڈالی اور پھر پر اعتماد لہجے میں اس شخص سے مخاطب ہوا۔ "آپ غالباً اس فیکٹری کے منیجر ہیں۔ میں افتخار ہوں۔۔ ڈاکٹر افتخار سید۔ شاید آپ نے میرا نام سنا ہو۔ میں عالمی ادارہ صحت یعنی ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کا علاقائی نمائندہ ہوں۔ مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔"

شعیب کے مستحکم اور پر اعتماد لہجے نے اس شخص کو اپنا لہجہ بدلنے پر مجبور کر دیا۔ "مجھے بھی آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ڈاکٹر صاحب میں اشتیاق مرزا ہوں۔ اس فیکٹری کا جنرل منیجر۔ دراصل مجھے مالکان کی جانب سے سختی سے ہدایت کی گئی ہے۔ کہ فیکٹری کا وقت ختم ہونے کے بعد دونوں چوکی داروں کے علاوہ کوئی بھی شخص فیکٹری کے اندر نہ

رہنے دیا جائے لہذا براہ مہربانی اس شخص کو جلد از جلد ہسپتال بھجوانے کی کوشش کریں۔ آپ چاہیں تو میں ایمبولینس منگوا سکتا ہوں۔" اس نے اپنے پاس موجود چھوٹے سے موبائل فون کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔

"اشتیاق صاحب مجھے آپ کی مجبوری کا پورا احساس ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اس شخص کو موجودہ حالت میں ہلانے جلانے کا مطلب اسے فوری موت کے منہ میں دھکیلنا ہو گا۔ اگر یہ ایمبولینس میں ہسپتال جانے کے قابل ہوتا تو میں کبھی کا اسے یہاں سے روانہ کر چکا ہوتا۔ میں نے اسے ایک انجکشن لگا دیا ہے۔ آدھے گھنٹے بعد اسے ایک اور انجکشن لگے گا۔ اس کے بعد اسے ڈرپ لگانا پڑے گی۔ مجھے پوری امید ہے کہ ڈرپ ختم ہونے کے بعد یہ اس قابل ہو جائے گا کہ اسے ایمبولینس وغیرہ کے ذریعے کسی ہسپتال منتقل کیا جا سکے۔ میں امید کرتا ہوں آپ اس ایمرجنسی کے پیش نظر اور انسانی ہمدردی کے ناتے اپنے قوانین میں لچک پیدا کر کے اس غریب کو صرف آج کی رات فیکٹری میں پڑا رہنے کی اجازت دے دیں۔"

عمیر کے دلائل نے اشتیاق مرزا کو شدید شش و پنج میں ڈال دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پریشانی کی جھلک نمایاں تھی۔ پھر وہ کسی فیصلے پر پہنچ گیا۔ "لیکن اس کے ساتھ یہاں اور کون کون ٹھہرے گا؟"

"میں.....اور اگر آپ اجازت دیں تو ان میں سے ایک یا دونوں...." عمیر نے بے نیازی سے کہا۔ اشتیاق نے اچٹتی نظروں سے ہمارا جائزہ لیا۔ پھر پژمردہ لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے۔ میں چوکیدار کو بتا دیتا ہوں۔ رات کی شفٹ کے دونوں چوکیدار بھی آنے والے ہوں گے۔ یہ انہیں بتا دے گا۔" اس نے اپنی بات مکمل کر کے پلٹنا چاہا لیکن عمیر نے اسے روک لیا۔ "سنئے اشتیاق صاحب...... یہ بے چارہ اس ٹھنڈے موسم میں ساری رات اس شیڈ میں تخت پر تو نہیں گزار سکتا۔ آپ نے اتنی مہربانی کی ہے تو اب اس کے لئے ایسی مناسب جگہ کا بھی بندوبست کر دیں جہاں یہ آرام سے رات گزار سکے۔"

عمیر کی بات سن کر اشتیاق کے چہرے پر ایک بار پھر بیزاری کے تاثرات ابھرے لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔ "ٹھیک ہے۔ میں اپنے دفتر کا ڈرائنگ روم کھلوا دیتا ہوں لیکن آپ لوگوں کو کچھ دیر انتظار کرنا ہو گا۔ مجھے دفتر کا کچھ کام مکمل کرنا ہے۔ چند فون کرنا ہیں۔ اس کے بعد میں دفتر کا ڈرائنگ روم آپ کے حوالے کر کے رخصت ہو جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ تب تک میں ڈرپ اور دیگر ادویات منگوا لیتا ہوں۔ ویسے بھی ابھی کوئی خاص سردی نہیں ہے۔"

اشتیاق مرزا اپنے دفتر کی طرف چلا گیا۔

عمیر نے دواؤں کی پرچی اور پانچ سو کا نوٹ میرے حوالے کر کے جلد از جلد واپس لوٹنے کی تاکید کی۔ میں فیکٹری سے نکل آیا۔ اب تک سب کچھ ہمارے طے شدہ منصوبے کے مطابق ہو رہا تھا۔ مجھے یہ دوائیں اور ڈرپ ریاض کی کھٹارا لیکن طاقتور شیور لیٹ سے نکال کر لانا تھی جو جھونپڑا ہوٹل کے پاس ہی کھڑی تھی۔ میں زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ میں یہ سامان لے کر فیکٹری میں واپس جا سکتا تھا لیکن اس کے بجائے میں اطمینان سے گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا جس کی چابی عمیر پہلے ہی میرے حوالے کر چکا تھا۔ میں یہاں سے فیکٹری کے گیٹ کی باآسانی نگرانی کر سکتا تھا۔ اشتیاق مجھے پہچان نہیں پایا تھا لیکن میں کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ میں اس فیکٹری سے رخصت ہونے کا منتظر تھا تاکہ مجھے دوبارہ اس کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

مجھے انتظار کرتے ہوئے پندرہ بیس اور پچیس منٹ گزر گئے لیکن اشتیاق فیکٹری سے برآمد نہ ہوا۔ وہ شاید رات کی شفٹ کے چوکیداروں کا منتظر رہا ہو گا۔ جو بقول اس کے کسی بھی وقت آسکتے تھے۔ مجھے انتظار کرتے ہوئے نصف گھنٹہ مکمل ہونے والا تھا کہ مجھے ایک پیجیرو جیپ فیکٹری کے سامنے رکتی نظر آئی۔ شاید دونوں چوکیدار ڈیوٹی پر آگئے تھے۔ میں اطمینان کا سانس لینے ہی والا تھا کہ میری چھٹی حس جاگ اٹھی۔ میں اچھا خاصا فاصلہ ہونے کے باوجود اندازہ لگا سکتا تھا کہ پیجیرو میں کم از کم پانچ افراد سوار ہیں۔ ہارن کی آواز سن کر چوکیدار چھوٹے گیٹ میں نمودار ہوا پھر اس نے فوراً ہی بڑا گیٹ کھول دیا اور پیجیرو فیکٹری کے اندر گھستی چلی گئی۔ میرے ذہن میں خطرے کا الارم پوری قوت سے چیخ رہا تھا۔ ہماری بازی الٹی ہو چکی تھی۔ اشتیاق کسی وجہ سے ہماری طرف سے مشکوک ہو گیا تھا اور اس نے ہم سے نمٹنے کے لئے بھاری کمک طلب کر لی تھی۔ عمیر اور اس کے دونوں ساتھی مسلح افراد کی اتنی بڑی تعداد کے خلاف مدافعت نہیں کر سکتے تھے خصوصاً اس صورت میں جب یہ ناگہانی آفت کی مانند اچانک سر پر پہنچ گئے ہوں۔ میں محض احتیاطاً فیکٹری میں واپس نہیں گیا تھا اور میری یہی احتیاط میرے لئے بچت کا سامان بن گئی تھی ورنہ میں بھی بھیگے پرندے کی مانند بے بسی کے عالم میں دھر لیا جاتا۔

میرے شکوک کی تصدیق ہونے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے فیکٹری کا گیٹ ایک بار پھر کھلا اور اشتیاق مرزا کی کار برآمد ہوئی پیجیرو بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ ان دونوں گاڑیوں کا رخ مجھ سے مخالف سمت کی جانب تھا۔ ان کی طوفانی رفتار سے اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ وہ بہت عجلت میں ہیں۔ ان کے عقب میں فیکٹری کا گیٹ فوراً ہی بند ہو چکا تھا۔ میرے وجود میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ وہ لوگ یقیناً عمیر اور اس کے ساتھیوں کو اغواء کر کے اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔

توقف یا تساہل کی گنجائش ہی کہاں تھی۔ میں نے گاڑی کے اگنیشن میں چابی گھمائی'

جاندار انجن ایک ہلکی سی غراہٹ کے ساتھ جاگ اٹھا۔ چند ہی لمحوں میں میری گاڑی خاصے فاصلے سے پیجیرو کے تعاقب میں رواں دواں تھی۔ میں نے اپنی گاڑی کی ہیڈ لائٹس روشن نہیں کی تھیں کیونکہ میں چاہتا تھا وہ تعاقب سے آگاہ نہ ہونے پائیں۔ اس احتیاط کے نتیجے میں میری گاڑی کو سڑک پر افراط سے موجود گڑھوں میں بری طرح ہچکولے کھانا پڑ رہے تھے لیکن میں گاڑی کی رفتار کم کرنے کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس صورت میں پیجیرو کی عقبی لائٹس کسی بھی موڑ پر میری نظروں سے اوجھل ہو سکتی تھیں جس کے نتیجے میں مجھے اپنے باقی ماندہ ساتھیوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑ جاتے۔

خوش قسمتی سے تعاقب کا یہ تکلیف دہ سلسلہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ میں نے اشتیاق کی کار اور پیجیرو کو یکے بعد دیگرے ایک بڑے سے آہنی گیٹ میں گھستے دیکھا۔ میں اپنی گاڑی کو اس عظیم الشان عمارت کے سامنے سے سیدھا نکالتا چلا گیا۔ تب تک گیٹ بند ہو چکا تھا تاہم میں گیٹ کے ستونوں پر روشن قمقموں کی مدد سے وہ تحریر پڑھنے میں کامیاب ہو گیا جو بڑے سے آہنی بورڈ پر درج تھی۔ وہ ایک معروف کاٹن ایکسپورٹ کمپنی کا گودام تھا جس کا احاطہ اتنا وسیع تھا کہ اس کا پورا چکر کاٹنا ایک خاصے صحت مند شخص کو بھی تھکا کر بے حال کر سکتا تھا۔ احاطے کی دیواریں بلند و بالا فصیلوں کی مانند تھیں اور ان پر طاقتور لائٹس اور خاردار تاروں کی باڑھیں نظر آ رہی تھیں۔

میں گاڑی کو تقریباً تین سو گز آگے لے گیا اور پھر اسے تاریک گوشے میں کھڑا کر دیا۔ صورت حال کے تازہ ترین رخ نے مجھے بری طرح پریشان کر دیا تھا۔ عمیر اور اس کے ساتھی جس شکنجے میں پھنس چکے تھے وہ مجھے ناقابل تسخیر محسوس ہو رہا تھا۔ یہ جگہ شاید اشتیاق کے گروہ کا ایک اہم ٹھکانہ تھی لیکن اکرام نے مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس جگہ کے حفاظتی انتظامات کے پیش نظر براہ راست کارروائی خود کشی کے مترادف تھی لیکن میں کسی عملی کارروائی میں تاخیر کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اشتیاق ان لوگوں کو بھی اس بھیانک تشدد کا نشانہ بنا سکتا تھا جسے میں جھیل چکا تھا۔ البتہ یہ خیال میرے متزلزل اعتماد کو استحکام بخش رہا تھا کہ اگر میں کسی طرح اس جگہ کا دفاعی حصار ناکام بنانے میں کامیاب ہو جاتا تو عمیر' ریاض اور شعیب کے ساتھ ساتھ ممکنہ طور پر کاشف اور عمر وغیرہ کو بھی ان بدبختوں کی قید سے آزاد کرا سکتا تھا جو میری زندگی کی سب سے بڑی کامیابی ہوتی۔

گاڑی کو اسی جگہ چھوڑ کر میں پیدل گودام کی طرف چل پڑا۔ وہ گودام آباد علاقے سے خاصا الگ تھلگ واقع تھا۔ اس کے سامنے نیم پختہ سڑک تھی جبکہ سڑک کے دوسری طرف خودرو جھاڑیوں اور اکا دکا درختوں پر مشتمل چھوٹا سا جنگل تھا۔ میں گودام کے گیٹ اور دیواروں پر نصب تیز لائٹس کی زد سے بچتا بچاتا گودام کے سامنے اس جنگل نما علاقے

میں پہنچ گیا۔ میری نظریں گودام کے احاطے کی چار دیواری پر جمی ہوئی تھیں۔ کچھ ہی دیر میں میرا یہ خیال مزید مستحکم ہو گیا کہ براہ راست کارروائی کے ذریعے اس گودام کے اندر گھسنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔ خصوصاً" ایسی صورت میں کہ اس جگہ کے چپے چپے کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ یہ کوئی عام گودام نہیں بلکہ خطرناک مجرموں کے گروہ کا اہم اڈا تھا۔ وہ اس کی حفاظت کی طرف سے غافل نہیں ہو سکتے تھے۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد مجھے ایک بار پھر اپنے حوصلے پست ہوتے محسوس ہوئے لیکن میں نے فوراً" ہی خود پر قابو پا لیا۔ یہ زندگی یا موت والی صورت حال تھی۔ مجھے اپنے ساتھیوں کو ہر قیمت پر آزاد کرانا تھا۔ چاہے اس کے لئے مجھے اپنی جان سے ہاتھ ہی کیوں نہ دھونا پڑتے۔ مایوسی کی دھند کو ایک طرف جھٹکنے کے بعد میں ایک بار پھر اپنے ہدف کی طرف متوجہ ہوا۔ میں اس فیصلے پر پہنچا کہ مجھے گودام کے احاطے کے اندر کی صورت حال کا بھی جائزہ لینا چاہیے۔ یہ خیال مجھے اس بلند و بالا درخت کو دیکھ کر آیا تھا۔ جو مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر سر اٹھائے کھڑا تھا۔ میں نے اپنے اس فیصلے پر فوراً ہی عمل کر ڈالا۔ میں اپنے بچپن سے جوانی تک سینکڑوں مرتبہ درختوں پر چڑھ چکا تھا گویا یہ میرے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں میں اس درخت کی ایک اونچی اور مضبوط شاخ پر براجمان تھا۔ یہاں سے گودام کے احاطے کا منظر نہایت واضح طور پر میرے سامنے تھا۔ وسیع احاطے میں روئی کی گانٹھوں کے چھوٹے بڑے ڈھیر بے ترتیبی سے بکھرے نظر آ رہے تھے۔ یہ شاید ناکارہ روئی تھی برآمد کے قابل کپاس کی گانٹھیں گودام کی بڑی بڑی عمارتوں میں ذخیرہ کی گئی ہوں گی۔ ان مجرموں کی کمین گاہیں بھی ان ہی عمارتوں میں کہیں ہوں گی۔ میں باوجود کوشش کے اشتیاق اور اس کے حواریوں کی گاڑیاں تلاش نہ کر سکا۔

میرا ذہن برق رفتاری سے سوچ بچار میں مصروف تھا۔ میری نظریں گودام سے ہٹ کر بے خیالی میں سڑک پر مرکوز ہو چکی تھیں۔ رات کا ابتدائی پہر ہونے کے باعث سڑک پر تھوڑی بہت ٹریفک چل رہی تھی۔ سڑک پر سے گزرنے والی گاڑیوں میں سے اکثریت ٹرکوں اور ٹرالروں پر مشتمل تھی۔ میرا ذہن گودام کے اندر گھسنے کی ترکیب سوچنے میں الجھا ہوا تھا۔ سڑک پر سے گذرنے والے ایک کھٹارا ٹرک کو دیکھ کر میرے ذہن میں خیال آیا کہ اگر ایسا ہی کوئی ٹرک گودام میں داخل ہونے والا ہو تو میں اس کے ساتھ لٹک کر یا اس کے کسی حصے میں چھپ کر گودام کے اندر گھس سکتا ہوں لیکن پھر میں نے یہ فلمی قسم کا خیال خود ہی مسترد کر دیا۔ میری اس تدبیر پر عمل کرنے کے لئے خصوصی طور پر تو کوئی ٹرک آنے سے رہا۔ عین اسی وقت مجھے ایک اور ٹرک آتا دکھائی دیا۔ اس ٹرک کی حالت خاصی عمدہ تھی۔ اس کی سجاوٹ پر بھی خاصی توجہ دی گئی تھی۔ وہ ٹرک سبک رفتاری سے میرے سامنے سے گزرا' میری نظریں غیر ارادی طور پر اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ وہ ٹرک تھوڑا

آگے بڑھا تھا کہ میری نظریں اس ٹرک کے عقب میں لٹکی ہوئی زنجیروں پر پڑیں جو سڑک سے رگڑ کھا رہی تھیں میں نے کہیں پڑھا تھا کہ یہ زنجیریں ٹرک کی حرکت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے برقی چارج کو زمین میں منتقل کرتی رہتی ہیں اس طرح ٹرک برقی چارج کے نتیجے میں رونما ہونے والی آتش زدگی سے محفوظ رہتا ہے۔ ٹرک جوں ہی گودام کی روشنیوں کی زد سے آگے بڑھا مجھے ان زنجیروں اور سڑک کی رگڑ کے نتیجے میں پیدا ہونے والی چنگاریاں چمکتی دکھائی دیں۔ یک لخت میری کھوپڑی میں بھی ایک چنگاری سی چھوٹی۔ میں نے اپنی تمام تر توجہ ذہن میں کوندنے والے اس خیال پر مرکوز کر دی۔ اب میری آنکھیں گودام کے احاطے پر جم چکی تھیں۔ جوں جوں میں سوچتا گیا میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی گئیں۔ موجودہ صورت حال میں شاید اس سے بہتر قابل عمل ترکیب ممکن نہ تھی۔ میں جلد ہی اپنے لئے ایک مربوط لائحہ عمل تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے اللہ کا نام لیا اور مشاقانہ تیز رفتاری سے درخت سے اترتا چلا گیا۔

اپنی گاڑی میں داخل ہونے کے بعد میں نے سب سے پہلے پھل فروش کے حلئے سے نجات حاصل کی۔ میرا اصل لباس گاڑی میں محفوظ تھا۔ وقت کم تھا اور مقابلہ سخت۔ میں گاڑی کو تیز رفتاری سے بھگاتا ہوا ناظم آباد پہنچا وہاں کے ایک مصروف پیٹرول پمپ سے میں نے گاڑی کی ٹینکی فل کرائی۔ اس کے بعد میں نے لسبیلہ اور مشروبات کی ایک دکان سے ایک لیٹر والی چھ بوتلیں خریدیں۔ پلاسٹک کا پائپ اور جھاڑ پونچھ کے لئے استعمال ہونے والی روئی مجھے گولیمار کی ایک ہارڈویئر شاپ سے مل گئی۔ گولیمار ہی کی ایک گارمنٹ شاپ سے میں نے ڈانگری سے ملتا جلتا ایک جینز سوٹ خرید لیا۔ میری خریداری تقریباً" مکمل ہو چکی تھی۔ سگریٹ لائٹر خریدنے کے لئے میں نے پاپوش نگر کی ایک مصروف دکان کا انتخاب کیا تھا۔

نصف گھنٹے کے اندر اندر میں ایک بار پھر گودام کے پاس موجود تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس بار میں نے اپنی گاڑی گیٹ سے بہت دور مخالف سمت میں کھڑی کی تھی۔ یہاں خاصا اندھیرا تھا تاہم میں محض چند لمحوں میں دوڑ کر احاطے کی دیوار کے پاس جا سکتا تھا۔ محل وقوع سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد میں تیزی سے مصروف عمل ہو گیا۔ مشروبات کی چھ بوتلوں میں سے چند گھونٹ پینے کے بعد میں نے انہیں ایک گڑھے میں خالی کر دیا۔ اس کے بعد میں نے انہیں پیٹرول اور کاٹن سے بھر دیا۔ میں نے کاٹن کا پیٹرول میں بھیگا ہوا خاصا بڑا حصہ بوتل سے باہر رہنے دیا۔ ان چھ بوتلوں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامے میں تیز رفتاری سے گودام کی چار دیواری کی طرف دوڑا۔ میں حسب توقع چند ہی لمحوں میں دیوار کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اس کے بعد میں نے تمام بوتلوں کو زمین پر رکھا اور سگریٹ لائٹر کے ذریعے ان سب کے منہ میں ٹھنسی پیٹرول میں بھیگی کاٹن میں آگ لگا

دی- پیٹرول نے بھک سے آگ پکڑ لی- اس کے ساتھ ہی میں ایک بار پھر برق رفتاری سے حرکت میں آگیا- میں نے وہ تمام بوتلیں پوری قوت سے احاطے کی چار دیواری کے اندر پھینک دیں- اس کے ساتھ ہی میں اپنی گاڑی کی جانب دوڑ پڑا-

گاڑی کو گودام سے دو فرلانگ دور لے جانے کے بعد میں سڑک سے ذرا ہٹ کر ٹھہر گیا- میری نظریں گودام کی جانب جمی ہوئی تھیں- مجھے بمشکل پانچ منٹ انتظار کرنا پڑا- اس کے ساتھ ہی میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا- احاطے کی دیوار کے ساتھ پڑی ہوئی روئی کی گانٹھیں پوری طرح آگ پکڑ چکی تھیں اور ان سے برآمد ہونے والے شعلوں کی بلندی چار دیواری سے بھی زیادہ ہو چکی تھی- میں نے اپنی گاڑی سست رفتاری سے آگے بڑھا دی- جب میں گودام کے گیٹ کے سامنے پہنچا تو گودام کے احاطے میں شوروغل بلند ہونے لگا تھا- اس ناگہانی آفت نے وہاں موجود لوگوں کو بدحواس کر دیا ہو گا- بیشتر فیکٹریوں اور گوداموں کی طرح وہاں بھی آگ بجھانے کا انتظام موجود رہا ہو گا لیکن وہ انتظام اتنے وسیع پیمانے پر لگی ہوئی آگ کو بجھانے کے لئے قطعاً" ناکام ہوتا- انہیں فوری طور پر فائر بریگیڈ کی مدد طلب کرنا چاہیے تھی' میرے منصوبے کی کامیابی کا دارومدار فائر بریگیڈ کی گاڑیوں کی جلد از جلد آمد پر تھا' اگر تو وہ لوگ فائر بریگیڈ کی آمد سے پہلے آگ پر قابو پانے میں کامیاب ہو جاتے تو میرے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا- ایک صورت یہ بھی ممکن تھی کہ گودام میں موجود افراد آگ کی شدت سے گھبرا کر گودام سے باہر نکل آتے لیکن اس کا امکان خاصا کم تھا کیونکہ ناکارہ کپاس کی گانٹھوں کے ڈھیر گودام کی عمارتوں سے خاصا ہٹ کر پڑے تھے' اگر وہ تمام کے تمام جل کر راکھ ہو جاتے تو تب بھی ان عمارتوں کو کسی قسم کی گزند نہیں پہنچ سکتی تھی اور میں ایسا چاہتا بھی نہیں تھا کیونکہ عین ممکن تھا کہ میرے تمام مغوی ساتھی وہاں مقید رہے ہوں- ان عمارتوں میں ذخیرہ شدہ کپاس کا آگ کی زد میں آنا ان کی زندگی کے لئے بھی خطرہ بن سکتا تھا-

گاڑی کو خاصا آگے لے جا کر ایک تاریک گوشے میں کھڑی کرنے کے بعد میں واپس لوٹ آیا اور ایک بار پھر اسی درخت پر چڑھتا چلا گیا جہاں سے میں اس سے پہلے گودام کے اندرونی حصے کا جائزہ لیتا رہا تھا- احاطے میں بکھری کپاس کی گانٹھوں میں لگی آگ بہت زور پکڑ چکی تھی- مجھے آٹھ دس افراد گیس سلنڈروں اور پانی کی پائپ کے ذریعے چھڑکاؤ کر کے آگ بجھانے کی کوششوں میں مصروف نظر آئے لیکن حسب توقع ان کی یہ کوششیں قطعاً" ناکام ثابت ہو رہی تھیں- آگ کا پھیلاؤ کم ہونے کے بجائے لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی جا رہا تھا مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ آگ کسی طرح گودام کی عمارتوں میں ذخیرہ شدہ کپاس کی گانٹھوں تک نہ پہنچ جائے- زمین پر بچھی ہوئی روئی کی باریک تہہ یہ کام باآسانی کر سکتی تھی-اس اندیشے نے میرے رگ و پے میں اضطراب کی تیز لہر دوڑا دی- عین اسی وقت

مجھے احاطے میں موجود پانچ عمارتوں میں سے ایک کے پہلو میں موجود راستے سے چار افراد نکلتے نظر آئے- فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ میں انہیں شکلوں سے نہیں پہچان سکتا تھا لیکن میرا اندازہ تھا کہ ان میں اشتیاق مرزا اور اس کا دست راست بھی موجود تھا- ان لوگوں نے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کہ بلکہ اپنی جگہ پر کھڑے رہ کر یہ دلچسپ تماشا دیکھتے رہے- اس وقت مجھے ایک طاقتور دوربین کی کمی شدت سے محسوس ہوئی-

جوں جوں وقت گزر رہا تھا میرے اضطراب کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا کہ فائر بریگیڈ کی گاڑیوں کو اگلے بیس پچیس منٹ کے اندر اندر وہاں پہنچ جانا چاہیے تھا ورنہ میری ساری محنت اکارت ہو جاتی- کون جانے انہوں نے فائر بریگیڈ کو طلب بھی کیا تھا یا نہیں-

خوش قسمتی سے میرے یہ خدشات پانچ منٹ بعد ہی دور ہو گئے- مجھے تقریباً" نصف کلومیٹر کے فاصلے پر فائر بریگیڈ کی گاڑیوں کی مخصوص لائٹیں گھومتی نظر آئیں- ان گاڑیوں کی تعداد کم از کم چار تو ضرور رہی ہو گی- وہ تیز رفتاری سے اسی طرف آ رہی تھیں- میں درخت سے نیچے اترا تو ان گاڑیوں کے سائرنوں کی آواز بھی واضح سنائی دینے لگی- اگلے چند لمحوں میں یہ آوازیں گودام کے احاطے میں موجود افراد تک بھی پہنچ گئیں- جب تک فائر بریگیڈ کی گاڑیاں گودام کے قریب پہنچیں گودام کا بھاری بھرکم گیٹ چوپٹ کھل چکا تھا- میں جلدی سے ایک چھوٹے سے درخت کی آڑ میں ہو گیا- فائر بریگیڈ کی پانچوں گاڑیاں سائرن بجاتی ہوئی گیٹ کے قریب پہنچ گئیں- ان کی رفتار بہت کم ہو چکی تھی- پہلی گاڑی کے گیٹ کے اندر گھستے ہی میں تیزی سے آگے بڑھا اور پانچویں اور آخری گاڑی کے عقبی واٹر ٹینک سے لٹک گیا- گاڑی کے کیبن میں موجود عملے کے افراد نے مجھے دیکھا بھی ہو گا تو ڈانگری میں ملبوس ہونے کے باعث اس گودام کے کارکنوں میں سے ایک سمجھ کر نظرانداز کر دیا ہو گا' اس ہنگامی صورت حال میں وہ بھلا فضول پوچھ گچھ میں کیونکر وقت ضائع کر سکتے تھے-

فائر بریگیڈ کی گاڑیاں یکے بعد دیگرے گودام کے گیٹ سے اندر گھستی چلی گئیں- گیٹ سے ذرا اندر پہنچتے ہی میں نے چلتی ہوئی گاڑی سے چھلانگ لگا دی اور نزدیک موجود تین باوردی چوکیداروں کی طرف دوڑا- مجھے اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ میری طرف متوجہ ہو گئے تاہم انہوں نے مجھے اپنی کلاشنکوفوں کی زد میں لینے کی کوشش نہیں کی تھی میرا نفسیاتی حربہ ایک بار پھر کامیاب رہا تھا- وہ مجھے فائر بریگیڈ کے عملے کا رکن سمجھ رہے تھے- "بجلی کا مین سوئچ کہاں ہے ؟ جلد از جلد مین سوئچ بند کر دیں ورنہ آگ شارٹ سرکٹ کے ذریعے پوری بلڈنگ میں پھیل سکتی ہے-" میں نے بلند آواز میں جلدی جلدی کہا- میری بات سن کر ان کے جسموں میں جیسے بجلی کی لہر دوڑ گئی- انہوں نے ایک ساتھ ایک چھوٹے سے کمرے کی طرف اشارہ کیا- "چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں چابی میرے پاس ہے-" ان

میں سے ایک نے مضطرب لہجے میں کہا اور پھر تقریباً" دوڑتے ہوئے مین سوئچ والے کمرے کی جانب بڑھا۔ "آپ مین سوئچ بند کر دیں اور جب تک آگ مکمل طور پر نہ بجھ جائے کسی کو مین سوئچ آن نہ کرنے دیں' میں اپنے ساتھیوں کے پاس جاتا ہوں۔" میں نے اسے سوئچ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے دیکھ کر کہا۔ اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

میں پلٹ کر چند ہی قدم چلا تھا کہ گودام کی تمام روشنیاں گل ہو گئیں۔ اب آگ کے دیو قامت شعلوں کی روشنی کے علاوہ ہر طرف تاریکی کی حکومت تھی۔ میں مین سوئچ بند ہونے کے چند لمحوں کے اندر اندر اس تپش آمیز روشنی کی زد سے بھی باہر نکل چکا تھا۔ میرا رخ اس حصے کی طرف تھا جہاں میں نے ان چاروں افراد کو دیکھا جو غالباً" اشتیاق مرزا اور اس کے ساتھی تھے۔ میرا پستول انگارے اگلنے کے لئے پوری طرح مستعد تھا اور میری آنکھیں نیم تاریکی میں ان چاروں افراد کو ڈھونڈ رہی تھیں' ان کو وہیں کہیں موجود ہونا چاہیے تھا' عمارت کے قریب پہنچ کر میں نے اپنی رفتار کم کر دی۔ نہ جانے وہ لوگ کہاں جا چھپے تھے۔

"کون ہو تم' کس کو ڈھونڈ رہے ہو؟" ایک بھاری آواز نے یک لخت مجھے چونکا دیا۔

"اور یہ لائٹ کیوں بند ہو گئی ہے؟" یہ آواز عمارت کے بغلی راستے کی طرف سے آئی تھی۔ "ہمارے انچارج صاحب نے مین سوئچ بند کرا دیا ہے تاکہ شارٹ سرکٹ کی وجہ سے آگ مزید نہ پھیل سکے۔ انہوں نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ گودام کے اندر موجود تمام افراد کو احتیاطاً" کھلی جگہ پہنچا دیا جائے کیونکہ آگ مزید پھیل کر عمارت کے اندرونی حصے تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ میں نے اپنی آواز کو حتی الامکان تبدیل کرنے کی کوشش کی تھی' میں اشتیاق مرزا سے مخاطب تھا' مجھے اندیشہ تھا کہ وہ میری آواز پہچان سکتا ہے۔

"ٹھیک ہے۔ اپنے انچارج صاحب کو کہو کہ ہم ان کی ہدایت پر عمل کریں گے۔

اشتیاق مرزا کی بات مکمل ہی ہوئی تھی کہ اچانک اس کے عقب سے ٹارچ کی تیز روشنی ابھری میں نے اس روشنی کی زد سے بچنے کی کوشش کی لیکن مجھے دیر ہو چکی تھی' ٹارچ کی روشنی سے میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ قبل اس کے کہ میں سنبھل پاتا اشتیاق مرزا نے مجھے پہچان لیا۔ اس کے منہ سے ایک غلیظ گالی برآمد ہوئی' میں بھینسے کی طرح پوری قوت سے اس پر جھپٹا' وہ اپنی جیب میں ہاتھ ڈال چکا تھا لیکن میرے شانے کی ضرب نے اس کے قدم اکھاڑ دیئے' اس نے لڑکھڑا کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن عین اس وقت میں نے اس کی ٹانگوں پر ٹانگ اڑا دی' اس کے ساتھ ہی وہ دھڑام سے پشت کے بل پتھریلے فرش پر گر پڑا' اسے کم چوٹ لگی تھی یا زیادہ فی الوقت مجھے یہ جاننے کی فرصت نہیں تھی کیونکہ اس دوران میں اس کا ٹارچ بردار ساتھی عین سر پر آن پہنچا تھا۔ وہ اپنا پستول نکال چکا تھا لیکن شاید پستول

کاک نہ ہونے کے باعث وہ مجھے فوری طور پر گولی کا نشانہ نہیں بنا سکا تھا' مجھے باز کی طرح خود پر جھپٹتے پا کر اس نے اپنے پستول سے ہتھوڑے کا کام لے کر میری کھوپڑی کو چکنا چور کرنا چاہا لیکن عین اسی لمحے میں زمین پر بیٹھتا چلا گیا وار خالی جانے سے وہ بری طرح لڑکھڑایا' اس دوران میں میں خود کو بائیں پاؤں پر متوازن کر کے دائیں پاؤں سے سوئپ لگا چکا تھا۔ میری پنڈلی دائرہ بناتی ہوئی آہنی شہتیر کی طرح اس شخص کی پنڈلیوں سے ٹکرائی' ضرب اتنی طاقتور تھی کہ اس کے پاؤں زمین سے اکھڑ گئے اور وہ اچھل کر پتھریلے فرش پر گر پڑا' اس کے حلق سے ابھرنے والی کراہ خاصی دردناک تھی لیکن اسے چوٹوں کی اذیت سہنے کی زیادہ مہلت نہ مل سکی' میرے گھونسے نے اس کی کنپٹی کو نشانہ بنا کر اسے اگلے ہی لمحے تکلیف کے احساس سے بے نیاز کر دیا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد میں تیزی سے پلٹا' اشتیاق مرزا اس دوران میں ایک بار پھر اپنے پیروں پر کھڑا ہو چکا تھا لیکن حیرت انگیز طور پر وہ ابھی تک اپنا پستول نہیں نکال پایا تھا۔ زمین پر پڑی ہوئی ٹارچ سے منعکس ہونے والی روشنی میں اس کا چہرہ اذیت سے بگڑا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میں نے ڈانگری کی جیب سے اپنا پستول نکالا اور اسے اپنی زد میں لے لیا۔ اس کے چہرے پر پھیلی اذیت کی سفیدی میں بے بسی کا رنگ بھی شامل ہو گیا۔

تب مجھے اندازہ ہوا کہ پتھریلے فرش سے تباہ کن تصادم کے نتیجے میں وہ اپنے دائیں ہاتھ کی کہنی کی ہڈی تڑوا بیٹھا ہے۔ میں تیزی سے آگے بڑھا اور اس کے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس کا پستول اپنے قبضے میں کر لیا' اس نے قطعاً" مزاحمت نہیں کی۔ میں نے اپنا پستول اس کی کھوپڑی سے لگا دیا۔

"تمہارا کھیل ختم ہو چکا ہے مسٹر اشتیاق مرزا۔" میں نے سرد لہجے میں سرگوشی کی۔

"اگر کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو بھیجہ اڑا دوں گا۔" میری نظریں تیزی سے آس پاس کے ماحول کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔ آڑ میں ہونے کے باعث ہماری یہ دھینگا مشتی آگ بجھانے میں مصروف افراد اور مسلح چوکیداروں کی نظر میں نہیں آ سکی تھی۔ اشتیاق مرزا کے باقی دونوں کارندے بھی اس وقت کہیں نظر نہیں آ رہے تھے وہ یا تو واپس اندرونی حصے کی طرف چلے گئے تھے یا پھر وہ آگ بجھانے کی کارروائی قریب سے دیکھنے جا پہنچے تھے۔

"مجھے تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔ مجھے شرافت سے وہاں لے چلو جہاں تم نے میرے ساتھیوں کو مقید کر رکھا ہے۔ میں جانتا ہوں یہاں چپے چپے پر تمہارے کارندے موجود ہیں لیکن اگر تم نے میری بات نہ مانی تو وہ سب مل کر بھی تمہیں نہیں بچا سکیں گے۔" میں نے زمین پر پڑی ٹارچ سنبھالتے ہوئے کہا۔ میں نے اسے آف کر دیا تھا۔

"تم ..... تم یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جا سکتے۔" اشتیاق مرزا نے اپنی اذیت و کرب پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ میں نے اس کی شکستہ کہنی پر پستول سے ہلکا سا ٹھوکا دیا' اس کے حلق سے المناک کراہ برآمد ہوئی۔ "مجھے زندہ رہنے کا شوق ہوتا تو یہاں گھسنے کی کوشش نہ کرتا۔ دوستوں کی خاطر جان دینے سے بڑھ کر بھلا کون سی خوش قسمتی کی بات ہو گی۔"

میری بات سن کر اس کے چہرے کے تاثرات یقیناً" قابل دید رہے ہوں گے لیکن اندھیرا ہونے کے باعث میں ان سے محظوظ نہ ہو سکا۔ اشتیاق مرزا مزید مزاحمت کا ارادہ رکھتا تھا لیکن پستول کی نال گدی میں گڑنے کی اذیت نے اسے ایک بار پھر اوقات یاد دلا دی۔ اس دوران میں میں اس سے چھینا ہوا پستول بھی اپنے ہاتھ میں تھام چکا تھا۔ "چپ چاپ قدم آگے بڑھاؤ۔ مجھ سے تعاون کرنے میں ہی تمہاری زندگی ہے۔"

بالآخر اشتیاق مرزا کی مزاحمت دم توڑ گئی۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے آگے بڑھا۔ اس دوران میں میری آنکھیں تاریکی سے مانوس ہو چکی تھیں۔ میں اس کے عین پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ پختہ راستے پر کچھ دور آگے بڑھنے کے بعد وہ ٹھہر گیا۔ یہاں سے ایک راستہ گودام میں جا رہا تھا۔ لیکن اندر اتنی گہری تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے اشتیاق سے چھینا ہوا پستول جیب میں ڈال اور ٹارچ نکال کر روشن کر لی۔ وہ بہت بڑا ہال تھا جس میں فرش سے چھت تک روئی کی گانٹھیں بھری ہوئی تھیں۔ اشتیاق ان کے درمیان بنے ہوئے راستے پر قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ میں مزید محتاط ہو چکا تھا۔ اس صورت حال میں اس کی کوئی بھی الٹی سیدھی حرکت میرے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتی تھی۔

وہ ہال میری توقع سے کہیں زیادہ بڑا ثابت ہو رہا تھا۔ ہم راہداری نما راستے پر چل رہے تھے لیکن اس کا اختتام ہونے میں نہیں آ رہا تھا مجھے لگا کہ اشتیاق مجھے دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ اس امید میں تھا کہ جلد ہی اس کے کارندے وہاں پہنچ کر مجھے قابو کر لیں گے۔

کچھ دور مزید چلنے کے بعد ہم ایک کمرے کے دروازے پر پہنچے جس پر جلی حروف میں اسٹور روم لکھا ہوا تھا۔ اشتیاق مرزا نے جیب سے چابی نکال کر آہنی قفل میں گھمائی دروازہ کھلتے ہی میں نے اندر کا جائزہ لیا۔ وہاں کسی کی موجودگی کے آثار نظر نہ آئے۔ ہم دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔ اشتیاق مرزا سیدھا ایک بڑی سی آہنی الماری کے پاس جا کھڑا ہوا۔ الماری کے قفل میں چابی گھمانے کے بعد اس نے پٹ کھولنا چاہے لیکن میں نے اسے منع کر دیا۔ "تم پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ اپنے ہاتھ سر سے اوپر اٹھائے رکھنا۔"

میری ہدایت پر بغیر کسی مزاحمت کے عمل ہوا۔ میں نے الماری کے دروازے کا ہینڈل گھما کر دونوں پٹ کھول دیئے۔ وہ الماری اندر سے بالکل خالی نظر آ رہی تھی۔ میں نے

سوالیہ نظروں سے اشتیاق مرزا کو دیکھا۔ وہ آگے بڑھا اور پھر الماری کی عقبی دیوار کو دونوں ہاتھوں سے اوپر کی جانب دھکیلنے کے لیے زور لگانے کی کوشش کی لیکن دائیں ہاتھ کی کہنی مضروب ہونے کے باعث وہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہا۔ اس نے بے بسی کے عالم میں میری جانب دیکھا۔ "تم پیچھے ہٹ جاؤ۔ باقی کام میں خود کر لوں گا۔" میری بات سن کر اشتیاق مرزا نے سعادت مند بچے کی مانند گردن ہلا دی لیکن اسے یہ سعادت مندی مہنگی پڑی۔ میرے پستول کا دستہ زور دار طریقے سے اس کی کھوپڑی سے ٹکرایا' اس کے قدم بری طرح لڑکھڑائے اور وہ تیورا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی بتی کئی گھنٹوں کے لئے گل ہو چکی تھی۔ میں نے اس کی چابیوں کا گچھا اپنے قبضے میں کیا اور اسٹور روم کا دروازہ اندر سے لاک کر دیا۔ اس کے بعد میں ایک بار پھر الماری کی طرف متوجہ ہوا۔ میں نے اشتیاق کے انداز سے اپنے دونوں ہاتھ الماری کی عقبی دیوار پر جمائے اور اسے اوپر کی جانب دھکیلنے کی کوشش کی۔ مجھے زیادہ قوت صرف نہیں کرنا پڑی۔ الماری کی عقبی دیوار میں جنبش ہوئی اور وہ ہلکی سی سرسراہٹ کے ساتھ کسی شٹر کے مانند اوپر اٹھتی چلی گئی۔ میں نے ڈانگری کی جیب سے پستول اور ٹارچ برآمد کیے۔ ٹارچ کی روشنی کو میں نے ہتھیلی سے ڈھانپ رکھا تھا لیکن منعکس ہونے والی دھیمی روشنی میں بھی مجھے نیچے اترتا ہوا زینہ نظر آ گیا۔ میں نے سانس روک رکھی تھی اور میرے کان اندر سے آنے والی کوئی آواز سننے کی کوشش کر رہے تھے۔ اندر مکمل سناٹا تھا۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد میں نے خدا کا نام لیا اور زینے کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ دیا۔

بیس بائیس سیڑھیاں اترنے کے بعد میں زینے کے آخری سرے پر پہنچ گیا۔ میں نے وہاں رک کر ایک بار پھر سن گن لینے کی کوشش کی لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے وہاں کوئی ذی روح موجود نہیں ہے' میں نے آخری سیڑھی سے فرش پر قدم رکھ دیا۔ وہاں اندھیرا اتنا گہرا تھا کہ ٹارچ کی روشنی کے بغیر ایک قدم آگے بڑھنا بھی ممکن نہ تھا۔ میں نے ٹارچ کے روشن دہانے پر سے ہتھیلی ہٹا کر انگلیاں رکھ دیں۔ میں نے انگلیوں سے چھن کر نکلنے والی محدود روشنی میں آس پاس کا جائزہ لیا۔ وہ جگہ کوئی بڑی سی سائنسی لیبارٹری نظر آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے فضا میں بسی ہوئی ملی جلی بو بھی محسوس ہوئی۔ وہاں اس وقت کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں محتاط قدموں سے آگے بڑھا۔ میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کپاس کے گودام کے تہہ خانے میں اتنی وسیع اور جدید لیبارٹری کی موجودگی کا کیا مقصد ہو سکتا ہے ایک جرائم پیشہ گروہ کو سائنسی لیبارٹری سے کیا سروکار ہو سکتا ہے' پھر رفتہ رفتہ ساری بات میری سمجھ میں آ گئی۔ یہ لیبارٹری دراصل ہیروئن کی تیاری کے لئے استعمال کی جاتی ہو گی۔ ممکن ہے اس کا کوئی اور مصرف بھی رہا ہو لیکن میری سمجھ کے مطابق تو یہ لیبارٹری اسی مقصد کے لئے استعمال ہو سکتی تھی۔ میرے ابتدائی اندازے کہ

عین مطابق وہ لیبارٹری اس وقت بالکل خالی تھی۔ میں لیبارٹری سے گزر کر ایک دروازے کے پاس پہنچ گیا۔

میں نے دروازے کے ہینڈل کو گھمایا تو دروازہ بے آواز کھلتا چلا گیا۔ میری نظروں کے سامنے ایک طویل راہداری موجود تھی جو آگے جا کر دائیں طرف مڑ گئی تھی۔ میں نے وہاں رک کر سن گن لینے کی کوشش کی۔ میں کوشش کے باوجود کسی قسم کی آواز نہ سن سکا۔ میں دبے پاؤں آگے بڑھا اور راہداری کے موڑ پر پہنچ گیا۔ میں نے موڑ سے جھانک کر دیکھا لیکن مجھے فوراً" ہی پیچھے ہٹ جانا پڑا۔ اگر مجھے ایک لمحے کی بھی دیر ہو جاتی تو طاقتور ٹارچ کی تیز روشنی میرے چہرے پر پڑتی۔ وہ ٹارچ بردار شخص سیدھا اسی طرف بڑھا چلا آرہا تھا جہاں میں چھپا ہوا تھا۔ فیصلہ کرنے کے لئے میرے پاس محض چند لمحے تھے' اسے اسی راہداری میں مار گرانا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا' ذرا سا شور شرابا بھی وہاں موجود تمام افراد کو میری طرف متوجہ کر سکتا تھا' میں نے سوچا کہ واپس لیبارٹری میں جا کر اس کے وہاں پہنچنے کا انتظار کروں لیکن میرے پاس بہت کم مہلت تھی' میرے لیبارٹری کے دروازے پر پہنچنے سے پہلے ہی وہ مجھے دیکھ لیتا۔ میں شش و پنج میں تھا کہ ایک اجنبی آواز نے میری مشکل آسان کر دی۔ "اکمل ذرا جلدی واپس آنا۔ باس سے کہنا جلد از جلد لائٹ آن کرائیں۔ اندھیرے میں دم گھٹنے لگا ہے۔ ان بٹیروں کا بھی اللہ جانے کیا حال ہے۔ کہیں ان میں سے ایک آدھ اوپر نہ کوچ کر جائے۔ پھر وہ خواہ مخواہ ہم پر ہی گرم ہو گا۔ خدا جانے وہ دونوں کہاں جا کر سو گئے ہیں' ابھی تک جنریٹر بھی نہیں چلوایا۔" "عقب سے آنے والی آواز سن کر ٹارچ بردار شخص رک گیا تھا۔ اب وہ جواباً" کچھ کہنے والا تھا۔ میں نے اس مکالمے کی صورت میں ملنے والی مہلت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور پنجوں پر تقریباً" دوڑتا ہوا لیبارٹری کے دروازے پر پہنچ گیا۔ میں نے لیبارٹری میں گھس کر دروازہ بند کیا ہی تھا کہ ٹارچ کی روشنی بند دروازے پر پڑی۔ بھاری قدموں کی آواز لحہ بہ لحہ قریب آتی چلی گئی وہ شخص ایک مقبول فلمی گیت گنگنا رہا تھا۔ دروازے کا ہینڈل گھوما اس کے ساتھ ہی لیبارٹری ٹارچ کی روشنی سے جگمگا اٹھی آنے والا گنگناتا ہوا آگے بڑھا' لیبارٹری کا دروازہ خود بخود اس کے عقب میں بند ہوتا چلا گیا۔ عین اس وقت میں حرکت میں آگیا۔ پستول کے دستے کا نپا تلا وار اس شخص کی کنپٹی پر پڑا' بھاری بھرکم ٹارچ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پختہ فرش پر گر پڑی لیکن میں نے اسے منہ کے بل ڈھیر ہونے سے بچا لیا۔ اس کی جامہ تلاشی کے دوران ایک ریوالور میرے ہاتھ لگا۔ میں نے اسے گھسیٹ کر ایک بڑی سی میز کے نیچے لٹا دیا۔

چند لمحوں بعد میں ایک بار پھر راہداری کے کونے پر پہنچ چکا تھا۔ وہ راہداری لابی نما کھلی جگہ پر ختم ہوئی تھی جہاں غالباً" گیس لیمپ کی دودھیا روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میری

نظروں کے سامنے ایک دروازہ تھا جو اس وقت بند تھا۔ ٹارچ بردار شخص کو پیچھے سے پکارنے والا آس پاس ہی کہیں موجود رہا ہو گا۔ میں کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد میں اپنا پستول سنبھالے آگے بڑھا تو راہداری کے سرے پر پہنچنے سے پہلے ہی مجھے ایک بار اسی شخص کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ "یار پتا نہیں باس کو کیا ہو گیا ہے' سارا دھندا ٹھپ کر رہا ہے۔ مال کی سپلائی ایک چوتھائی رہ گئی ہے مال باہر بھیجنے کا دھندا بھی ٹھنڈا پڑا ہوا ہے۔"

"باس پاگل نہیں ہے یار شاہنواز۔ وہ حالات دیکھ کر قدم اٹھاتا ہے۔ اس نے جان بوجھ کر پورے شہر کا انتظام اشتیاق مرزا کے ہاتھ میں دیا ہے۔ اشتیاق مرزا کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ان دنوں ہمارا مخالف گروپ ہمارے خلاف زبردست سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ وہ لوگ ہمیں پوری طرح ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں تاکہ کراچی کی مارکیٹ اور ایکسپورٹ پر مکمل قبضہ کر سکیں۔ ہمارے ہتھے چڑھنے والے یہ لوگ اسی گروپ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب ہم ان کی زبان کھلوا کر ان کے گروپ کے خلاف کارروائی کریں گے۔

"لیکن یار ہمارا اورنگی ٹاؤن کا انچارج اکرام بھی تو غائب ہے' وہ بھی شاید ان ہی لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔ خدا جانے ان لوگوں نے اس کا کیا حشر کیا ہو گا۔"

"ظاہر ہے بہت برا حشر کیا ہو گا ورنہ وہ اتنی آسانی سے زبان کھولنے والا تو نہیں ہے' خیر اس کے حال چال کے بارے میں بھی ان پر کٹے پنچھیوں سے پتا چل جائے گا۔ یہ لوگ یقیناً" اکرام کے بتائے ہوئے پتے کے ذریعے سائٹ والی فیکٹری تک پہنچے ہوں گے۔

میں نے محتاط انداز میں راہداری کے سرے سے جھانک کر دیکھا۔ وہ دونوں مجھ سے محض چند گز کے فاصلے پر ایک کمرے میں موجود تھے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ان دونوں کی باتوں سے میں اندازہ لگا چکا تھا کہ فی الوقت ان دونوں کے علاوہ وہاں کوئی نہیں ہے۔ میں نے پستول پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اور نپے تلے قدموں سے آگے بڑھا اور پھر ایک جھپاکے سے کمرے میں گھستا چلا گیا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ بچھی ہوئی دو چارپائیوں پر نیم دراز تھے۔ مجھے اچانک اپنے سر پر سوار پا کر وہ بری طرح چونک اٹھے اور میرے ہاتھ میں موجود پستول نے چند لمحوں میں انہیں ساری صورت حال سمجھا دی۔

"اپنے ہاتھ ہتھیاروں سے دور رکھو ورنہ کھوپڑی اڑا دوں گا۔ میں نے سرسراتی آواز میں کہا۔ "دونوں پستول وہیں رکھے رہنے دو اور تم دونوں دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ جلدی کرو۔"

شاہنواز اور خلیل کے چہرے پر پژمردگی کے آثار نمایاں تھے۔ انہیں شاید یقین نہیں آرہا تھا کہ کوئی ان کے اتنے محفوظ ٹھکانے میں داخل ہو کر انہیں اس طرح بے بس کر سکتا ہے تاہم انہوں نے میرے حکم پر بے چوں و چرا عمل کیا۔ "اب شرافت سے یہ بھی بتا دو

کہ میرے ساتھی کہاں ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ یہیں کہیں موجود ہیں اور میں معمولی کوشش سے انہیں تلاش کر لوں گا لیکن اگر تم نے مجھ سے تعاون کیا تو میں تم سے نرمی کا سلوک کر سکتا ہوں۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر خلیل نے مردہ لہجے میں کہا۔ وہ ساتھ والے دو کمروں میں بند ہیں لیکن تم .... کیا تم وہی ہو جسے پکڑنے کے لئے ہماری زندگی عذاب بنی ہوئی ہے؟"

"ہاں میں وہی ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ ان کمروں کی چابیاں کس کے پاس ہیں؟"

"میرے پاس ...." خلیل نے کہا۔ میں اس سے چابیاں طلب کرنے ہی والا تھا کہ شاہنواز ایک جھٹکے سے پلٹا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پستول چمک رہا تھا۔ قبل اس کے کہ میں کچھ کر پاتا' اس نے گولی چلا دی۔ کمرے میں گولی چلنے کا دھماکا گونجا۔ اتنے کم فاصلے سے نشانہ خطا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میرے جسم کو ہلکا سا جھٹکا لگا میں درد کی شدید لہر کا منتظر تھا لیکن حیرت انگیز طور پر مجھے معمولی سی تکلیف کا احساس بھی نہ ہوا۔ میں فوری طور پر سمجھ نہیں پایا کہ یہ معاملہ کیا ہے لیکن اس دوران میں اضطراری طور پر میری انگلی پستول کے ٹریگر پر دب گئی۔ کمرے میں ایک اور زبردست دھماکا گونجا اور میرے پستول سے نکلنے والی گولی شاہنواز کی گردن سے آر پار ہو گئی۔ اس کی آنکھیں کرب اور حیرت کی شدت سے پھیلتی چلی گئیں اور وہ تیوار کر چارپائی پر گر پڑا۔ اس کے ہاتھ پاؤں جان کنی کے عالم میں بری طرح اینٹھ رہے تھے چند لمحوں تک اسی حالت میں رہنے کے بعد اس کے جسم نے ہلکا سا جھٹکا لیا اور ساکت ہو گیا۔ یہ سب اتنا آنا فانا ہوا کہ خود مجھے بھی سنبھلنے میں کئی لمحے لگے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ میں محض اپنی خوش قسمتی کے باعث ابھی تک زندہ سلامت اپنے پیروں پر کھڑا ہوں۔ شاہنواز کا نشانہ غلط نہیں تھا۔ اس کے پستول سی نکلنے والی گولی سیدھی میرے جسم کی طرف بڑھی تھی لیکن میری ڈانگری کی اوپری جیب میں ٹھنسے دو پستولوں نے اس کا راستہ روک لیا تھا۔ اس طرح یہ موت تقسیم کرنے والے ہتھیار میری زندگی کے محافظ ثابت ہوئے تھے۔ میں شاہنواز کو مارنا نہیں چاہتا تھا لیکن اس نے اپنے لئے خود موت کا سامان کر لیا تھا۔

میں نے خلیل کو اپنے حواس میں واپس آنے کا پورا موقع یا۔ بالآخر اس کے چہرے پر بے یقینی کے بجائے رنج اور تاسف کے تاثرات نمودار ہوئے "یہ خود کو شاید ضرورت سے زیادہ ہی چالاک سمجھتا تھا۔ اگر یہ پہل نہ کرتا تو میں ہرگز گولی نہ چلاتا۔ بہرحال جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب تم مجھے میرے ساتھیوں کے پاس لے چلو۔ میں امید کرتا ہوں تم اپنے ساتھی جیسی حماقت نہیں کرو گے۔"

خلیل نے مغموم انداز میں گردن ہلائی اور اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر چابیوں کا گچھا نکال لیا۔ میں نے اسے کمرے سے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ میرے مطلوبہ کمرے بائیں طرف

راہداری میں واقع تھے۔ خلیل نے ایک کمرے کے قفل میں چابی گھمائی اور پھر دروازہ ول کر پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ میں نے بے قراری کے عالم میں کمرے کے اندر نگاہ دوڑائی لیکن پ اندھیرے میں مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے ڈانگری کی جیب سے ٹارچ نکال کر کمرے ے اندر روشنی ڈالی۔ شعیب اور عمیر میرے عین سامنے بغیر میٹرس والی آہنی چارپائیوں پر ھڑیوں سے جکڑے نظر آ رہے تھے۔ وہ دونوں بے ہوش تھے تاہم بظاہر زخمی نظر نہیں رہے تھے۔ میں نے خلیل کو ان کی ہتھکڑیاں کھولنے کا اشارہ کیا۔ اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ ے میری ہدایت پر عمل کیا۔ میں نے ان دونوں کو فی الحال ان کے حال پر چھوڑا اور خلیل ی رہنمائی میں دوسرے کمرے کی طرف چل پڑا۔ خلیل نے کمرے کے قفل میں چابی گھمائی میرا دل زور سے دھڑک اٹھا۔ اس کمرے میں میرے کون کون سے دوست میرے منتظر یں۔ میری ٹارچ کی روشنی سامنے پڑی ہوئی چارپائی پر پڑی۔ وہ ریاض تھا۔ دوسری چارپائی موجود شخص پہلی نظر میں مجھے اجنبی لگا لیکن پھر میری آنکھیں اس شخص کے چہرے میں ہویت تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ اس کے ساتھ ہی میرا دل خوشی اور رنج کے لے جلے تاثرات کے بوجھ سے ڈوبنے لگا۔ وہ کاشف تھا لیکن اس کی حالت اس قدر خستہ ی کہ جیسے ٹی بی کا پرانا مریض اپنی آخری سانسیں گن رہا ہو۔ ان ظالموں نے اس کی رگوں سے شاید زندگی کی آخری رمق بھی نچوڑ لی تھی۔

"کھولو اسے۔" میں پوری قوت سے چیخ اٹھا۔ یک لخت بستر پر پڑے ہوئے کاشف ے تن مردہ میں جیسے جان پڑ گئی۔ اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھنے کی کوشش کی ٹارچ ی راہ راست روشنی میں اس کی آنکھیں چندھیا گئیں لیکن وہ مجھے پہچان چکا تھا۔ "دانش .... میرے بھائی .... تم آ گئے۔" اس کی آواز اس قدر کمزور تھی کہ مجھے بمشکل اس کے الفاظ سمجھ میں آ سکے۔ میرے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور میں سب کچھ بھول کر بے ساختہ اس سے لپٹ گیا۔ میری آنکھوں سے دھاروں دھار آنسو بہہ رہے تھے۔ کاشف کی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ خلیل حیرت سے ہم دونوں کو دیکھ رہا تھا۔



کاشف کو یوں اچانک اپنی نظروں کے سامنے پا کر میں اس قدر جذباتی ہو گیا تھا کہ صورت حال کی سنگینی میرے ذہن سے مٹ کر رہ گئی تھی۔ ایسے میں اشتیاق کے گروہ کا کارندہ خلیل کوئی کارروائی کر گزرتا تو مجھے لینے کے دینے پڑ سکتے تھے لیکن حیرت انگیز طور پر وہ مکمل فرمانبرداری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ جذبات کا ریلا قدرے دھیما پڑا تو میں نے خلیل کو ریاض کی ہتھکڑیاں کھولنے کا حکم دیا۔ کاشف کی حالت کے پیش نظر اسے پابند سلاسل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ہو گی۔ میں نے کاشف کو سہارا دے کر بٹھا دیا۔ "تم یہاں تک کیسے پہنچ گئے؟ یہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔"

"ابھی یہاں سے نکلنے کی فکر کریں میں آپ کو سب کچھ بتادوں گا لیکن مجھے یہاں عمر اور اشرف نظر نہیں آرہے۔ ان لوگوں نے انہیں کہاں قید کر رکھا ہے؟" میں نے کاشف اور خلیل سے بیک وقت سوال کیا۔ میری بات سن کر کاشف بری طرح چونک اٹھا جب کہ خلیل کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے جیسے میری بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"کیا عمر اور اشرف بھی ...." کاشف اپنی آواز کی لرزش پر قابو نہ رکھ سکا۔

"جی ہاں .... وہ دونوں بھی ان لوگوں کے قبضے میں ہیں۔ ان دونوں کو تم لوگوں نے کہاں قید کیا ہے؟" آخری جملہ میں نے خلیل کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

"یہاں .... یہاں تو اور کوئی نہیں۔" خلیل نے زور زور سے گردن ہلا کر کہا۔ میں نے اسے گھور کر دیکھا۔ "یقین کریں میں سچ بول رہا ہوں۔ جہاں تک مجھے علم ہے یہاں ان لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔"

"تو پھر انہیں کہیں اور رکھا گیا ہو گا۔ بہرحال ہیں وہ تم ہی لوگوں کے قبضے میں۔"

میری بات سن کر خلیل نے شانے اچکائے۔ "اگر ایسا ہے تو بھی میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم اسے ہوش میں لاؤ۔" میں نے ریاض کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ خلیل نے میز پر موجود پانی کے جگ میں ہاتھ بھگو کر ریاض کے چہرے پر چھینٹے دیئے۔ اس کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی اور وہ کچھ دیر میں پوری طرح ہوش میں آگیا۔ میں مختصر الفاظ میں اسے تمام صورت حال سے آگاہ کیا اور اپنی ڈانگری کی جیبوں میں محفوظ

پستولوں میں سے ایک اسے تھما دیا۔ "ساتھ والے کمرے میں عمیر اور شعیب بے ہوش پڑے ہیں۔ انہیں ہوش میں لاؤ۔ ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکلنا ہے۔ ہم کسی وقت بھی مشکل میں پھنس سکتے ہیں۔"

ریاض، کاشف سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن موقع کی نزاکت محسوس کر کے وہ فوراً دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ تب میں خلیل کی طرف متوجہ ہوا۔ "دیکھو میرے پاس گنتی کے چند لمحے ہیں لہٰذا جو میں پوچھوں اس کا فوری اور سچا جواب دو ورنہ میں تمہاری کھوپڑی کی سلامتی کی ضمانت نہیں دے سکوں گا۔ تمہارے درجن بھر ساتھی میرے ہاتھوں جہنم رسید ہو چکے ہیں اور اس تعداد میں اضافہ میرے لئے کسی الجھن کا باعث نہیں بنے گا۔ میں تم لوگوں کے تمام دھندوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہ جگہ منشیات اور اسلحے کی اسمگلنگ کا بہت بڑا اڈا ہے، تم لوگ اپنا مال کہاں ذخیرہ کرتے ہو یہ بتاؤ اور ان گاڑیوں تک بھی ہماری رہنمائی کرو جن میں اشتیاق اور اس کے کارندے میرے ساتھیوں کو اغواء کر کے لائے تھے۔" میرا لہجہ فیصلہ کن اور ٹھوس تھا، خلیل نے بے چینی اور تشکر آمیز نظروں سے مجھے دیکھا۔ "اگر تم نے زبان نہیں کھولی تو میں تمہارے ہاتھ پاؤں باندھ کر روئی کی گانٹھوں کے درمیان پھینک دوں گا اور پھر پورے گودام کو نذر آتش کر دوں گا، اس کے بعد کسی کو تمہاری ہڈیوں کی راکھ بھی نہیں مل سکے گی۔ اگر تم مجھ سے تعاون کرو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

میری بات ختم ہونے تک خلیل کسی فیصلے پر پہنچ چکا تھا۔ "آپ اپنا وعدہ پورا کریں یا نہ کریں لیکن میں جھوٹ بولنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اس جگہ موجود منشیات کا تمام ذخیرہ اسمگلنگ کے لئے روئی کی گانٹھوں میں پیک کیا جا چکا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں ان گانٹھوں تک آپ کی راہنمائی کروں تو یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے کیونکہ میں خود بھی اسی حد تک واقف ہوں البتہ اشتیاق یہ کام کر سکتا ہے۔"

"اور اسلحہ ...." میں نے پوچھا۔ "اشتیاق کا ایک قریبی ساتھی اکرام کافی دنوں سے پراسرار طور پر غائب ہے وہ اسلحے کی اسمگلنگ میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔ اس کے غائب ہونے کے بعد سے اسلحے کی سپلائی بند ہے لہٰذا یہاں اسلحے کا ذخیرہ نہ ہونے کے برابر ہے۔"

میں نے اس کی سچائی جانچنے کے لئے چند سوالات کئے۔ اس دوران میں عمیر، شعیب اور ریاض بھی آگئے۔ وہ نہ جانے کہاں سے دو عدد کلاشنکوفیں بھی اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ وہ تینوں کاشف سے لپٹ گئے۔ میں نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ میں کم سے کم وقت میں خلیل سے زیادہ سے زیادہ معلومات اگلوا لینا چاہتا تھا۔ اس نے بتایا کہ اشتیاق کی پجیرو اور وہ دیگر گاڑیاں اس شیڈ کے عقب میں موجود تھیں۔ اگر لائٹ بند نہ ہوتی تو اسی تہہ خانے سے محض چند لمحوں میں ان تک پہنچا جا سکتا تھا لیکن اب ہمیں

پورے شیڈ کے اندر سے چکر کاٹ کر وہاں تک پہنچنا پڑے گا۔ "ٹھیک ہے۔تم ہمیں ان
گاڑیوں تک پہنچاؤ گے۔ کاشف بھائی آپ عمیر کے ساتھ آرام سے ہمارے پیچھے پیچھے آتے
رہیں۔ میں ریاض بھائی اور شعیب کے ساتھ آگے رہ کر راستہ صاف کرتا ہوں۔

ہم سب لوگ لیبارٹری سے گزر کر سیڑھیاں چڑھ کر الماری میں پوشیدہ دروازے کا
شٹر اٹھا کر اسٹور روم میں پہنچ گئے۔ سامنے ہی اشتیاق مرزا اوندھے منہ بے ہوش پڑا تھا۔
"اسے اٹھا کر اپنے ساتھ لے چلیں۔" میں نے ریاض اور شعیب کو ہدایت کی۔ اس کی کیا
ضرورت ہے" کاشف نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔ یہ ہمارے بہت کام آسکتا ہے۔" میں نے
مختصراً کہا۔ کاشف نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

شیڈ کے عقب میں پہنچنے کے لیے ہمیں خاصا چلنا پڑا۔ پجیرو کی چابیاں ہمیں اشتیاق
مرزا کے پاس سے مل گئی تھیں۔ میں نے ان لوگوں کو پجیرو میں بیٹھنے کی ہدایت کی اور خو
پجیرو کے عقبی دروازے پر چسپاں ڈیزل سے لبالب بھرا جیری کین اپنے ساتھ لے کر ایک
بار پھر شیڈ میں جا گھسا۔ مختصر ترین وقت میں روئی کی نصف درجن سے زائد گانٹھیں
کھولنے اور ڈیزل میں بھیگی ہوئی روئی کو وسیع حصے میں بکھیرتے ہوئے مجھے دانتوں پسینہ آ
لیکن جب ماچس کی محض ایک تیلی سے یکے بعد دیگرے متعدد الاؤ روشن ہوئے تو میر
ساری محنت وصول ہوگئی۔ آگ اتنی سرعت سے پھیل رہی تھی کہ میں چند لمحے مزید وہا
رکتا تو مجھے شیڈ سے باہر نکلنے کا موقع نہ مل پاتا۔ "چلیں اب جلدی سے یہاں سے نکل
چلیں۔" میں نے پجیرو کے درمیانی حصے کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس کے
ساتھ ہی ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ پجیرو آگے بڑھ گئی۔

ڈرائیونگ سیٹ پر ریاض تھا‘ اس کے ساتھ والی سیٹ پر ہتھکڑیوں میں جکڑے خلیل
کو بٹھایا گیا تھا تاکہ اسے دیکھ کر سیکورٹی گارڈ گاڑی روکنے کی کوشش نہ کریں‘ تاہم ہم لوگ
مزاحمت کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے پوری طرح تیار تھے پجیرو شیڈ کے بغلی راستے
گزر کر کھلے میدان کے سرے پر پہنچی‘ روئی کی گانٹھوں میں لگی آگ تقریباً" پوری طرح
بجھائی جا چکی تھی تاہم فائر بریگیڈ کی دو گاڑیاں ابھی تک وہاں موجود تھیں۔ سب سے اہم
بات یہ تھی کہ گیٹ چوپٹ کھلا ہوا تھا جب کہ آس پاس سیکورٹی گارڈز بھی زیادہ تعداد
نظر نہیں آرہے تھے۔ "درمیانی رفتار سے آگے بڑھیں لیکن اگر وہ گاڑی روکنے کی کوشش
کریں تو پوری رفتار سے نکلتے چلے جائیں۔ شعیب اور عمیر اپنی سائیڈ سنبھالیں۔ میں پیچھے
رہا ہوں۔ اگر فائرنگ شروع ہو جائے تو آسرا نہیں کرنا"

پجیرو بغیر مزاحمت کے گیٹ کے خاصے قریب پہنچ گئی تھی اچانک ان تینوں مسلح گارڈز
میں سے ایک نے اپنی طاقتور ٹارچ روشن کر کے پجیرو میں موجود افراد کا جائزہ لینا
اس کی یہ کارروائی اس قدر غیر متوقع اور بے ساختہ تھی کہ مجھے خود کو پوشیدہ رکھنے

مہلت ہی نہ مل سکی۔ اس گارڈ نے نہ صرف میرے ہاتھوں میں موجود کلاشن کوف دیکھ لی
بلکہ شاید میرے جسم پر موجود ڈانگری بھی اس کی عقابی نظروں سے چھپی نہیں رہ سکی۔ میں
نے اسے بری طرح چونکتے دیکھا‘ اگلے ہی لمحے اس نے پجیرو میں سوار دیگر افراد پر روشنی کا
دائرہ مرکوز کر کے انہیں شناخت کرنے کی کوشش کی۔ میرے ساتھیوں کے نامانوس چہرے
دیکھ کر اس کا شک یقین کی حد تک جا پہنچا۔ اس نے چیخ کر اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا اور
پھر اپنی ریپیٹر کو سنبھال کر پجیرو کو اپنی زد میں لینا چاہا۔ صورت حال اتنی سنگین ہوگئی تھی
کہ اگر میں فوری طور پر کوئی عملی قدم نہ اٹھاتا تو ہم سب اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو سکتے
تھے۔

ٹریگر پر میری انگلی کا دباؤ بڑھتے ہی کلاشنکوف گرج اٹھی۔ گولیوں کی بوچھاڑ ریپیٹر
بردار گارڈ کی ٹانگوں سے ٹکرائی اس کے حلق سے ہولناک چیخ برآمد ہوئی۔ کرب کے طوفان
نے ریپیٹر کے ٹریگر پر اس کی انگلی کی گرفت سخت کر دی فضا میں ایک اور زوردار دھماکا
گونجا لیکن ریپیٹر کا رخ زمین کی جانب ہو جانے کے باعث ہمیں کوئی گزند نہ پہنچی۔
"گاڑی بھگاؤ۔" میں نے چیخ کر کہا۔ اس کے ساتھ ہی ریاض نے ایکسلیٹر پر پاؤں کا سارا
بوجھ ڈال دیا۔ پجیرو کا طاقتور انجن غرایا اور گاڑی کی رفتار میں ایک جھٹکے سے اضافہ ہوگیا۔

زخمی سیکورٹی گارڈ کے دونوں ساتھی شاید صورت حال کو ابھی تک پوری طرح سمجھ
نہیں پائے تھے تذبذب کی جس کیفیت میں وہ مبتلا تھے اس سے فائدہ نہ اٹھانا حماقت ہوتی۔
میں نے اگلے ہی لمحے ایک اور گارڈ پر فائر کھول دیا‘ البتہ اس بار بھی میں نے اپنے ہدف کی
ٹانگوں کو نشانہ بنایا تھا۔ وہ شخص بری طرح لڑکھڑایا اور پھر بری طرح چیختا ہوا زمین پر ڈھیر ہو
گیا۔ اس اثنا میں ہماری گاڑی گیٹ پر پہنچ چکی تھی میں نے تیسرے گارڈ کو بھی نشانہ بنانا
چاہا لیکن اس دوران میں اسے صورتحال کا ادراک ہو چکا تھا‘ قبل اس کے کہ میں اس پر
گولی چلاتا‘ اس نے ہماری پجیرو پر اپنی کلاشنکوف سے برسٹ فائر کر دیا۔ اس کا نشانہ بہت
ہی اچھا ثابت ہوا کم از کم تین چار گولیاں پجیرو کی باڈی سے ٹکرائیں۔ یہ شاید میری خوش
قسمتی ہی تھی کہ ان میں سے کوئی بھی دھاتی چادر چیر کر میرے جسم میں پیوست نہ ہو سکی۔
مزید فائرنگ کے خدشے نے مجھے پجیرو کے فرش سے چپکنے پر مجبور کر دیا حالانکہ اس کا کوئی
خاص فائدہ نہیں تھا کیونکہ گولیاں باڈی میں سوراخ کر کے بھی مجھ تک پہنچ سکتی تھیں۔
میرے اندازے کے عین مطابق ہم پر ایک بار پھر برسٹ مارا گیا لیکن تب تک پجیرو گیٹ
سے باہر نکل کر دائیں طرف مڑ چکی تھی لہٰذا وہ گولیاں تاریکی کے سمندر میں غرق ہوگئیں۔

"آپ..... آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟"

شعیب نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا‘ فوراً ہی کاشف بھی بول اٹھا۔ "دانش .... تمہیں
کوئی..."

"میں بالکل ٹھیک ہوں کاشف .... تم فکر مت کرو..... ان میں سے کسی گولی پر میرا نام درج نہیں تھا۔"

"اوہ ..... خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے ہم سب تو پریشان ہو گئے تھے۔ میرا خیال ہے کم از کم پیچھے گولیاں جیپ کی باڈی سے ٹکرائی ہیں۔"

"ہاں لیکن ان میں سے کوئی بھی اندر گھس کر ہم تک نہیں پہنچ سکی۔"

"یہ گاڑی بلٹ پروف ہے۔" گاڑی میں خلیل کی بھاری آواز گونجی۔ اپنے ساتھیوں کو اس طرح گولیوں کا نشانہ بنتے دیکھنا اس کے لئے خاصا اذیت ناک تجربہ رہا ہو گا تاہم اس نے اپنے جذبات کی جھلک اپنے لہجے میں نمایاں نہیں ہونے دی تھی۔ "اشتیاق مرزا کو مرنے سے بہت ڈر لگتا ہے۔ یہ کسی ایسی گاڑی میں سفر کرنے کی جرات نہیں کرتا جو بلٹ پروف نہ ہو۔"

"ہاں دوسروں کی زندگیوں سے کھیلنے والوں کو عام طور پر اپنی زندگی سے کچھ زیادہ ہی پیار ہوتا ہے انہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ جب موت کا وقت آجائے تو پھر کوئی رکاوٹ اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔"

"یہ شخص اشتیاق' انسان نہیں شیطان ہے۔ اسے تشدد کر کے لذت ملتی ہے۔ مجھے اس نے طرح طرح کے وحشیانہ ہتھکنڈوں سے اذیت کا نشانہ بنایا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میرے پاس اس کی مطلوبہ معلومات ہوتیں تو میں ان عذاب ناک' جلادانہ ترکیبوں سے ہار مان کر بھی کبھی کا اس کے حوالے کر دیتا۔ اگر تم بروقت رحمت کا فرشتہ بن کر نہ آجاتے تو یہ شخص عمیر' ریاض اور شعیب کو بھی یقیناً" تختہ مشق بناتا۔" کاشف نے کشیدہ لہجے میں بتایا۔

"میں خود بھی اس کی مہمان نوازی کا مزہ چکھ چکا ہوں۔" میں نے پیجرو کے عقب میں ویران سڑک کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "یہ شخص یقیناً" نفسیاتی مریض ہے۔ خیر اب اسے اپنی ایک ایک حرکت کا حساب دینا پڑے گا۔ مجھے اس سے بہت کچھ پوچھنا ہے۔ سب سے پہلے تو عمر اشرف کے بارے میں اس کی زبان کھلوانی ہے۔" میں اس دوران میں عمیر کا شانہ چھوکر اسے اپنی طرف متوجہ کر چکا تھا۔ وہ خلیل کے عقب والی سیٹ پر براجمان تھا فوراً" ہی میرا اشارہ سمجھ گیا۔ وہ اپنی جگہ سے ذرا سا اٹھا' اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں موجود پستول کا دستہ کی کھوپڑی کی پچھلے حصے سے ٹکرایا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی اور اس کا سر ڈیش بورڈ سے جا ٹکرایا وہ بے ہوش ہو چکا تھا شعیب اور عمیر نے اسے کھینچ لیا اور کاشف اس کی جگہ جا بیٹھا۔

اشتیاق اور خلیل کئی گھنٹوں کے لئے اتنا غفیل ہو چکے تھے۔ تاہم عمیر اور شعیب ان کی کڑی نگرانی کر رہے تھے۔ اشتیاق پیجرو کے فرش پر منہ کے بل پڑا ہوا تھا جبکہ خلیل

کی ٹانگیں اس کی کمر پر اور پشت دیوار سے ٹکی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کی طرف سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں کو گودام میں گھسنے کی کارروائی سے لے کر شیڈ میں ذخیرہ شدہ منشیات کی کھیپ والی کپاس کی گانٹھوں کو نذر آتش کرنے تک کی پوری تفصیل سے آگاہ کر دیا۔ میری بات سن کر وہ سب خوشی سے کھل اٹھے" یہ تو تم نے کمال کر دیا میرے بھائی۔" کاشف نے میرے شانے پر تھپکی دے کر کہا۔ "تمہاری بس یہ بات بری ہے کہ تم اپنے دوستوں سے راز داری برتنے کی کوشش کرتے ہو جس کا نتیجہ باہمی بدگمانی کی شکل میں نکلتا ہے۔ اگر تم ہمیں اعتماد میں لے کر آگے بڑھو تو ہمیں خوشی بھی ہو گی اور وقت ضرورت ہم تمہاری مدد کو بھی پہنچ سکیں گے۔ خیر تم ہمیں اس قابل نہیں سمجھتے تو ہم تمہیں مجبور تو نہیں کر سکتے ناں!" کاشف کے لہجے میں ملال اور شکوے کی ملی جلی کیفیت محسوس کر کے میں ندامت اور خفت سے سر جھکانے پر مجبور ہو گیا۔ اس کا یہ گلہ بے جا تو نہیں تھا۔

"مجھے افسوس ہے دوستو لیکن اب تک میں محض اس لئے آپ کو اس پوری صورت حال سے علیحدہ رکھنا چاہا رہا تھا کہ میں آپ سب کو کسی بھی قسم کی مشکل سے دور رکھنے کا خواہش مند تھا لیکن آپ سب اس معاملے میں اس حد تک ملوث ہو چکے ہیں کہ اب کوئی بھی بات راز رکھنے کا جواز نہیں ہے۔ آپ لوگ کچھ باتوں سے واقف ہو چکے ہیں باقی سب میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔"

پیجرو کے ریاض کے پولٹری فارم میں داخل ہونے تک میں اپنے فلم میں ہیرو بننے' زوبی سے ملاقات اور پھر ڈائری کا چکر شروع ہونے کے بعد سے لے کر تازہ ترین معرکے تک سب کچھ سچ سچ بتا چکا تھا۔ "اگر تم شروع میں ہمیں یا کم از کم مجھے اعتماد میں لے لیتے تو شاید ہم سب کو اتنی صعوبتیں برداشت نہ کرنا پڑتیں۔ ایک اور ایک گیارہ ہوتے ہیں' ہمارے پاس تو ویسے بھی پر خلوص اور قابل اعتماد ساتھیوں کی پوری فوج موجود ہے۔ خیر جو کچھ بیت چکا ہے اسے بھلا دینا ہی بہتر ہے۔ اب ہمیں مل جل کر یہ سوچنا ہے کہ آئندہ کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے سب سے پہلے تو ہمیں عمر اور اشرف کو تلاش کرنا ہے' اس منشیات اور اسلحہ فروشوں سے بھی ساتھ ساتھ نبٹنا ہے۔ میرا خیال ہے اگر تمہاری لگائی ہوئی آگ ذخیرہ شدہ تمام گانٹھوں تک پہنچ گئی تو اس زہر فروش گروہ کا ایک اہم ٹھکانا تہس نہس ہو جائے گا۔ اس اسٹیل فیکٹری والے ٹھکانے کا بھی جلد ہی کوئی انتظام کریں گے۔ اگر کسی طرح وہ ڈائری ہاتھ لگ جائے تو ہم جرم کے اس تناور درخت کو جڑ سے ختم کر سکتے ہیں۔" کاشف نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"خدا جانے ایسی کسی ڈائری کا وجود ہے بھی یا نہیں۔ مجھے لگتا ہے ان زوبی صاحبہ نے مجھ سے کوئی دشمنی نکالنے کے لیے یہ چکر چلایا تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ویسے

جس انداز میں وہ غائب ہوئی ہے وہ خود اپنی جگہ حیرت انگیز ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ زندہ بھی ہے یا ان درندوں کی بھینٹ چڑھ گئی ہے۔"

"اس کے بارے میں بھی اس خبیث سے معلوم ہو گا۔" کاشف نے کہا۔ حیرت انگیز طور پر اب اس کی حالت پہلے سے خاصی بہتر نظر آ رہی تھی۔ پولٹری فارم میں پہنچ کر خلیل اور اشتیاق کو ایک گودام نما کمرے میں مضبوط آہنی چارپائیوں پر لٹا کر ان کے ہاتھ پیروں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔ طے یہ پایا کہ ان کی ہوش میں آنے تک ہم باری باری ان کی نگرانی کریں گے اور جیسے ہی وہ ہوش میں آئیں' ان کی زبان کھلوانے کی کارروائی شروع کر دی جائے۔

پہلی ڈیوٹی شعیب کی لگائی گئی۔ اس کے علاوہ ہم سب اس کمرے میں آ گئے جسے خواب گاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ ہم سب ہی بھوک سے نڈھال ہو رہے تھے۔ ریاض اور عمیر نے مل جل کر جیسا بھی بن پڑا' کھانا تیار کر لیا۔ کھانے کے دوران میں کاشف نے تفصیل سے اپنی آپ بیتی سنائی جس کے مطابق اسے میرے فلیٹ سے کچھ فاصلے پر اچانک چھاپ لیا گیا تھا۔ اس کی موٹر سائیکل کو لینڈ کروزر سے ٹکر ماری گئی اور پھر اسے پستول کے دستے کی ضرب لگا کر بے ہوش کر دیا گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک آہنی چارپائی سے جکڑے پایا۔ اس پر شدید تشدد کر کے میرے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی' ڈائری کا پتا پوچھا گیا' اسے کچھ پتا ہوتا تو بتاتا۔ جب اشتیاق کے کارندے کاشف کی زبان کھلوانے میں ناکام رہے تو اشتیاق خود سامنے آ گیا۔ اس نے کاشف پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیئے۔ اس نے تشدد کے جو شیطانی حربے استعمال کئے ان میں موم بتی سے جلانے کا وہ انسانیت سوز حربہ شامل تھا جسے میں خود بھی بھگت چکا تھا۔ رفتہ رفتہ جب کاشف کی حالت بہت ہی خراب ہو گئی تو عارضی طور پر تشدد کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ وہ لوگ اس کے دوبارہ جان پکڑنے کے منتظر تھے تاکہ اسے ایک بار پھر اپنی کارروائیوں کا نشانہ بنا سکیں۔

کاشف کی زبان سے نکلنے والا ایک ایک لفظ میرے خون کی تپش میں اضافہ کر رہا تھا۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ ابھی اور اسی وقت اس بدبخت اشتیاق کا گلا گھونٹ ڈالوں۔ ریاض اور عمیر کی بھی کچھ ایسی ہی حالت تھی۔ کچھ دیر بعد عمیر شعیب کی جگہ لینے چلا گیا۔ خلاف توقع شعیب کو آنے میں کچھ دیر لگ گئی۔ اس کی وجہ بھی مجھے جلد ہی معلوم ہو گئی۔ عمیر نے اسے کاشف پر گزرنے والی ہر بات بتا دی تھی۔ وہ ہمارے پاس پہنچا تو اس کا غصہ اس کے تمتماتے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا۔ ریاض نے اسے کھانا پیش کیا لیکن اس نے ایک لقمہ بھی نہ اٹھایا۔ "آپ اس کے خود بخود ہوش میں آنے کا انتظار کیوں کر رہے ہیں" مجھے اجازت دیں۔ میں ایک منٹ میں اس کے ہوش و حواس بحال کر دوں گا۔

"صبر.... ذرا سا صبر میرے بھائی۔"

کاشف نے اس کا شانہ تھپتھپا کر کہا۔ "تم پہلے کھانا کھاؤ.... فکر نہ کرو! ہم اس سے کسی قسم کی رعایت نہیں کریں گے۔ اس کا انجام بے حد عبرت ناک ہو گا لیکن ہمیں پہلے اس کی زبان کھلوانا ہے تاکہ اس کے ساتھی باقی درندوں کو بھی جہنم رسید کیا جا سکے۔" پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔ تم ذرا ان لوگوں کا حال چال دیکھ آؤ۔ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں عمیر نے اس خبیث کا گلا نہ گھونٹ دیا ہو۔ وہ سخت غیظ و غضب کے عالم میں یہاں سے گیا ہے۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ وہ اتنا بے وقوف ہرگز نہیں ہے۔ بہرحال میں وہاں کا چکر لگا لیتا ہوں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ میں عمیر کے پاس پہنچا تو حسب توقع اسے نہایت صبر و تحمل سے اشتیاق کی نگرانی کرتے پایا۔ اشتیاق کی حالت جوں کی توں تھی۔ اس کے فوری طور پر ہوش میں آنے کا امکان خاصا کم نظر آ رہا تھا۔ اس پر کچھ زیادہ ہی بھاری ہاتھ پڑ گیا تھا۔ خلیل بھی کم از کم دو تین گھنٹے کے لئے تمام فکروں سے آزاد تھا۔ میں کچھ دیر عمیر سے گپ شپ کرتا رہا' پھر میں نے اسے جا کر آرام کرنے کو کہا لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ "میں اس وقت تک اس کے پاس سے نہیں ہٹوں گا جب تک اس سے ہمارا حساب کتاب برابر نہ ہو جائے۔ آپ کاشف بھائی کے پاس جائیں۔ یہ جیسے ہی آنکھیں کھولے گا' میں آپ لوگوں کو بلوا لوں گا۔ آپ شعیب کو ٹھنڈا کریں۔ غصے سے اس کا دماغ گھوما ہوا ہے۔"

جب وہ کسی طرح نہ مانا تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔ واپسی میں میری نگاہ اشتیاق کی پجیرو پر پڑی۔ اگر وہ دن کی روشنی میں کسی کی نظروں میں آ جاتی تو ہم سب مشکل میں پھنس سکتے تھے۔ ہم راتوں رات اس سے نجات حاصل کر لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اپنے ساتھیوں سے اس بارے میں بات کروں گا۔

اتفاق کی بات ہے کہ میں نے اپنے ساتھیوں کو اسی موضوع پر بات کرتے پایا۔ "میں اور شعیب اسے کسی مناسب جگہ کھڑا کر کے آتے ہیں۔" ریاض نے کہا۔ "جہاں تک میری گاڑی کا تعلق ہے آپ اس کی فکر نہ کریں۔ وہ پولیس کے ہتھے لگ بھی جائے تو اس کے ذریعے وہ ہم تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کے رجسٹریشن نمبر سمیت سب کچھ بوگس ہے۔"

"وہ گاڑی میں نے ایسی محفوظ جگہ کھڑی کی تھی کہ وہ ہفتہ بھر بھی وہاں کھڑی رہے تو کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں ہو گا۔ ہم کل ہی اسے واپس لے آئیں گے۔ وہ بڑے کام کی چیز ہے۔ اشتیاق کی لاش کا بندوبست کرنے کے لئے ہمیں اس کی ضرورت پڑے گی۔ یہ پجیرو ٹھکانے لگانے کے لئے البتہ میں بھی ساتھ چل رہا ہوں۔"

پجیرو ڈرائیو کرنے کی ذمے داری ریاض نے سنبھالی اور ہم دونوں متوازن رفتار سے سہراب گوٹھ کی طرف چل پڑے۔ ہم نے خوب سوچ سمجھ کر ایسے راستے کا انتخاب کیا تھا

جس پر رات کے وقت بہت کم آمدورفت ہوتی تھی۔ واپسی کا سفر ہمیں پیدل طے کرنا تھا لہٰذا ہم اپنے ساتھ صرف ایک ایک پستول لے کر آئے۔

ہم چند ہی کلو میٹر آگے بڑھے ہوں گے کہ مجھے عقبی آئینے میں کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آئیں۔ ابتداء میں تو ہم نے کوئی توجہ نہیں دی لیکن جب وہ گاڑی قریب سے قریب تر ہونے لگی تو خطرے کے احساس نے ہمیں چوکنا ہونے پر مجبور کر دیا۔ ریاض نے پجیرو کی رفتار یکدم بڑھا دی' چند ہی لمحوں میں ہم گویا ہوا میں اڑے جا رہے تھے۔ عقب میں آنے والی گاڑی کی ہیڈ لائٹس دور سے دور ہوتی چلی گئیں۔ کچھ آگے جا کر ریاض نے محض تعاقب کا یقین کرنے کے لئے پجیرو ملیر چھاؤنی کی طرف جانے والی نیم پختہ سڑک پر موڑ لی۔ پجیرو کی رفتار بدستور کافی تیز تھی۔ ناہموار راستے پر گاڑی کو زبردست جھٹکے لگ رہے تھے لیکن پجیرو کا طاقتور انجن انہیں نہایت خندہ پیشانی سے جھیلے جا رہا تھا۔ ہم دونوں کی نظریں عقبی آئینے پر جمی ہوئی تھیں۔ ہم بمشکل ایک ڈیڑھ کلو میٹر آگے بڑھے ہوں گے کہ وہی ہیڈ لائٹس ایک بار پھر عقبی آئینے میں جگمگانے لگیں۔

اب شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ ہمارے دشمن ہمارے نقش قدم پر تیزی سے بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ "ہیڈ لائٹس سے تو لینڈ کروزر لگتی ہے۔" ریاض بڑبڑایا۔ "اگر کوئی اچھا ڈرائیور اسے چلا رہا ہے تو ہم ان سے زیادہ دور نہیں بھاگ سکیں گے۔ ہم نے اس سے زیادہ رفتار بڑھائی تو گاڑی الٹ جائے گی۔"

"آپ گاڑی اسی طرح بھگاتے رہیں۔ ہمیں ان سے پیچھا چھڑانے کی کوئی ترکیب سوچتا ہوں...... لیکن یہ ہم تک پہنچے کیسے؟ .... انہیں اتنی جلدی....." میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی ریاض نے میری بات کاٹ دی۔ "وہ لوگ نہایت تیزی سے قریب آتے جا رہے ہیں۔ ہمیں جو کچھ کرنا ہے فوراً" کرنا پڑے گا۔ ہم ان کی رفتار کا زیادہ دیر مقابلہ نہیں کر سکتے..."

ریاض کی بات ختم ہوتے ہی فضا موت کے ہولناک ترانے سے گونج اٹھی۔ عقب میں آنے والی گاڑی سے کلاشنکوف کا برسٹ چلایا گیا تھا۔ خوش قسمتی سے کوئی بھی گولی ہم تک نہیں پہنچ سکی۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے کمزور لہجے میں ریاض کو دلاسا دیا۔ "یہ گاڑی پوری طرح بلٹ پروف ہے۔ یہ گولیاں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اپنی طرف کے شیشے چڑھا لو۔" "گاڑی کی باڈی اور شیشوں پر نہ سہی' ٹائروں پر تو گولیاں کارگر ہو سکتی ہیں۔ ہمارے پاس موجود پستول ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے...... وہ بہت دور سے ہمیں نشانہ بنا لیں گے۔"

"اس گاڑی کا بلٹ پروف ہونا واحد ایسی چیز ہے جو اس صورت حال میں ہمارے حق میں جاتی ہے۔ آپ گاڑی کو سڑک سے اتار کر روک دیں۔ ان کے قریب آنے پر ہم

انہیں نشانہ بنانے کی کوشش کریں گے۔"

"ہاں اس کے علاوہ بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔" ریاض نے گھمبیر لہجے میں میری رائے سے اتفاق کیا۔ وہ غالباً" کسی مناسب جگہ کا منتظر تھا۔ بالآخر ایک ہموار سا قطعہ زمین سڑک کے پاس پا کر اس نے یک لخت بریک پر دباؤ ڈالا اور اسٹیئرنگ اس طرف گھما دیا۔ بمشکل تیس چالیس گز آگے جا کر اس نے بریک لگا دیئے۔

میں نے اپنی طرف کا شیشہ نیچے کیا اور پستول کی نال کا رخ سڑک کی طرف کر کے اپنے تعاقب میں آنے والوں کا انتظار کرنے لگا۔ محض چند سیکنڈ بعد ہمیں کسی گاڑی کا شہ زور انجن غراتے کی آواز سنائی دی۔ لینڈ کروزر اپنے زور میں کچھ آگے بڑھ گئی۔ پھر ڈرائیور نے بریک لگا کر گاڑی ریورس کی اور اس طرف موڑ کاٹا جہاں ہم اس کے منتظر تھے۔ دھول کے گہرے بادل کے باعث شاید وہ ہمیں پوری طرح دیکھ نہیں پائے یا پھر انہیں یہ توقع نہیں رہی ہو گی کہ ہم اتنے قریب گاڑی روکے ان کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ بہرحال گاڑی ایک بار پھر رفتار پکڑنے لگی۔ اس کا رخ سیدھا ہماری طرف نہیں تھا۔ قبل اس کے کہ ہم نظروں میں آتے میں نے لینڈ کروزر کی ونڈا سکرین کا نشانہ لیا اور ٹریگر دباتا چلا گیا۔ میری چلائی ہوئی سبھی گولیاں نشانے پر لگیں۔ ونڈا سکرین میں پہلے چھید پڑے اور پھر وہ اندر دھنس گئی۔ اس کے ساتھ ہی لینڈ کروزر بری طرح لہرائی اور پھر ایک جھٹکے سے رک گئی میرے اندازے کے مطابق لینڈ کروزر کا ڈرائیور اور فرنٹ سیٹ پر موجود شخص نشانہ بن چکے تھے۔

میں نے پستول کا میگزین بدلنے کے لئے ہاتھ اندر کھینچا' عین اسی وقت لینڈ کروزر سے کلاشنکوف کا برسٹ مارا گیا۔ گولیوں کی بوچھار پجیرو کی باڈی اور میری طرف والی کھڑکی کے شیشے سے ٹکرائی۔ اگر کھڑکی کا شیشہ محض چند انچ نیچے تک کھلا ہوتا تو میری اور ریاض کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ چکے ہوتے۔ میں نے پستول میں نیا میگزین لگایا اور ہاتھ شیشے سے اوپر کر کے لینڈ کروزر کی جانب تین گولیاں داغ دیں۔ "اب یہاں سے بھاگنے کی کوشش کریں ایسا نہ ہو کہ کوئی گولی ہماری گاڑی کا ٹائر پھاڑ ڈالے۔" میں نے تیز لہجے میں کہا ریاض نے فوراً" ہی گاڑی آگے بڑھا دی۔ سڑک تک پہنچنے کے لئے ہمیں لینڈ کروزر کے پاس سے گزرنا تھا۔ ہماری گاڑی جوں ہی آگے بڑھی اس پر ایک برسٹ مارا گیا جو ونڈا سکرین سے ٹکرایا اور گولیاں اچٹ کر نامعلوم سمتوں میں غائب ہو گئیں۔ میں لینڈ کروزر کے اندر سے فائرنگ کرنے والے کو دیکھ چکا تھا۔ شاید یہ برسٹ چلنے کے بعد اس کا میگزین ختم ہو گیا تھا۔ وہ میگزین بدلنے کے لئے جھکا اور میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اسی اثناء میں ہم لینڈ کروزر کے پاس پہنچ گئے۔ میں نے ایک بار پھر پستول اوپر اٹھایا اور وہ گولیاں لینڈ کروزر کی جانب روانہ کر دیں۔ اس مرتبہ مجھے کسی کی کرب ناک چیخ سنائی دی۔ شاید وہ کلاشن

برادر بھی میرے اندازے سے چلائی گئی گولیوں کا شکار بن گیا تھا تاہم میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے پستول میں نیا میگزین لگا لیا اور جونہی لینڈ کروزر کے پاس سے گزر کر سڑک پر پہنچے اپنے پستول کا رخ لینڈ کروزر کے عقبی دروازے پر نصب پیٹرول کے کین کی جانب کر کے پورا میگزین خالی کر دیا۔ کین میں گولیاں پیوست ہوتے ہی پیٹرول نے آگ پکڑ لی۔ آگ اتنی تیزی سے بھڑکی کہ چند ہی لمحوں میں اس نے پوری لینڈ کروزر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جب ہم سراب گوٹھ کی طرف بڑھ رہے تھے تو ہم نے ایک زور دار دھماکے کی آواز سنی۔ آگ لینڈ کروزر کی پیٹرول کی ٹینکی تک جا پہنچی تھی۔

"آج ہی آج میں دوسری مرتبہ اشتیاق کی اس گاڑی نے ہماری جان بچائی ہے۔" ریاض نے کہا۔ "میں سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ اسے اپنے پاس ہی رکھ لیں۔ یہ ہمارے مشن میں ہمارے بہت کام آسکتی ہے۔"

"لیکن اگر اشتیاق کے گرگوں نے اسے پہچان لیا تو..... جیسے اب پہچانا تھا۔" میں نے کہا۔ "اس کی آپ فکر نہ کریں۔ اس گاڑی کا رنگ، حلیہ، رجسٹریشن نمبر پلیٹ غرض یہ کہ سب کچھ بدل جائے گا۔ اس کے بعد اسے کسی کا باپ بھی نہیں پہچان پائے گا۔ میں یہ کام کرنے والے کئی فن کاروں کو جانتا ہوں۔"

"اگر واقعی ایسا ممکن ہے تو لے چلو اسے واپس لیکن جب تک اس کے حلیے کی تبدیلی مکمل نہ ہو جائے، اسے چھپا کر رکھنا پڑے گا۔"

"وہ کوئی مسئلہ نہیں۔ میں اسے پولٹری فارم میں ہی اس طرح پوشیدہ کروں گا کہ ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گی۔ اس کے بعد دو دن کے اندر اس کا حسب نسب تبدیل کر دیا جائے گا۔ ویسے یہ بات میری سمجھ میں اب تک نہیں آئی کہ ہم اتنی جلد ان لوگوں کی نظروں میں کیسے آگئے۔ بالکل ایسے لگتا ہے جیسے وہ پہلے سے ہی ہماری گھات میں بیٹھے تھے۔"

"یہ محض اتفاق بھی ہو سکتا ہے۔ اتنا بڑا گروہ ہے ان لوگوں کا۔ سارے اڈوں تک آج کے واقعے کی اطلاع پہنچ چکی ہو گی اور وہ لوگ ہماری تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ہوں گے۔ ایسا ہی کوئی ٹولا ہمارے پیچھے لگ گیا ہو گا۔"

"ہاں ممکن ہے۔" ریاض نے مختصراً کہا اور خاموش ہو گیا۔ ہمارے گاڑی سمیت لوٹ آنے پر ہمارے دیگر ساتھی خاصے حیران و پریشان نظر آرہے تھے۔ جب ہم نے انہیں ساری صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گئے۔ یہ بات ان کی سمجھ سے بھی باہر تھی کہ مجرم اتنی آسانی سے ہم تک کیسے پہنچ گئے۔ ہم نے انہیں اپنے نظریات سے آگاہ کیا تو وہ ہم سے خاصی حد تک متفق ہو گئے۔ انہوں نے ریاض کی تجویز کی بھی تائید کی۔ شعیب نے بتایا کہ اشتیاق ابھی تک ہوش میں نہیں آیا ہے تاہم اس کے کسمانے سے لگتا ہے کہ

اب وہ بہت جلد بے ہوشی کی گرفت سے آزاد ہونے والا ہے۔ "چلو پھر ہم سب وہیں چلتے ہیں۔ ویسے تم نے میری بتائی ہوئی تمام چیزوں کو تو وہاں تک پہنچا دیا ہے ناں؟"

"جی ہاں! وہ سب انتظام ہو چکا ہے۔"

شعیب نے بتایا۔

ہم سب اپنے مہمانوں کے پاس جا پہنچے۔ اشتیاق ہوش و حواس کی سرحد کے آس پاس ہی کہیں بھٹک رہا تھا۔ عمیر نے میرا اشارہ پاتے ہی پانی سے لب ریز بالٹی اس پر انڈیل دی۔ اس نے ایک زبردست جھرجھری لی اور آنکھیں کھول دیں۔ اسے پوری طرح حواس میں آنے میں خاصی دیر لگ گئی۔ اچھی خاصی سردی میں ٹھنڈے پانی کا غسل اس کی طبع نازک پر ناگوار گزرا تھا۔ دیکھتے دیکھتے اسے زور دار چھینکیں آنے لگیں۔ وہ سردی سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس نے جلد ہی ہمیں پہچان لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر زردی چھانے لگی۔

"کیا بہت سردی لگ رہی ہے مرزا صاحب" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "فکر نہ کریں ہم نے آپ کی مہمان نوازی کا پورا انتظام کر رکھا ہے شعیب! مرزا صاحب کو جاڑا چڑھا ہوا ہے، تم ذرا ان کی سینکائی کر دو۔"

شعیب کی تو جیسے دلی تمنا پوری ہو گئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اشتیاق کے گالوں پر طمانچوں کی بارش کر دی۔ پورا کمرہ اشتیاق کی چیخوں سے گونج رہا تھا لیکن کسی پر اس کا معمولی سا اثر بھی نہیں ہو رہا تھا۔ جلد ہی اشتیاق کے گال انگاروں کی طرح سرخ ہو گئے میں نے شعیب کو ہاتھ روکنے کا اشارہ کیا۔ اشتیاق اس کے بعد بھی دیر تک اذیت ناک چیخ و پکار کرتا رہا، پھر رفتہ رفتہ اس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا۔

"تم ..... تم لوگ اپنے لیے اچھا نہیں کر رہے ہو۔ میں بتا دیتا ہوں تم اگر ....." اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ میں نے با آواز بلند شعیب کو مخاطب کیا۔ "بھئی تمہارے مہمان کو ابھی پوری طرح حرارت نہیں پہنچی۔ ذرا ایک بار پھر...."

"نہیں ..... نہیں... تم لوگ آخر چاہتے کیا ہو؟..." اشتیاق جلدی سے چیخ پڑا۔

"بتا دیں گے۔ اتنی جلدی کیا ہے۔ ابھی تو بہت سا حساب کتاب باقی ہے۔ لگتا ہے آپ کو ہماری میزبانی پسند نہیں آئی۔ انہیں پہچانتے ہیں ناں آپ؟" میں نے کاشف کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ "ان پر آپ نے جی بھر کر اپنی مہمان نوازی کے داؤ پیچ آزمائے ہیں۔ میں بھی آپ کی مہمان نوازی کا مزہ چکھ چکا ہوں۔ اب ہمیں آپ کے تمام احسانوں کا ایک ایک کر کے بدلہ اتارنا ہے۔"

"میرے ساتھ ایسا نہ کرو۔ تمہیں جو چاہیے میں دینے کو تیار ہوں۔ مجھ پر تشدد مت کرو میں دل کا مریض ہوں۔ میرا بلڈ پریشر بھی ہائی رہتا ہے۔"

"ادہو! تو گویا تم مریض ہو" اس بار کاشف اس سے مخاطب ہوا۔ "لیکن تم جسمانی نہیں بلکہ ذہنی مریض ہو۔ خیر ہم نے تمہارے علاج کا پورا انتظام کر رکھا ہے۔ ہم تمہیں بالکل ٹھیک کر دیں گے۔

"مم ..... مجھے معاف کر دو۔ تم لوگ جو جرمانہ کہو میں ادا کرنے کو تیار ہوں۔ صرف ایک بار پھر مجھے معاف کر دو۔ میں مرجاؤں گا۔

"نہیں! ہم تجھے اتنی آسانی سے مرنے نہیں دیں گے۔ یہ آداب میزبانی کے خلاف ہے۔ ابھی تو ہم باری باری تمہاری خاطر تواضع کریں گے۔ تم ہمارے اشتیاق کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ یہ سن کر اس کے چہرے کی زردی میں سفیدی گھلنے لگی۔ "دیکھو جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ۔ میں تمہیں مالا مال کر دوں گا یقین کرو....."

"ہمیں یہ گھسے پٹے مکالمے سننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ نہ ہی ہمیں تمہاری زر دولت سے دلچسپی ہے۔ تم نے میرے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس کی تلافی دنیا کی ساری دولت مل کر بھی نہیں کر سکتی۔" میں نے بے لچک لہجے میں کہا۔ اشتی کے گال بری طرح سوجنے لگے تھے اور اس پر بدستور کپکپی طاری تھی۔ "ویسے لگے ہاتھوں میں تمہیں یہ خوش خبری بھی سناتا چلوں کہ تمہاری روئی کی گانٹھوں میں بھری ہوئی اسمگلنگ کے لئے تیار منشیات کی پوری کھیپ نذر آتش ہو چکی ہے اور تمہارے کم از کم آٹھ دس کارندے جہنم رسید ہو چکے ہیں۔" میری بات سن کر اس کے چہرے پر زلزلے کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ "یہ ..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"ہاں ..... میں نے گودام میں ذخیرہ شدہ روئی کی تمام گانٹھوں کو آگ لگا دی ہے۔ مجھے یقین ہے اس آگ کی تپش سے تمہارے تہہ خانے میں ذخیرہ شدہ اسلحہ بھی بھک سے اڑ چکا ہو گا۔ تمہارا وہ ٹھکانا بالکل نیست و نابود ہو چکا ہے۔"

"تم..... تم نے یہ اچھا نہیں کیا۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہاں کروڑوں کا مال موجود تھا جو میری ذمے داری تھی۔" اشتیاق نے تلملاتے ہوئے کہا۔ ہم سب اس کی کیفیت سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہے تھے۔ "اور ہاں ابھی کچھ دیر پہلے گرے کلر کی ایک لینڈ کروزر بھی اپنی سواریوں سمیت آگ کی نذر ہو چکی ہے۔ وہ بھی یقیناً" تمہارے گروہ کی ملکیت ہو گی۔ وہ لوگ تمہیں آزاد کرانے کے لیے بے قرار تھے لیکن بے چارے خود زندگی کی قید سے آزاد ہو گئے..... کتنے افسوس کی بات ہے۔"

میری بات سن کر اشتیاق کی حالت مزید خراب ہو گئی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اس کے ہاتھ کھلے ہوتے تو وہ اپنے سر کے بال نوچ لیتا۔ پھر میں نے سنجیدگی سے اس سے معلومات اگلوانے کا فیصلہ کیا۔

"مسٹر گینگ لیڈر یہ تو تم سمجھ ہی چکے ہو گے کہ ہم تم سے کوئی رعایت نہیں کریں

گے لہٰذا ہم جو کچھ پوچھیں اس کا سیدھے سیدھے جواب دیتے جاؤ سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ ہمارے باقی دو ساتھی تم لوگوں نے کہاں چھپا رکھے ہیں"

"میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ ہمارے قبضے میں نہیں ہیں۔"

"یوں لگتا ہے کہ تم سیدھی طرح نہیں مانو گے۔ ہمیں انگلیاں ٹیڑھی کرنا پڑیں گی"

"یقین کرو میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ اگر انہیں ہم نے اٹھایا ہوتا تو وہ اسی جگہ ہوتے جہاں سے تم مجھے لائے ہو۔" میں نے اس کے لہجے سے جھوٹ اور سچ کا پتا لگانا چاہا لیکن میں کسی حتمی فیصلے پر نہیں پہنچ سکا۔

میں نے مدد طلب نظروں سے کاشف کی طرف دیکھا۔ "اچھا یہ بتاؤ۔ اس لڑکی زیبی اور اس کی ڈائری کا کیا چکر ہے؟" اس بار کاشف نے سوال کیا۔ "اس ڈائری میں ایسی کیا چیز تھی جس کے لئے تم پاگل کتوں کی طرح دانش کی بو سونگھتے پھرتے رہے ہو۔"

"اس ڈائری میں ہمارے کئی کاروباری ٹھکانوں کے پتے اور ایسی معلومات درج ہیں جو ہماری تنظیم کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہیں۔"

"وہ لڑکی کون تھی اور وہ ڈائری اس کے ہاتھ کیسے لگی؟ تم لوگوں کو اس ڈائری کی موجودگی کا علم کیسے ہوا؟" اس بار میں نے سوال کیا۔

اشتیاق کچھ دیر کسی گہری سوچ میں ڈوبا رہا۔ "تم لوگ شاید یقین نہ کرو لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم خود بھی اس لڑکی کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ اس ڈائری کی موجودگی کا انکشاف بھی ہم پر محض اچانک ہوا تھا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟ اس قسم کی خفیہ معلومات ایک غیر متعلقہ شخص کے پاس کیسے پہنچ سکتی ہے۔ وہ لڑکی تو خاصی معروف فلمی اداکارہ تھی۔" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہمیں اس ڈائری کے اس لڑکی کے پاس پہنچنے کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ ہم اس کی جانب اس وقت متوجہ ہوئے جب اس نے اس ڈائری کی مدد سے ہماری تنظیم کے ٹھکانوں پر پولیس کے چھاپے ڈلوانے کی کوشش کی۔ ہم لوگوں کی پہنچ اور رابطوں کے باعث یہ کوشش ناکام رہی۔ اس کے بعد وہ ہماری طاقت سے پوری طرح آگاہ ہو گئی اور اس نے وہ ڈائری کسی بہت محفوظ جگہ پہنچا دی۔ وہ مسلسل ہماری نظروں میں رہتی تھی۔ پھر تمہاری اس سے ملاقات ہوئی اور تم دونوں میں گہری یگانگت پیدا ہو گئی۔"

"لیکن تم لوگوں کو کس نے بتایا کہ وہ ڈائری میرے قبضے میں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اگر یہ سب زیبی نے تمہیں بتایا۔ تھا تو تم لوگوں نے اتنی آسانی سے اس کی بات کا یقین کیسے کر لیا۔؟"

"ہمیں یہ اطلاع زیبی نے ہی دی تھی۔ ہم اسے اٹھا کر لے آئے تھے۔ زیبی نے

بتایا تھا کہ اس نے وہ ڈائری تمہارے حوالے کر دی تھی کیونکہ تمہارا کوئی قریبی عزیز قانون نافذ کرنے والے ادارے میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا اور تم اس کے ذریعے وہ ڈائری فیصلہ کن پوزیشن کے حامل اعلیٰ عہدیداروں تک پہنچانا چاہتے ہو۔ یہ اطلاع ملنے کے بعد میرے کارندوں نے تمہاری رہائش گاہ کی تلاشی لی اور وہاں سے وہ ڈائری برآمد کر لی لیکن اس میں سے کار آمد صفحات تم نے پہلے ہی نکال لئے تھے۔ ہم اس ناکامی سے پریشان ہو گئے تھے لیکن ہمارے معتبر ذرائع ہمیں مسلسل اطلاع دیتے رہے جن کے مطابق تم نے اس دوران کسی قابل تشویش سرکاری عہدیدار سے ملاقات نہیں کی تھی اور نہ ہی کسی اور ذریعے سے اس قسم کی معلومات پولیس تک پہنچ سکی تھیں۔ تمہارے قبضے سے وہ ڈائری برآمد کرنا ہماری زندگی اور موت کا سوال تھا لہٰذا ہم مسلسل تمہارے پیچھے لگے رہے' جس کے نتیجے میں ہمیں مالی و جانی نقصان بھی اٹھانا پڑا۔"

"اور وہ زیبی ... اس کا کیا بنا؟" میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔ اشتیاق نے مایوسی سے گردن ہلا دی۔ "وہ لڑکی ہماری توقع سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئی۔ میں نے اسے اپنے ایک فارم ہاؤس پر رکھا ہوا تھا۔ اس پر ہم نے کسی قسم کی سختی نہیں کی تھی البتہ میرے دو بندے اس کی نگرانی پر مامور تھے۔ ایک دن اس نے موقع ملتے ہی ان دونوں کو زخمی کر دیا اور فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ اس کے بعد اس کا آج تک پتا نہیں چل سکا۔"

"اوہ! تو یہ بات ہے۔" میں نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ "اب تم یہ بتاؤ کہ وہ دوسرا گروہ میرے پیچھے کیسے لگا؟ انہیں اس ڈائری اور اس کے اندرجات سے کیا دلچسپی تھی۔؟"

"اس ڈائری میں دراصل صرف ہمارے گروہ کے بارے میں نہیں بلکہ تقریباً" نصف درجن تنظیموں کے بارے میں خطرناک معلومات درج ہیں جن میں یہ دوسرا گروہ بھی شامل ہے۔ وہ لوگ ہم سے زیادہ باسوخ' منظم اور طاقتور ہیں۔ ان کی سرگرمیوں کا دائرہ سرحد پار تک پھیلا ہوا ہے۔ ہم لوگ عام طور پر ایک دوسرے کے راستے میں آنے کی کوشش نہیں کرتے لیکن اس ڈائری کا معاملہ اتنا نازک تھا کہ ہمیں ان سے ٹکراؤ کا خطرہ مول لینا پڑا جس کے نتیجے میں ہمیں خاصا نقصان بھی اٹھانا پڑا یہ ہمارے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔

وہ کیسے؟ "میں نے اس کی زبان سے نکلنے والے ایک ایک لفظ کا تجزیہ کرتے ہوئے پوچھا۔

اشتیاق نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ "وہ لوگ پہلے ہی ہم سے زیادہ طاقتور ہیں۔ اگر یہ ڈائری ان کے ہتھے چڑھ جاتی تو ہم ان کے مکمل غلام بن جاتے۔ ابتداء میں تو ہم ان کی اس معاملے میں کارروائیوں سے بھی ناواقف تھے لیکن پھر کچھ شواہد ایسے ملے کہ ہم ان

ی میدان میں موجودگی اور ان کے ارادوں سے واقف ہو گئے۔ پھر جب ہم نے تمہیں ہنن کے بنگلے میں عیاشی کرتے اور مہنگی گاڑی میں گھومتے دیکھا تو ہمیں یقین ہو گیا کہ تم نے وہ ڈائری ان لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دی ہے لیکن پھر ہمارا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔"

"وہ ڈائری میرے پاس نہیں ہے اور نہ ہی وہ میرے پاس کبھی رہی۔ اگر تم میری بات کا یقین کر لیتے تو تم لوگوں کو اتنا نقصان برداشت نہ کرنا پڑتا۔ خیر! لگے ہاتھوں تمہیں یہ اطلاع بھی دے دوں کہ تمہارا چہیتا اکرام بھی اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ اس بے چارے کو تو کوئی باقاعدہ قبر بھی نصیب نہیں ہو سکی۔"

"اف میرے خدا" میری بات سن کر اشتیاق نے روہانسے لہجے میں کہا۔ "تم نے اسے بھی مار دیا۔"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "اسے اس کے ایک پرانے دشمن نے ہلاک کر کے اپنا حساب برابر کیا۔ اس کا زندہ رہنا میرے لیے زیادہ فائدہ مند ہوتا کیونکہ وہ مجھے تمہارے تمام اڈوں کا پتا دے سکتا تھا' خیر اب یہ نیک کام کرنے کے لئے تم میرے ہتھے لگ گئے ہو۔ یہاں میں تمہاری اس غلط بیانی کی تصحیح کرتا چلوں کہ تمہاری تنظیم صرف اندرون ملک تک محدود ہے۔ میں جانتا ہوں یہ ایک بین الاقوامی تنظیم کی شاخ ہے اور تم اس کے مقامی سربراہ ہو۔"

"تم مجھ سے جو جی چاہے پوچھ لو لیکن میں اپنے باقی ساتھیوں کے بارے میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔" اشتیاق کا لہجہ یک لخت بے لچک ہوتا چلا گیا۔ کاشف نے معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا۔ "ہمیں تم سے دراصل یہی بات تو پوچھنا ہے۔ اگر تم شرافت سے زبان نہیں کھولو گے تو ہم تم پر تمہارے ہی حربے آزمانے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

"تم جو جی چاہے کرو۔ میری زبان سے ایک لفظ نہیں نکلے گا۔" اشتیاق کے لہجے میں فولادی عزم کی جھلک نمایاں تھی۔

"چلو ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی۔"

میں نے سرد لہجے میں کہا۔ شعیب تم موم بتیاں جلاؤ۔ عمیر تم بڑے میاں کے شانے اور پنڈلیاں کپڑوں سے آزاد کر دو۔" میری ہدایت پر فوراً ہی عمل شروع کر دیا گیا۔ میں بغور اشتیاق کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی نظروں میں خوف کی جھلک نمایاں تھی۔ جوں جوں تیاریاں مکمل ہو رہی تھیں اس کے چہرے کی سفیدی بڑھتی جا رہی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس کی مزاحمت بہت جلد دم توڑ دے گی۔ اس قسم کی بھیانک اذیت برداشت کرنا تقریباً" ناممکن ہی تھا۔ اسے جلد یا بدیر زبان کھولنا ہی تھی۔

عمیر نے اشتیاق کی پتلون کے پائنچے موڑ کر گھٹنوں تک چڑھا دیئے تھے اور اس کی شرٹ بھی بنیان سمیت اس کی گردن سے نکال کر اس کے بازوؤں تک چڑھا دی تھی۔ میں

اس کے فربہ جسم کی لرزش واضح طور پر دیکھ سکتا تھا۔ سرد موسم کے باوجود اس کے چہرے پر پسینے کی بوندیں لرز رہی تھیں۔ شعیب نے آہنی چارپائی کے قریب سیمنٹ کے چار بلاک رکھے اور ان پر ایک ایک موم بتی جما دی۔ پھر اس نے ماچس جلائی۔ میں نے اسے کارروائی تیز کرنے کا اشارہ کیا۔ شعیب نے باری باری چاروں موم بتیاں روشن کر دیں۔

"ایک بار پھر سوچ لو بڑے میاں کیوں اپنی بوڑھی ہڈیوں اور چربی کو آگ کی نذر کرنا چاہتے ہو۔ یہ تو تم خود بھی جانتے ہو کہ تم زبان بند نہیں رکھ سکتے۔" میں نے اشتیاق کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ کوئی جواب دینے کے بجائے اس نے مضبوطی سے آنکھیں میچ لیں۔ میں نے عمیر اور شعیب کو کارروائی آگے بڑھانے کا اشارہ کیا۔ ان دونوں نے وہ چاروں بلاک اٹھا کر باری باری اشتیاق کے دونوں شانوں پر اور پنڈلیوں کے نیچے رکھ دیئے۔

موم بتیوں کا اشتیاق کے جسم سے فاصلہ کافی زیادہ تھا اس کے باوجود اس قدر تپش اس تک ضرور پہنچ رہی ہو گی کہ اسے جھلسانے لگے۔ میں نے اس کے چہرے پر اذیت کے آثار نمایاں ہوتے دیکھے۔ اس کے چہرے سے بہنے والا پسینہ اب فرش پر ٹپک رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ چند منٹ سے زیادہ یہ اذیت برداشت نہیں کر سکے گا۔ اچانک میں نے اس کے جسم کو جھٹکا کھا کر اٹھتے دیکھا۔ اس کے چہرے کے عضلات بری طرح کھنچ گئے تھے۔ پھر یک لخت اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں لیکن چہرے پر سے اذیت کے آثار ختم ہو گئے تھے۔ اس کی یہ عجیب و غریب حالت دیکھ کر میں چونک پڑا۔ میں نے اس کا چہرہ تھپتھپایا۔ تب مجھے اس کے منہ سے نکلنے والے زرد جھاگ نظر آئے۔ میں نے اسے بری طرح جھنجھوڑ دیا لیکن اس کے جسم میں معمولی سی بھی جنبش نہ ہوئی۔ شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ وہ زندگی کی قید سے آزاد ہو چکا تھا۔



اشتیاق کی اچانک موت نے وقتی طور پر ہمیں حیران و پریشان کر ڈالا تھا۔ ہم سب ہی اسے جہنم رسید کرنے کے لئے بے تاب تھے لیکن اس نے ہمیں اس زحمت سے بچا لیا تھا۔ بظاہر تو اس نے ہمارا ہی مقصد پورا کیا تھا لیکن درحقیقت یہ ہماری شکست تھی۔ ہم نے اس کی زبان کھلوانے کے لئے اتنے جتن کئے تھے لیکن وہ تو ہمارے ارادوں کو خاک میں ملا کر موت کی آغوش میں جا سویا تھا۔

میں نے ایک گہرا سانس کھینچا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "یہ مر چکا ہے شمعیں گل کر دو۔" وہ سب بغور اس کا جائزہ لے رہے تھے۔

"لیکن اس کو آخر ہوا کیا ہے؟" کاشف نے خود کلامی کے انداز سے کہا۔ "یہ دل کا دورہ یا اس قسم کی کوئی بیماری تو نہیں لگتی۔ اس کے منہ سے نکلنے والے جھاگ..."

"اس نے خود کشی کر لی ہے۔" کمرے میں کسی کی آواز گونجی۔ ہم سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ خلیل تھا جو شاید کچھ ہی دیر پہلے ہوش میں آیا تھا۔ ہمیں متوجہ پا کر اس نے اپنی بات آگے بڑھائی۔ "اس کے دانتوں میں زہر سے بھرا ہوا کیپسول پوشیدہ تھا جسے کچل کر اس نے زندگی کے چنگل سے رہائی حاصل کر لی۔"

خلیل کی مہیا کردہ اطلاع درست تھی۔ اشتیاق کے منہ سے ابلتے جھاگ کسی زود اثر زہر کی تباہ کاری ظاہر کر رہے تھے۔ وہ موت سے ڈرتا تھا لیکن تشدد سے اسے موت سے کہیں بڑھ کر ڈر لگتا تھا۔ اس نے خود کو تشدد سے بچانے اور اپنے ساتھیوں کی نشاندہی کرنے سے بچنے کے لیے موت کو گلے لگا لیا تھا۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر میں خلیل کی جانب متوجہ ہوا۔ "اگر تمہیں اس بارے میں علم تھا تو تم نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

خلیل کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ ابھری۔ "آپ نے مجھے اس کا موقع ہی کہاں دیا تھا۔ مجھے ہوش آیا تو اشتیاق اپنی کارروائی مکمل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔"

وہ درست کہہ رہا تھا لیکن ہم نے جو اپنی سمجھ کے مطابق مناسب سمجھا وہی کیا۔

"خیر جو ہوا سو ہوا۔ اسے تو ویسے بھی بہت جلد اپنے انجام کو پہنچنا ہی تھا۔ اب تم بتاؤ کہ تم ہمیں مزید کوئی نئی بات بتا سکتے ہو یا نہیں؟" میں نے خلیل سے سوال کیا۔

"مجھے جو کچھ معلوم ہے وہ میں آپ کو بتانے کے لئے تیار ہوں۔ اشتیاق کے مرنے کے بعد تو ویسے بھی ہماری تنظیم عملی طور پر ختم ہو چکی ہے۔"

"لیکن تمہاری تنظیم کے اڈے تو اب بھی شہر بھر میں موجود ہیں جہاں سے مجرمانہ سرگرمیاں بدستور زور و شور سے جاری ہیں۔" میں نے کہا۔

"آپ کا کہنا بالکل درست ہے۔ لیکن ان اڈوں میں سے زیادہ تر نیم خود مختار ہیں۔ وہ اشتیاق کے حوالے سے اس تنظیم سے وابستہ تھے اشتیاق کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد وہ آزاد ہو جائیں گے۔"

"بہرحال تم ایسے جتنے اڈوں سے واقف ہو ان سب کے پتے ہمیں بتا دو۔ اس کے علاوہ کوئی اہم بات بتا سکو تو بہت اچھا ہو گا۔ اگر تم نے ہمیں مطمئن کر دیا تو ہم اپنے وعدے کے مطابق تمہیں آزاد کر دیں گے۔"

خلیل نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ہمیں کئی اڈوں کے پتے بتا دیئے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم ان پتوں سے پہلے ہی واقف تھے تاہم اس سے کم از کم خلیل کی سچائی ثابت ہو گئی تھی۔ اس نے ہمیں ملک کے دور افتادہ حصوں سے منشیات اور اسلحے کی کراچی اسمگلنگ کے طریقوں اور ذرائع کے بارے میں بھی قیمتی معلومات مہیا کیں۔ اس نے قانون نافذ کرنے والے اداروں میں موجود چند ایسی بڑی کالی بھیڑوں کے بارے میں بھی بتایا جو اس گھناؤنے کاروبار کی سرپرستی کے ذریعے بھاری دولت جمع کر چکی تھیں۔ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ "کیا تم بتا سکتے ہو کہ ان اڈوں میں سے کون سے کرتا دھرتا گرے کلر کی لینڈ کروزر گاڑی کے مالک ہیں۔"

"آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" خلیل نے چونک کر پوچھا۔ "یہ لینڈ کروزر تو لانڈھی کے قریب ایک اڈے پر ہوتی ہے؟"

"اس لینڈ کروزر میں سوار افراد نے ہمارا تعاقب کر کے ہمیں ختم کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔" میں نے بتایا۔

"کب..... کس وقت..... کیا واپس آتے ہوئے؟" خلیل نے پریشان ہو کر پوچھا۔ میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "تم دونوں کو یہاں پہنچانے کے بعد ہم اشتیاق کی پجیرو ٹھکانے لگانے جا رہے تھے کہ اس لینڈ کروزر سے اچانک ہماری مڈ بھیڑ ہو گئی۔ ہماری گاڑی بلٹ پروف ہونے کے باعث وہ لوگ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے اور ہم نے انہیں ان کے انجام تک پہنچا دیا لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ لوگ اتنی جلدی ہم تک کیسے پہنچ گئے یوں لگتا ہے کہ جیسے وہ ہمارے منتظر تھے۔"

"اور..... میرا خیال ہے میں آپ کے اس سوال کا جواب بھی دے سکتا ہوں۔ لیکن آپ یہ بتایئے کہ ان لوگوں سے ٹکراؤ کتنی دیر پہلے کی بات ہے اور اب وہ پجیرو کہاں

ہے؟ کیا آپ نے اسے ٹھکانے لگا دیا؟"

"لینڈ کروزر میں سوار افراد سے ہمارے ٹکراؤ کو لگ بھگ ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا ہے۔ اس موقع پر ہم پجیرو کے بلٹ پروف ہونے کی وجہ سے موت کے منہ میں جانے سے بچ گئے تھے لہٰذا ہم نے فیصلہ کیا کہ اتنی فائدہ مند گاڑی کو ضائع کرنے کے بجائے اپنے پاس رکھا جائے تاکہ اس سے آئندہ بھی کام لیا جا سکے چنانچہ ہم اسے واپس لے آئے۔"

"گویا وہ اب بھی یہیں آپ لوگوں کے قبضے میں ہے؟ اف میرے خدا! یہ آپ نے کیا کر ڈالا۔ یہ گاڑی آپ سب کو مروا سکتی ہے۔ اس سے جلد از جلد بلکہ فوراً نجات حاصل کر لیں۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ لوگ پہلے ہی بہت دیر کر چکے ہیں۔ اشتیاق کے زر خرید غلام کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتے ہیں۔"

خلیل کے الفاظ نے میرے وجود میں اضطراب کی شدید لہر دوڑا دی۔ میرے باقی ساتھیوں کی حالت بھی کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ میں نے تیز لہجے میں خلیل سے کہا۔ "صاف صاف بتاؤ یہ کیا چکر ہے۔ وہ لوگ اس گاڑی کو کیسے ڈھونڈیں گے؟ انہیں کیسے علم ہو گا کہ ہم نے اشتیاق کی پجیرو یہاں چھپا رکھی ہے۔"

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو اس گاڑی میں ایک ایسا الیکٹرونک آلہ نصب ہے جو ایسے سگنل نشر کرتا رہتا ہے جس کے ذریعے اس گاڑی کی موجودگی کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔ لینڈ کروزر میں سوار افراد ان سگنلز کے تعاقب میں آپ تک پہنچے ہوں گے اور اگر آپ نے اس پجیرو سے نجات حاصل نہ کی تو ان کی مزید ٹولیاں یہاں پہنچ جائیں گی۔"

"سگنل نشر کرنے والا آلہ..... اوہ اس بارے میں تو ہم نے سوچا ہی نہیں۔" کاشف نے پریشان لہجے میں کہا۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔ "دانش تم اپنے ساتھ ریاض اور شعیب کو لے کر اس گاڑی کو فوراً کسی گڑھے میں پھینک آؤ۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ وہ لوگ ابھی تک یہاں نہیں پہنچ پائے۔"

"اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پجیرو میں نصب آلے کی نشریات کا دائرہ محدود ہو گا۔ جب تک وہ لوگ ایک خاص حد تک قریب نہ آجائیں۔ وہ اس آلے سے نشر ہونے والے سگنل موصول نہیں کر پائیں گے۔ نشریات کا یہ موثر دائرہ پانچ یا دس کلومیٹر بھی ہو سکتا ہے اور اس سے زیادہ بھی۔ اگر مجھے وہ آلہ ایک نظر دیکھنے کا موقع مل جائے تو میں صحیح صورت حال بتا سکتا ہوں۔"

عمیر اس کی ہتھکڑیاں کھول دو۔" میں نے کہا۔ "اور اسے پجیرو تک لے چلو۔" پھر میں خلیل سے مخاطب ہوا۔ "میرے خیال میں مجھے یہ دہرانے کی ضرورت نہیں کہ ہم سے دھوکا کرنا تمہیں مہنگا پڑ سکتا ہے۔"

"اگر مجھے تمہیں دھوکا دینا ہوتا تو مجھے یہ سب بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ لوگ

جلد یا بدیر سگنل وصول کرنے کی حد میں پہنچ ہی جاتے اس کے بعد تم لوگوں کا خاتمہ اور میری آزادی یقینی ہو جاتی۔ ”خلیل نے اپنے جسم کی اکڑن دور کرنے کے لئے ہوا میں بازو لہراتے ہوئے کہا۔

”میں اپنی خوشی سے تمہارا ساتھ دے رہا ہوں۔ اس کی بھی ایک بہت اہم وجہ ہے جو آپ کو بہت جلد معلوم ہو جائے گی۔ مختصراً“ یہ سمجھ لیں کہ اب میں آپ سب کا دشمن نہیں دوست ہوں۔“

خلیل کی بات میں خاصا وزن تھا۔ واقعی اگر وہ چاہتا تو باآسانی زبان بند رکھ کر اپنے ساتھیوں کی آمد کا انتظار کر سکتا تھا۔ بقول اس کے وہ کسی اہم وجہ سے ہمارا ساتھ دے رہا تھا اور ہم اس پر اعتماد کرنے پر مجبور تھے۔ میں اور ریاض اسے اپنے ساتھ لے کر پجیرو تک پہنچ گئے۔ عمیر اور شعیب کو ہم نے چھت پر بھیج دیا تھا تاکہ حملہ آوروں کی آمد کا قبل از وقت پتا چل جائے۔ ہم نے ایک ٹارچ خلیل کے حوالے کر دی۔ وہ پجیرو کے نیچے گھستا چلا گیا۔ میں زمین پر بیٹھ کر اس کی کارروائی کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ وہ پجیرو کے نچلے حصوں میں مطلوبہ آلہ تلاش کرتا رہا لیکن خاصی دیر تک کوشش کرنے کے باوجود اس کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ ”آیئے ۔ اب گاڑی کے اندر تلاش کرتے ہیں۔“ خلیل کے لہجے میں مایوسی کی ہلکی سے جھلک بھی نہیں تھی۔ میں نے پجیرو کا فرنٹ ڈور کھول دیا۔ وہ اندر گھس گیا اور ڈیش بورڈ کے نیچے جھانکنے لگا۔ ”یہ رہا..... میں نے اسے ڈھونڈ لیا ہے۔“ اچانک اس کی پرجوش آواز سنائی دی۔ ”یہ مسلسل سگنل نشر کر رہا ہے۔ اوہ..... اس کے ساتھ تو پلاسٹک ایکسپلوسیو ڈیوائس بھی ہے۔ وہ لوگ چاہیں تو اس پجیرو سمیت اس پورے علاقے کو دھماکے سے اڑا سکتے ہیں۔“

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“ میں نے پریشان ہو کر کہا۔ ”پھر تو ہمیں اس گاڑی کو فوراً“ یہاں سے دفع کر دینا چاہیے۔ تم جلدی سے باہر نکلو۔“

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں اس آلے کی سگنل ٹرانسمیشن بند کر رہا ہوں۔ اس کے بعد اس خطرناک بم کو بھی ناکارہ کردوں گا۔ پھر ہمیں کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔ آپ مجھے ایک پلاس اور کٹرلا دیں۔“

ہم نے خلیل کی فرمائش فوراً“ پوری کر دی۔ وہ کئی منٹ تک پجیرو کے ڈیش بورڈ کے نیچے گھسا اس ہلاکت خیز آلے سے زور آزمائی کرتا رہا پھر وہ ڈیش بورڈ کے نیچے سے نکل آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک درمیانے سائز کا پلاسٹک باکس نما آلہ موجود تھا۔ وہ بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ ”اس کی رینج پندرہ کلومیٹر تک ہو سکتی ہے۔ اتنے ہی فاصلے سے اسے ریموٹ کنٹرول سے اڑایا جا سکتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وسیع پیمانے پر تباہی پھیل سکتی ہے۔“

میں نے اس آلے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا اس میں موجود دھماکا خیز مادہ تم نے قطعاً“ ناکارہ بنا دیا ہے؟“

”نہیں! یہ اب بھی ایک تباہ کن بم کی طرح ہے۔ میں نے صرف اس کا ریڈیائی رابطہ ختم کیا ہے۔ اسے اب بھی ٹائم بم کی حیثیت سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔“

”اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہمارے لئے بھی کار آمد ثابت ہو سکتا ہے۔ ہم اسے مجرموں کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں۔“ میں نے کہا۔ خلیل نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ ”یہ اچھے قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لئے کافی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اسے استعمال کرنا بھی بہت آسان ہے۔ بس یوں سمجھ لیں کہ آپ اپنے الیکٹرانک کلاک میں الارم کا ٹائم سیٹ کر رہے ہیں۔“

”ہاں! موت کا الارم۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”اگر یہ اتنا ہی آسان ہے تو لگے ہاتھوں مجھے بھی الارم سیٹ کرنا سکھا دو۔“

خلیل نے درست کہا تھا۔ یہ واقعی بہت آسان کام تھا۔ خلیل نے بتایا کہ اب یہ اس وقت تک بے ضرر کھلونے کی مانند ہے جب تک اس پر پھٹنے کا ٹائم سیٹ نہ کیا جائے۔ میں نے وہ آلہ اس سے لے کر ریاض کے ہاتھوں ایک محفوظ مقام پر رکھوا دیا۔ صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں تھی۔ میں نے کاشف وغیرہ کے مشورہ سے فیصلہ کیا کہ صبح ہونے پر خلیل کو آنکھیں باندھ کر کسی دور دراز مقام پر چھوڑ دیا جائے گا۔

خطرہ ٹلنے پر عمیر اور شعیب بھی چھت سے اتر آئے تھے۔ ہم سب ریاض کے کمرے میں آ گئے۔ کمرے میں چارپائیوں کی تعداد کم تھی اور نفری زیادہ لہٰذا ایک چارپائی پر دو دو افراد نے قبضہ جما لیا۔ خلیل نے شاید جان بوجھ کر میرے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا۔ ہم میں سے کوئی بھی سونے پر آمادہ نہیں تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ خلیل ہمارا ساتھ دینے کے حوالے سے کسی اہم وجہ کا ذکر کر چکا ہے میں نے پوچھا۔ ”اب اس اہم وجہ کے بارے میں بتاؤ جس نے تمہیں ہمارا اس حد تک ساتھ دینے پر آمادہ کیا۔“

خلیل کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اس نے کہا۔ ”اگر میں یہ کہوں کہ میں آپ کو خاصا قریب سے جانتا ہوں تو کیا آپ یقین کر لیں گے؟“

”میں سمجھا نہیں‘ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ تم میرے بارے میں یہ دعویٰ کیسے کر سکتے ہو؟ ہماری تو یہ پہلی ملاقات ہے۔ تمہارے سرغنہ اور دیگر افراد بھی مجھے صرف ڈائری کے حوالے سے جانتے ہیں۔“ خلیل کے لبوں پر گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”میں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ آپ نے فلم میں سائیڈ ہیرو کے طور پر کام کرنے کا کتنا معاوضہ قبول کیا تھا اور آپ کا پہلا مکالمہ کون سا تھا۔“

”اوہ..... یہ سب تمہیں ..... میرا مطلب ہے آپ کو یہ سب کس نے بتایا؟“ میں

واقعی شدید حیرت زدہ تھا۔ خلیل کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ "ایک ایسی شخصیت نے جو بہت مختصر عرصے کے لئے آپ کے بہت قریب رہی لیکن اس سرسری ملاقات کا خمیازہ آپ آج تک بھگت رہے ہیں۔"

"آپ ..... آپ زیبی کی بات کر رہے ہیں ناں؟ یہ سب آپ کو زیبی نے بتایا ہے ناں؟ آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟ آپ اس سے کہاں ملے تھے؟" میں نے اس پر سوالات کی بارش کر دی۔

"اس سے میری ملاقات اشتیاق کے فارم پر ہوئی تھی جہاں اسے پوچھ گچھ کے لئے نظربند رکھا گیا تھا۔ میں اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ اس کی نگرانی پر مامور تھا۔ محض اتفاقاً ہم میں بات چیت شروع ہوئی تھی۔ ہم ایک دوسرے سے خاصے مانوس اور بے تکلف ہو گئے تھے۔"

"پھر..... پھر کیا ہوا؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔ "پھر یہ ہوا کہ ایک دن موقع ملتے ہی اس نے مجھے اور میرے ساتھی کو زخمی کر دیا اور وہاں سے فرار ہو گئی۔ یہ صلہ دیا تھا اس نے میری ہمدردی کا۔"

"گویا آپ اس کے بارے میں صرف اتنا ہی جانتے ہیں۔" میں نے مایوسی سے کہا۔ "میں سمجھا آپ اس کے بارے میں کوئی نئی بات بتائیں گے۔ کیا اس نے آپ کو بتایا تھا کہ اس ڈائری کا کیا چکر ہے؟ وہ اس سلسلے میں میرا نام کیوں لیتی ہے جبکہ میں نے ڈائری کی شکل بھی نہیں دیکھی۔"

"اس نے غلط بیانی نہیں کی۔ دراصل اس نے خطرے کا احساس ہونے پر وہ ڈائری تمہاری جیکٹ کی جیب میں ٹھونس دی تھی یہ الگ بات ہے کہ اس نے کار آمد اوراق پہلے ہی ڈائری سے نکال لئے تھے۔"

اچھا تو یہ قصہ ہے وہ ڈائری میری جیکٹ کی جیب میں رہی بھی ہو تو مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہو سکا کیونکہ اسٹوڈیو سے گھر واپس جاتے ہوئے میرا چند لفنگوں سے جھگڑا ہو گیا اور مجھے اتنی چوٹیں آئی تھیں کہ مجھے جیکٹ تو کیا خود اپنا ہوش نہیں تھا بعد میں وہ ڈائری تمہارے گروہ کے افراد کے ہاتھ لگ گئی تھی لیکن ڈائری سے نکالے ہوئے اوراق کا زیبی نے کیا کیا تھا؟"

"یہ تو خود زیبی ہی بتا سکتی ہے۔" خلیل نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"وہ کہیں مل جائے تو اس سے مجھے اور بھی بہت کچھ پوچھنا ہے۔ اس کی کرم نوازی نے تو مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ممکن ہے اس نے ایسا مجبوراً کیا ہو۔ اسے اندازہ ہی نہ ہو کہ اس کی غلط بیانی تمہارے لئے اتنی مصیبت کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اس کی اتنی حمایت کیوں کر رہے ہیں؟" میں نے کسی قدر چڑ کر کہا۔ خلیل نے ایک شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ دھیمے لہجے میں کہا۔ "اپنی بیوی کی حمایت اور دفاع میں نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟" اس کی بات کسی زبردست دھماکے سے کم نہ تھی۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھا بیٹھا۔ "کیا ..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ زیبی آپ کی بیوی....."

"ہاں بھائی.... میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ میں واقعی زیبی کا اکلوتا اور چہیتا شوہر ہوں۔ یقین نہ آئے تو میرے گھر چل کر دیکھ لو۔" میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اس کی بات کو حقیقت سمجھوں یا مذاق۔ وہ میری کیفیت پوری طرح سمجھ رہا تھا لہٰذا اس نے خود بات آگے بڑھائی۔ "میں نے آپ کو بتایا ہے ناں اشتیاق کے فارم پر ہم میں بے تکلفی ہو گئی تھی۔ میں اپنی مجرمانہ زندگی سے پہلے ہی ناخوش تھا۔ زیبی کے ترغیب دلانے پر میں نے تنظیم سے مکمل کنارہ کشی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں اپنے اس منصوبے پر بتدریج عمل کر رہا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے زیبی کے فرار میں بھی آپ کا ہاتھ رہا ہو گا؟" میں نے پوچھا۔

"ظاہری بات ہے۔ اس کے لئے مجھ غریب کو اپنے ساتھی کی کھوپڑی بجانا پڑی اور خود بھی زخمی ہونا پڑا۔ خدا کا شکر ہے کسی کو مجھ پر شک نہیں ہوا۔ میں اس لئے بھی ابھی تک تنظیم سے وابستگی برقرار رکھے ہوئے تھا کہ اس طرح مجھے زیبی کے خلاف ہونے والی تمام کارروائیوں کا علم رہتا تھا۔"

"زیبی کو تم نے کہاں رکھا ہوا ہے میرا مطلب ہے تمہارا گھر کہاں ہے؟ میں جلد از جلد زیبی سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے بے تابی سے کہا۔

"اس کے لئے آپ کو میرے ساتھ ٹھٹھہ چلنا پڑے گا۔ میں نے اسے ایسی محفوظ جگہ چھپا رکھا ہے کہ کسی کو ہوا تک نہیں لگ سکتی۔ خیر اب تو خطرہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے۔ ویسے بھی زیبی کا حلیہ اتنا بدل چکا ہے کہ شاید آپ بھی پہلی نظر میں اسے نہ پہچان پائیں۔ وہ مکمل خاتون خانہ بن چکی ہے۔ آپ چاہیں تو ہم صبح ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہو سکتے ہیں۔ وہ بھی آپ سے مل کر بہت خوش ہو گی۔"

"صبح ہونے سے پہلے ہمیں اشتیاق کی لاش سے بھی نجات حاصل کر لینا چاہیے۔" اچانک میں کاشف اور دیگر ساتھیوں سے مخاطب ہوا۔

"دن کی روشنی میں یہ کارروائی پریشان کن ثابت ہو سکتی ہے۔"

"یہ ٹھیک ہے۔ میں اور شعیب اسے کسی گڑھے میں پھینک آتے ہیں۔" ٹیپو نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ اسے پجیرو میں ڈال کر لے جاؤ۔ اب خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔

زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ جو بھی قریبی کچرا کنڈی ہو وہاں اسے ڈلیور کر دو۔ جلدی لوٹنے کی کوشش کرنا۔ دونوں کلاشنکوف ساتھ لیتے جاؤ۔"

عمیر اور شعیب اپنے مشن پر روانہ ہو گئے۔ ہم نہایت بے چینی سے ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ نصف گھنٹے تک واپس نہ لوٹے تو ہماری بے چینی پریشانی میں تبدیل ہو گئی۔ پندرہ بیس منٹ مزید گزر گئے۔ لیکن ان دونوں کا کوئی پتا نہیں تھا۔ میں خود کو کوسنے لگا کہ میں خود ان کے ساتھ کیوں نہیں گیا۔ ہمیں اس معاملے کو اتنا سہل نہیں لینا چاہیے تھا۔ وہ لوگ اشتیاق کے کارندوں کی نظروں میں آسکتے تھے۔ ہو سکتا ہے اب تک وہ لوگ زیادہ موثر کارروائی کے قابل ہو چکے ہوں۔ بات گولیوں سے آگے بھی جا سکتی تھی۔ گھنٹہ پورا ہونے پر میں صبر کا دامن چھوڑ بیٹھا۔ "وہ لوگ یقیناً کسی مصیبت میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ ہمیں وقت ضائع کئے بغیر ان کی مدد کو پہنچنا چاہیے۔"

"لیکن کہاں......؟ ہم انہیں کیسے ڈھونڈ سکیں گے۔ خدا جانے وہ کس طرف گئے ہوں گے۔" ریاض نے متفکر لہجے میں کہا۔

"کچھ بھی ہو۔ ہم یہاں سے باہر نکل کر ہی ان کے لئے کچھ کر سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے ہمیں اس پجیرو میں انہیں نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔" میری بات مکمل ہوتے ہی اچانک کال بیل بج اٹھی۔

"اوہ.... خدا کرے وہ لوگ واپس لوٹ آئے ہوں۔" میں نے تیزی سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ میں نے پولٹری فارم کے گیٹ کی درز سے باہر جھانکا۔ پجیرو پر نظر پڑتے ہی میں نے گیٹ کھول دیا۔ پجیرو طوفانی رفتار سے اندر داخل ہوئی۔ میں گیٹ بند کر کے اس طرف دوڑ پڑا جہاں پجیرو چھپانے کی جگہ تیار کی گئی تھی۔ "کیا ہوا.... اتنی دیر کہاں لگا دی... خیر تو ہے؟"

"بس یہ سمجھ لیں کہ بال بال بچے ہیں۔ آج تو پورا کام ہو گیا تھا۔" عمیر نے پجیرو سے اترتے ہوئے کہا۔ "بہرحال اب فکر کی کوئی بات نہیں۔ خطرہ بہت پیچھے رہ گیا ہے۔"

"کچھ بتاؤ تو سہی بھائی۔ تم کس خطرے کی بات کر رہے ہو۔" میں نے زچ ہو کر پوچھا۔

"پولیس سے سامنا ہو گیا تھا۔" عمیر کے بجائے شعیب نے بتایا۔ "ہم لوگ اشتیاق کو ٹھکانے لگا رہے تھے کہ پولیس موبائل ادھر آگئی اور انہوں نے اشتیاق کو نذر آتش کرتے بھی دیکھ لیا۔ انہوں نے ہمیں پکڑنے کی کوشش کی لیکن ہم پجیرو لے کر وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔"

"اشتیاق کو نذر آتش کرنے کی تم لوگوں کو کیا سوجھی ہے؟ اگر اسے چپ چاپ کسی کونے میں پھینک آتے تو یہ مسئلہ پیدا نہ ہوتا۔" میں نے اپنے لہجے کو نرم رکھتے ہوئے کہا۔

"ہم نے سوچا کہ اس طرح اس کی لاش ناقابل شناخت ہو جائے گی۔ خیر... ہم مانتے ہیں یہ ہماری غلطی تھی۔" اس اثناء میں ہم ریاض کے کمرے میں پہنچ گئے۔ وہ لوگ عمیر اور شعیب کو دیکھ کر خوش ہو گئے لیکن جب انہیں صورت حال معلوم ہوئی تو وہ کچھ پریشان ہو گئے۔ "پھر تم لوگوں نے ان سے کیسے پیچھا چھڑایا۔ کیا تمہارا پولیس سے فائرنگ کا تبادلہ بھی ہوا تھا؟" کاشف نے پوچھا۔ عمیر اور شعیب نے پرجوش انداز میں گردن ہلا کر کہا۔ "کوئی چھوٹی موٹی جھڑپ نہیں زبردست قسم کا پولیس مقابلہ کیئے۔ وہ لوگ بہت دور تک پیچھے لگے رہے۔ ہماری گاڑی پر کوئی گولی کار گر نہ ہونے سے وہ سخت پریشان ہوئے ہوں گے۔ وہ تو شاید زندگی بھر ہمارا پیچھا نہ چھوڑتے۔ بڑی مشکل سے موبائل کا ایک ٹائر برسٹ کر کے ہم اپنی جان چھڑانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ بہت لمبا چکر کاٹ کر ہم واپس یہاں پہنچے ہیں۔"

"کسی پولیس والے کو تو گولی نہیں لگی؟" میں نے پوچھا۔ ان کا جواب نفی میں تھا۔ "ہم نے ان کو براہ راست نشانہ بنانے کی کوشش ہی نہیں کی ورنہ ہم انہیں زبردست جانی نقصان پہنچا سکتے تھے۔ اسی لئے تو ان سے پیچھا چھڑانے میں دیر لگ گئی لیکن اب ہم یہ پجیرو سڑک پر نہیں لے جا سکتے۔ ہم دونوں کی شکلیں تو خیر وہ واضح طور پر نہیں دیکھ سکے ہوں گے۔"

"پجیرو کی تو تم لوگ فکر ہی نہ کرو۔ آج رات ہی اس کا حلیہ مکمل طور پر بدل جائے گا۔ اب تم دونوں آرام کرو۔ میں ناشتے وغیرہ کی تیاری کرتا ہوں سورج بس نکلنے ہی والا ہے۔" ریاض نے کہا۔

ناشتہ کرنے کے بعد میں اور خلیل بس کے ذریعے ٹھٹھہ روانہ ہو گئے۔ خلیل تمام راستے زیبی کے سگھڑپن اور خوش مزاجی کی تعریفوں کے پل باندھتا رہا۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ ایک معروف ماڈل گرل اور اداکارہ کے بارے میں بتا رہا ہے۔ بہرحال زیبی سے مختصر سے تعلق کے دوران میں یہ اندازہ تو لگا ہی چکا تھا کہ وہ عام سی سطحی قسم کی لڑکی نہیں ہے۔ ایسا ہوتا تو وہ ڈائری کے خطرناک چکر میں پڑنے کی کوشش ہی نہ کرتی۔ خلیل کے مجرمانہ ماضی کو نظرانداز کر کے اس سے شادی کرنے کا فیصلہ بھی اسے غیر معمولی اور منفرد ثابت کرتا تھا۔

ہمارے ٹھٹھہ پہنچنے تک سورج سر پر آچکا تھا۔ خلیل مجھے ساتھ لئے مختلف گلیوں سے گزرتا ہوا ایک چھوٹے سے مکان کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے دروازے پر نصب کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ کچھ دیر بعد گھر کے اندر سے پوچھا گیا۔ "کون ہے؟" وہ بلاشبہ زیبی کی آواز تھی۔ میں نے خلیل کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود جواب دیا۔ "یہ میں ہوں۔ دروازہ کھولو۔" توقع کے عین مطابق زیبی نے فوری طور پر میری آواز نہیں پہچانی۔

"آپ .... آپ کون ہیں....؟ کس سے ملنا ہے؟"

"دروازہ کھول سہتی۔ تیرا مراد بلوچ سارے قبیلے سے رشتہ ختم کر کے تجھ سے ملنے آیا ہے۔" میری بات پوری بھی نہیں ہو پائی تھی کہ دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ اگلے ہی لمحے زیبی میری نظروں کے سامنے تھی۔ وہ مسرت اور حیرانی کے ملے جلے جذبات سے مجھے گھورے جا رہی تھی۔ پھر اس نے خلیل کو بھی دیکھ لیا۔ "آپ .... آپ..!"

"بھئی اب گھر کے اندر بھی آنے دو گی یا سارا دن دروازے پر کھڑے رکھنے کا ارادہ ہے؟ "خلیل نے اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ زیبی یک لخت شرمندہ سی ہو گئی۔ "آیئے .... اندر آجایئے۔"

"لیجئے جناب میں آپ کے مراد بلوچ کو ڈھونڈ لایا ہوں۔ میں شاید دنیا کا واحد شخص ہوں جو اپنے رقیب کو اتنے اہتمام سے گھر لے کر آیا۔"

"آپ فضول باتیں بہت کرتے ہیں۔" زیبی کے چہرے پر اچانک شرم و حیا کے دھنک رنگ اتر آئے۔ اسے دیکھ کر لگتا ہی نہ تھا کہ اس نے کبھی گھر کی چار دیواری سے قدم باہر نکالا ہو گا۔ میک اپ سے بے نیاز چہرے اور سادہ سے گھریلو لباس میں وہ مکمل مشرقی خاتون خانہ دکھائی دے رہی تھی۔ "آپ دونوں ایک ساتھ ..... یہ آپ کو کہاں ملے کیا آپ..."

"خلیل نے اس کی بات کاٹ دی۔ "صبر کرو.... ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ ذرا آرام سے بیٹھنے تو دو۔ فی الحال تو یہ جان لو کہ اشتیاق ختم ہو چکا ہے اور اس کا سب سے بڑا اڈہ تباہ ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہمارا گروہ بھی عملی طور پر ختم ہو چکا ہے۔

"اوہ... یہ سب کیسے ہو گیا؟ کس نے کیا یہ سب کچھ ....؟ کیا پولیس..

"نہیں جناب.... یہ آپ کے ہیرو اور ان کے ساتھیوں کا کارنامہ ہے۔ روئی کا گودام جل کر راکھ ہو چکا ہے اور اشتیاق نے خود کشی کر لی ہے۔" خلیل نے مطمئن لہجے میں کہا۔

"مجھے تفصیل سے سب کچھ بتائیں۔ آپ نے تو مجھے حیران کر دیا ہے۔ یہ سب راتوں رات کیسے ہو گیا؟" زیبی نے حیرت زدہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"حیران تو آپ نے ہمیں کر رکھا ہے محترمہ۔ کون سی دشمنی نکالی ہے مجھ سے؟ میں نے تو آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑا تھا۔" میں نے مزاحیہ لہجے میں کہا۔

زیبی کے چہرے پر ایک بار پھر شرمندگی کا سایہ لہرا گیا۔ "مجھے ساری زندگی افسوس رہے گا کہ میری وجہ سے آپ کو اتنی مصیبتیں سہنا پڑیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ لوگ اس طرح آپ کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ دراصل اس وقت فوری طور پر مجھے اپنی جان چھڑانے کی یہی صورت سمجھ میں آئی تھی۔"

"چلیں جو ہوا سو ہوا۔ اب آپ یہ بتائیں کہ وہ ڈائری اب کہاں ہے؟ آپ نے

اسے محفوظ تو رکھا ہے ناں؟" میں نے پوچھا۔ زیبی کے ہونٹوں پر ایک شگفتہ مسکراہٹ ابھری۔ "اسے مجرموں کے ہاتھوں میں جانے سے بچانے کے لئے ہی تو یہ سب جتن کرنا پڑے ہیں۔ حتیٰ کہ میں نے اداکاری اور ماڈلنگ میں اپنے شاندار مستقبل سے دستبرداری اختیار کر لی۔ وہ ڈائری.... بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس ڈائری کے اوراق میرے پاس محفوظ ہیں۔ آپ کہیں تو میں ابھی آپ کے حوالے کر سکتی ہوں۔"

"کیا آپ نے پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کی ہے کہ اس ڈائری میں آخر ہے کیا جس نے ان لوگوں کو دیوانہ بنا رکھا ہے؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔ ڈائری کو دسترس میں پا کر میرے خون کی گردش میں اضافہ ہو رہا تھا۔ زیبی نے بتایا۔ "میں یہ تو سمجھ گئی تھی کہ اس ڈائری میں سینکڑوں مجرموں کے نام اور پتے اور ان کے اڈوں کی نشان دہی کی گئی لیکن بہت سے اعداد و شمار وغیرہ میری سمجھ سے باہر ہیں۔ وہ شاید کسی خفیہ زبان میں ہیں۔ آپ بیٹھیں میں اسے لے کر آتی ہوں۔" زیبی ہمیں وہاں چھوڑ کر بازو والے کمرے میں گھس گئی۔ واپس لوٹی تو اس کے ہاتھ میں چکنے کاغذ کے مختصر سائز کے بہت سے اوراق تھے۔ اس نے وہ میرے حوالے کر دیئے۔ میں نے ان اوراق پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "ان معمولی پرزوں کی وجہ سے کتنا خون خرابہ ہوا ہے۔ مجھے اور میرے دوستوں کو بار بار مصیبتیں اٹھانا پڑیں جبکہ میرے دو دوست تو اب بھی لاپتا ہیں۔"

زیبی نے صحیح کہا تھا۔ ان اوراق میں تحریر مجرموں کے اڈوں کے پتے اور اسی طرح کی کچھ معلومات سمجھ میں آ رہی تھیں۔ باقی سب کسی غیر مانوس زبان میں درج تھا۔ "آپ کو ایک دلچسپ بات بتاؤں۔ اس ڈائری میں روشن نصیر اور خلیل کے نام اور پتے بھی درج ہیں۔" زیبی نے بتایا۔

میں نے مجرموں کے ناموں اور اڈوں کی فہرست پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ "اب لگے ہاتھوں یہ بھی بتاتی چلیں کہ یہ ڈائری آپ کے ہاتھ کیسے لگی اور یہ سب چکر کیسے شروع ہوا۔"

"یہ قصہ بھی دلچسپ اور عجیب و غریب ہے۔ ان دنوں میں ایک فلم کی شوٹنگ کے لئے بھوربن میں مقیم تھی۔ وہیں ہوٹل میں ایک غیر ملکی خاتون سے میری دوستی ہو گئی۔ اس نے بتایا کہ وہ امریکہ سے ہماری ثقافت اور تاریخ پر تحقیق کرنے کے لئے پاکستان آئی ہوئی تھی۔ وہ امریکہ کی کسی یونیورسٹی سے وابستہ تھی۔ وہ اکثر شام کو میرے کمرے میں آجاتی تھی اور ہم رات گئے تک گپ شپ لگاتے رہتے تھے اور ہاں .... یہ بتانا تو میں بھول ہی گئی کہ اس فلم میں روشن نصیر بھی کام کر رہا تھا۔ خیر میں بتا رہی تھی کہ وہ عورت ریکا اکثر میرے کمرے میں آجاتی تھی' اسی طرح ایک روز وہ رات بارہ بجے کے قریب میرے پاس سے رخصت ہوئی۔" زیبی دم لینے کے لیے رکی۔ قدرے توقف کے بعد اس نے ایک بار

پھر بتانا شروع کیا۔

"اگلی صبح میں بیدار ہوئی تو ہوٹل میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ رات کو کسی نے ریکا کے کمرے میں گھس کر اسے قتل کر دیا۔ قتل کرنے سے پہلے اس سے بدسلوکی اور پھر تشدد بھی کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ کمرے میں بھی زبردست اکھاڑ پچھاڑ کی گئی تھی۔ مجھے ریکا کی موت کا بہت افسوس ہوا لیکن اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب مجھے اپنے بیڈ کے نیچے سے اس کا پرس ملا۔ وہ اسے وہاں بھول کر یا جان بوجھ کر چھوڑ گئی تھی۔

میں نے پرس کھول کر دیکھا تو اس میں سے یہ ڈائری ملی۔ ڈائری کے مندرجات جس حد تک میری سمجھ میں آئے اس سے میں یہ اندازہ لگانے میں کامیاب ہو گئی کہ ریکا اس ڈائری کی وجہ سے قتل کی گئی تھی اور اس کے قاتل اس ڈائری کو شدومد سے تلاش کر رہے ہوں گے چنانچہ میں نے وہ ڈائری ایک محفوظ جگہ چھپا دی اور شوٹنگ مکمل ہونے کے بعد یہ ڈائری اپنے ساتھ کراچی لے آئی۔ میں تقریباً" روزانہ اسے پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتی تھی لیکن مجھے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر تھک ہار کر میں نے یہ ڈائری قانون نافذ کرنے والے اداروں کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا۔ احتیاط کے تقاضوں کے پیش نظر میں نے براہ راست ملاقات کرنے کے بجائے فون کے ذریعے ایک ذمے دار عہدے پر فائز افسر سے بات کی۔ میں نے فرضی نام سے اپنا تعارف کرایا اور اس ڈائری کے بارے میں مختصراً" بتایا۔ اس نے مجھے اگلے روز دفتر آنے کے لئے کہا اور ساتھ ساتھ ڈائری کو حفاظت سے رکھنے کی بھی تاکید کی۔ میں یہ خطرہ مول لینے یا نہ لینے کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ فون کرنے کے بمشکل ڈیڑھ گھنٹے بعد کئی مسلح افراد زبردستی میرے فلیٹ میں گھس آئے۔ انہوں نے مجھے اور میری عزیزہ "بی بی جی" کو سخت تشدد کا نشانہ بنایا۔ وہ لوگ ڈائری کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ انہوں نے میرے فلیٹ کی بھی ایسی تیسی کر کے رکھ دی لیکن خوش قسمتی سے میں یہ ڈائری پہلے ہی اپنے بینک لاکر میں محفوظ کر چکی تھی۔ وہ لوگ میری زبان کھلوانے میں ناکام ہو کر واپس چلے گئے لیکن چند روز بعد انہوں نے ایک بار پھر میری غیر موجودگی میں میرے فلیٹ کی تلاشی لی۔ وہ لوگ شاید میری نگرانی بھی کر رہے تھے۔ مجھے خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ ان لوگوں کو جلد یا بدیر میرے بینک لاکر کا بھی پتا چل جائے گا اس طرح ڈائری میرے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ معاملہ ٹھنڈا پڑتے ہی ڈائری کو کسی قابل اعتماد شخصیت کے حوالے کر کے اپنی جان چھڑا لوں گی۔ کافی دن میری نگرانی جاری رکھنے کے بعد وہ لوگ ٹھنڈے پڑ گئے تو میں ایک روز بینک لاکر سے ڈائری نکال لائی۔ جس روز اسٹوڈیو میں میری آپ سے آخری ملاقات ہوئی اس شام میں وہ ڈائری ایک معتبر عہدیدار کے حوالے کرنے کے ارادے سے اپنے ساتھ لے کر گئی تھی۔ اس وقت تک مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ روشن نصیر کا نام و پتا بھی اس ڈائری میں درج ہے؟

دراصل میں نے ڈائری میں اس کا نام تو پڑھا تھا لیکن میرا ذہن اس کی طرف نہیں جا سکا تھا کیونکہ ڈائری میں اس کا نام روشن نصیر نہیں بلکہ نصیر روشن درج تھا اور میں انگریزی میں نصیر نہیں بلکہ ناصر پڑھتی رہی تھی۔ جب اسٹوڈیو میں اس نے آپ سے بدسلوکی کی تو اچانک میرے ذہن میں واضح ہو گیا کہ ڈائری میں درج ناصر روشن' دراصل روشن نصیر ہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مجھے فوری خطرے کا احساس ہوا کہ وہ بھی ڈائری کی تلاش میں بھٹکنے والے مجرموں میں شامل ہو سکتا ہے۔ اگر اسے ذرا بھی شک ہو گیا کہ ڈائری اس وقت میرے پرس میں موجود ہے تو وہ مجھے اس سے محروم کر سکتا ہے۔ اس صورت حال میں ڈائری کو ساتھ لے کر اسٹوڈیو سے باہر نکلنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اس وقت میں اتنی پریشان تھی کہ بتا نہیں سکتی۔ بالآخر میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور میں اس پر عمل کر گزری۔ میں نے ڈائری میں سے یہ اوراق الگ کر لئے۔ کرامت علی کی میز کی دراز سے مجھے ڈاک کا ایک لفافہ مل گیا تھا۔ میں نے یہ اوراق اس لفافے میں ڈالے اور لفافے پر اپنی ایک بہت ہی عزیز سہیلی کا پتا لکھ دیا تھا کہ میرے آنے تک وہ ان کاغذات کو سنبھال کر رکھے۔ اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد مجھے سامنے موجود کرسی کی پشت پر ایک جیکٹ لٹکی نظر آئی۔ تب تک مجھے یہ علم نہیں تھا کہ وہ جیکٹ آپ کی ہے۔ خیر میں نے وہ ڈائری اس جیکٹ میں ڈال دی۔ کچھ ہی دیر بعد مجھے گھر سے بی بی جی کا فون موصول ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ صبح سے چار مرتبہ کوئی نامعلوم عورت میرے فلیٹ پر فون کر چکی ہے۔ اس کے علاوہ مشکوک حلیوں والے افراد مسلسل فلیٹ کے آس پاس منڈلا رہے ہیں۔ بی بی جی سخت پریشان تھیں چنانچہ میں نے انہیں کہا کہ میں بہت جلد گھر پہنچ رہی ہوں۔ گھر پہنچنے کے بعد میں نے مختصر سا سامان ساتھ لیا اور بی بی جی کے ہمراہ گھر سے نکل پڑی۔ میں حیدر آباد جانے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن میں اپنے اس ارادے پر عمل نہ کر سکی۔ اشتیاق کے کارندوں نے مجھے راستے میں روک لیا۔ تلاشی پر جب میرے پاس سے ڈائری برآمد نہ ہوئی تو انہوں نے مجھے اغواء کر کے اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا البتہ بی بی جی کو انہوں نے چھوڑ دیا۔ اس سے آگے کا سارا قصہ آپ کو معلوم ہے۔ یہ ڈائری میں نے خلیل سے شادی کے بعد اپنی سہیلی سے حاصل کر لی تھی۔ خلیل مجھے آپ کے خلاف کی جانے والی کارروائیوں کے بارے میں بتاتے رہے ہیں اور میں آپ کی سلامتی اور کامیابی کے لئے مسلسل دعائیں کرتی رہی ہوں۔"

"خدا نے تمہاری دعائیں قبول کر لی ہیں۔ اب تم کھانے پینے کا بندوبست کرو۔ دانش بھی کیا کہے گا کہ ہمارے پاس مہمان نوازی کا رواج بھی ہے یا نہیں؟" خلیل نے شگفتہ لہجے میں کہا۔ زیبی شرمندہ سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ابھی مجھے کھانے پینے کی کوئی طلب نہیں۔ زیبی! آپ بیٹھیں۔ مجھے آپ سے ایک

آدھ بات اور پوچھنا ہے۔"

"جی پوچھیں!" زیبی نے کہا

"آپ یہ بتائیں کہ کیا آپ نے بعد میں یہ کاغذات کسی قابل اعتبار شخصیت تک پہنچانے کی کوشش نہیں کی؟"

"سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے دوبارہ کوشش نہیں کی۔ دراصل مجھے خطرہ تھا کہ اس طرح میں ایک بار پھر نظروں میں آجاؤں گی اور میں اس سے ہر قیمت پر بچنا چاہتی تھی۔ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو دو ایسے افراد کا نام اور فون نمبر وغیرہ دے سکتی ہوں۔ جنہیں میں قابل اعتبار سمجھتی ہوں۔ آپ ان سے رابطہ کر کے یہ کاغذات ان کے حوالے کر سکتے ہیں۔"

"آپ مجھے ان کے نام بتا دیں لیکن میں پوری طرح مطمئن ہوئے بغیر پیش قدمی نہیں کروں گا۔ یہ کاغذات ہمارے ہاتھ سے نکل گئے تو ہم کچھ بھی نہیں کر پائیں گے۔ ابھی تو ہمیں اپنے دو ساتھیوں کو بازیاب کرانا ہے۔ اشتیاق تو اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ اب ہمیں دوسرے ٹولے سے نمٹنا ہے۔ میرے ساتھی یقیناً" ان کے قبضے میں ہوں گے۔ خدا کرے وہ دونوں بخیریت ہوں۔"

"آمین ..... ویسے اس ڈائری کے ذریعے آپ یقیناً" ان تک پہنچ جائیں گے"

"اس نیک کام میں اگر میں بھی شریک ہو جاؤں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟" خلیل نے مجھ سے پوچھا۔ "شاید اس طرح میں اپنے گناہوں کا کچھ کفارہ ادا کر سکوں۔"

"مجھے تو خوشی ہوگی۔ اچھے ساتھیوں کی بھلا کسے ضرورت نہیں ہوتی۔ اس مہم میں آپ ہمارے بہت بڑے مدد گار ثابت ہوں گے۔ زیبی آپ کو تو اس بارے میں کوئی اعتراض نہیں ہے؟"

"جی نہیں۔ یہ تو انہوں نے میرے دل کی بات کی ہے۔ اگر یہ آپ کے کسی کام آسکے تو میں سمجھوں گی انہوں نے اس زیادتی کا کچھ ازالہ کر دیا ہے جو میں نے ڈائری کے حوالے سے آپ کا نام لے کر کی تھی"

شام ڈھلے میں ٹھٹھہ سے کراچی کے لئے چل پڑا۔ خلیل کو اگلے روز ہمارے پاس پہنچنا تھا۔ مجھے زیبی اتنی مطمئن نظر آئی تھی کہ میں چاہنے کے باوجود نہ پوچھ سکا کہ کیا وہ دوبارہ عکس و آہنگ کی زندگی میں لوٹنا چاہے گی۔ میرے ساتھی یہ جان کر بے حد خوش ہوئے کہ میں ڈائری حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ میں نے انہیں زیبی سے ہونے والی گفتگو اور اس کی فراہم کردہ معلومات سے آگاہ کیا۔ ڈائری کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ہم ڈولی کے گروہ کے تین ٹھکانوں کا پتہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے میں نے ڈولی کا پتا

اور موبائل فون خصوصی طور پر ذہن نشین کر لیا۔

ریاض نے بتایا کہ ہیجرو کے حلئے کی تبدیلی کا کام زور و شور سے جاری ہے۔ وہ لوگ کاشف کو ایک قابل اعتماد ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے۔ اس نے اس کے لئے چند ادویات اور ٹانک وغیرہ تجویز کئے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ فکر کی کوئی بات نہیں کاشف بہت جلد پہلے کی طرح توانا ہو جائے گا۔ ہم نے کاشف کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے گھر جا کر اپنی ماں سے مل آئے لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ "اب ہم سب اکٹھے ہی اپنے گھروں کو جائیں گے۔ عمر اور اشرف کے بغیر میں کیا منہ لے کر وہاں جاؤں۔"

"انشاء اللہ وہ دونوں بھی ہم سب کے ساتھ گھر لوٹیں گے۔ آپ دل چھوٹا نہ کریں۔" میں نے کاشف کو تسلی دی۔ ہم سب رات گئے تک جاگتے رہے اور آئندہ حکمت عملی کے حوالے سے صلاح مشورہ کرتے رہے۔ ہمیں کارروائی کے لئے مزید اسلحے کی ضرورت تھی۔ ریاض نے کہا کہ وہ اس سلسلے میں صبح ہی سے انتظامات شروع کر دے گا۔ صبح آنکھ کھلی تو ریاض نے خوشخبری سنائی کہ رات بھر کی محنت کے نتیجے میں ہیجرو نیا رنگ و روپ اختیار کر چکی ہے۔ اس نے بالکل درست کہا تھا۔ اب اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہی کل والی گاڑی ہے۔ نمبر پلیٹ بھی جینوین لگ رہی تھی۔

شام سے ذرا پہلے خلیل بھی آگیا۔ رات کو ہم سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ اگلے روز ڈولی کے گروہ کے تینوں ٹھکانوں کا دور سے جائزہ لیا جائے اور وہاں کی صورت حال سے اندازہ لگا لیا جائے کہ ہمارے دونوں ساتھی کہاں ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد عملی کارروائی کے لئے لائحہ عمل ترتیب دیا جائے۔ آمدورفت کے لئے ہیجرو استعمال کی جانی تھی کیونکہ ریاض کے بقول اس کے کاغذات بھی اتنی مہارت سے تیار کروائے جا چکے تھے کہ ان پر شک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اگلے روز حسب پروگرام میں خلیل، عمیر اور ریاض کے ہمراہ اپنے مشن پر نکل کھڑا ہوا۔ ڈرائیونگ حسب معمول ریاض کر رہا تھا۔ ہم ڈائری سے حاصل شدہ پہلے پتے پر پہنچے۔ کیماڑی کے علاقے میں واقع وہ ویئر ہاؤس مجرمانہ سرگرمیوں کے لئے موزوں ترین ثابت ہو سکتا تھا لیکن اس وقت وہاں کوئی ذی روح نظر نہیں آرہا تھا۔ دونوں گیٹ باہر سے مقفل تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ایک عرصے سے یہ جگہ اسی حالت میں ہے۔ وہاں سے مایوس ہو کر ہم دوسرے پتے پر پہنچے۔ کورنگی انڈسٹریل ایریا میں واقع برف سازی کا وہ کارخانہ بھی شاید کئی سالوں سے بند پڑا تھا۔ حتیٰ کہ وہاں کوئی چوکیدار بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ یہاں قریب ہی واقع ایک کیمیکل فیکٹری کے چوکیدار نے بتایا کہ اس نے گزشتہ سال بھر کے دوران اس کارخانے میں کسی کو آتے جاتے نہیں دیکھا۔ دو مکمل ناکامیوں کے بعد تیسری ناکامی غیر متوقع نہیں تھی لیکن بہرحال مایوس تو ہونا ہی تھا۔ زرعی آلات کی امپورٹ ایکسپورٹ سے

وابستہ وہ ایجنسی بھی سال بھر سے بند پڑی تھی۔

"یوں لگتا ہے کہ یہ لوگ ضرورت سے زیادہ ہی چالاک اور محتاط ہیں۔" میں نے کہا۔ "انہوں نے شاید ایسی تمام جگہوں پر سرگرمیاں ترک کر دی ہیں جن کی نشاندہی اس ڈائری کے ذریعے ہو سکتی تھی۔" میری اس رائے کی سبھی نے تائید کی۔ "کامیابی کی امید تو نہیں لیکن لگے ہاتھوں ڈولی کے ٹھکانے کا بھی چکر لگاتے چلیں۔ کیا پتا تکا لگ ہی جائے۔"

ساحل سمندر پر واقع فلک بوس عمارت میں ڈولی کے فلیٹ تک پہنچنا جوئے شیر لانے کے مترادف ثابت ہوا۔ سیکورٹی والوں کو چکمہ دے کر میں تنہا گیارہویں منزل پر واقع فلیٹ کے دروازے پر پہنچا تو میرے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو رہی تھی۔ کیا یہاں بھی ناکامی میری منتظر ہے؟ اگر ڈولی یہاں موجود ہوئی تو میں اس سے کیا بات کروں گا؟ کہیں میں اپنے لئے خود ہی تو پھندا تیار نہیں کر رہا ہوں؟ میں کس طرح پتا چلاؤں کہ ڈولی فلیٹ میں موجود ہے یا نہیں؟ کیا کال بیل کا بٹن دبا دوں؟

شش و پنج میں تھا کہ اچانک ساتھ والے فلیٹ کا دروازہ کھلا اور ایک معمر خاتون برآمد ہوئیں۔ مجھے دیکھ کر وہ لفٹ کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گئیں۔ "کس سے ملنا ہے بیٹے؟"

"جی ......جی... وہ..... میں....." میری سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دوں۔

"کیا مس جیمز سے ملنے آئے ہو؟ وہ تو کچھ عرصہ پہلے یہاں سے منتقل ہو گئی ہے۔" وہ خاتون خاصی باتونی لگتی تھیں۔ میں نے ان کی عادت سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ "ان سے کیسے رابطہ ہو سکتا ہے؟ میں نے سنا تھا وہ یہ فلیٹ فروخت کرنا چاہتی ہیں؟"

"اچھا! مجھے اس کے بارے میں نہیں معلوم۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ شہر میں بھی ہے یا نہیں۔ سنا تھا وہ امریکہ چلی گئی ہے۔" میں سمجھ چکا تھا کہ میرا یہاں تک پہنچنا بے کار ہی رہا ہے لہٰذا میں نے ان خاتون کو یاد دلایا کہ وہ لفٹ کے ذریعے کہیں جا رہی تھیں۔

پھر ہم دونوں ایک ساتھ گراؤنڈ فلو پر پہنچے۔ میرے ساتھی بے چینی سے میرے منتظر تھے۔

"کوئی کامیابی ہوئی؟" میں نے نفی میں گردن ہلا دی۔ "ڈولی بھی یہاں سے جا چکی ہے۔ اب ہمارے پاس کوئی بھی ایسا قابل ذکر سراغ نہیں ہے۔ جس کے ذریعے ہم ان لوگوں تک پہنچ سکیں۔" میں نے مایوسی سے کہا۔ ہم وہاں سے چل پڑے۔ ہم سب ہی سوچوں میں گم تھے۔

گاڑی میں کلفٹن سپر مارکیٹ کے پاس سے گزر رہے تھے کہ اچانک میری نظر ٹیلی کارڈ کے فون بوتھ پر نظر پڑی۔ "گاڑی اس فون بوتھ کے پاس روک دیں۔" میں نے کہا۔ ریاض نے بغیر کوئی سوال کیے گاڑی سائیڈ پر کر کے روک لی۔ ٹیلی کارڈ مجھے قریبی اسٹور سے مل گیا میں نے امید و بیم کے عالم مین ڈولی کے موبائل فون کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سن کر میرا دل دھڑک اٹھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ڈولی کا موبائل فون اب بھی کام

کر رہا تھا۔ چوتھی گھنٹی پر کال اٹینڈ کی گئی۔ "ہیلو....." مجھے کسی کی بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔ یہ غیر متوقع صورت حال تھی لیکن میں نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔

"ہیلو ..... کون بات کر رہا ہے؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"جی مجھے مس جیمز سے بات کرنا ہے۔ میں سپر اسٹیٹ ایجنسی سے بات کر رہا ہوں۔ ان کے فلیٹ کے لئے آفرز دینی ہے۔" میں نے اپنی آواز حتی الوسع تبدیل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے دوسری طرف سے دو افراد کے آپس میں بات کرنے کی دھیمی آواز سنائی دی۔ پھر میں نے ڈولی کی سریلی آواز سنی..... "آپ سے کس نے کہا کہ میں فلیٹ فروخت کرنا چاہتی ہوں؟ پہلے تو آپ یہ بتایئے کہ میرا نمبر آپ کو کہاں سے ملا؟" اس کے لہجے میں خاصی تندی اور ناراضگی تھی۔

"ڈولی میں دانش بات کر رہا ہوں۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "مجھے تم سے ایک اہم بات کرنا ہے۔" میری بات سن کر وہ یک لخت خاموش ہو گئی پھر وہ تیز لہجے میں بولی۔ "میں فلیٹ فروخت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ سمجھے آپ؟ اور آئندہ مجھے فون کرنے کی زحمت نہ کریں ورنہ میں آپ کی ایجنسی کے خلاف سخت کارروائی کروں گی۔ گڈبائی۔" ڈولی نے بظاہر بات ختم کر دی تھی لیکن اس نے رابطہ منقطع نہیں کیا تھا۔ مجھے اس کی آواز بدستور سنائی دے رہی تھی۔ وہ اپنے سامنے موجود کسی شخص سے مخاطب تھی۔

"کہیں میرے فلیٹ پر آنے والا شخص یہی اسٹیٹ ایجنسی کا ایجنٹ نہ ہو۔ تمہارے بندے خواہ مخواہ اس کے تعاقب میں لگ گئے ہوں گے۔ انہیں کال کر کے کہو اس بیچارے سے بدسلوکی نہ کریں۔ وہ تو ہر ایک کو دانش سمجھ کر گولیوں سی چھلنی کرنے کے لئے بے تاب ہیں۔" ڈولی نے بات مکمل کر کے رابطہ ختم کر دیا۔ اس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ نے میرے جسم میں خوف کی سرد لہر دوڑا دی۔ میں ریسیور اسٹینڈ پر لٹکا کر تیزی سے پلٹا۔ عین اسی وقت دو دراز قامت سوٹ پوش میرے راستے میں حائل ہو گئے۔ ان کی سفاک آنکھیں میری چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر ان دونوں نے بیک وقت مجھے پہچان لیا۔ میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول نکالنے کی کوشش کی لیکن وہ دونوں پہلے ہی مجھ پر اپنے پستول تان چکے تھے۔

○

مجھے بخوبی علم تھا کہ وہ دونوں اعلی تربیت یافتہ قاتل ہیں۔ ہتھیاروں کے استعمال میں ان کی مہارت پر شک کرنا خوش فہمی ہی ہوتی اور میں اس خوش فہمی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ ڈولی کی گفتگو سے یہ بھی ظاہر ہو چکا تھا کہ انہیں میرے قتل کی ڈیوٹی سونپی گئی ہے اور ان دونوں نے وہ پستول مجھے دھمکانے کے لئے نہیں بلکہ میرا جسم چھلنی کرنے کے لئے تان رکھے ہیں۔

میرے پاس شاید لمحے بھر سے بھی کم مہلت تھی۔ اگر میں اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھا پاتا تو اگلا لمحہ میرے لئے موت کا پیغام ثابت ہوتا۔ میں نے پوری قوت سے اپنے جسم کو فضا میں اچھالا اس کے ساتھ ہی میرے دونوں پاؤں برق رفتاری سے حرکت میں آئے۔ میرے دائیں پاؤں کی کک دائیں طرف والے پستول بردار کے بازو سے زبردست قوت سے ٹکرائی جب کہ بائیں پاؤں کی ٹھوکر دوسرے پستول بردار کی پسلیوں سے ٹکرائی۔ میری یہ کاروائی اتنی بے ساختہ اور بروقت تھی کہ وہ پستول کا ٹریگر دبانے کی خواہش پر بھی عمل نہ کر سکے۔ کک کی ضرب سے دائیں طرف والے حملہ آور کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر دور جا گرا جب کہ دوسرا ایک ہولناک چیخ مار کر اپنا سینہ پکڑنے پر مجبور ہو گیا۔ پستول اب بھی اس کی گرفت میں تھا لیکن درد و کرب کی شدت نے اسے وقتی طور پر سب کچھ فراموش کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اپنے اہداف پر کارگر حملہ کر کے میں ایک بار پھر اپنے پیروں پر آن کھڑا ہوا لیکن میں انہیں خود کو سنبھلنے کی مہلت نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے برق رفتاری سے خود کو بائیں پاؤں کی ایڑھی پر گھماتے ہوئے پستول بردار مضروب کی پنڈلیوں کے پچھلے حصے پر سوئپ لگائی۔ وہ ایک جھٹکے سے اچھلا اور کمر کے بل پختہ فرش سے ٹکرا گیا۔ تصادم اتنا شدید تھا کہ اس کے حلق سے ایک اور اذیت ناک چیخ بر آمد ہوئی۔ وہ بھی پستول پر اپنی گرفت کھو بیٹھا تھا۔ میں نے ٹھوکر مار کر پستول اس کے پاس سے دور پھینک دیا۔ اس کی طرف سے قدرے مطمئن ہونے کے بعد میں دوسرے شخص کی طرف متوجہ ہوا لیکن اس دوران میں وہ خود کو سنبھالنے اور میری زد سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ میں نے اسے تیزی سے اپنے پستول کی طرف بڑھتے دیکھا۔ قبل اس کے کہ میں کچھ کر پاتا وہ اپنا پستول ایک بار پھر قبضے میں کر چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ مڑ کر مجھے نشانہ بناتا میں نے ایک طویل جست لگائی اور اس چوڑے ستون کے عقب میں جا پہنچا جس پر ٹیلی فون نصب تھا۔ پستول بردار میرے ہاتھوں ہزیمت اٹھانے پر اس قدر مشتعل تھا کہ اس نے بلا توقف فائر کھول دیا۔ یکے بعد دیگر تین چار گولیاں ستون سے ٹکرائیں۔ ان گولیوں نے یقیناً" ٹیلی فون کے پرخچے اڑا دیئے ہوں گے۔ اس اثناء میں مجھے اپنا پستول نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔ گولیاں ضائع جاتے دیکھ کر پستول بردار کو اپنی حماقت کا احساس ہو گیا ہو گا چنانچہ اس نے فائرنگ روک دی لیکن وہ پستول یقیناً" اس کے نشانے پر ہو گا جس کی آڑ میں میں چھپا ہوا تھا۔ وہ میرے جسم کے کسی بھی حصے کی جھلک دیکھتے ہی مجھے نشانہ بنا سکتا تھا۔ وہ محض چند لمحوں میں میرے پہلو میں پہنچ کر بھی مجھے نشانہ بنا سکتا تھا۔ جبکہ اس دوران میں اس کا ساتھی بھی خود کو سنبھال کر اس معرکے میں شامل ہو سکتا تھا۔ وہ دونوں باآسانی مجھے گھیر کر مار سکتے تھے۔

میرا ذہن نہایت تیزی سے اس خطرناک صورتحال سے نجات حاصل کرنے کی ترکیب سوچ رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے میں نے اپنی جیکٹ اتاری اور اسے ستون کی اوٹ سے فضا میں لہرا دیا۔ عین اسی وقت فضا میں یکے بعد دیگرے تین دھماکے گونجے۔ جیکٹ کو لگنے والے ہلکے سے جھٹکے سے اندازہ ہوا کہ ان میں سے کم از کم ایک ضرور جیکٹ کو چھید گئی ہے قدرے توقف کے بعد میں نے ایک بار پھر جیکٹ فضا میں لہرائی۔ اس بار صرف ایک گولی چلی لیکن وہ جیکٹ کو نشانہ بنانے میں ناکام رہی۔

میرے اندازے کے مطابق اس چاند ماری کے نتیجے میں نشانچی کے پستول کا میگزین خالی ہو چکا تھا۔ اگر میں یہ سنہری موقع ضائع کر دیتا تو یہ سیدھی سادھی خود کشی ہوتی۔ میں بجلی کی سی تیزی سے ستون کے عقب سے نکلا۔ پستول میں نیا میگزین چڑھا چکا تھا لیکن میں نے اس بار اسے ٹریگر دبانے کی مہلت نہ دی۔ میرے پستول سے نکلنے والی گولی اس کی گردن کے آرپار ہو گئی دوسری گولی اس کے سینے پر لگی۔ اس کے حلق سے ایک بے ہنگم چیخ بر آمد ہوئی اور لڑکھڑا کر منہ کے بل پختہ فرش پر ڈھیر ہوتا چلا گیا۔ پستول اس کے ہاتھ سے پہلے ہی نکل چکا تھا۔

اس کی طرف سے بے فکر ہو کر میں اس کے ساتھی کی طرف متوجہ ہوا۔ اس دوران میں وہ نہ صرف خود کو سنبھال چکا تھا بلکہ اس نے اپنا پستول بھی قبضے میں کر لیا تھا۔ سب سے زیادہ تشویش کی بات یہ تھی کہ وہ پستول اٹھا کر ایک بڑے سے گملے کے پیچھے جا چھپا تھا۔ وہ کسی بھی لمحے مجھے گولی کا نشانہ بنانے والا تھا۔ میں نے ایک بار پھر ٹیلی فون بوتھ والے ستون کی آڑ میں پناہ لینے کے بارے میں سوچا لیکن میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ وہ شخص مجھے اتنی مہلت نہیں دے گا اسے فوری طور پر گولی چلانے سے روکنے کا میرے پاس ایک ہی طریقہ تھا جس پر میں نے فوراً" عمل کیا۔ میری چلائی ہوئی گولی اس گملے سے ٹکرائی

جس کے عقب میں وہ مورچہ بند تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں الٹے قدموں ستون کی جانب بڑھ رہا تھا۔ دوسری گولی بھی گملے سے ٹکرا کر اچٹ گئی' تیسری گولی چلانے کے ساتھ ہی میں ستون کے عقب میں پہنچ چکا تھا۔ اب ہم دونوں ہی محفوظ جگہوں پر پہنچ چکے تھے۔ خود کو خطرے میں ڈالے بغیر ہم میں سے کوئی بھی دوسرے کو گولی کا نشانہ نہیں بنا سکتا تھا۔

میں فوری خطرے کی زد سے باہر تھا لیکن بات اتنی سادہ نہیں تھی۔ میرے پستول کا میگزین خالی ہو چکا تھا۔ اور میرے پاس صرف ایک فاضل میگزین بچا تھا اگر میں ان آٹھ گولیوں میں اپنے دشمن کا شکار نہ کر پاتا تو پھر مجھے شکار ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ میں نے پستول میں نیا میگزین لگایا۔ میری جیکٹ اب بھی میرے قدموں میں پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے حریف کی گولیاں ضائع کرانے کے لیے ایک بار پھر جیکٹ لہرانے کا حربہ آزما ڈالا لیکن اس بار میری یہ چالاکی کارگر نہ ہو سکی۔ وہ شاید پہلے ہی میری طرف سے اس کار گزاری کی توقع کر رہا تھا۔ وہ کسی خونخوار درندے کے مانند گھات لگائے میری طرف سے کسی غلطی کے ارتکاب کا منتظر تھا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت مجھ پر بھی طاری تھی۔

ہر گزرتا لمحہ حالات کی سنگینی میں اضافہ کرتا جا رہا تھا۔ میرے اعصاب کا کھنچاؤ بھی برداشت سے باہر ہو چلا تھا۔ یہ سب قتل و غارت گری اور آتش و آہن کا کھیل کسی جنگل میں نہیں بلکہ کلفٹن کے بارونق علاقے میں ہو رہا تھا۔ کسی بھی لمحے فائرنگ کی آواز سن کر کونے کھدرے میں دبک جانے والی پولیس کے اہلکاروں کو اپنی کارکردگی دکھانے کا شوق چڑھ سکتا تھا۔ وہ بغیر کسی توقف کے فائر کھول دیتے۔ میں اس پستول اور گنتی کی چند گولیوں کے ساتھ اپنا دفاع نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے گرفتار کرنے کے بجائے پولیس مقابلے کے نام پر اگلے جہاں روانہ کرنے کو زیادہ بہتر سمجھتے مجھے جلد از جلد وہاں سے فرار ہو جانا چاہیے تھا لیکن کیا میری ناک میں بیٹھا وہ شخص مجھے اس کی مہلت دیتا؟

میں کسی فیصلے پر پہنچ نہیں پا رہا تھا۔ تبھی ایک جانی پہچانی غراہٹ میرے کانوں میں پہنچی۔ میرے ساتھیوں کو بالآخر میری حالت پر رحم آ گیا تھا۔ ریاض نے پیجیرو فٹ پاتھ پر چڑھا دی تھی گاڑی کا رخ یقیناً میری جانب رہا ہو گا۔ میرا یہ اندازہ درست ثابت ہوا۔ چند ہی لمحوں میں پیجیرو کے انجن کی آواز بہت قریب آ گئی۔ پھر وہ اس ستون کے بالکل ساتھ آ کر ٹھہر گئی۔ عمیر نے میری جانب والا دروازہ کھول دیا۔ میں پلک جھپکتے ہی گاڑی کے اندر گھستا چلا گیا۔

"جلدی سے یہاں سے نکل چلیں" میں نے مضطرب لہجے میں کہا۔ ریاض نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ لیکن اس کا رخ سڑک کی جانب نہیں تھا۔ یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟ میں نے ریاض سے پوچھا لیکن اس نے سنی ان سنی کر دی۔ پیجیرو کا رخ بدستور گملے کی جانب رہا جس کے عقب میں دوسرا حملہ آور پوشیدہ تھا۔ میں نے اسے مزید ٹوکنے کی کوشش نہیں

کی۔ پیجیرو مست ہاتھی کی طرح جھومتی گملے کے پاس پہنچی وہ شخص اس دوران اس صورتحال کا اندازہ لگا چکا تھا۔ وہ ایک جست لگا کر گملے کے عقب سے نکلا اور اپنے پستول کا رخ پیجیرو کی ونڈ اسکرین کی سمت کر کے لگاتار نصف درجن فائر کر ڈالے۔ یہ گولیاں بلٹ پروف ونڈا سکرین کا تو کچھ نہ بگاڑ سکیں البتہ اس چکر میں وہ بے چارہ فرار ہونے کا قیمتی موقع بھی گنوا بیٹھا۔ خاصی تیز رفتاری سے آگے بڑھتی پیجیرو کی ٹکر نے اسے فٹ بال کی مانند فضا میں اچھال دیا۔ اس کے حلق سے برآمد ہونے والی چیخ بے حد ہولناک تھی۔ پختہ فرش سے تصادم نے یقیناً" اس کی ہڈیاں چکنا چور کر ڈالی ہوں گی۔

مجھے یہ دیکھ کر کچھ اطمینان ہوا کہ ریاض نے اسے اس کے حال پر چھوڑ کر پیجیرو کا رخ سڑک کی جانب موڑ دیا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد ہم تیز رفتاری سے کورنگی روڈ کی جانب براستہ سن سیٹ بلیوارڈ رواں دواں تھے۔ خوش قسمتی سے ہم بغیر کسی الجھن کے گھیرا قبرستان سے گزر کے شاہراہ فیصل پر پہنچ گئے۔ ہم بظاہر فوری خطرے کی حد سے باہر آ چکے تھے لیکن ہمارے اعصاب ٹھکانے پر پہنچنے تک تناؤ کا شکار رہے۔ موت محض لمحے بھر کے فاصلے سے گزر گئی تھی اگر ڈولی مجھے بروقت خبردار نہ کرتی تو اس وقت ٹیلی فون بوتھ کے پاس میری گولیوں سے چھلنی لاش پڑی ہوتی۔

پولٹری فارم پر کاشف نہایت بے چینی سے ہمارا منتظر تھا۔ "آج تو اپنا حساب کتاب ختم ہوتے ہوتے بچا ہے کاشف۔" میں نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ باقی ساتھی بھی جگہیں سنبھال کر وضاحت طلب نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے مختصر لیکن جامع الفاظ میں دن بھر کی کارروائی کاشف کے گوش گزار کر دی۔ ڈولی سے میری گفتگو کا علم خلیل' عمیر اور ریاض کو بھی نہیں تھا۔ لہٰذا ان کی حیرت بھی قابل دید تھی۔

"یہ تو بڑی عجیب و غریب بات بتائی تم نے؟" کاشف نے کہا۔ "یہ اس میڈم ڈولی کو تم سے اتنی ہمدردی کیسے ہو گئی؟ اس نے تمہاری جان بچانے کے لئے اپنے ساتھیوں کو موت کی وادی میں دھکیل دیا۔"

"حیرت تو مجھے بھی ہے۔ یہ درست ہے کہ وہ بڑے والہانہ اور پرخلوص انداز میں مجھ سے بات کرتی تھی لیکن میں نے اسے ہمیشہ اس کا پیشہ ورانہ ہتھکنڈا ہی سمجھا۔ خدا جانے اس نے اپنے گروہ کے مفاد کے خلاف یہ سنگین پیش قدمی کیوں کی۔" میں نے کہا۔

"اس نے یہ کارنامہ انجام دے کر آپ کی زندگی تو بچالی لیکن اب وہ خود خطرے کی زد میں ہے" خلیل کی بات نے ہمیں چونکا دیا تھا۔ "اس گروہ کے کارکنوں کا آپ کے تعاقب میں آنا اور پھر آپ کو قتل کرنے کی کوشش میں خود قتل ہو جانا ڈولی کو شک کی زد میں لا سکتا ہے بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ وہ یقینی طور پر مشکوک قرار پائے گی۔"

یہ بھی تو ممکن ہے وہ اپنے کارندوں کی ہلاکت کو ان کی ناقص کارکردگی اور ہماری

چابک دستی کی علامت سمجھیں۔" میں نے کمزور لہجے میں کہا۔ خلیل کی بات کو ان سنی کرنا آسان نہیں تھا۔ خلیل نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔ "آپ یہ فراموش کیوں کر رہے ہیں کہ وہ عام سے سیدھے سادے لوگ نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح کے پیشہ ور مجرم ہیں۔ اپنے دو سرگرم و مستعد کارکنوں کی موت نے انہیں انگاروں پر لوٹنے پر مجبور کر دیا ہو گا۔ وہ یقیناً اس واقعے کے تمام پہلوؤں کا گہری نظر سے جائزہ لیں گے۔ آپ نے سپر اسٹیٹ ایجنسی کے کارکن کی حیثیت سے ڈولی کے فلیٹ کا معائنہ کیا وہ دونوں مسلح افراد وہیں سے آپ کے پیچھے لگے تھے۔ پھر آپ نے اسٹیٹ ایجنٹ کی حیثیت سے ڈولی سے بات کی۔ ڈولی نے آپ کو خطرے سے آگاہ کرنے کے لئے اپنے ساتھ موجود شخص کے سامنے آپ کو اسٹیٹ ایجنٹ تسلیم کر کے آپ کو گزند نہ پہنچانے کی استدعا کی۔ اس کے فوراً بعد دونوں افراد مارے گئے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا کسی اسٹیٹ ایجنسی وغیرہ سے تعلق نہیں ہے مجھے یہ تو علم نہیں ہے کہ اس نام کی کوئی اسٹیٹ ایجنسی موجود بھی ہے تو وہ لوگ اسے کھنگال ڈالیں گے اور ثابت ہو جائے گا کہ ان کی طرف سے کسی کو فلیٹ کا سودا کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ ایسے میں سوال اٹھے گا کہ پھر کسی نے اور کیوں ڈولی کے خفیہ نمبر پر فون کیا اس کا ڈولی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

خلیل کی مدلل گفتگو دل کو لگتی تھی اور ڈولی نے مجھ پر جو احسان کیا تھا اس کے پیش نظر اس کے کسی ممکنہ خطرے کی زد میں آنے کا تصور خاصا پریشان کن تھا۔

"لیکن جہاں تک میرا اندازہ ہے اس گروہ میں ڈولی خاصے معتبر مقام کی حامل ہے۔ اگر اسے اپنے خطرے کی زد میں آنے کا خدشہ ہوتا تو وہ ایسی جسارت نہ کرتی۔" میں نے کہا۔

خلیل نے میری بات کی براہ راست تردید نہیں کی لیکن وہ زیادہ قائل نظر نہیں آ رہا تھا۔ "یہ خطرہ تو اپنی جگہ لیکن اگر ان لوگوں نے ڈولی اور آپ کی فون پر گفتگو ریکارڈنگ سن لی تو پھر کسی شک و شبے کی گنجائش ہی نہیں رہے گی اور یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔"

"اوہ! پھر تو واقعی ڈولی کی گردن میں پھندا پڑ جائے گا۔ میں نے اس سے اپنے اصل نام کی ساتھ بات کی تھی۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم اس صورتحال میں ڈولی کی کوئی مدد بھی نہیں کر سکتے کیونکہ اس کے موبائل فون نمبر کے علاوہ ہمارے پاس اس کا کوئی اتا پتا نہیں ہے اور موبائل فون پر اس سے رابطہ پہلے ہی مخدوش ہو چکا ہے۔ ڈولی اس گروہ تک پہنچنے کے لئے واحد رابطے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر ہم رابطہ کھو بیٹھے تو شاید کبھی ان لوگوں تک نہیں پہنچ پائیں گے اور ہمیں اشرف اور عمر کو فراموش کرنا پڑے گا۔

میری بات سن کر کمرے میں تشویش سے بھرپور خاموشی طاری ہو گئی۔ بالآخر خلیل

نے گفتگو آگے بڑھائی۔ "اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں ایک تجویز پیش کرنا چاہوں گا۔"

"آپ کے ذہن میں جو بھی بات ہے بلا جھجک بتائیں آپ کو کسی قسم کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ اب آپ ہم میں سے ایک ہیں۔" کاشف نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔ خلیل نے ایک نظر ہم سب پر ڈالی اور پھر گویا ہوا۔ "ہم لوگ اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ دانش بھائی کا فی الوقت ڈولی سے رابطہ قائم کرنا ڈولی کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ دانش بھائی کے بجائے اگر میں ڈولی سے رابطہ کروں تو بات آگے بڑھنے کی امید کی جا سکتی ہے۔ اور کچھ نہیں تو یہ اندازہ تو ہو ہی سکتا ہے کہ وہ لوگ ڈولی کی جانب سے کسی حد تک محتاط و مشکوک ہیں اور اس کی نگرانی کی جا رہی ہے یا نہیں۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟" میں نے وضاحت طلب نظروں سے خلیل کو دیکھا۔ "آپ اس سے کس حیثیت سے کیا بات کریں گے؟ کیا وہ یا اس کے گروہ کے دیگر ارکان آپ سے بات کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے؟"

"میں ڈولی سے اپنی اصل حیثیت یعنی اشتیاق کے باغی اور منحرف ساتھی کی حیثیت سے بات کروں گا یہ تو آپ سب جانتے ہی ہیں کہ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کا خاتمہ کرنے کے لئے بے تاب رہتے ہیں۔ اگر ڈولی کے ارد گرد اس وقت بھی کوئی ناقابل اعتبار شخص موجود ہوا تو میں خود کو اشتیاق کی زیادتیوں کا شکار ایسا شخص بنا کر پیش کروں گا جو اشتیاق سے انتقام لینے کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے اور میری مدد سے وہ اشتیاق کے گروہ کو نیست و نابود کر سکتے ہیں۔"

لیکن کیا وہ لوگ آپ کی بات کا یقین کر لیں گے؟" میں نے پوچھا میں اس کی تجویز کے قابل عمل ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں غور کر رہا تھا۔

"انہیں میری بات پر اعتبار کرنا پڑے گا کیونکہ میری زبان سے نکلنے والا ہر لفظ تقریباً" سچ ہو گا۔ میں انہیں بتاؤں گا کہ ڈولی کے فلیٹ پر آنے والے اور پھر ان کے کارندوں کو ٹھکانے لگانے والے افراد دراصل اشتیاق نے بھیجے تھے۔ اس طرح ان لوگوں کا ڈولی پر اعتماد بھی بحال ہو جائے گا۔"

خلیل کی تجویز خاصی حد تک قابل عمل تھی لیکن اس کی کامیابی کا دارومدار اس پر تھا کہ ڈولی کے گروہ کے سرکردہ افراد ہماری مرضی کے مطابق رد عمل کا مظاہرہ کرتے۔

"اور اگر انہوں نے پوچھ لیا کہ ڈولی کے موبائل فون کا نمبر آپ کے پاس کیسے آیا تو آپ کیا جواب دیں گے؟" میں نے سوال کیا۔ خلیل نے جواب میں شانے اچکا دیئے "میرا خیال ہے یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ نمبر اچھے وقتوں میں خود اشتیاق نے مجھے دیا تھا۔" خلیل مزید نہ جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا لیکن میرے ذہن میں اچانک

جھماکے سے ہونے لگے۔ میرے دماغ میں تیز رفتاری سے ایک منصوبہ پروان چڑھ رہا تھا۔

"ٹھہریں میں بتاتا ہوں۔" آپ کو اس فون نمبر کے حوالے سے کیا جواب دینا ہے۔ میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "آپ کی تجویز بے حد شاندار ہے۔ اسے مزید آگے بڑھا کر ہم ایک تیر سے دو شکار کر سکتے ہیں۔ اگر ڈولی واقعی میری سچی ہمدرد ہے تو وہ بھی ہمارا ساتھ دے سکتی ہے۔"

"میری تو بالکل سمجھ میں نہیں آرہا تم کیا کہہ رہے ہو۔" کاشف نے کہا "اگر تم ذرا کھل کر بات کرو تو مہربانی ہوگی۔"

"دیکھیں ہوگا یوں کی خلیل بھائی فون پر ڈولی سے بات کریں گے اور اسے یقین دلانے کی کوشش کریں گے کہ اب ان کی زندگی کا مقصد اشتیاق کو زیادہ سے زیادہ زک پہنچانا ہے اور یہ کہ اگر وہ لوگ انہیں اپنے گروہ میں شامل کرلیں تو یہ اشتیاق کے گروہ کے تقریباً" تمام ٹھکانوں کے پتے ان کے حوالے کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے وہ لوگ اتنی آسانی سے خلیل بھائی کی باتوں کا اعتبار نہیں کریں گے چنانچہ ان کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے یہ رضا کارانہ طور پر اشتیاق کے گروہ کے تمام بڑے ٹھکانوں کے پتے ان کے حوالے کردیں گے۔

اس کے بعد خواہ وہ لوگ ڈولی کے موبائل فون کے نمبر کے حوالے سے سوال کریں یا نہ کریں، خلیل بھائی خود ہی سرسری انداز میں بتا دیں گے کہ یہ فون نمبر انہیں اشتیاق کے پاس موجود ایک ڈائری سے ملا ہے جس میں فون نمبر کے علاوہ ڈولی اور اس کے ساتھیوں کے پتے اور بے شمار دیگر معمولی اور غیر معمولی معلومات بھی درج ہیں جنہیں یہ تفصیل سے نہیں دیکھ سکے البتہ ان کی رائے کے مطابق اشتیاق ان معلومات کے سہارے اپنے مخالف گروہ کو جڑ سے ختم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ڈائری کا ذکر سن کر ان لوگوں میں کھلبلی مچ جائے گی۔ اس ڈائری کا اشتیاق کے قبضے میں ہونا ان کی بقاء کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔ چنانچہ وہ خلیل بھائی سے پوچھیں گے کہ اشتیاق اس ڈائری کے ہمراہ کس ٹھکانے پر پناہ گزین ہے خلیل بھائی بتائیں گے کہ اشتیاق ان سبھی ٹھکانوں پر وقتاً" فوقتاً" موجود ہوتا ہے۔ کاٹن ایکسپورٹ کرنے والی ایجنسی کی تباہی کے بعد وہ مسلسل روپوشی کی زندگی گزار رہا ہے۔ ڈائری ان لوگوں کے لئے اتنی اہمیت رکھتی ہے کہ وہ پہلی فرصت میں اشتیاق کی تلاش میں ان ٹھکانوں پر ہلہ بول دیں گے اور انہیں تہس نہس کر دیں گے۔ اس طرح اشتیاق کے گروہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا اور ایک طرح ان کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔ اس کے بعد ہم ڈولی کے گروہ سے نبٹنے کی تیاری کریں گے۔ اگر ڈولی نے ہمارا ساتھ دیا تو ہم یہ کٹھن کام بھی سرانجام دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"تم لوگوں کا ترتیب دیا ہوا منصوبہ واقعی زبردست اور قابل عمل ہے۔" کاشف نے مسرور لہجے میں کہا۔" اس طرح کم از کم اشتیاق کے گروہ کا تو مکمل قلع قمع ہو جائے گا اور

وہ بھی ان کے ہم پیشہ افراد کے ہاتھوں۔ "یعنی ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا آئے۔" میرا خیال ہے اس منصوبے پر بلا تاخیر عمل شروع ہو سکتا ہے۔

"جی ہاں، ہمیں دیر نہیں کرنا چاہیے۔" میں نے کہا "لیکن سب سے پہلے ہمیں ایک ایسے فون کی ضرورت ہے جس پر بلا خوف و خطر ڈولی سے رابطہ قائم کر سکیں۔"

"آپ اس کی فکر نہ کریں۔ میں ابھی اس کا انتظام کر دوں گا۔ میں اپنے دوست کا موبائل فون لے آتا ہوں۔ ہم اسے جب تک چاہیں اپنے استعمال میں رکھ سکتے ہیں۔" ریاض نے پر جوش لہجے میں بتایا۔ وہ بات مکمل ہوتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور باہر نکل گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ایک گھنٹے میں موبائل فون سمیت واپس لوٹ آئے گا۔ اس کے جانے کے بعد ہم منصوبے کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے رہے۔ اس میں چند جزوی ترمیم و اضافے بھی کئے گئے۔ گھنٹے بھر بعد ریاض واپس لوٹا تو جدید قسم کا ایک موبائل فون اس کے ہمراہ تھا۔ میں نے خلیل کو ڈولی کا موبائل فون بتایا اور اپنے باقی ساتھیوں کو بالکل خاموش رہنے کی ہدایت کی۔

فون خود ڈولی نے اٹینڈ کیا۔ خلیل نے اپنا تعارف کرایا۔ "شاید آپ مجھے پہلے سے جانتی ہوں۔ میں اشتیاق کے قریبی ساتھیوں میں سے ایک ہوں۔"

"دیکھو مسٹر تم جو کوئی بھی ہو میرے لئے بالکل اجنبی ہو اور میں اجنبیوں سے بات کرنے کی قائل نہیں ہوں۔ اس کے علاوہ میں اشتیاق نامی کسی شخص کو بھی نہیں جانتی۔ یہ صاحب کون ہیں اور کیا کرتے ہیں؟"

"دیکھیں میڈم میں جانتا ہوں کہ اشتیاق کی کمپنی اور آپ لوگوں کا کاروبار تقریباً" ایک ہی ہے۔ میں نے شدید اختلاف کی بنیاد پر اشتیاق کی کمپنی سے قطع تعلق کر لیا ہے اور اب میں آپ کی کمپنی میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ میں آپ کے لئے بہترین خدمات انجام دے سکتا ہوں۔"

"ہماری کمپنی اس طرح سنی سنائی باتوں پر عملہ بھرتی نہیں کرتی مسٹر خلیل بہرحال میں آپ کے کیس کے بارے میں اوپر والوں سے بات کروں گی اور درخواست کروں گی کہ اس پر ہمدردی سے غور کیا جائے۔ اب آپ یہ بتائیے کہ میرا یہ فون نمبر آپ کو کس نے دیا؟" ڈولی بہت غیر جذباتی اور محتاط لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"آپ یہ سمجھیں کہ یہ نمبر مجھے خود اشتیاق نے دیا ہے۔ میں جانتا ہوں ان دنوں وہ آپ کو اپنی کمپنی میں شامل کرنے کے لئے بے تاب ہے۔ اس سلسلے میں وہ آپ کے گھر بھی آیا تھا اور واپسی پر آپ کے ساتھیوں سے اس کی تلخ کلامی بھی ہوئی تھی۔"

"اوہ...... کیا آپ دانش کے ساتھی ہیں؟ کیا وہ اس وقت بھی آپ کے پاس موجود ہے؟ پلیز میری اس سے بات کروائیں۔ اس سے کہیں کہ فی الحال خطرے کی کوئی بات نہیں

ہے۔" ڈولی کا لہجہ یک لخت پرجوش ہو گیا۔ میں ان دونوں کی گفتگو کا ایک ایک لفظ بغور سن رہا تھا۔ میں نے فون خلیل کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ڈولی میں دانش بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ..... دانش تم خیریت سے ہو ناں؟ ان دونوں نے تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا ناں۔" اس نے بے تابی سے پوچھا۔ میں نے اسے تسلی دی۔ "میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ تمہاری بروقت مدد نے مجھے بچا لیا ورنہ آج میرا کام تو ہو گیا تھا۔"

"ان دونوں کو تمہیں دیکھتے ہی قتل کر دینے کے احکامات دیئے گئے تھے مجھے یقین تھا کہ تم اپنا دفاع کرنے اور ان دونوں کو جہنم رسید کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے اور میرا یہ یقین درست ثابت ہوا لیکن میں تمہیں یہ ہدایت ضرور کرنا چاہوں گی کہ مجھ سے بار بار رابطہ کرنا تمہارے اور میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے وہ لوگ مجھ پر اندھا اعتماد کرتے ہیں لیکن انہیں مشکوک ہونے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ مجھے ابھی تک یہ اندازہ نہیں کہ تمہارا تعاقب کرنے والے کارندوں کی موت پر ان کا کیا ردعمل ہے لیکن میں تمہیں سخت احتیاط کا مشورہ دوں گی۔"

"ڈولی کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہیں مجھ سے اتنی ہمدردی کیسے ہو گئی کہ مجھے بچانے کے لیے تم اپنے گروہ کا مفاد داؤ پر لگانے اور اپنی زندگی خطرے میں ڈالنے پر آمادہ ہو گئی ہو؟ میری بات سن کر وہ یک دم خاموش ہو گئی۔ خاصے توقف کے بعد اس نے کہا "کاش یہ بات خود مجھے بھی معلوم ہوتی۔ بہر حال تم صرف اتنا سمجھ لو کہ میں تمہیں ہر قیمت پر زندہ سلامت اور خوش و خرم دیکھنا چاہتی ہوں اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لئے میں کوئی بھی قربانی دے سکتی ہوں۔ جہاں تک گروپ کے مفاد کی بات ہے تو تمہارے قتل کے احکامات جاری ہونے کے بعد مجھے ان لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ میں اگرچہ خود بھی طویل عرصے سے اس گروپ کا حصہ ہوں لیکن میری یہ وابستگی ایک طرح سے میری مجبوری تھی۔ میں اپنی پارسائی جتانا نہیں چاہتی لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں اس گروپ کو ایک ایسا خونخوار درندہ سمجھتی رہی ہوں جسے جس قدر جلد ٹھکانے لگا دیا جائے بہتر ہو گا۔"

"اس کا مطلب ہے اگر میں اور میرے ساتھی اس گروپ کے خلاف کارروائی کریں تو ہمیں تمہاری مدد حاصل ہو سکتی ہے؟ میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"ہاں .... شاید اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ اس سرگرمی سے تمہیں تلاش کرتے رہے تو تم بالآخر ان کا نشانہ بن جاؤ گے۔ اس کے بعد شاید مجھے بھی اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی نہ رہے۔...... "ڈولی کے لہجے میں مسرت و یاس کی عجیب سی کیفیت تھی میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی یہ باتیں سن کر کیا ردعمل ظاہر کروں مجھے شدید خفت محسوس ہو رہی تھی چنانچہ میں نے جلدی سے بات بدل دی۔ "ہم لوگوں

نے ان دونوں گروہوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کے لئے حکمت عملی ترتیب دی ہے لیکن یہ سب باتیں فون پر نہیں ہو سکتیں۔ میں تم سے جلد ملنا چاہتا ہوں۔ تم بتاؤ کہ ہم کہاں ملاقات کر سکتے ہیں؟ تمہارے کہیں آنے جانے پر کوئی پابندی تو عائد نہیں ہے؟"

"میں اپنی مرضی سے بغیر کسی روک ٹوک کے جہاں چاہوں آ جا سکتی ہوں لیکن ملاقات کی جگہ کا تعین تم کرو تو زیادہ بہتر ہو گا۔ تم جب اور جہاں کہو گے میں پہنچ جاؤں گی۔"

"کیا تم اب سے ٹھیک دو گھنٹے بعد سہراب گوٹھ پہنچ سکتی ہو؟" میں نے پوچھا' ڈولی نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے اسے دو گھنٹے بعد سہراب گوٹھ کے قریب ایک مخصوص مقام پر پہنچنے کی ہدایت کی اور رابطہ منقطع کر دیا۔ میرے ساتھی ہماری گفتگو کا متن خاصی حد تک سمجھ چکے تھے۔ میں نے انہیں پوری صورتحال بتا دی اور ان کا مشورہ مانگا۔

"صرف ایک بات.... ہم ان خاتون پر کس حد تک بھروسا کر سکتے ہیں؟ ممکن ہے انہوں نے کسی جذباتی کیفیت میں آپ کی زندگی بچانے کی کوشش کی ہو لیکن کیا وہ اپنے گروہ کے خاتمے کے لیے ہماری مدد کرنے پر آمادہ ہو جائیں گی؟ ممکن ہے اس کے گروہ کے افراد بھی اس کے تعاقب میں چلے آئیں۔" خلیل نے کہا۔

"میں ذاتی طور پر ڈولی کو قابل اعتماد سمجھتا ہوں لیکن میں آپ کے خدشات کو بے بنیاد قرار نہیں دے سکتا' اس کے باوجود ہمیں یہ خطرہ مول لینا ہی پڑے گا البتہ ہم احتیاطاً یہ ضرور کریں گے کہ اس دوران میں ہم دونوں مسلسل آپ لوگوں کی نظروں میں رہیں تاکہ ضرورت پڑنے پر آپ فوری مدد کو پہنچ سکیں۔"

وقت مقررہ پر میں سہراب گوٹھ کے قریب مخصوص مقام پر موجود تھا۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر پجیرو میں خلیل' عمیر' شعیب اور ریاض بھی موجود تھے۔ ڈولی بالکل صحیح ٹائم پر پہنچی۔ سرخ کرولا جوں ہی پاس آ کر ٹھہری میں دروازہ کھول کر ڈولی کے ساتھ والی سیٹ پر قابض ہو گیا۔

"راستے میں تمہارا تعاقب تو نہیں کیا گیا؟" میں نے پوچھا۔ ڈولی نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"ابھی تک تو ایسی کوئی بات نہیں تھی لیکن اب معاملہ مختلف ہے۔"

"اس گاڑی کی تم فکر نہ کرو۔ اس میں میرے ساتھی ہیں۔ وہ ہماری حفاظت کی لیے ہمارے ساتھ چل رہے ہیں۔" میں نے اسے تسلی دی تو وہ مطمئن نظر آنے لگی۔ میں اسے راستہ بتاتا رہا چند ہی منٹوں میں ہم نائمہ کے فلیٹ والی بلڈنگ کے احاطے میں داخل ہو گئے۔ میں نے ڈولی کو ساتھ لیا اور نائمہ کے فلیٹ کی کال بیل بجا دی۔" یہاں ہم بے فکر ہو کر بات کر سکتے ہیں اور....؟ اس اثناء میں فلیٹ کا دروازہ کھل گیا لیکن دروازہ کھولنے والا

ادھیڑ عمر شخص میرے لئے قطعاً" اجنبی تھا۔ "جی ہمیں نائمہ صاحبہ سے ملنا ہے' آپ...."

"میں اس فلیٹ کا نیا مالک ہوں' نائمہ نے یہ فلیٹ مجھے فروخت کر دیا ہے۔" اس شخص کی بات سن کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ میرے معلوم کرنے پر اس شخص نے بتایا کہ نائمہ نے کچھ عرصہ پہلے یہ فلیٹ اس شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ اس نے فلیٹ خالی کرنے کے لئے ایک مہینے کی مہلت مانگی تھی' جوں ہی یہ مدت پوری ہوئی وہ یہ فلیٹ چھوڑ کر چلی گئی۔ ان خاتون کو ہنگامی طور پر بہت بڑی رقم کی ضرورت پڑ گئی تھی چنانچہ انہوں نے مارکیٹ سے کچھ کم ریٹ پر یہ فلیٹ مجھے فروخت کر دیا۔ یہ فلیٹ بیچنے کے باوجود ان کی مطلوبہ رقم پوری نہیں ہوئی تھی لہٰذا انہوں نے کسی اور علاقے میں بھی اپنی جائیداد فروخت کی تھی۔

"کیا آپ بتا سکتے ہیں انہیں کتنی رقم کی ضرورت تھی؟" میں نے حیرت سے پوچھا

"ہاں! انہوں نے باتوں باتوں میں ذکر کیا تھا کہ انہیں چند دن کے اندر اندر پانچ لاکھ روپے اکٹھے کرنے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ ملک سے باہر جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔"

اچانک ساری صورت حال میری سمجھ میں آگئی۔ میں نے ان صاحب کا شکریہ ادا کیا اور ڈولی کے ہمراہ واپس گاڑی میں آگیا۔ "یہ خاتون کون تھیں اور اس طرح بغیر اطلاع دیئے کہاں غائب ہو گئیں؟ ڈولی نے پوچھا۔

"پہلے تم یہ بتاؤ کہ کیا تم لوگ میرے غائب ہونے کے بعد میرے بینک اکاؤنٹ پر بھی نظر رکھتے تھے؟"

"ظاہر بات ہے اگر تم بینک سے رقم نکلوانے کی کوشش کرتے تو فوراً" ہماری نظروں میں آ جاتے۔ اس بات کا تمہیں بھی اندازہ تھا اس لئے تم نے دوبارہ بینک کا رخ نہیں کیا لیکن اس بات کا ان خاتون سے کیا تعلق ہے؟"

"بہت گہرا تعلق ہے محترمہ" میں نے اپنی جذباتی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اچانک پانچ لاکھ روپے کی سخت ضرورت پڑ گئی تھی میں خود کو خطرے میں ڈال کر یہ رقم اپنے اکاؤنٹ سے نکلوانا چاہتا تھا لیکن ان خاتون نے جن کا مجھ سے کوئی ظاہری رشتہ نہیں ہے' یوں ظاہر کیا کہ وہ یہ رقم اپنے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا کر میرے حوالے کر دے گی تاکہ مجھے براہ راست کسی خطرے کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ چند دن بعد اس نے پورے پانچ لاکھ روپے میرے حوالے کر دیئے اور یہ ظاہر کیا کہ یہ میری رقم ہے جو اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہو گئی۔"

"اوہ...... اس کا مطلب ہے کہ وہ سچ مچ بہت گریٹ..... بہت عظیم خاتون ہیں۔ آج کے دور میں ایسے مخلص لوگ کہاں ملتے ہیں جو کسی کو تکلیف سے بچانے کے لئے خود نقصان برداشت کر لیں۔ اس سے ان کی آپ سے گہری وابستگی بھی ظاہر ہوتی ہے۔"

"ہاں وہ بہت عظیم اور خلوص کا پیکر ہے۔ وہ مجھے احسان کے بوجھ تلے دبا نہیں دیکھنا چاہتی تھی لہٰذا خاموشی سے روپوش ہو گئی۔ اب شاید وہ کبھی میرے سامنے نہ آئے اگر وہ مجھ سے رابطہ رکھنا چاہتی تو اپنے فلیٹ کے نئے مالک کو اپنا پتا دے کر ضرور جاتی۔"

نائمہ کے فلیٹ سے پلٹنے کے بعد ڈولی اور میں گاڑی پر یونیورسٹی روڈ کے چکر لگاتے رہے۔ اس دوران میں نے ڈولی کو اشتیاق کے گروہ اور ڈولی کے گروہ کے ٹکراؤ کے بارے میں وضع کردہ حکمت عملی سے آگاہ کر دیا۔ اس نے بھی اسے پسند کیا۔ "تم تین گھنٹے بعد خلیل سے مجھے فون کراؤ' اس وقت تک میں اپنے گروہ کے سرکردہ افراد کے پاس پہنچ چکی ہوں گی۔ اول تو یہ کہانی کافی طاقت ور ہے اس پر میں بھی اپنا رسوخ استعمال کروں گی۔ اور اپنے سینئرز کو اشتیاق کے ٹھکانوں پر فوری حملے کے لئے راضی کر لوں گی۔ مجھے یقین ہے اگلے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر یہ سب ٹھکانے نیست و نابود ہو چکے ہوں گے۔ جہاں تک تمہارے ساتھیوں عمر اور اشرف کا تعلق ہے تم بے فکر ہو جاؤ۔ وہ بالکل محفوظ اور صحیح سلامت ہیں۔ انہیں آزادی دلانا میری ذمے داری ہے اس آپریشن کے فوراً" بعد وہ تم لوگوں کے پاس پہنچ جائیں گے۔ تم ایک کارروائی اور کرو۔ میں جوں ہی فون پر تمہیں اشارہ دوں تم اپنے ساتھ خلیل کے ذریعے اشتیاق کے تمام ٹھکانوں پر میرے ساتھیوں کے ممکنہ حملے کی خبر پہنچا دو تاکہ وہ بھی اپنے دفاع کے لئے پوری طرح تیار رہیں۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ گیا۔ تم چاہتی ہو کہ اشتیاق کے گروہ کے علاوہ حملہ آور گروہ کو بھی شدید نقصان اٹھانا پڑے؟" میں نے خوش ہو کر پوچھا۔

ڈولی نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ "یہ لوگ بھی تو عوام کو کسی نہ کسی بہانے آپس میں لڑاتے رہتے ہیں۔ اب انہیں خود بھی ایک دوسرے کے خون کا مزہ چکھنا چاہیے بلکہ میں تو کہوں گی کہ عین اس حملے کے وقت پولیس کو بھی صورت حال کی اطلاع دے دی جائے تاکہ ان میں سے بچے کھچے بدمعاش پولیس کی بھینٹ چڑھ جائیں۔"

"ہاں ہاں بالکل ہم یہ بھی کریں گے۔ فی الحال تو میں جلد از جلد یہ خوش خبری اپنے دوستوں کو سنانا چاہتا ہوں کہ عمر اور اشرف زندہ ہیں اور بہت جلد آزاد ہونے والے ہیں۔" میں نے گاڑی ایک طرف رکواتے ہوئے کہا۔ عمر اور اشرف کی سلامتی کی خبر پا کر میرے تمام دوستوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ خصوصاً" عمیر کی تو خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔ میں نے ڈولی سے ہونے والی تمام گفتگو تفصیل سے گوش گزار کر دی۔ انہوں نے بھی ڈولی کی تجاویز پسند کیں۔ تین گھنٹے پورے ہونے پر خلیل نے ڈولی کے موبائل فون کا نمبر ملایا۔ ڈولی کے کہنے کے مطابق اس وقت دو تین اجنبی افراد بھی ڈولی کے پاس موجود تھے۔ ابتداء میں تو خلیل کی بات کو وہ لوگ اہمیت دینے کو تیار نہیں تھے۔ پھر جب خلیل نے ڈائری میں درج معلومات کا ذکر کیا تو وہ سب چونک پڑے اور پوری طرح خلیل کی طرف متوجہ ہو گئے۔

انہوں نے خلیل کی سچائی آزمانے کے لئے بار بار تابڑ توڑ حملے کئے لیکن متعدد مرتبہ کی گئی مشق اور اپنے تجربے کے باعث خلیل انہیں مطمئن کرنے میں کامیاب رہا۔ خلیل نے اشتیاق کے منتخب ٹھکانوں کے پتے انہیں دے دیئے اور یقین دلایا کہ اگر وہ لوگ اسے اپنے گروہ میں شامل کرلیں یا اس کی مطلوبہ رقم دس لاکھ روپے اس کے حوالے کر دیں تو وہ اس سے بھی زیادہ قیمتی معلومات ان کے حوالے کر سکتا ہے۔ ان لوگوں نے اس کی بات پر غور کرنے کا وعدہ کیا اور اسے دو دن بعد رابطہ کرنے کی ہدایت کی۔

تین گھنٹے کے شدید انتظار کے بعد بالاخر ڈولی کا فون آگیا۔ "مبارک ہو۔ وہ لوگ تمہارے منصوبے کے عین مطابق عمل کر رہے ہیں۔ اشتیاق کے ٹھکانوں پر حملے کے لئے دستے ترتیب دیئے جا چکے ہیں جو بھاری اسلحے سے لیس ہیں۔ انہیں اشتیاق کے تمام کارندوں کا تیا پانچا کرنے اور ٹھکانوں کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ لوگ وہاں اشتیاق اور اس کے پاس موجود ڈائری کو بھی تلاش کریں گے۔ ویسے اب ان لوگوں کو ڈائری کی زیادہ فکر نہیں ہے کیونکہ تمام ٹھکانے بدلے جا چکے ہیں اور کاروباری سرگرمیاں بھی عارضی طور پر معطل ہیں۔ حملے کے لیے دس گھنٹے بعد کا وقت مقرر کیا گیا ہے۔" ڈولی نے پرجوش لہجے میں بتایا۔

"اور عمر اور اشرف کب رہا ہوں گے؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"یہ حملے ہونے کے دو گھنٹے بعد وہ تمہیں سہراب گوٹھ پر اسی جگہ ملیں گے جہاں ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ میں انہیں ان حملوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ہنگامی صورت حال کی آڑ میں رہا کراؤں گی۔"

"اشتیاق کا گروہ تو اس کارروائی کے بعد تقریباً ختم ہو جائے گا لیکن تمہارے گروہ کا کیا بنے گا؟ ان حملوں میں دونوں اطراف سے کام کرنے والے زیادہ تر افراد محض کھلونوں کی مانند ہوں گے۔ یہ کھلونے تباہ بھی ہو جائیں تو کیا فرق پڑے گا۔ چابی دینے والے ہاتھ نئے کھلونوں کا انتظام کرلیں گے۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں کسی مناسب موقع کی منتظر ہوں۔ جیسے ہی مجھے یہ موقع ملا میں اس گروہ کے تمام سرکردہ افراد کو ایک ساتھ جہنم رسید کروں گی۔ ویسے نیکی اور بدی کی یہ جنگ تو ازل سے ہے۔ اور ابد تک جاری رہے گی۔ برائی عارضی طور پر تو حاوی ہو سکتی ہے لیکن بالاخر اچھائی کی طاقت ہی غالب رہتی ہے۔ اب میں اس وقت فون کروں گی جب اس کارروائی کا کوئی نتیجہ برآمد ہو چکا ہو گا۔"

حملے کے مقررہ وقت سے چار گھنٹے پہلے خلیل نے اشتیاق کے گروہ کے ٹھکانوں پر باری باری فون کر کے ممکنہ حملے سے خبردار کرتے ہوئے دفاع کی تیاریوں کی ہدایات کیں۔ وہ لوگ خلیل سے بخوبی واقف تھے اور جب خلیل نے ان حملوں کو روئی کے گودام پر حملے کا

تسلسل قرار دیا تو اس کی بات پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیا۔ تین گھنٹے بعد یعنی حملوں سے گھنٹہ بھر پہلے ہم نے متعلقہ تھانوں کو بھی ممکنہ وارداتوں کے بارے میں اطلاع دی لیکن بدقسمتی سے ہمیں حوصلہ افزاء رد عمل نہیں ملا۔ ان میں سے کوئی بھی ہماری اطلاع کو سنجیدگی سے لینے اور اس پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھا۔ ان کی ایک ہی رٹ تھی کہ پہلے ہم اپنا نام پتا اور فون نمبر بتائیں تاکہ وہ جوابی فون کر کے ہماری اطلاع کی صحت کا یقین کر سکیں۔ تھک ہار کر ہم نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

آخری گھنٹہ ہم سب کے لئے بے حد صبر آزما ثابت ہوا۔ ہر گزرتا سیکنڈ ہمیں وقت کی سست رفتاری کا احساس دلا رہا تھا۔ خدا جانے ڈولی کے گروہ کی کارروائی مقررہ وقت پر شروع بھی ہو پائے گی یا نہیں؟ ہم یہی سوچ رہے تھے۔ طے شدہ وقت سے محض تین منٹ پہلے خلیل نے اشتیاق کے ایک اڈے کا نمبر ملایا۔ فون اٹھانے والا اتفاق سے خلیل کا واقف کار نکلا۔ اس نے خلیل کو بتایا کہ وہ لوگ ہر طرح کی صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔ ان دونوں کی گفتگو جاری تھی کہ مقررہ وقت سر پر آن پہنچا اس کے ساتھ ہی خلیل نے رابطہ منقطع کر دیا۔ اس نے پرجوش لہجے میں بتایا کہ اڈے پر حملے کی ابتدا ہو چکی ہے۔ اس نے فون پر زبردست فائرنگ اور بم کے دھماکوں کی آواز سنی تھی۔

ہم لوگ ایک بار پھر انتظار کی اذیت میں مبتلا ہو گئے۔ ڈولی نے کہا تھا کہ صورت حال کے فیصلہ کن رخ اختیار کرتے ہی وہ خود ہم سے رابطہ کرے گی۔ عمر اور اشرف کی واپسی میں بھی دو گھنٹے سے کچھ کم وقت باقی تھا۔ نصف گھنٹہ گزرا پھر ایک گھنٹہ گزر گیا۔ مسلسل انتظار سے تنگ آکر خلیل نے ایک بار پھر فون سنبھال لیا۔ اس نے یکے بعد دیگرے اشتیاق کے کئی اڈوں پر فون کیا لیکن کسی بھی جگہ سے فون اٹینڈ نہیں کیا گیا۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ان جگہوں پر کسی کو بھی فون اٹھانے کا ہوش یا فرصت نہیں ہے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ لوگ وہاں سے فرار ہو چکے ہوں یا اگلے جہاں روانہ ہو گئے ہوں۔ تھک ہار کر خلیل نے موبائل فون کو ایک بار پھر چارجر پر لگا دیا۔

دو گھنٹے پورے ہونے سے پچیس منٹ پہلے فون کی بیل بج اٹھی۔ میں نے جلدی سے فون اٹینڈ کیا۔ وہ ڈولی ہی تھی۔ تمہارے دونوں ساتھی سہراب گوٹھ پہنچنے والے ہوں گے۔ اب میں تین چار دن بعد تم سے رابطہ کروں گی۔

"سنو یہ تو بتاؤ کہ اشتیاق کے اڈوں پر حملوں کا کیا نتیجہ نکلا؟"

"ہماری توقع کے مطابق بلکہ اس سے بھی زیادہ شاندار' اشتیاق کے کارندوں نے اتنی زبردست مزاحمت کا مظاہرہ کیا کہ میرے ساتھیوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ ابتداء میں انہیں اشتیاق کے کارندوں کے ہاتھوں زبردست جانی نقصان اٹھانا پڑا لیکن پھر اپنی بے پناہ طاقت مہارت اور اسلحے کے بل بوتے پر وہ اپنے حریفوں پر غالب آتے چلے گئے۔ اشتیاق

کے کارندوں میں سے شاید ہی کوئی زندہ بچا ہو۔ یہ تصادم اتنی طوالت اختیار کر گیا تھا کہ بادل نخواستہ پولیس کو بھی مداخلت کرنا پڑی جس کا نقصان میرے ساتھیوں کو ہوا۔ وہ پولیس اور اشتیاق کے کارندوں کے درمیان سینڈوچ بن گئے تھے۔ چنانچہ انہیں اشتیاق کے اڈوں پر آخری یلغار کرنے کے بعد موقع واردات سے فرار ہونا پڑا لیکن وہ بمشکل ایک چوتھائی تعداد میں واپس لوٹے ہیں۔ اتنے بڑے نقصان نے میرے گروہ کے سرکردہ افراد کو غم و غصے سے نیم دیوانہ بنا ڈالا ہے۔ وہ تمہارے ساتھی خلیل کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ خلیل نے انہیں ڈبل کراس کیا ہے۔ تم لوگ کچھ دنوں کے لئے کسی محفوظ ٹھکانے تک محدود ہو جاؤ۔ صورت حال بہتر ہوتے ہی میں تمہیں اطلاع دے دوں گی" میں نے ڈولی کی ہدایات پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور رابطہ ختم کر دیا۔

کچھ دیر بعد ریاض اور دیگر ساتھی عمر اور اشرف کو لے کے آگئے۔ وہ دونوں خاصے کمزور نظر آرہے تھے تاہم ان کی حالت کاشف سے بہتر تھی۔ ہم سب کی خوشیوں کا ٹھکانا نہیں تھا۔ عمر اور اشرف نے بتایا کہ ان دونوں کو زخمی عمیر کے پاس سے گھر جانے کے خاصی دیر بعد ان کے گھروں کے پاس سے اغواء کیا گیا تھا۔ یہ ہسپتال پر حملے کے کئی گھنٹوں بعد کی بات تھی۔ جبکہ ڈولی نے بتایا تھا کہ انہیں ہسپتال پر حملے سے پہلے ہی اغوا کیا جا چکا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ ڈولی نے ان دونوں کے پتوں پر اپنے ساتھیوں کو ان کی خیریت سے آگاہ ہونے کے لئے نہیں بلکہ انہیں اغواء کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ عمر اور اشرف نے بتایا کہ ابتداء میں ان پر خاصا تشدد کیا گیا تھا تاکہ وہ میرے پاس موجود کسی ڈائری کا پتا بتا دیں لیکن پھر انہیں اعتبار آگیا کہ وہ اس ڈائری کے بارے میں کچھ علم نہیں رکھتے۔ چنانچہ ان پر تشدد بند کر دیا گیا۔ البتہ وہ بدستور ان کی قید میں رہے۔

وہ لوگ ہمارے بدلے میں آپ سے ڈائری حاصل کرنا چاہتے تھے اور اس کے لئے کسی مناسب وقت کے منتظر تھے۔ میرے پوچھنے پر انہوں نے تصدیق کی کہ ان پر تشدد ختم کرانے اور پھر بہت سی سہولیات فراہم کرانے میں ڈولی کا ہاتھ تھا اور ڈولی ہی نے انہیں رہائی دلا کر ٹیکسی کے ذریعے سہراب گوٹھ بھجوایا تھا۔

صورت حال کا یہ رخ میرے لئے خاصا اطمینان بخش تھا۔ میں بالاخر اپنے ساتھیوں کو ایک بار پھر صحیح سلامت حالت میں یکجا کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ میں خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا البتہ نائمہ کا ایثار اور خلوص مجھے بار بار اس کی یاد دلا دیتا تھا۔ فراغت کے ان چند دنوں میں مجھے شدت سے اپنے امی ابو کی کمی محسوس ہوتی رہی خدا جانے امی امریکہ میں کس حال میں ہوں گی۔ ان کے بارے میں مجھے کوئی اطلاع نہیں مل سکی تھی۔ ملتی بھی کیسے؟ میں کب کسی ایک ٹھکانے پر ٹک کر بیٹھا تھا۔ ہنگامے اور حادثے ہر لمحہ میرا تعاقب کرتے رہے تھے۔ امی اور ابو کے بارے میں اگر کوئی اطلاع آئی بھی ہو گی تو اس

کے بارے میں صرف خدیجہ اور اس کے گھر والوں کو علم ہو سکتا تھا۔ خدیجہ کا خیال آتے ہی میرا دل چاہا کہ ابھی اور اسی وقت اڑ کر اس کے پاس گھوٹکی پہنچ جاؤں مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ خدیجہ کی محبت میرے دل میں پوری طرح گھر کر چکی ہے۔ اسے میری امی اور ابو نے میرے لئے منتخب کیا تھا اور امی کے اس انتخاب سے میں بے حد خوش تھا۔

چند دن بعد مجھے ڈولی کا فون موصول ہوا۔ خلاف معمول وہ بے حد سنجیدہ بلکہ رنجیدہ محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے مجھے ملاقات کے لئے سہراب گوٹھ آنے کو کہا۔ "اپنے ساتھ وہ سگنلر نما پلاسٹک ایکسپلوسیو بم بھی لیتے آنا جو تم لوگوں نے اشتیاق کی پجیرو سے برآمد کیا تھا" اس نے کہا۔ میں اس کی ہدایت کے مطابق مع پلاسٹک بم سہراب گوٹھ پہنچ گیا جہاں وہ میری منتظر تھی۔ اس کا رویہ قدرے سرد مہری کی جھلک لئے ہوئے تھا۔ "یہ بتا دو کہ تم اس بم کا کیا کرو گی؟"

"اس کا علم تمہیں اخبارات کے ذریعے ہو جائے گا۔ بس اتنا سمجھ لو کہ میں اپنے وعدے کے مطابق ان لوگوں پر کاری ضرب لگانے والی ہوں۔ اور ہاں یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔

میں اپنا کام مکمل ہوتے ہی ملک سے باہر چلی جاؤں گی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ اس کے روکھے رویے کے باعث میں اس سے مزید کچھ نہ پوچھ سکا اور وہ بم ساتھ لے کر رخصت ہو گئی۔

ڈولی کا کارنامہ دو دن بعد سامنے آیا۔ کراچی سے روانہ ہونے والا ایک تجارتی جہاز بین الاقوامی سمندری علاقے میں زبردست دھماکے کے نتیجے میں تباہ ہو کر سمندر میں غرق ہو گیا تھا۔ اخبارات کے مطابق جہاز پر موجود کوئی بھی شخص زندہ نہیں بچ سکا تھا۔ چند اخبارات میں قیاس آرائیاں کی گئی تھیں کہ یہ جہاز جرائم پیشہ افراد کی ملکیت تھا اور اسے اسمگلنگ وغیرہ کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کی تباہی کاروباری چپقلش کا نتیجہ ہو سکتی تھی۔

کاشف نے صحت مند ہونے کے بعد اپنے ساتھیوں کی مدد سے ایک بار پھر کراٹے کلب کھول لیا۔ اس نے اسکول کی ملازمت بھی دوبارہ جوائن کر لی تھی۔ البتہ میں اپنی ملازمت پر دوبارہ نہیں گیا۔ بہت سوچ بچار کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ کراچی مجھے راس نہیں آسکتا۔ میرے لئے اپنے والدین کے قدموں میں رہنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ گھوٹکی میں اپنی زمین پر محنت کر کے میں اتنی روزی تو کما سکتا تھا کہ اپنے والدین اور اپنی ہونے والی بیوی خدیجہ کا پیٹ پال سکوں۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ آخر اس ڈائری کا کیا بنا جس نے میری زندگی کو جہنم بنا ڈالا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں خود بھی نہیں جانتا کہ اس ڈائری کا کیا بنا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کے مشورے سے وہ ڈائری ایک معتبر ترین شخصیت کے ذریعے ایک حساس سرکاری

ادارے کے حوالے کر دی تھی۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ اس ڈائری کی ملکی سلامتی کے حوالے سے زبردست اہمیت تھی۔ اور اس میں درج معلومات سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے گا۔ بہرحال میرے لئے تو اصل اہمیت اس بات کی تھی کہ اس ڈائری سے نجات حاصل کر کے میں اپنی زندگی کا کھویا ہوا سکون اور امن و چین واپس حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور میرے لئے اس سے بڑی نعمت کوئی نہیں ہو سکتی۔

ختم شد